فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن)
فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحديث)

نجم الفتاوی

جدید

جلد رابع

کتاب النکاح (۱)

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تالیف:

حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن عفی عنہ
نگران شعبہ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)



ناشر
شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

7

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (القرآن) فإنما شفاء العي السؤال (الحديث)

نجم الفتاویٰ

جلد رابع

كتاب النكاح

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو

اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف: حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم

رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن

نگران شعبۂ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

کتاب کا نام : نجم الفتاویٰ

مؤلف : حضرت شیخ الحدیث مفتی سیّد نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء و مہتمم دار العلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب وتبویب : مفتی فرحان حسن عفی عنہ (استاذ دار العلوم یاسین القرآن)

کمپوزنگ : بھائی شکیل احمد صدیقی صاحب

سن اشاعت : 1437ھ بمطابق 2016ء

مطبع : ادارۂ طباعت 0333-2136180

ناشر : شعبۂ نشر واشاعت دار العلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)
0301-2113944, 0334-3957443

ملنے کے پتے:

ملک کے مشہور اسلامی کتب خانوں سے طلب فرمائیں!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اجمالی فہرست (نجم الفتاوی جلد رابع)

آئینہ عناوین

نجم الفتاوی جلد ۴

کتاب النکاح [۱]

فصل فی نکاح أهل الکتاب والفرق المختلفة

(اہل کتاب اور دیگر مذاہب اور فرقوں میں نکاح کا بیان)

كِتَابُ النِّكَاحِ [۱]

باب الحکم الشرعی للنکاح ومشروعیته

(نکاح کی شرعی حیثیت اور اسکی مشروعیت کا بیان)

(۱) نکاح کی مشروعیت کب ہوئی؟ نیز گزشتہ شرائع میں نکاح کا طریقہ کار کیا تھا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کی سنت کب جاری ہوئی؟ اور سابقہ شرائع میں اس کا کیا طریقہ تھا؟ خاص طور پر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح کیسے ہوا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے لغوی معنی دو چیزوں کو ملانا یا آپس میں تداخل کرنا ہے اور اصطلاح شریعت میں مرد وعورت میں سے ایک کا ایجاب اور دوسرے کا قبول کرنا یا ایک شخص کا کلام جو طرفین کے کلام کے قائم مقام ہو سکے، کو نکاح کہا جاتا ہے۔ نکاح کا حکم اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مرد کو اپنی بیوی کے تمام اعضاء سے فائدہ اٹھانے کیلئے مخصوص کر دیا جائے۔ نکاح کا مقصد اصلی توالد وتناسل اور پاکیزگی نفس وعفت کا حصول ہے۔ نکاح کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ نکاح کے اندر رکن اصلی ایجاب وقبول کرنا ہے جیسا کہ خرید وفروخت کے وقت اصل ایجاب وقبول ہوتا ہے، اس لئے کہ نکاح من وجہٍ ایک معاملہ ہے۔

نکاح کے حکم اور اس کے مقصد کی وضاحت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس حکم اور مقصد کیلئے نکاح کو مشروع قرار دیا گیا ہے وہ تمام انسانوں میں برابر پایا جاتا ہے۔ اسی علت کی بنیاد پر نکاح تمام مذاہب کے اندر جائز رہا ہے اور اسلام نے بھی کفار وغیر مسلمین کے وہ نکاح جو ان کے درمیان ان کے عقائد ونظریات کی بنیاد پر منعقد ہوئے ہوں ان کو روا رکھا ہے بلکہ زمانہ جاہلیت کے جو نکاح اسلام سے قبل ہوئے ان کو بھی شریعت نے نکاح ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ولدت من نکاح لا من سفاح"

''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، زنا سے نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ نکاح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے منعقد کیا ہے جیسا کہ تاریخ طبری اور المعجم فی ... الشرک والاسم من الروایات
میں ہے نیز حضرت آدم کی زوجیت قرآن کی اس آیت میں ارشاد ہے:

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرة: ۳۵)

نیز پچھلی امتوں کی شریعتوں میں بھی نکاح کا یہی طریقہ رہا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کا واقعہ قرآن
پاک میں مذکور ہے:

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ الآيَةَ

البتہ ان کی شرائط میں اختلاف ضرور ہے تاہم اس کی کیفیت ایجاب وقبول ہی رہی ہے شریعت اسلامیہ میں بھی نکاح کا ... مقرر کیا گیا ہے جس کی تفصیل آیات قرآنیہ اور کتب احادیث وفقہ میں موجود ہے ... تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نکاح انبیاء کرام کی سنت ہے اور آدم علیہ السلام سے لے کر تمام نکاح کا ... ایجاب وقبول رہا ہے یہی طریقہ انبیاء کرام کے نکاحوں کا اور دیگر تمام اقوام کا ... رائج رہا ہے۔

وفي روح المعاني (۲۰/۶۹): وقول شعيب عليه السلام: إني أريد أن أنكحك الآية ظاهر في أنه عرض الربيبة على موسى عليه السلام واستدعاء منه للعقد ... وقال بعضهم: يجوز أن تكون الشريعة مختلفة في أمر الإنكاح فعقد إنكاح المبهمة جائز في شريعة شعيب عليه السلام ويكون التعيين للولي أو للمرأة وكذا جعل خدمة الولي صداقا ... والذي يميل إليه القلب اختلاف الشريعة في موجب النكاح.

وفي تاريخ الطبري (۱/۱۰۴): عن ابن مسعود رضي الله عنه فأخرج إبليس من الجنة حين لعن وأسكن آدم الجنة فكان يمشي فيها وحشا ليس له زوج يسكن إليها فنام نومة فاستيقظ فإذا عند رأسه امرأة قاعدة خلقها الله من ضلعه فسألها ما أنت؟ قالت امرأة قال ولم خلقت؟ قالت لتسكن إلي قالت له الملائكة ... ما اسمها يا آدم؟ قال حواء. قالوا لم سميت حواء؟ قال لأنها خلقت من شيء حي فقال الله تبارك وتعالى يا آدم اسكن أنت وزوجك الجنة ... وبعد أسطر: حتى خلق الله تعالى من ضلعه تلك زوجه حواء فسواها امرأة ليسكن إليها فلما كشف عنه السنة وهب من نومته رآها إلى جنبه فقال فيما يزعمون والله أعلم لحمي ودمي وزوجتي فسكن إليها فلما زوجه الله عز وجل وجعل له سكنا من نفسه قال له الخ.

وفي الدر المختار (۳/۱۸۳): (كل نكاح صحيح بين المسلمين فهو صحيح بين أهل الكفر) خلافا

لما لك ويرده قوله تعالى {وامرأته حمالة الحطب} وقوله عليه الصلاة والسلام ولدت من نكاح لا من سفاح۔

وفي الردّ تحته: قوله { وامرأته حمالة الحطب } أي فهذه الإضافة قاضية عرفا ولغة بالنكاح۔۔۔ قوله (ولدت من نكاح لا من سفاح)۔۔۔وقد استدل بالحديث المذكور في الفتح أيضا ووجهه أنه سمى ما وجد قبل الإسلام من أنكحة الجاهلية نكاحا۔

(۲) نکاح کی شرعی حیثیت (یعنی نکاح کا مسنون، واجب اور حرام ہونا)

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص نے تمام عمر شادی نہیں کی یا عورت نے شادی نہیں کی کیا وہ گناہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ شادی کرنا اسلام میں ضروری اور مستقل سنت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کرنا تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے اگر کوئی شخص نکاح پر قدرت کے باوجود ساری عمر نکاح نہیں کرتا تو وہ تارک سنت ہوگا۔ اگر زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو، اور مہر اور نفقہ پر بھی قادر ہو تو نکاح کرنا واجب ہے، اگر نکاح نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور اگر نکاح کرنے کے بعد ظلم اور بیوی کے حقوق ضائع ہونے کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام ہے اور اگر یقین نہ ہو بلکہ اندیشہ ہو تو نکاح کرنا مکروہ ہے۔ عام حالت میں جب مہر اور نفقہ وغیرہ پر قدرت ہو تو اصح قول کے مطابق نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس صورت میں بھی نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

لما في القرآن الكريم (الرعد:۳۸): وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَّأْتِيَ بِآيَةٍ ـ الآية۔

وفيه أيضا (النساء:۳): وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُولُوا۔

وفي الصحيح للمسلم (۴۴۹/۱): عن أنس رضي الله عنه أن نفرا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألوا أزواج النبي صلى الله عليه وسلم عن عمله في السر فقال بعضهم لا أتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم لا أنام على فراش فحمد الله وأثنى عليه فقال ما بال أقوام قالوا كذا وكذا

لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني ۔

وفی الشامية(۳/۷): قوله(سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنةوقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله۔۔۔ قوله(فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة بحر۔

(۳) بیوی کے حقوق ادا ءنہ کرسکنے کے خوف سے نکاح نہ کرنے کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بندہ کہتا ہے میں شادی نہیں کروں گا کیونکہ میں جہاد کروں گا، دوسرا بندہ کہتا ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث سے اعراض کررہے ہو، وہ شخص جواب میں کہتا ہے کہ میں سنت سے اعراض نہیں کررہا ہوں بلکہ مجھے اپنے آپ پہ بھروسہ نہیں کہ میں اپنی بیوی کے حقوق ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟

برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہائے کرام نے نکاح کے چھ(٦) درجے بیان کئے ہیں:

۱۔حالت اعتدال میں سنت مؤکدہ ہے یعنی جب ایک آدمی جماع، مہراور بیوی کے نان نفقہ کی طاقت رکھتا ہو نیز زنا اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو، اسی طرح فرائض اور سنن کے چھوڑنے کا خوف بھی نہ ہو تو اس حالت میں نکاح سنت مؤکدہ ہے۔

۲۔اگر نکاح نہ کرنے کی وجہ سے زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو تو واجب ہے۔

۳۔اگر زنا میں واقع ہونے کا یقین ہو تو فرض ہے۔

۴۔اگر بیوی کے حقوق ادانہ کرنے اور اس پر ظلم کرنے کا خطرہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

۵۔اگر بیوی کے حقوق ادانہ کرنے اور اس پر ظلم کرنے کا یقین ہو تو حرام ہے۔

٦۔اگر صرف یہ خطرہ ہو کہ بیوی کے حقوق ادا نہیں کرسکے گا تو مباح ہے۔

پس صورت مسئولہ میں اگر یہ شخص اس وجہ سے نکاح نہیں کرتا کہ اسے اپنے آپ پر یہ بھروسہ نہیں کہ وہ بیوی کے حقوق ادا کرسکے گا یا نہیں، تو اس حالت میں وہ سنت سے اعراض کرنے والا نہیں ہے۔البتہ اگر یہ شخص جماع پر قدرت رکھتا ہے نیز مہر نان نفقہ اور

سکنی کا انتظام کرسکتا ہے تو اس کے حق میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہوگا۔

لما فی المرقاۃ (٦/٢٢٧): قال بعضهم هو واجب بالإجماع لأنه يغلب على الظن أو يخاف الوقوع في الحرام وفي النهاية إن كان له خوف وقوع الزنا بحيث لا يتمكن من التحرز إلا به كان فرضا وعند خوف الجور مكروه وأما في حالة الاعتدال فدؤاد وأتباعه من أهل الظاهر على أنه فرض عين على القادر على الوطء والإنفاق تمسكا بقوله تعالى فانكحوا ما طاب لكم من النساء النساء واختلف مشايخنا فقيل فرض كفاية وقيل واجب على الكفاية وقيل مستحب وقيل سنة مؤكدة وهو الأصح وهو أقرب إلى العبادات حتى أن الاشتغال به أفضل من التخلي عنه لمحض العبادة۔

وفی الدر المختار، کتاب النکاح (٣/٦): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية ـــ (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال) أي القدرة على وطء ومهر ونفقة ـــ (ومكروها لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك۔

وفی الشامیة (٣/٧) : مطلب كثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: قوله (سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة وقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حالة الاعتدال الاقتداء بحاله ﷺ في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اه وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي للنوافل قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة ، بحر ـــ قوله (أي القدرة على وطء)ـــ والمراد حالة القدرة على الوطء والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور وترك الفرائض والسنن فلو لم يقدر على واحد من الثلاثة أو خاف واحدا من الثلاثة أي الأخيرة فليس معتدلا فلا يكون سنة في حقه كما أفاده في البدائع اهـــ قوله (ومكروها) أي تحريما ،بحر قوله (فإن تيقنه) أي تيقن الجور حرم لأن النكاح إنما شرع لمصلحة تحصين النفس وتحصيل الثواب وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد بحر وترك الشارح قسما سادسا ذكره في البحر عن

المجتبى وهو الإباحة إن خاف العجز عن الإيفاء بموجبه اهـ أي خوفا غير راجح وإلا كان مكروها تحريما لأن عدم الجور من مواجبه والظاهر أنه إذا لم يقصد إقامة السنة بل قصد مجرد التوصل إلى قضاء الشهوة ولم يخف شيئا لم يثب عليه إذ لا ثواب إلا بالنية فيكون مباحا أيضا كالوطء لقضاء الشهوة۔

(۴) لڑکی کا اپنی زندگی والدین اور بھائیوں کو بخش دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے جب کوئی لڑکی شادی نہیں کرنا چاہتی تو کہتی ہے کہ میں نے اپنی زندگی والدین یا بھائیوں کو بخش دی اور میں شادی نہیں کروں گی پھر خاندان کا کوئی فرد اسے مجبور نہیں کرتا آیا اس طرح کا طرز عمل درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

احادیثِ طیبہ میں نکاح کے جتنے فضائل اور ترغیب بیان ہوئی ہے اسے دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی شان یہ نہیں کہ وہ بغیر نکاح کے زندگی گزارے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق یہ علم ہوا کہ وہ بغیر نکاح کے پوری زندگی نماز، روزوں اور عبادات میں گزارنا چاہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سخت تردید کرتے ہوئے فرمایا:

"ما بال أقوام قالوا كذا و كذا لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني"

"یعنی ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایسی باتیں کرتے ہیں لیکن میں تو نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جو بھی میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ (میرے متبعین میں) سے نہیں۔"

(مسلم ۱/۴۴۹)

خصوصاً ایک عورت ذات کا مسئلہ انتہائی نازک ہوتا ہے وہ چاہے معاشرے میں جس حیثیت کی بھی حامل ہو مرد کی محتاج رہتی ہے۔ یہ پہاڑ جیسی زندگی عورت کے لئے تنہا بغیر نکاح کے گزارنا انتہائی نامناسب ہے۔ نکاح سے تو انسان کی عزت و عصمت محفوظ ہوتی ہے اور وہ ایک کامیاب زندگی گزارنے کا اہل بنتا ہے۔ بغیر نکاح کے انسان کسی نہ کسی پر مستقل بوجھ بن جاتا ہے نیز معاشرے میں بھی اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

ایک حدیث شریف میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ "من تبتل فليس منا جو بے نکاحی کی

زندگی اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔(کنز العمال۱۶/ ۲۷۲)

نیز آپ ﷺ کی اسوۂ مبارکہ ہمارے لئے راہِ عمل ہے۔آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں متعدد نکاح فرمائے ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ان عورتوں کو اپنا طرزِ عمل تبدیل کرنا ضروری ہے ورنہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ ان کا یہ کہہ دینا کہ ہم نے اپنی زندگی والدین یا بھائیوں کو بخش دی شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں نیز والدین اور بھائیوں کو بھی اپنے کندھوں پر عائد اس بھاری ذمہ داری کا ادراک کرتے ہوئے چاہیئے کہ جوڑ کا رشتہ ملتے ہی سمجھا بجھا کر ان کا نکاح کردیں اور اپنے اوپر عائد اس ذمہ داری سے بطریقہ احسن سبکدوش ہوکر دنیا وآخرت میں سرخرو ہونے کی کوشش کریں ورنہ آخرت میں پکڑ کا اندیشہ ہے۔یہی قرآن و سنت کا راستہ ہے اور اسی میں خیر و برکت ہوگی۔

لما في المسلم (۱۰/۴۳۹): عن أنس رضي الله عنه أن نفرا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألوا أزواج النبي صلى الله عليه وسلم عن عمله في السر فقال بعضهم لا أتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم لا أنام على فراش فحمد الله وأثنى عليه فقال ما بال أقوام قالوا كذا وكذا لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني -

وفي الشامية (۳/۷): مطلب كثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: قوله (سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة۔ وقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حالة الاعتدال الاقتداء بحاله ﷺ في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اهـ۔۔۔ قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم۔

(۵)ادائیگی قرض سے قبل نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں چاہتا ہوں، میرا نکاح جلدی ہوجائے، لیکن میرے اوپر قرضہ ہے، یہ بات لڑکی کے گھر والوں کو بھی معلوم ہے، لہٰذا اگر وہ نکاح کرنے میں تاخیر کریں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟؟؟ کیا قرضے کی ادائیگی تک نکاح کو مؤخر کرنا درست ہے؟ برائے مہربانی اطمینان بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مقروض آدمی قرض کی ادائیگی سے پہلے شادی کرسکتا ہے۔ مقروض ہونا نکاح کے درمیان شرعاً رکاوٹ نہیں۔ آپ کو یقین ہو کہ نکاح کے بعد حقوق زوجیت صحیح طور پر ادا کرسکیں گے نیز لڑکی کے نان ونفقہ اور رہائش کا بھی انتظام کرسکیں گے تو لڑکی والوں کیلئے کسی قسم کا اعتراض کرنا اور رکاوٹ ڈالنا درست نہیں۔ اگر آپ کو نفس پر کنٹرول نہ ہونے کا یقین ہو اور گناہ میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہو اور نان ونفقہ وغیرہ پر قدرت بھی ہو تو نکاح کرنا ضروری ہے البتہ اگر آپ قرض کی وجہ سے نان ونفقہ نہیں دے سکتے تو آپ کے لئے نکاح کی گنجائش نہیں، اس صورت میں آپ روزے رکھ کر اپنی خواہش کو دبائیں۔ آپ اور آپ کے والدین لڑکی کے والدین سے مشورہ کریں اور مشورہ میں جو بات طے ہو، اس پر عمل کریں۔

لما في المشكوة (٢٦٧): قال رسول الله ﷺ: " يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء "

وفي حاشية المشكوة في قوله (الباءة) : فيه حذف المضاف أى مؤنة الباءة من المهر والنفقة لأن قوله ومن لم يستطع عطف على من استطاع ولو حمل الباءة على الجماع لم يستقم۔

وفي الشامية (٦/٣): (قوله: وعند التوقان)--- والمراد شدة الاشتياق كما في الزيلعي أي بحيث يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج --- قوله (وهذا إن ملك المهر والنفقة) --- قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا۔

وفي الفقه الاسلامي (٦٥١٦/٩): ورأى الحنفية: أن الزواج واجب إذا خاف المرء الوقوع في الفاحشة بعدم الزواج خوفاً دون اليقين، وكان قادراً على مؤن الزواج، من مهر ونفقة، ولايخاف ظلم المرأة ولا التقصير في حقها --- يستحب عند الجمهور غير الشافعي الزواج إذا كان الشخص معتدل المزاج، بحيث لا يخشى الوقوع في الزنا إن لم يتزوج، ولا يخشى أن يظلم زوجته إن تزوج وحالة الاعتدال هذه هي الغالبة عند أكثر الناس۔

(٦) شادی کیلئے قرض لینے پر ایک شبہ کا حل

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہاء نے نکاح کیلئے استدانۃ (قرض لینے) کو مستحب لکھا ہے۔ خاص طور پر علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار میں اس کا مندوب (یعنی مستحب) ہونا نقل کیا ہے۔ میں ذرا تشویش کا شکار ہو گیا ہوں

چند سال قبل درسِ نظامی سے فاضل ہوں اور ایک مدرسے میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔ یہ مسئلہ کچھ عجیب نوعیت کا لگا، کیونکہ ہم نے تو آج تک یہ پڑھا پڑھایا تھا کہ بوقت استطاعت نکاح سنت مؤکدہ ہے عند التوقان واجب ہے اور عند عدم الاستطاعۃ یعنی جب قادر علی النفقہ وغیرہ نہ ہو تو حرام ہے، جبکہ یہاں قرض لینے کو مستحب کہا جا رہا ہے، وہ بھی مہر اور نفقہ وغیرہ کیلئے۔ پھر تو یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سب کا ضمان اللہ تعالیٰ پر ڈال دیا ہے کہ یہ شخص قرض لیتا رہے ضمان اللہ تعالیٰ پر ہے۔ مفتی صاحب میرے اشکال کا جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے شادی کے اخراجات (سادگی کے ساتھ اداء کرنے) کیلئے قرضہ لینے کی گنجائش دی ہے، جس میں مہر اور دیگر ضروری اخراجات داخل ہیں۔ البتہ نان نفقے کیلئے آدمی کو ملازمت تلاش کرنی چاہیئے اور حتی الوسع کوشش کر کے تنخواہ کی رقم سے بیوی کے اخراجات پورے کرے، لیکن اگر کچھ کمی رہ جاتی ہو تو اس کے لئے قرض لینا بھی مستحب ہے، البتہ اتنی بات یاد رہے کہ قرض لینا اسی وقت مستحب ہے جب لوٹانے پر قادر ہو یا ظن غالب ہو کہ لوٹا دوں گا ورنہ گنجائش نہیں۔

اس تشریح سے آپ کے اشکال کا جواب واضح ہو گیا کہ جب استطاعت نہ ہو تو نکاح حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قادر علی الجماع نہ ہو یا کسی بھی قسم کی ملازمت یا کاروبار وغیرہ نہ ہو تو ایسے شخص کیلئے نکاح حرام ہے البتہ جو ایک حد تک نفقہ ادا کر سکتا ہو اس کے لئے بقیہ نفقہ، مہر وغیرہ کیلئے قرض لے کر نکاح کر لینا مستحب ہے، خاص طور پر جب زنا کا خطرہ لاحق ہو۔ نیز قرضہ اتنا لینے کی گنجائش ہے جو وہ بظاہر اسباب کے درجے میں لوٹا سکتا ہو لہٰذا عفتِ نفس کی نیت سے اگر ایسا شخص نکاح کرتا ہے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائیں گے گویا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ضامن بن جائیں گے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے حوالے سے جو اللہ تعالیٰ پر ضمان کا ذکر کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ الغرض برسرِ روزگار شخص کیلئے مہر، شادی کے ضروری اخراجات اور بقدرِ ضرورت نفقہ کیلئے قرضہ لے کر شادی کرنا مستحب ہے اور بالکل بے روزگار شخص جو بیوی کے حقوق نان ونفقہ پورے نہ کر سکتا ہو اس کے لئے نکاح کی گنجائش نہیں اور اداء کی امید نہ ہونے کی بناء پر قرض لینے کی بھی گنجائش نہیں۔

لما فی الدر المختار(۸/۳): ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه في مسجد ۔۔۔ والاستدانة له۔

وفی الرد تحته: قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلك على الله تعالى فقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه ثلاث حق على الله تعالى عونهم المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله تعالى ذكره بعض المحشين وتقدم تمام الكلام على ذلك۔

وفی الشامیة (۶/۳): (وهذا إن ملك المهر والنفقة)۔۔۔قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له

قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اهـ ومقتضاه أنه يجب إذا خاف الزنا وإن لم يملك المهر إذا قدر على استدانته وهذا مناف للاشتراط المذكور إلا أن يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة أو يقال هذا في العاجز عن الكسب ومن ليس له جهة وفاء۔۔۔ وقدمنا أن المراد عدم قدرته على الوفاء في الحال مع غلبة ظنه لو اجتهد قدر وإلا فالأفضل عدمه وينبغي حمل ما ذكر من ندب الاستدانة على ما ذكرنا من ظنه القدرة على الوفاء۔

(۷)ساری زندگی عبادت یا تعلیم وتعلم میں گزارنا افضل ہے یا نکاح کرنا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک بھائی عالم ہے جو کافی عبادت کرتا ہے اس کے پاس مال بھی موجود ہے اور صحت مند بھی ہے لیکن وہ کہتا ہے میں شادی نہیں کروں گا ساری زندگی عبادت میں گزاروں گا تو کیا ان کا یہ فعل شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ آیا شادی کرنا افضل ہے یا ساری زندگی عبادت میں گزارنا افضل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بارگاہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم میں جب چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باتیں پہنچیں کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ نکاح نہیں کریں گے تاکہ باقیماندہ زندگی، دن کے روزے اور رات کی عبادت سے منور ہو تو چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم متغیر ہوا اور انتہائی بلیغ انداز میں ان کی تردید فرمائی کہ میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ (تو تمہیں کیا ہوا ہے کہ بجائے میری اتباع کے اپنی رائے پر عمل کرنا چاہتے ہو، حالانکہ میں تمہارے لئے نمونۂ حیات ہوں) پس جو میری سنت (نکاح) سے اعراض کرے گا وہ مجھ (میرے متبعین میں) سے نہیں۔ (رواہ مسلم ۱/۴۴۹ مکتبہ قدیمی)

مذکورہ حدیث کے ذیل میں شادی کرنا ہر شخص پر لازم ہونا چاہیئے تھا، لیکن فقہاء رحمہ اللہ علیہم نے مراد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھانپ کر شادی کے حکم کو مزاج انسانی پر رکھا ہے۔ چونکہ حالات اور طبائع مختلف ہوتی ہیں لہٰذا مختلف لوگوں کے لحاظ سے نکاح کا حکم بھی مختلف ہوگا:

(۱) اگر کسی شخص کو نان ونفقہ پر قدرت ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا یا بدنظری وغیرہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو ایسے شخص پر نکاح فرض ہوگا۔

(۲) اگر گناہ میں مبتلا ہونا اندیشے کی حد تک ہو تو نکاح واجب ہوگا۔

(۳) اگر گناہ وغیرہ میں پڑنے کا کوئی خطرہ نہ ہو (یعنی معتدل المزاج ہو) تو نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہوگا۔

(۴)اگر نکاح کرنے سے حقوقِ زوجیت میں ناانصافی برتنے یا بیوی پر ظلم کرنے کا ظنِ غالب ہوتو نکاح کرنا مکروہ ہوگا۔

چونکہ صورت مسئولہ میں سائل کا بھائی مالدار، صحتمند اور ماشاء اللہ عالم بھی ہے، لہٰذا وارثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناطے انہیں اتباع مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم (نکاح) سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے، ورنہ ترک پر گنہگار ہوگا۔ نیز معتدل المزاج شخص کیلئے ساری زندگی عبادت یا تعلیم وتعلم میں گزارنے سے شادی کرنا افضل ہے، کیونکہ نکاح کے فوائد کثیر اور متعدی ہیں۔

لمافی مبسوط السرخسی (۱۹۲/۴) دارالفکر:ثم يتعلق بهذا العقد أنواع من المصالح الدينية والدنيوية من ذلك حفظ النساء والقيام عليهن والإنفاق ومن ذلك صيانة النفس عن الزنى ومن ذلك تكثير عباد الله تعالى وأمة الرسول صلى الله عليه وسلم۔

وفی فتح القدیر(۱۸۸/۳) دارالفکر: وقيل مستحب وقيل إنه سنة مؤكدة وهو الأصح وهو محمل قول من أطلق الاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة۔

وبعد أسطر:وبالجملة فالأفضلية في الاتباع لا فيما يخيل للنفس أنه أفضل نظرا إلى ظاهر عبادة وتوجه ولم يكن الله عز وجل يرضى لأشرف أنبيائه إلا بأشرف الأحوال وكان حاله إلى الوفاة النكاح فيستحيل أن يقرره على ترك الأفضل مدة حياته وحال يحيى بن زكريا عليهما السلام كان أفضل في تلك الشريعة وقد نسخت الرهبانية في ملتنا ولو تعارضا قدم التمسك بحال النبي صلى الله عليه وسلم وعن ابن عباس رضي الله عنهما تزوجوا فإن خير هذه الأمة أكثرها نساء ومن تأمل ما يشتمل عليه النكاح من تهذيب الأخلاق وتوسعة الباطن بالتحمل في معاشرة أبناءالنوع وتربية الولد والقيام بمصالح المسلم العاجز عن القيام بها والنفقة على الأقارب والمستضعفين وإعفاف الحرم ونفسه ودفع الفتنة عنه وعنهن ودفع التقتير عنهن بحبسهن لكفايتهن مؤنة سبب الخروج ثم الاشتغال بتأديب نفسه وتأهيله للعبودية ولتكون هي أيضا سببا لتأهيل غيرها وأمرها بالصلاة فإن هذه الفرائض كثيرة لم يكد يقف عن الجزم بأنه أفضل من التخلي بخلاف ما إذا عارضه خوف الجور إذ الكلام ليس فيه بل في الاعتدال مع أداء الفرائض والسنن۔

وفی الشامیة (۷/۳): قوله (سنة مؤكدة في الأصح)۔۔۔ وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اه وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي

للنوافل قوله (فيأثم بتركه) ـــ قوله (ويثاب إن نوى تحصينا).

(۸) لڑکے کا والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری عمر تقریباً ۳۰ سال ہے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں گھر سے الگ ہو کر شادی کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں یا والدین کی رضامندی لازمی ہے؟؟؟ مجھ سے چھوٹی دو بہنیں اور ایک بھائی ہے اور ایک بڑے بھائی کی شادی ہونے والی ہے۔ شریعت کی روشنی میں واضح فرمادیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ (والدین میری شادی کیلئے ابھی رضامند نہیں ہیں)۔

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین اور سرپرست پر لازم ہے کہ جب اولاد بالغ ہوجائے اور ان کے جوڑ کا رشتہ مل جائے تو ان کی شادی میں تاخیر نہ کریں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر مت کرو، ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب اولاد بالغ ہوجائے تو والدین کو ان کی شادی میں جلدی کرنا چاہیئے۔ آجکل عموماً یہ ذہنیت ہے کہ جب لڑکا پاؤں پر کھڑا ہوگا تو ہی شادی ہوگی۔ اس طرح عمر گزرتی رہتی ہے، والدین کو پرواہ نہیں ہوتی، پھر اولاد غلط قدم اٹھالیتی ہے۔ لہٰذا بہرصورت والدین کی اطاعت لازم ہے، تاہم اگر شادی نہ کرنے سے آپ کے معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو اور آپ بیوی کے مہر نان ونفقہ اداء کرنے پر قدرت رکھتے ہوں تو آپ پر نکاح کرلینا واجب ہے، نیز والدین کو حکمت سے سمجھایا جائے تاکہ رضامندی سے کام ہوجائے۔

لما فی القرآن الکریم (العنکبوت:۸): وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔

(النساء:۳): فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ ...الآیة۔

وفی مشکوة المصابیح (۲/۲۶۷): عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء۔ "

وفيه أيضاً (ص۲۶۷): وعنه رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض "

وفی الدر المختار (۳/۶): (ويكون واجبا عند التوقان) فان تيقن الزنا الابه فرض، نهاية

وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بتركه۔

وفى الشاميه (۶/۳): قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اهـ ومقتضاه أنه يجب إذا خاف الزنا وإن لم يملك المهر إذا قدر على استدانته وهذا مناف للاشتراط المذكور إلا أن يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة أو يقال هذا في العاجز عن الكسب ومن ليس له جهة وفاء۔

(۹) مرید کا بیعت کی وجہ سے شادی نہ کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند سال پہلے میں نے ایک بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس سال میں شادی کرنے والا ہوں جب لوگ یہ سنتے ہیں کہ میں شادی کرنے والا ہوں تو بعض لوگ کہتے ہیں مرید کو شادی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر مرید شادی کرے گا تو اس کی اصلاح کیسے ہوگی؟ سوال یہ ہے کہ کیا مرید کو شادی کرنی چاہیئے، کیا شادی اصلاح کے اندر روکاٹ ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ نے نکاح کو انسان کی عفت و پاکدامنی کا ذریعہ بنایا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتّق الله فی النصف الباقی" (مشکوۃ ۲/ ۲۶۸) یعنی بندہ جب نکاح کرلے تو وہ اپنے نصف دین کو مکمل کر لیتا ہے باقی نصف دین کیلئے اسے اپنے اللہ سے تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو اور آدمی نکاح کی طاقت بھی رکھتا ہو یعنی وہ عورت کو نان نفقہ اور رہائش فراہم کرسکتا ہو تو اس صورت میں نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ نیز اگر ان ساری چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی نکاح نہ کرے تو حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری امت میں سے نہیں۔ بہر حال آپ بعض لوگوں کی احمقانہ باتوں پر نہ جائیں، بلکہ فوراً شادی کریں، کیونکہ اسی میں انسان کی اصلاح پوشیدہ ہے۔ ہاں! اگر آپ کو آپ کے پیر و مرشد کسی مصلحت کی وجہ سے کچھ عرصہ کیلئے منع کر رہے ہوں تو اس صورت میں شادی کو مؤخر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (النسآء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

وفى البخارى (۷۵۸/۲): حدثنا عمر بن حفص بن غياث ۔۔۔ فقال عبد الله رضي الله عنه: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم شبابا لا نجد شيئا، فقال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا معشر الشباب، من استطاع الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفى الترمذى (۲۰۶/۱): عن أبي أيوب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح۔

وفى كنز العمال (۲۷۱/۱۶): النكاح سنتى فمن لم يعمل بسنتى فليس منى۔

وفى الشامية (۷/۳): قوله (سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة وقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حالة الاعتدال الاقتداء بحاله صلى الله عليه وسلم في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اه وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي للنوافل قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة، بحر ۔۔۔ قوله (ويثاب إن نوى تحصينا) أي منع نفسه ونفسها عن الحرام وكذا لو نوى مجرد الاتباع وامتثال الأمر۔

(۱۰) تبلیغی جماعت کیلئے زندگی وقف کر کے تاحیات نکاح نہ کرنے کا حکم

سؤال

ہمارے محلے کے ایک تبلیغی ساتھی نے عین عالم جوانی میں اپنی پوری زندگی تبلیغ کے لئے وقف کردی اور گھر والوں کو بتا کر تاحیات زندگی لگانے کا ارادہ لے کر نکل گئے (یعنی واپس تو آئیں گے لیکن نکاح وغیرہ نہیں کریں گے)۔ پوچھنا یہ ہے کہ فرض کفایہ کی ادائیگی کے لئے تاحیات نکاح نہ کرنے کا عزم کیسا ہے؟ نیز والدین اور بہن بھائیوں کے حقوق کا کیا کرنا ہوگا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے دور میں کیا اس کی کوئی نظیر ہے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا ہو کہ اپنی زندگی دین کیلئے وقف کر کے نکاح نہ کیا ہو؟ ان کی زندگی کی کچھ جھلک بیان کردیں۔ میرا دل اس شخص کی حرکت پر مطمئن تو نہیں ہے میں نے کہا آپ سے تحریری صورت میں پوچھ لوں۔

ازراہِ کرم میرے سوال کے تمام پہلو کے جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت ہے اور احادیث میں کثرت سے اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔اس کے ذریعہ آدمی بہت سے معاصی اور گناہوں سے محفوظ ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نکاح نفلی عبادت کیلئے اپنے آپ کو فارغ کردینے سے بہتر ہے۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سنت پر عمل کیا ہے اور بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب اس کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ میں تو نکاح کرتا ہوں۔لہٰذا سنت یہی ہے کہ آدمی دین کا کام بھی کرے لیکن اس کے ساتھ اس سنت پر بھی عمل کرے، اسی میں اس شخص کے دنیا اور آخرت کا نفع مضمر ہے۔

والدین کی خدمت کے بھی بہت سے فضائل احادیث میں آئے ہیں اور والدین کے حقوق کو اداء کرنا فرض ہے حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جہاد جیسی عبادت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ والدین کی خدمت کرو یہی تمہارے لئے جہاد ہے اور علماء نے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد وغیرہ میں جانے سے منع فرمایا ہے (جبکہ فرض عین نہ ہو)۔

لہٰذا اس شخص کو چاہیئے کہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ اور جو حقوق ذمہ میں ہیں ان کو بھی اداء کرے اور سنت یہی ہے کہ نکاح بھی کرے اس لئے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بھیجا ہی امت کی ہدایت اور تبلیغ کے لئے گیا تھا اور ان سے بڑا مبلغ اور داعی اور کون ہوسکتا ہے۔انبیاء کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سارے کے سارے دین کے داعی اور مبلغ تھے، اپنی زندگیاں اس کیلئے وقف کی ہوئی تھیں لیکن پھر بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سب کے ساتھ نکاح بھی کیا اور تمام حقوق والدین، رشتہ داروں کے بھی اداء کئے۔تبلیغی جماعت کے اکثر اکابرین کا بھی یہی حال ہے کہ انہوں نے نکاح بھی کئے ہیں اور ساتھ میں تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ نصاب بھی ایسا رکھا ہے کہ آدمی سارے حقوق بھی ادا کرسکتا ہے اور ساتھ ساتھ تبلیغ بھی کرسکتا ہے۔

البتہ پھر بھی کسی شخص کو یہ غالب گمان ہو کہ اگر وہ نکاح کرے گا تو دین کی خدمت نہیں کرسکے گا اور بیوی بچوں میں پھنس جائے گا اور اسے یہ یقین بھی ہے کہ بغیر نکاح کے گناہ میں بھی مبتلا نہیں ہوگا اور والدین نے بھی اس کو اجازت دیدی ہے کہ وہ دین کا کام کرے تو ایسے شخص کے لئے نکاح نہ کرنے کی گنجائش ہے۔اس کی مثالیں تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے دور میں اور اسلاف میں موجود ہیں، چنانچہ شیخ عبداللہ ابن ابی نجیح مکی رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین میں سے ہیں اور امام بخاری کے شیوخ سفیان ثوری، سفیان ابن عیینہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے ان سے روایت کی ہے انہوں نے علم کی مشغولی کی بناء پر نکاح نہیں کیا۔اسی طرح علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث اور بزرگ ہیں انہوں نے بھی نکاح نہیں فرمایا۔بہت سے اکابرین ہیں جنہوں نے علم کی مشغولیت یا دعوت یا اسی طرح اور دینی خدمات کی بناء پر نکاح نہیں فرمایا۔[1]

---

[1] تفصیل کیلئے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی کتاب "العلماء العزاب" کی طرف رجوع فرمائیں۔ازمرتب فرحان حسن عفی عنہ

لما في الترمذي (١/٢٦): عن أبي أيوب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح۔

وكذا فيه (١/٢٩٦) ابواب الجهاد: عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم يستأذنه في الجهاد فقال: ألك والدان؟ قال نعم. قال: ففيهما فجاهد۔

وفي المرقاة (٦/١٨٧) كتاب النكاح ط امداديه: قال ابن الهمام التجرد عند الشافعي أفضل لقوله تعالى ''وسيدا وحصورا'' آل عمران يمدح يحيى عليه الصلاة والسلام بعدم إتيان النساء مع القدرة لأن هذا معنى الحصور... فالأولى في جوابه التمسك بحاله ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة فإنه صريح في عين المتنازع فيه وهو ما في الصحيحين أن نفرأ من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألوا أزواجه عن عمله في السر فقال بعضهم لا أتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم لا أنام على فراش فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فحمد الله وأثنى عليه وقال ما بال أقوام قالوا كذا لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني فرد هذا الحال ردا مؤكدا حتى تبرأ منه وبالجملة فالأفضلية في الاتباع لا فيما تخيل لنفس أنه أفضل نظرا إلى ظاهر عبادة وتوجه ولم يكن الله عز وجل يرضى لأشرف أنبيائه إلا بأشرف الأحوال وكان حاله إلى الوفاة النكاح فيستحيل أن يقره على ترك الأفضل مدة حياته۔

وفي العلماء العزاب (٣٣) ط غفورية: وجب الدعوة وارادة النهوض بالعالم الاسلامي صرف الكثيرمن رجال الاصلاح عن الزواج طول حياتهم او جزء اكبيرا من حياتهم والأمثلة كثيرة على مجرى التاريخ۔

وفي الدرالمختار (٣/٦): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض، نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه، بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال) أي القدرة على وطء ومهر ونفقة ورجح في النهر وجوبه للمواظبة عليه والإنكار على من رغب عنه (ومكروها لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك۔

وفي الشامية (٣/٧): ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اهـ وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي

للنوافل ۔۔۔ قوله (للمواظبة عليه والإنكار الخ) فإن المواظبة المقترنة بالإنكار على الترك دليل الوجوب وأجاب الرحمتي بأن الحديث ليس فيه الإنكار على التارك بل على الراغب عنه ولا شك أن الراغب عن السنة محل الإنكار۔

وفي الدر المختار (۱۲۴/۴): لا يحل سفر فيه خطر الا باذنهما وما لا خطر فيه يحل بلا اذن۔

(۱۱) پہلی بیوی کی یاد میں زندگی گزارنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک سرحد کا رہنے والا دوست ہے اس کی بیوی کا تین سال قبل انتقال ہوگیا۔ اب ہم دوستوں نے اسے بہت سمجھایا کہ دوسرا نکاح کرلو مگر وہ کہتا ہے کہ میں پہلی بیوی کی یاد میں زندگی گزارلوں گا مگر اس سے رخ نہیں موڑوں گا۔ مفتی صاحب ہمارا دوست ابھی جوان ہے کیا اس کا اس طرح زندگی گزارنا جائز ہے نیز اب وہ عورت جو مرگئی اس کی نامحرم نہیں ہوگئی کیا اس بات کا گناہ نہیں ہوگا کہ نامحرم کو سوچ سوچ کر زندگی گزار رہا ہے؟ واضح جواب عنایت فرمائیں۔

اسی طرح بعض احباب جب عشق مجازی میں ناکام ہوجائیں تو اپنی زندگی برباد کرلیتے ہیں اور نکاح نہیں کرتے ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ ازراہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) شریعت مطہرہ نے بے نکاح کی زندگی چاہے مرد کیلئے ہو یا عورت کیلئے پسند نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے افراد پر جو بے نکاحی کی زندگی گزارنا چاہتے تھے نکیر فرمائی ہے یہ خلافِ سنت اور اپنے آپ کو فتنے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

(۲) عام اوقات میں جب انسان نان نفقہ دینے پر قادر ہو تو نکاح کرنا اس کے لئے سنت ہے اور اگر بغیر نکاح کے اس کے کسی فتنے (زنا وغیرہ) میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو نکاح کرنا واجب ہے۔

اس لئے صورتِ مسئولہ میں اولاً تو آپ کے دوست کو چاہیئے کہ وہ دوسرا نکاح کرلے اور اپنی آئندہ زندگی صلاح وتقوی سے گزارنے کی کوشش کرے، ثانیاً اگر پہلی بیوی کا خیال اس کے ذہن میں آتا ہے تو یہ معصیت نہیں بلکہ وہ عورت چونکہ ایک عرصہ اس کی رفیقہ حیات رہی ہے لہٰذا یہ ایک لازمی امر ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کا خیال آتا تھا اور آپ ان کی صفاتِ حمیدہ کا ذکر کرتے تھے۔ البتہ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس عورت کی اچھی باتوں کا خیال آنا درست ہے اس سے تلذذ اور تسکین کے حصول کی کوشش کرنا جائز نہیں۔ اس خواہش کو پورا کرنے کیلئے نکاحِ ثانی معین ہے۔ نیز وہ احباب جو عشقِ مجازی میں مبتلا ہو کر نامحرم عورتوں کے خیالات میں اپنی زندگی برباد کرتے ہیں ایسے لوگ ایک حرام اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں

ان پر اپنے عمل سے توبہ واستغفار کرنا واجب ہے۔ نامحرم لڑکی سے نکاح سے قبل روابط رکھنا جائز نہیں، ایسے حضرات کو چاہیئے کہ نکاح مسنون کریں اور صلاح کی زندگی گزارنے کا عزم کریں۔

لمافی مشکوة المصابيح (۱۸/۱): عن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إن الله تعالى تجاوز عن أمتي ما وسوست به صدورها ما لم تعمل به أو تتكلم "

وفى المرقاة (۲۳۸/۶): (وعن سعد بن ابي وقاص رضي الله عنه قال ردّ رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل) اى الانقطاع عن النساء وكان ذلك من شريعة النصارى فنهى النبى صلى الله عليه وسلم عنه امته ليكثر النسل ويدوم الجهاد۔ الخ۔

وفى حاشية المشكوة (۱۸/۱): وظاهر الحديث ان العبد لايؤاخذ مالم يعمل وان هم بمعصية وعزم عليها واليه ذهب بعض العلماء أخذا بظاهر الحديث والصواب الذى عليه اكثر الفقهاء والمحدثين أنه يؤاخذ على العزم دون الهم۔

وفى المرقاة (۱۸۶/۶): ثم قال بعضهم هو واجب بالإجماع لأنه يغلب على الظن أو يخاف الوقوع فى الحرام وفى النهاية ان كان له خوف وقوع الزنا بحيث لا يتمكن من التحرز الا به كان فرضا وعند خوف الجور مكروه واما فى حالة الاعتدال فداؤد واتباعه من اهل الظاهر على أنه فرض عين على القادر على الوطء والانفاق تمسكا بقوله تعالى فانكحوا ما طاب لكم من النساء واختلف مشائخنا فقيل فرض كفاية وقيل واجب على الكفاية وقيل مستحب وقيل سنة مؤكدة وهو الأصح۔

وفى فتح القدير (۱۱۱/۲): فروع لا يغسل الزوج امرأته ولا أم الولد سيدها خلافا للشافعي في الأول ولزفر في الثاني لأنهما صارتا أجنبيتين وعدة أم الولد للاستبراء لا أنها من حقوق الوصلة الشرعية بخلاف عدة الزوجية فلذا تغسل هي زوجها وإن كانت محرمة أو صائمة أو مظاهرا منها إلا أن تكون معتدة عن نكاح فاسد۔

(۱۲) لڑکی کی تعلیم مکمل ہونے تک شادی کو مؤخر کرنا

سؤال

کیا فرماتے علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریعت کے مطابق لڑکیوں کی شادی کس عمر میں کردینی

چاہیئے۔بعض حضرات اپنی لڑکیوں کی شادی ان کی دنیاوی تعلیم پوری ہونے تک نہیں کرتے یعنی ۲۵ یا ۲۸ سال کی عمر تک وہ اپنی تعلیم مکمل کرتی ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ دیر سے شادی کرنے پر کیا کوئی سخت وعید ہے اور جلدی شادی نہ کرانے پر ماں باپ گناہ گار ہوں گے؟ مہربانی فرما کر صحیح راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی جب بالغ ہوجائے اور اس کے جوڑ کا رشتہ مل جائے تو اس کی شادی میں جلدی کرنی چاہیئے۔ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز جب اس کا وقت ہوجائے، جنازہ جب حاضر ہوجائے اور غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح میں جب اس کا کفو (جوڑ کا رشتہ) مل جائے۔آج کل "لڑکے کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے" یا "لڑکیوں کی تعلیم مکمل ہونے کے انتظار" میں شادی میں تاخیر کرنا عام معمول بن گیا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ جب ایسی جگہ سے رشتہ آئے جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے اچھا ہو تو شادی کردینی چاہیئے، اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو زمین میں فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جب اولاد بالغ ہوجائے اور والدین ان کی شادی نہ کریں، اگر اس وقت اولاد کسی گناہ کی مرتکب ہوجائے تو باپ بھی اس کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔چنانچہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد دینی واخلاقی اعتبار سے اچھے لڑکے کا رشتہ ملنے پر جلد از جلد شادی کردینی چاہیئے، تعلیم وغیرہ کے مکمل ہونے کے انتظار میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔

لمافی الترمذی (۲۶۷): وعنه رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض". رواه الترمذي۔

وفی المشکوۃ (۲/۲۷۱): وعن أبي سعيد وابن عباس رضى الله عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه"۔

وفی کنز العمال (۲/۵۱۲): ثلاث لا تؤخر هن: الصلاة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت كفؤا. "ت ك" عن علي۔

وفی الشامیة (۳/۷): ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني --- وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي للنوافل۔

(۱۳) کیا بڑی لڑکی سے قبل چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دینا انسانیت کے خلاف ہے؟

سؤال

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ہمارے معاشرے میں رواجاً ایک سلسلہ یہ چل رہا ہے کہ اکثر لڑکے والے کسی گھر میں لڑکی کا رشتہ لینے جاتے ہیں تو وہ خوبصورتی اور عمر وغیرہ ہی کو مدنظر رکھ کر رشتہ کی بات چلاتے ہیں۔ ایسی صورت میں بعض وقت ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ گھر میں دو (۲) لڑکیاں ہیں۔ دین کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ ان میں ایک بڑی عمر کی ہے اور شکل وصورت (خوبصورتی) میں کم ہے۔ دوسری لڑکی اس کی عمر کم ہے اور خوبصورتی میں بڑی سے زیادہ ہے۔

یہاں پر لڑکے والے خوبصورتی اور کم عمری کو دیکھتے ہوئے چھوٹی لڑکی کو پسند کر کے لڑکی کے والدین سے اس کو مانگتے ہیں۔ لڑکی کے والدین اس صورت میں بھی کہ لڑکے والے صرف خوبصورتی اور کم عمری کو دیکھ کر یہ رشتہ کر رہے ہیں، اس کو منظور کر لیتے ہیں۔ اس رشتہ کی وجہ سے بڑی لڑکی کو غم ہوتا ہے۔

۱) کیا والدین کا یہ فعل انسانیت کے خلاف ہے اور بڑی لڑکی پر ظلم کے مترادف ہے؟

۲) کیا والدین پر شرعاً یہ لازم ہے کہ وہ لڑکے والوں کو پہلے بڑی لڑکی کا رشتہ ہونے یا لینے پر مجبور کریں؟

دوسرے صاحب کا کہنا یہ ہے کہ لڑکے والے اگر بڑی لڑکی کو چھوڑ کر چھوٹی کا رشتہ منظور کر لیتے ہیں تو ان کو اس فعل کی شرعاً اجازت ورخصت ہے اور وہ عند اللہ ایسا کرنے پر کسی قسم کے گناہ کے مرتکب نہیں ہونگے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ شادی سے قبل لڑکی کو ایک نظر دیکھ لے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوبصورتی کی بناء پر کسی کو لینا اور کسی کو نہ لینا اس کی شریعت میں اجازت ہے۔ وہ دوسرا حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر جوڑ کا رشتہ مل جائے تو فوراً نکاح کر دو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جگہ کوئی والدین چھوٹی لڑکی کا رشتہ بڑی سے پہلے کر دیں تو یہ جائز ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔ از راہِ کرم مفصل جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو (بلکہ جلدی کیا کرو)۔

(۱) نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے۔

(۲) جنازے میں جب وہ حاضر ہو جائے۔

(۳) بے نکاح عورت کے نکاح میں جب اس کے جوڑ کا رشتہ مل جائے۔

صورت مسئولہ میں جب چھوٹی لڑکی کو جوڑ کا رشتہ مل جائے اور دونوں خاندان والے حضرات آپس میں اس رشتہ پر راضی ہوں تو شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس صورت میں بڑی لڑکی پر ظلم ہے، اور نہ بڑی لڑکی کی وجہ سے چھوٹی لڑکی کا رشتہ چھوڑنا مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں تم ان کے ساتھ نکاح کرو۔ جب لڑکے والوں کو چھوٹی لڑکی پسند ہے تو بڑی لڑکی چھوڑ کر چھوٹی کے ساتھ نکاح کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور نہ والدین کا یہ فعل انسانیت کے خلاف ہے، بلکہ بسا اوقات بڑی لڑکی کے رشتے کے انتظار میں چھوٹی لڑکی کی عمر بھی گزر جاتی ہے جو کہ مشکلات میں مزید اضافہ در اضافہ کا سبب ہوتا ہے۔

لما فی القرآن الكريم (النساء:۳): فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ۔

وفی صحيح البخاری (۷۶۲/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك۔"

وفی الترمذی (۴۳/۱): عن علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ أن النبی صلى الله عليه وسلم قال له: يا على ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا اتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفؤا۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۲۶۷/۲): وعنه رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: " إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض۔"

وفی المفصل فی أحكام المرأة والبيت المسلم (۳۵۹/۶): واذا أخلّ الولیّ بواجبه فی الاسراء بتزويج موليته كان رفض الخاطب الكفو الذی تقدم لخطبة موليته فان الاثم يلحقه جزاء تقصيره فی حقها بتاخير تزويجها ورفضه الخاطب الكفوء۔

(۱۴) بیوہ کیلئے تجرد کی زندگی بہتر ہے یا دوسرا نکاح؟

سوال

میں بہت سخت پریشان ہوں، میرے شوہر ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے، حادثے کا شکار ہو گئے۔ میری زندگی پر قیامت ٹوٹ پڑی، میں دن رات رونے لگی، مرنے سے چند گھنٹوں قبل انہوں نے مجھے تاکید کی کہ میرے انتقال کے بعد فوراً نکاح کر لینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تاکید ہے۔ پیرانِ پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے شوہر کی آغوش یا قبر کی مٹی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

اس وقت تو میں ہوش میں نہ تھی، لیکن اب آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ میں کیا کروں؟ کیونکہ میری عدت ختم ہو چکی ہے، لیکن اگر نکاح کرتی ہوں تو معاشرہ بدنام کرے گا، لوگ کیا کہیں گے، دوسری طرف شوہر کی وصیت یاد آتی ہے میرا ایک چھوٹا بچہ دانیال بھی ہے۔

آپ راہنمائی فرمادیں اور نبی کریم ﷺ کا اس بارے میں کوئی ارشاد ہو تو تحریر فرمادیں، نیز حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول اوپر ذکر ہوا، کیا انہوں نے عورتوں کے بارے میں یہ کہا ہے؟؟؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ نے مرد اور عورت کے غیر شادی شدہ رہنے کو پسند نہیں کیا اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ جب کوئی مرد یا عورت جوانی کو پہنچ جائے تو اگر ان میں اتنی قوت اور استطاعت ہو کہ وہ نکاح کے بعد کی زندگی گزار سکیں تو بہتر یہی ہے کہ وہ نکاح کرلیں، اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ آپ نے نوجوانوں کی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا، تم میں سے جو کوئی شادی کرسکتا ہو تو وہ شادی کرلے، اس لئے کہ یہ آنکھوں اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی نکاح کے بے شمار فوائد ہیں، لہٰذا آج کل معاشرے کے بگڑتے ہوئے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ شریعت مطہرہ کے اس حکم کو پورا کرنے میں دیر نہ کیجئے، باقی رہی معاشرے میں رہنے والے لوگوں کی باتیں، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم ﷺ کے حکم کو پورا کرنے کی خاطر لوگوں کی باتوں کی پرواہ مت کیجئے، اللہ عزوجل آپ کا حامی و ناصر ہو۔ (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ان کی کتاب غنیۃ الطالبین میں مذکور ہے)۔

لما فی صحيح المسلم (۴۴۸/۱): قال لنا رسول الله ﷺ يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفی السنن الكبرى للبيهقی (۲۳۷/۱) كتاب النكاح: قال قال رسول الله ﷺ تزوجوا فإنی مكاثر بكم الأمم يوم القيمة، ولا تكونوا كرهبانية النصرى۔

وفی المغنی لإبن قدامه (۲۳۶/۷): ولأن مصالح النكاح أكثر فإنه يشتمل على تحصين الدين وإحرازه وتحصين المرأة وحفظها والقيام بها وإيجاد النسل وتكثير الأمة وتحقيق مباهاة النبي صلى الله عليه وسلم وغير ذلك من المصالح الراجح أحدها على نفل العبادة بمجموعها أولى۔

وفی غنية الطالبين (۹۶/۱): ليس شئ خيرا لامرأة من زوج أو قبر، وقال ﷺ مسكين مسكين رجل ليس له امرأة، قيل يا رسول الله وإن كان غنيا قال وإن كان غنيا، وقال أيضا مسكينة مسكينة امرأة ليس لها زوج قيل يا رسول الله وإن كانت غنية من المال؟ قال ﷺ وإن كانت غنية من المال۔

باب ما ينعقد به النكاح وفي آدابه وشرائطه ومستحباته

نکاح کے انعقاد کی مختلف صورتوں اور آداب، مستحبات اور شرائط کا بیان

(۱۵) شادی کا مسنون طریقہ کار

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ سے متعلق کہ شادی اور منگنی کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ اس میں کتنے مہمان شریک ہونے چاہئیں اور کتنا خرچہ کرنا چاہیئے؟ اس میں کون سی رسم شرعی ہے اور کون سی غیر شرعی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بتایئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے دیگر عبادات کی طرح نکاح کو بھی ایک عبادت قرار دیا ہے حتیٰ کہ اس کو "نصف دین کی تکمیل" کہا گیا ہے اور اس کے متعلق واضح راہنمائی پیش کی ہے، لہٰذا دیگر عبادات کی طرح اس میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی تقلید لازم ہے۔ شادی بیاہ کے بارے میں شرعی احکام اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

(۱) لڑکا اور لڑکی بالغ ہوں تو نکاح سے قبل ان سے رضامندی حاصل کی جائے، خاص طور پر لڑکی کی رضامندی کے حصول کے بارے میں شرعی اصولوں کی پاسداری ضروری ہے۔

(۲) شریعت نے بے شمار دینی و دنیوی مصالح کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی کے درمیان کفاءت (برابری) کو ملحوظ رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ کفاءت میں چند اوصاف کا اعتبار کیا گیا ہے: نسب، دینداری، پیشہ اور مالداری۔ ان اشیاء میں لڑکا لڑکی کا ہمسر یا اس سے زیادہ ہو، اس کفاءت کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عمر (یعنی دونوں کی عمر میں توازن وتناسب ہو اور بہتر یہ ہے کہ لڑکے کی عمر لڑکی سے کسی قدر زیادہ ہو)، حسن وجمال، تعلیم وغیرہ میں بھی توازن کا لحاظ رکھا جائے۔

البتہ ان سب امور میں دینداری کو فوقیت دی جائے کیونکہ دینداری کے بغیر مذکورہ تمام اوصاف بے فائدہ ہیں اور تنہا دینداری تمام اوصاف پر بھاری ہے۔ دینداری کے سلسلے میں اس زمانے میں اس بات کی بھی تحقیق کر لینی چاہیئے کہ لڑکے یا لڑکی کا تعلق کسی گمراہ فرقے، ملحدین، مبتدعین اور دور حاضر کے نام نہاد تجدد پسندوں سے نہ ہو۔

مذکورہ تمام امور کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں طرف کے اولیاء زبانی یا خط وکتابت کے ذریعے نکاح کی تاریخ طے کرلیں اور اس سلسلے میں جتنی غلط قسم کی رسومات رائج ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔ نسبت طے ہوجانے کے بعد طے شدہ تاریخ کے مطابق رشتہ داروں اور دوستوں کی موجودگی میں انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کردیا جائے۔

(۳) نکاح کے آداب ومستحبات یہ ہیں: نکاح علی الاعلان کیا جائے، مسجد میں نکاح کیا جائے اور جمعے کے دن کیا جائے، خطبہ نکاح نیک اور متقی عالم دین سے پڑھایا جائے۔ نکاح کے بعد رخصتی بھی نہایت سادگی کے ساتھ ہونی چاہیئے بایں طور کہ لڑکی کا سرپرست یا لڑکی کے گھرانے کی کسی خاتون وغیرہ یا لڑکے والوں کے یہاں سے آئی ہوئی عورتوں کے ہمراہ دلہن کو بھیج دیا جائے۔

رخصتی کے بعد حسب استطاعت بلا تکلف وتفاخر ولیمہ کرنا بھی مسنون ہے، اس دعوت میں غریبوں اور مساکین کو بھی مدعو کیا جائے، حدیث میں ایسا ولیمہ جس میں صرف امراء مدعو ہوں کو شر الطعام (بدترین کھانا) کہا گیا ہے۔

(۴) منگنی کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں، کیونکہ یہ لڑکے اور لڑکی کے اولیاء کا آپس میں محض ایک معاہدہ ہے جو کہ زبانی بات چیت کے ذریعہ یا خط وکتابت کے ذریعہ یا کسی دوست وغیرہ کے توسط سے بھی ہوسکتا ہے۔ اس عہد کو حتی الامکان نبھانا چاہیئے ورنہ بدعہدی کا گناہ ہوگا لیکن اس موقع پر تمام رشتہ داروں کو جمع کرنا اور دیگر رسومات وخرافات اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

(۵) شریعت نے شادی بیاہ میں خرچہ اور مہمانوں کی تعداد کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوہ کو سامنے رکھ کر چند امور کی رعایت ضروری معلوم ہوتی ہے:

وسعت سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے، نمود ونمائش اور تفاخر نہ ہو، قرض لیکر زیر بار نہ ہوا جائے، مہر زیادہ نہ ہو بلکہ درمیانے درجے کا ہو، جہیز دینا فی نفسہ خلاف شرع نہیں، کیونکہ یہ والدین کی طرف سے لڑکی کیلئے ہدیہ اور تحفہ ہے لیکن اس میں افراط اور غلو کرنا [کہ والدین کی پریشانی اور شادی میں تاخیر کا سبب بنے] شرعاً جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز ہمارے لئے نمونہ اور لائق اتباع ہے: دو چکیاں، پانی کے لئے دو مشکیزے، چمڑے کا گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک چادر۔ غرضیکہ تمام معاملات میں اعتدال اور سادگی کو ملحوظ رکھا جائے، حدیث میں ہے:

وعن عائشة رضی الله عنها قالت: قال النبی صلی الله علیه وسلم: "إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة".

یعنی نکاح میں جتنا خرچ کم ہوگا اسی قدر برکت زیادہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸)

(۶) شادی بیاہ کے موقع پر غیر شرعی رسومات ومنکرات کی فہرست طویل ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اصلاح الرسوم" میں سو سے زائد رسومات شمار کی ہیں۔ البتہ بطور اختصار چند چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے: تصویریں کھنچوانا، موویٰ بنانا، ناچ گانوں کا اہتمام کرنا، مایوں اور مہندی کی رسم کرنا، جہیز اور بَری کے سامان کی نمائش کرنا، منگنی کے موقع پر کی جانے والی تمام رسومات، رخصتی اور شب زفاف میں کی جانے والی تمام رسومات وغیرہ قابل ترک ہیں۔

لما في القرآن الكريم (الاحزاب:٢١): لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا۔

وفيه أيضاً(بنی اسرائیل:٣٤): وَأَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

وفيه أيضاً (بنی اسرائیل:٢٧): إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهِ كَفُوْرًا۔

وفيه أيضا:(الاعراف:٣١): وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔

وفي مشكوة المصابيح (ص٢٦٨): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "تنكح المرأة لأربع : لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"۔

وفيه أيضا (ص٢٧٨): عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال : " ما هذا ؟ " قال : إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب۔ قال : " بارك الله لك أولم ولو بشاة "۔

وفيه أيضا(ص٢٧٨): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء ومن ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله "۔

وفي المشكوة أيضا(ص٢٥٢): وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين "

وفيه أيضاً(ص٢٥٢): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه "۔

وفيه ايضاً (٢٧٧): عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال : ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتي عشرة أوقية۔

وفي تنوير الابصار (٨٦/٣ تا ٩٠): (وتعتبر)۔۔۔(نسبا فقريش) ۔۔۔ (أكفاء)۔۔(و) ۔۔(العرب) ۔۔ (أكفاء) ۔۔۔(و)۔۔۔ (وأبوان فيهما كالآباء)۔۔۔ (و)۔۔۔ (ديانة)۔۔۔ (ومالا)۔۔۔ (وحرفة)۔

وفي الدرالمختار(٨/٣): ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد و شهود عدول والاستدانة له والنظر إليها قبله وكونها دونه سنا وحسبا وعزا ومالا وفوقه خلقا

وأدبا وورعا وجمالا وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشتمل على مفسدة دينية۔

وفي الدر المختار (۳۴۸/۶ و ۳۴۹): (دعي إلى وليمة وثمة لعب أو غناء قعد وأكل) لو المنكر في المنزل فلو على المائدة لا ينبغي أن يقعد بل يخرج معرضا لقوله تعالى { فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين }۔۔۔ (وإن علم أولا) باللعب (لا يحضر أصلا) سواء كان ممن يقتدى به أو لا لأن حق الدعوة إنما يلزمه بعد الحضور لا قبله ابن كمال وفي السراج ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر قال ابن مسعود صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات قلت وفي البزازية استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أي بالنعمة فصرف الجوارح إلى غير ما خلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روي أنه عليه الصلاة والسلام أدخل اصبعه في أذنه عند سماعه۔

(۱۶) رخصتی شریعت کے مطابق کیسے کی جائے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی میں رخصتی کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ نیز نکاح مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا نہیں؟ اگر گھر میں زیادہ لوگ جمع ہوگئے تو گھر میں نکاح پڑھ لیا جائے کیونکہ مسجد میں نماز کے بعد بہت کم لوگ ہوتے ہیں؟ کیا مجلسِ نکاح میں لوگوں کی کثرت کو نہیں دیکھا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

نکاح ایک عبادت ہے اس لئے مسجد میں اس کا انعقاد افضل ہے، چونکہ مسجد میں بلا کسی تکلف کے مجمع اکٹھا ہوجاتا ہے اور خیر وبرکت کا ماحول بھی ہوتا ہے، اس لئے اگر گھر کے مجمع کو مسجد میں لاکر مجلس نکاح منعقد کی جائے تو یہ صورت زیادہ مناسب ہے، گو گھر وغیرہ پر ہی مجمع میں نکاح کرلیا جائے تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، تاہم مسجد کی خیر وبرکت کا حصول اس صورت میں نہ ہوسکے گا۔

پھر نکاح کے بعد لڑکی کو دولہا کے گھر پہنچا دیا جائے اور اس موقع پر اگر رشتہ دار خواتین وحضرات اور دوست واحباب جمع ہوجائیں اور غیر شرعی امور وبے جا تکلفات سے اجتناب کیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں (گو بالکل خشک ماحول بھی مطلوب

نہیں)لیکن ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے کہ کہیں عورتوں کا مجمع ہو اور وہاں بے پردگی،مردوزن کا اختلاط،نمازوں کا ضیاع نہ ہو،اس لئے ایسے پر مسرت موقع پر ان معاصی،خرافات اور غفلت پیدا کرنے والے ماحول سے خصوصی طور پر زیادہ سے زیادہ بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ غرض اسلامی مزاج و مذاق یہ ہے کہ جتنی سادگی اور بے تکلفی سے آدمی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو یہ زیادہ بہتر اور قابل ستائش ہے۔اس میں میزبانوں کیلئے بھی آسانی ہے اور مہمانوں کو بھی راحت ہے۔

لما فی القرآن الكريم (الأحزاب:٢١):لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا

وفی الصحيح للامام البخاری (٢/٧٧٥):عن عائشة رضي الله عنها: " تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم، فأتتني أمي فأدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن: على الخير والبركة، وعلى خير طائر"۔

وفی رواية أخرى:ثم أخذت شيئا من ماء فمسحت به وجهي ورأسي، ثم أدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن على الخير والبركة، وعلى خير طائر، فأسلمتني إليهن، فأصلحن من شأني، فلم يرعني إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى، فأسلمتني إليه، وأنا يومئذ بنت تسع سنين۔

وفی عمدة القاری (٢٠/١٣٦): لأن العادة أن أم العروس إذا أتت بالعروس إلى بيت زوجها يكون معها نساء قليلات كن أو كثيرات فأم عائشة ومن معها والعروس هن مدعو لهن والنسوة من الأنصار اللاتي كن في البيت هن الداعيات لقوله فيه فقلن على الخير إلى آخره۔

وفيه أيضا (٢٠/١٣٨):(باب البناء بالنهار بغير مركب ولا نيران)أي هذا باب في بيان جواز دخول الرجل على امرأته بالنهار ولا يختص بالليل قوله:بغير مركب أي بغير ركوب ناس للإعلان ويروى بغيرموكب۔۔ قوله:ولا نيران أي ولا نيران توقد بين يدي العروس وحاصله أن زيادة الإعلان بركوب القوم بين يدي العروس أو بإيقاد النيران مكروه وقد روي سعيد بن منصور من طريق عروة بن رويم أن عبد الله بن قرط الثمالي وكان عامل عمر رضي الله تعالى عنهما على حمص فمرت به عروس وهم يوقدون النيران بين يديها فضربهم بدرته حتى تفرقوا عن عروسهم ثم خطب فقال إن عروسكم أوقدوا النيران و تشبهوا بالكفرة والله مطفيء نارهم۔

وفی صحيح البخاری (٢/٧٧٥):عن أنس رضي الله عنه، قال: أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين

خيبر والمدينة ثلاثا يبنى عليه بصفية بنت حيي، فدعوت المسلمين إلى وليمته۔۔۔ الى قوله۔۔۔
فلما ارتحل وطى لها خلفه ومد الحجاب بينها وبين الناس۔

دعاء الناس الى الوليمة بغير تسمية ولا تكلف وهى سنة، (عمدة القارى،٢٠/١٥١)

وفى اعلاء السنن (٩/١١): فإن النكاح له شبه عظيم بالعبادات دون المعاملات ۔۔۔ فإن العلة انما هى الاعلان والمسجد اولى له لكونه جامعا للمسلمين من غير حاجة الى الاهتمام بالتداعى ولذا استحب له يوم الجمعة لهذه العلة بعينها۔

وفيه أيضا (ص١٤) وكل ذلك مقيد بأن لا يشتمل على مفسدة دينية، وقلما يخلو اجتماع النساء منها، فتراهن فى الولائم لايصلين الصلوات لأوقاتها، ولا يحتجبن من الأجانب ولا يراعين آداب الاجتماع فى المجالس والى الله المشتكى۔

وفى الدر المختار (٣/٨-٩): ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة ۔۔۔ وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشتمل على مفسدة دينية۔

وفى الرد تحته: قوله (ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي أعلنوا هذا النكاح وجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف فتح ۔۔۔ قوله(يوم جمعة) أي وكونه يوم جمعة فتح تنبيه قال في البزازية والبناء والنكاح بين العيدين جائز وكره الزفاف والمختار أنه لا يكره لأنه عليه الصلاة والسلام تزوج بالصديقة في شوال وبنى بها فيه وتأويل قوله عليه الصلاة والسلام لا نكاح بين العيدين إن صح أنه عليه الصلاة والسلام كان رجع عن صلاة العيد في أقصر أيام الشتاء يوم الجمعة فقاله حتى لا يفوته الرواح في الوقت الأفضل إلى الجمعة اهـ۔

وفى الشامية أيضا(٣/٩): قوله (وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب إهداء المرأة إلى زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لأنه لازم له عرفا أفاده الرحمتي۔

(١٧) لڑکی کی رخصتی کیلئے بارات لے جانے کا شرعی حکم

سؤال

میرا ایک دوست ہے جو ماشاء اللہ بہت ہی نیک ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہر کام سنت کے مطابق کرے، اب اس کی

شادی ہونے والی ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں شادی سنت کے مطابق کروں گا، بارات وغیرہ لے کر نہیں جاؤں گا، صرف چند افراد جا کر لڑکی لے آئیں گے لیکن اس بات پر اس کے گھر والے راضی نہیں، وہ کہتے ہیں کہ تمام برادری والے جائیں گے۔ میرا دوست کہتا ہے کہ اگر گھر والے میری بات پر راضی نہیں تو میں اکیلے جا کر لڑکی لے آؤں گا۔

آپ حضرات سے چند سوالوں کے جوابات معلوم کرنے ہیں:

(۱) شادی کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(۲) لڑکی کی رخصتی کیلئے بارات لے جانا مسنون ہے یا اکیلے دولہا کا جانا مسنون ہے؟

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا رخصتی کے بارے میں کیا معمول تھا؟

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلہن کے گھر بارات لے جانا ثابت ہے یا نہیں؟

(۵) اگر ثابت ہے تو اس میں برادری کے تمام افراد شامل تھے یا چند افراد جا کر لڑکی لے آتے تھے؟

برائے مہربانی شادی کے بارے میں جو مسنون طریقہ ہو جلد بیان کر کے ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس کی ترغیب بھی بہت سی روایات میں آئی ہے۔ شادی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے عقد نکاح ہو، بہتر یہ ہے کہ عقد نکاح مسجد میں ہو، تاکہ سب لوگوں کو اس کا علم ہو جائے۔ اس کے بعد رخصتی کا عمل ہو، پھر شب زفاف کے بعد ولیمہ کا انعقاد ہو جائے۔

لڑکی کی رخصتی کیلئے باقاعدہ طور پر بارات لے جانا، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شادی میں دلہن کو لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا ہے، خود دلہن کے گھر نہیں گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا رخصتی کے بارے میں عام معمول یہ تھا کہ لڑکی کا باپ یا ولی لڑکی کو تیار کر کے خود یا کسی اور کے واسطے سے دولہا کے گھر پہنچا دیتا، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے متعلق روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ لڑکی والے خود دلہن کو دولہا کے گھر پہنچائیں۔ اگر وہ پہنچانے کیلئے تیار نہ ہوں تو پھر دولہا خود یا کسی ایسے شخص کو (جو دلہن کا محرم بنتا ہو) لڑکی کو لانے کیلئے بھیج دے۔ مروّجہ طریقوں سے بارات لے جانا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، البتہ اگر خلاف شرع امور سے اجتناب کرتے ہوئے لڑکے کے خاندان کے چند افراد بارات کی صورت میں جائیں اور لڑکی کو رخصت کر کے لے آئیں تو اس کی گنجائش ہے۔

لما في صحيح البخاري (۷۷۵/۲): عن عائشة رضي الله عنها: " تزوجني النبي ﷺ فأتتني أمي فأدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن: على الخير والبركة، وعلى خير طائر "

وفی جامع الترمذی (۱/۲۰۷):عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔
وفی إعلاء السنن تحت هذا الحديث(۱۱/۵-۷) قال الفقهاء: المراد بالدف مالا جلا جل له ---
فائدة:---(واجعلوه فی المساجد) --- فإن العلة إنما هی الإعلان والمسجد أولی له لكونه
جامعا للمسلمين من غير حاجة إلى الاهتمام بالتداعی، ولذا استحب له يوم الجمعة لهذه العلة
بعينها واقتصر فی "الفتح" (ص۳: ۱۰۲) على الجواب الأول، قال ويستحب عقد النكاح فی المسجد
لأنه عبادة وكونه يوم الجمعة۔
وفی الاستيعاب فی معرفة الأصحاب (۴/۴۰۱-۴۰۲): وروى عن سعيد عن قتادة أن النجاشی زوج
النبی ﷺ أم حبيبة بنت ابی سفيان رضی الله عنهما بأرض الحبشة وأصدق عنه بمائتی دينار--
(الى أن قال) زوجها إياه النجاشی وجهزها اليه واصدقها اربعمائة دينار، و أولم عليها
عثمان بن عفان لحما وثريداً وبعث اليها رسول الله ﷺ شرحبيل ابن حسنة فجآء
بها--الخ۔

(۱۸) شب زفاف میں کئے جانے والے اعمال

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عنقریب میری شادی ہونے والی ہے، میں چاہتا ہوں کہ پہلی رات (شب زفاف) سنت کے مطابق گذاروں۔ آپ سے گذارش ہے کہ اس رات کے گزارنے کا مسنون طریقہ بیان فرمادیں، تاکہ میں اس پر عمل کروں اور اللہ ﷻ ہماری آئندہ زندگی میں برکت دے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

شب زفاف گذارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اولاً زوجین وضو کر کے دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھیں، پھر خیر وبرکت، توافق ومحبت، پاکیزگی کے ساتھ ساتھ دوام بقاء، نیز صالح اولاد کے حصول کیلئے دعا کی جائے۔ پہلی ملاقات میں کلام وگفتگو سے پہلے سلام کرے، پھر عورت کی پیشانی اور اس کے بالوں پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ"

اس کے بعد اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ زوجین شادی سے پہلے اجنبی اور غیر مانوس ہوتے ہیں لہٰذا جماع اور صحبت میں جلد

بازی نہ کرے، بلکہ پہلے انسیت ومحبت اورخوش طبعی کی باتیں ہوں پھر آہستہ آہستہ بیوی کو اپنی طرف مائل وقریب کرے۔

عورت گھر کی ملکہ بھی ہے اور فطری طور سے محبوبہ بھی، آپ کی رفیقہ حیات اور دکھ درد میں معاون و مددگار بھی، اس لئے محبت و الفت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا وقار ومقام بھی ملحوظ رکھا جائے۔اس کے بعد جماع سے قبل یہ دعا پڑھے:

"بِاسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا"

ہمبستری کے وقت اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لینا چاہیئے، برہنہ ہوکر ہمبستری نہ کرنی چاہیئے۔جماع کے موقع پر قبلہ رخ نہ ہو، یہ احترام قبلہ کے خلاف ہے۔جماع نفس کی خواہش پورا کرنے کی نیت سے نہ ہو، بلکہ اچھی نیت سے کیا جائے۔مثلاً: عفت، پاکدامنی کا حصول، بیوی کا حق ادا کرنا اور اولاد صالح پیدا ہو اور داعی الی اللہ بنے وغیرہ وغیرہ امور کی نیت کرے تاکہ لطف ولذت کے ساتھ ساتھ ثواب بھی ملے۔میاں بیوی کو رات کی باتیں اپنے دوست واحباب کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیئے، یہ شرم وحیا کے خلاف ہے۔

مزید راہنمائی کیلئے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

لما فی القرآن الكريم (البقرة:٢٢٣):نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

وفی البخاری (٢/٧٧٦): عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: " أما لو أن أحدهم يقول حين يأتي أهله: باسم الله، اللهم جنبني الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا، ثم قدر بينهما في ذلك، أو قضي ولد، لم يضره شيطان أبدا"

وفی سنن ابی داؤد(٢/٢٩٣): عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إذا تزوج أحدكم امرأة أو اشترى خادما فليقل اللهم إنى أسألك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذ بك من شرها ومن شر ما جبلتها عليه وإذا اشترى بعيرا فليأخذ بذروة سنامه وليقل مثل ذلك۔

وفی الدر المختار(٣/٣): كتاب النكاح :ليس لنا عبادة شرعت من عهد آدم إلى الآن ثم تستمر في الجنة إلا النكاح والإيمان (هو) عند الفقهاء (عقد يفيد ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي۔

وفی الفقه الاسلامی(٣/٢٦٤٢):آداب الجماع :للجماع آداب كثيرة ثابتة في السنة النبوية منها ماياتي: تستحب التسمية قبله، ويقرأ { قل هو الله أحد } ، ويكبر ، ويهلل، ويقول ولو مع اليأس عن الولد: باسم الله العلي العظيم، اللهم اجعلها ذرية طيبة، إن كنت قدرت أن تخرج ذلكُ من صلبي ,اللهم جنِّبني الشيطان، وجنب الشيطان مارزقتني، رواه أبوداودو ينحرف

عن القبلة، ولايستقبل القبلة بالوقاع، إكراماً للقبلة وأن يتغطى نفسه هو وأهله بغطاء، وألا يكونا متجردين فذلك مكروه كما سيأتي وأن يبدأ بالملاعبة والضم والتقبيل وإذا قضى وطره، فليتمهل لتقضي وطرها، فإن إنزالها ربما تأخر ويكره الإكثار من الكلام حال الجماع، ولايخليها عن الجماع كل أربع ليال مرة بلا عذر وتأتزر الحائض بإزار مابين السرة والركبة إذا أراد الاستمتاع بها. ومن أراد أن يجامع مرة ثانية فليغسل فرجه، ويتوضأ؛ لأن الوضوء يزيد نشاطاً ونظافة وليس في السنة استحباب الجماع في ليال معينة كالاثنين أو الجمعة، ومن العلماء من استحب الجماع يوم الجمعة ويكره الوطء وهما متجردان۔لما روى ابن ماجه عن عتبة بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم : إذا أتى أحدكم أهله فليستتر، ولا يتجردان تجرد العَيْرين والعَيْر: حمار الوحش، شبههما به تنفيراً عن تلك الحالة. ويكره تحدثهما بما جرى بينهما، وحرمه بعضهم لما فيه من إفشاء السر، وهو حرام ومن الآداب ألا يحلق شعره، ولا يقلم أظفاره، ولا يخرج دماً، وهو جنب ويستحب في ليلة الزفاف قبل الجماع أن يأخذ الرجل بناصية المرأة ويقول: اللهم إني أسألك من خيرها وخير ما جبلتها عليه، وأعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه۔

(۱۹) تجدید نکاح اور عام نکاح کے احکام یکساں ہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ان الفاظ سے طلاق دی جن سے عورت بائنہ ہوجاتی ہو یا ایک طلاق رجعی دی تھی اور عورت کی عدت گزر گئی اب دوبارہ رجوع کیلئے تجدید نکاح کرنا ہوتا ہے، کیا اس نکاح میں بھی گواہوں اور وکیل وغیرہ کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یا صرف کسی آدمی کے سامنے ایجاب وقبول کرلے تو نکاح منعقد ہو جائے گا؟ براہ کرم تجدید نکاح کا طریقہ کار بتادیں اللہ ﷻ آپ کا حامی وناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح چاہے ابتداءً ہو یا اس کی تجدید ہو دونوں صورتوں میں مہر مقرر کرنے، وکیل بنانے اور ایجاب وقبول کے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنے کا حکم یکساں ہے۔ شریعت مطہرہ میں نکاح کا ایک ہی طریقہ کار ہے البتہ اگر تجدید نکاح فقط برائے تجدید ہو کسی غرض (مثلاً عورت کا بائنہ یا مرتدہ ہوجانے کی وجہ) سے نہ ہو تو دوبارہ مہر امقرر کرنا ضروری نہیں، پچھلا مہر ہی کافی ہے۔

ن الكريم (النساء:٣): فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ
دِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا۔

(١/٢٧٠): الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به: ينعقد بالإيجاب والقبول
ي أو وضع أحدهما للمضي والآخر لغيره مستقبلا كان كالأمر أو حالا كالمضارع كذا
ئق۔

(١/٤٢): والاحتياط أن يجدد الجاهل إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين
ة أو مرتين ، إذ الخطأ وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير۔

سلامي (٩/٦٥٨١): خلاصة شروط الزواج في كل مذهب على حدة :الحنفية: للزواج
يغة وفي العاقدين وفي الشهود: أما شروط الصيغة : (وهي الإيجاب والقبول) فهي:
ون بألفاظ مخصوصة: وهي إما صريحة وإما كناية۔۔۔(٢)أن يكون الإيجاب
مجلس واحد۔(٣) ألا يخالف القبول الإيجاب۔(٤)أن تكون الصيغة مسموعة
) ألا يكون اللفظ مؤقتاً بوقت كشهر، وهونكاح المتعة۔۔۔ وأما الشهادة: فهي
الزواج، وتكون بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين، ولو كانا محرمين بالنسلـ۔

کے لئے تمام شرائط نکاح ضروری ہیں

سوال

، ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے بیوی کو تین طلاقیں دیں، اب وہ حلالہ کرانا
ناجارہا ہے کیونکہ وہ یہ بات خاندان میں ظاہر نہیں کرنا چاہتا، دوسری طرف جو شخص حلالے کے لئے تیار ہے وہ کہیں
۔ آپ اسے ایک گاڑی مکینک کہہ سکتے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ مولوی صاحب سے پوچھا، انہوں نے کہا کوئی
یں والدین کی رضا کے بغیر نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، اب آپ ہی بتائیں کہ کیا حلالہ کے نکاح کے لئے تمام شرائط
ہے یا کچھ تخفیف ہوسکتی ہے؟

میں) کفاءت شرط ہے اسی طرح حلالہ کا حکم ہوگا، جس طرح ایک لڑکی بغیر ولی کی رضامندی کے غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ فاسد قرار پاتا ہے اسی طرح حلالہ کیلئے نکاح میں اگر عورت نے بغیر ولی کی رضا کے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو وہ نکاح بھی فاسد قرار پائے گا اور عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی، کیونکہ حلالہ کے صحیح ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ نکاح صحیح کیا جائے، اس کے بعد وطی ہو پھر عورت طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد عدت پوری کر کے پہلے شوہر کیلئے حلال ہوتی ہے۔

لہٰذا جس عورت کو تین طلاقیں ہوگئی ہیں وہ اگر غیر کفو میں، ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرتی ہے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہوگی بلکہ ایسی عورت کو چاہیئے کہ کفوء میں نکاح کرے یا اگر غیر کفوء میں ہی نکاح کرنا ہے تو ولی کو راضی کرے۔

البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ایسے شخص کے ساتھ پیش آتا ہے جو صاحب اولاد ہوتا ہے اور غلطی سے طلاق دے بیٹھتا ہے، اس صورت میں اولیاء کو خبر ہونا خاندان میں بے عزتی کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ لڑکی کے سرپرست عموماً اس صورتِ حال میں لڑکی کو گھر بلا لیتے ہیں اور پھر بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے اور قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ خاندان تباہ ہو جائے، جبکہ یہ اپنے فعل پر نادم بھی ہوتا ہے، لہٰذا ایسے گھرانوں کیلئے جائے خلاصی یہ ہے کہ کسی عالم کے سامنے جا کر اپنا مسئلہ رکھیں اور چونکہ عالم کا علم ہر چیز کا کفو ہے، یہاں تک کہ عالم کو عربیہ کا بھی کفوء قرار دیا گیا ہے، اس لئے کسی عالم کے سامنے تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا مسئلہ بیان کریں اور انہیں حلالہ کے نکاح کیلئے راضی کریں، وہ عالم بچوں کی اصلاح اور میاں بیوی کے مستقبل کو بچانے کیلئے نیز دیگر امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ان کا غالب ظن یہ ہو کہ یہ خاندان اس امر کا محتاج ہے اور نہ کرنے کی صورت میں بچوں وغیرہ کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہو تو وہ یہ نکاح کر لیں البتہ اس نکاح میں طلاق وغیرہ کی شرط نہ لگائی جائے۔ بعد از مباشرت وہ عالم، بغیر کسی دباؤ کے، خود ہی طلاق دے دیں تو وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی کیونکہ وہ عالم سب کا کفوء ہے اور لڑکی کا از خود بغیر اولیاء کی رضامندی کے کفوء میں کیا گیا نکاح نافذ اور منعقد ہے، اس لئے یہ نکاح درست شمار ہوگا اور وہ عورت شوہر اول کیلئے حلال ہو جائے گی۔

یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ حلالہ درحقیقت شوہر اول کیلئے ایک سزا ہے، لیکن چونکہ اس شوہر سے غلطی ہوگئی ہے اور وہ نادم بھی ہے نیز پورا گھر داؤ پر لگا ہوا ہے لہٰذا ان ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مشورہ دیا گیا ہے جیسا کہ کتب فقہ میں بچوں کے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے بغیر شرط کے حلالہ کر دینے پر شوہر ثانی کیلئے ثواب کی امید بھی تحریر ہے۔

نوٹ:...... حلالہ شرعیہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دیدے، وہ عورت عدت گزر جانے کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ نکاحِ صحیح کرے، وہ دوسرا شخص اس عورت سے وطی بھی کر لے، اس کے بعد اس دوسرے شوہر کی وفات ہو جائے یا زندگی کے کسی موڑ پر یہ شخص اس عورت کو خود ہی طلاق دیدے، اس صورت میں عدت گزارنے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جاتی ہے۔

- با قاعدہ حلالہ کی شرط رکھ کر نکاح کرنا اور پھر وطی کے بعد چھوڑ دینا یہ درست نہیں، حدیث میں ایسے شخص پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ حدیثِ مبارک ہے:

"عن عبد الله بن مسعود ﷺ قال: لعن رسول الله المحلل والمحلل له۔" (المشكوة: ۲۸۴/۱)

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے شخص اور جس کے لئے حلالہ کیا جا رہا ہے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

اگرچہ اس صورت میں بھی وہ عورت شوہرِ اول کیلئے حلال تو ہو جاتی ہے لیکن اس طرح مشروط حلالہ کرنا معصیت اور لعنتِ خداوندی کے استحقاق کا سبب ہے۔

لما فی الخانية على هامش الهندية (۳۵۱/۱) كتاب النكاح: الفقيه يكون كفؤ اللعلوية لأن شرف الحسب فوق شرف النسب۔

وفى الدرالمختار (۵۷/۳): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولي بعد معرفته إياه فليحفظ۔

وفى الرد تحته: قوله (نكحت)۔۔۔ وقوله بلا رضا نفي منصب على المقيد الذي هو رضا الولي والقيد الذي هو بعد معرفته إياه فيصدق بنفي الرضا بعد المعرفة وبعدمها وبوجود الرضا مع عدم المعرفة ففي هذه الصور الثلاثة لا تحل وإنما تحل في الصورة الرابعة وهي رضا الولي بغير الكفء مع علمه بأنه كذلك اهـ قلت والأنسب أن يقول مع علمه به عينا لما في البحر لو قال الولي رضيت بتزوجها من غير كفء ولم يعلم بالزوج عينا هل يكفي صارت حادثة الفتوى، وينبغي لا يكفي لأن الرضا بالمجهول لا يصح كما ذكره في الخانية فيما إذا استأذنها الولي ولم يسم الزوج فقال لأن الرضا بالمجهول لا يتحقق ولم أره منقولا اهـ وأقره في النهر لكن ليس على عمومه لما سيأتي في كلام الشارح أنها لو فوضت الأمر إليه يصح كقولها زوجني ممن تختاره ونحوه قال الخير الرملي ومقتضاه أن الولي لو قال لها أنا راض بما تفعلين أو زوجي نفسك ممن تختارين ونحوه أنه يكفي وهو ظاهر لأنه فوض الأمر إليها ولأنه من باب الإسقاط اهـ قوله (فليحفظ) قال في الحقائق شرح المنظومة النسفية وهذا مما يجب حفظه لكثرة وقوعه اهـ وقال الكمال لأن المحلل في الغالب يكون غير كفء وأما لو باشر الولي عقد المحلل فإنها تحل للأول۔

وفى الشامية (۹۲/۳) باب الكفاءة ط سعيد: فالعالم العجمي يكون كفؤا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاه في فتح القدير وجزم به البزازي وزاد

والعالم الفقير يكون كفؤا للغني الجاهل والوجه فيه ظاهر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولى۔

(۲۱)کورٹ میرج کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کورٹ میرج کا نکاح شرعاً معتبر ہوتا ہے؟ کیا ایسا منعقد ہوجاتا ہے جس میں لڑکا اور لڑکی راضی ہوں، مگر دونوں کے والدین راضی نہ ہوں یا یہ کہ دونوں میں سے کسی ایک کے والدین راضی نہ ہوں، دوسرے کے راضی ہوں۔ براہ کرام تینوں صورتوں کا واضح جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کورٹ میرج کے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ جاننے سے قبل یہ جاننا چاہیئے کہ اللہ عزوجل نے والدین اور اولاد کے درمیان جو رشتہ محبت کا قائم کیا ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں، اسی کی وجہ سے والدین اولاد کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ جس طرح والدین کے دل میں اللہ تعالی نے اولاد کی محبت ڈالی ہے، ایسے ہی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم بھی دیا ہے، کہ اولاد، والدین کی ہر جائز بات میں اطاعت کرے اور ان کے مشورہ سے اپنے اُمور کو سرانجام دے، نہ یہ کہ اولاد ایسے اسباب پیدا کرے جن سے والدین کی عزت وآبرو پہ حرف آئے، برادری اور خاندان میں رسوائی کا سبب ہو۔

منجملہ ان اُمور کے ایک اَمر نکاح ہے کہ جس طرح یہ اولاد کے لئے خوشی اور فرحت کا سبب ہے اس سے زیادہ یہ والدین کے لئے بھی فرحت اور خوشی کا سبب ہے۔ اس میں والدین کی جائز آرزوؤں اور خواہشوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اولاد کے نکاح کی ذمہ داری اور ولایت والدین پر عائد ہوتی ہے کہ اگر والد موجود ہے تو وہ اولاد کا بہتر سے بہتر جگہ نکاح کرے، لیکن اگر اولاد خواہشات اور شہوات نفسانیہ میں ڈوب کر یا کسی اور وجہ سے ایسی صورت اپنالے، جو والدین کے لئے عار اور رُسوائی کا سبب ہو اور اولاد انہیں اعتماد میں لئے بغیر کورٹ میرج کے ذریعے سے نکاح کرلیں تو اس طرح کیا ہوا نکاح کس حد تک معتبر ہے؟ اس میں تفصیل ہے۔

وہ یہ کہ اگر لڑکا اور لڑکی نابالغ ہوں اور وہ اپنا نکاح بلا اجازت ولی (والد) خود کرلیں تو یہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا اور اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہو اور وہ اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے (یعنی لڑکا حسب ونسب، مال، دینداری وغیرہ میں لڑکی سے کم درجہ کا ہو) تو اس صورت میں لڑکی کا کیا ہوا نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا اور اگر لڑکا عاقل بالغ ہو اور وہ اپنا نکاح ایسی جگہ کرلے جو کہ غیر کفو ہو تو اس صورت میں اس کا کیا ہوا نکاح شرعاً درست ہے، اس لئے کہ کفاءت کا اعتبار عورتوں میں ہوتا ہے، مردوں میں نہیں۔

ایک اور صورت یہ ہے کہ لڑکی اپنا نکاح ایسی جگہ کرلے جو اس کا کفو ہو (یعنی لڑکا حسب ونسب، مال، دینداری وغیرہ میں لڑکی کے ہم پلہ ہو یا اس سے بڑھ کر ہو) تو اس صورت میں (اگر دیگر شرائطِ نکاح موجود ہوں تو) لڑکی کا کیا ہوا یہ نکاح درست ہے، اگرچہ والدین اس سے ناراضگی کا اظہار کریں، البتہ بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ بہرصورت والدین کی مرضی کو مدنظر رکھا جائے اور ان کو ہر ممکن طریقے سے راضی کرنے کی کوشش کی جائے، والدین کو بھی چاہیئے کہ ایسے معاملات میں اگر کسی اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو اولاد کے جذبات کی قدر کریں اور برضا و رغبت مسنون اور شرعی طریقے سے ان کا نکاح کردیں تاکہ کسی قسم کے فتنے میں ابتلاء نہ ہو۔

لمافی المشكوة (ص۲۷۰): وعن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی ﷺ قال :الأيم أحق بنفسها من وّليها والبكر تستأذن فی نفسها واذنها صماتها الخ۔

(ص:۲۷۲): وعن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔

وفی الهندية (۱/۲۹۰): الكفاءة معتبرة في الرجال للنساء للزوم النكاح كذا في محيط السرخسي ولا تعتبر في جانب النساء للرجال كذا في البدائع فإذا تزوجت المرأة رجلا خيرا منها فليس للولي أن يفرق بينهما فإن الولي لا يتعير بأن يكون تحت الرجل من لا يكافئوه كذا في شرح المبسوط للإمام السرخسي الكفاءة تعتبر في أشياء منها النسب۔۔۔ومنها إسلام الآباء۔۔۔ ومنها الحرية۔۔۔(ومنها الكفاءة فی المال) وهو ان يكون مالكا للمهر والنفقه وهو المعتبر فی ظاهر الرواية۔۔۔ومنها الديانة تعتبر الكفاءة في الديانة وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وهو الصحيح كذا في الهداية فلا يكون الفاسق كفئا للصالحة۔۔۔ سواء كان معلن الفسق أو لم يكن ۔۔۔ (ومنها الحرفة) فی ظاهر الرواية عن ابي حنيفة رحمه الله تعالیٰ لاتعتبر الحرفة۔۔۔ ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غير كفء صح النكاح فی ظاهر الرواية ۔۔۔ ولكن للأولياء حق الاعتراض وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط۔

وفی الشامية (۳/۵۵): (قوله ولاية ندب) أی يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها کی لا تنسب إلى الوقاحة۔۔۔ (۳/۵٦)(قوله فی غير الكفء) أی فی تزويجها نفسها من غير كفء، وكذا له الاعتراض فی تزويجها نفسها باقل من مهر مثلها حتى يتم مهر المثل او يفرق القاضی ۔۔۔ (وقوله بعدم جوازه أصلاً) هذه رواية الحسن عن ابي حنيفة، وهذا اذا كان لها ولیّ لم يرض به قبل العقد فلا

يفيد الرضا بعده ـــــ (قوله وهو المختار للفتوى) وقال شمس الائمة وهذا اقرب الى الاحتياط
كذا في تصحيح العلامة قاسم لانه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاضي يعدل۔
وفي الشامية ايضا(٣ ٣٥)فهل حاصله ان المرأة اذا زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء
وان زوجت من غير كفء لا يلزم او لا يصح بخلاف جانب الرجل فيه اذا تزوج بنفسه مكافئة
له او لا فيه صحيح لازم۔

(۲۲) لڑکی کا کورٹ میرج کر لینے کے بعد بھائیوں کا اسے صحیح نہ ماننا کیسا ہے؟

سوال

لڑکی اور لڑکا دونوں بالغ ہیں اور دونوں نے اپنی مرضی سے جج کے سامنے کورٹ میرج کرلی اور دو گواہ بھی موجود تھے، لڑکی کے بھائی کہتے ہیں کہ یہ نکاح نہیں ہوا، کیونکہ یہ شریعت کے مطابق نہیں۔ دونوں خاندان غریب ہیں، البتہ برادری دونوں کی الگ ہے۔ لڑکی کا بھائی یہ بھی کہتا ہے کہ آپ نے یہ حرام کام کیا ہے اور اب اگر لڑکی کا بھائی یہ کہے کہ ہم لڑکی کو نہیں بھیجیں گے، اس صورت میں شریعت کے مطابق کیا ہو سکتا ہے؟؟؟

براہ مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں اس بات کی راہنمائی فرمائیں کہ کیا یہ نکاح از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟ لڑکی کو گھر میں بند رکھنا اور لڑکے کے حوالہ نہ کرنے کی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ براہ مہربانی جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں کیونکہ یہ دونوں کی زندگی کا مسئلہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جواب سے قبل چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) شرعاً نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرنے کو کہتے ہیں۔

(۲) بالغہ لڑکی اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کفو (برابری) میں نکاح کرتی ہے تو اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

(۳) بالغہ لڑکی اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو اس کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، بلکہ فاسد قرار پاتا ہے۔

(۴) بالغہ لڑکی کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے نکاح کے معاملے کو اپنے ولی کے سپرد کردے اور ولی بھی بالغہ لڑکی کی رضا کو ملحوظ رکھے کیونکہ نکاح کا معاملہ بہت نازک ہے اس لئے دونوں ایک دوسرے کی رعایت رکھیں تاکہ فتنہ و فساد نہ ہو۔

(۵) کفو (برابری کا ہونا) میں چھ چیزوں کا اعتبار ضروری ہے۔

۱) آزادی۔ ۲) اسلام۔ ۳) نسب: اس کا اعتبار عربوں میں ہے عجمیوں میں نہیں، ہاں اگر کوئی شخص

معروف النسب ہو جیسے سیّد وغیرہ تو ان میں کفوء کا اعتبار ہوگا۔ ۴) دیندار ہونا: جب لڑکی اور اس کے گھر والے دیندار ہوں۔
۵) مالداری۔ ۶) پیشہ: یعنی کسی ایسے پیشے والا ہونا کہ لوگ اس پیشے کو کرنے میں عار محسوس نہ کرتے ہوں۔

لہٰذا صورت مسئلہ میں اگر لڑکی اور لڑکے نے دو گواہوں کی موجودگی میں کورٹ میرج کرلی ہے اور لڑکا کفو بھی ہے تو شرعاً نکاح درست ہے، چنانچہ لڑکی کو گھر میں روکے رکھنا اور لڑکے کے حوالے نہ کرنا شرعاً جائز نہیں اور لڑکی کے بھائی کا یہ کہنا کہ [یہ نکاح شریعت کے مطابق نہیں ہوا اور آپ نے حرام کام کا ارتکاب کیا ہے] صحیح نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ برادری الگ ہے تو برادری کے الگ ہونے سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ہاں اگر لڑکا لڑکی کا کفو نہ ہو (یعنی ان مذکورہ اشیاء میں لڑکا لڑکی کے ہم پلہ یا اس سے زیادہ نہ ہو) تو نکاح منعقد نہیں ہوا، اس صورت میں نکاح فاسد ہو جانے کی بناء پر لڑکی کو رخصت کرنا بھی ضروری نہ ہوگا، فقط متارکت یا فسخ کرالیا جائے، (یعنی لڑکا یا لڑکی اس نکاح کو فسخ کرنے کے الفاظ استعمال کردیں)۔

لما فی الدر المختار(۲۲،۲۱،۹/۳): (وینعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر۔۔۔ (و)شرط(حضور)شاهدين(حرين)أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)۔۔۔ (مسلمين) لنكاح مسلمة ولو فاسقين أو محدودين في قذف أو أعميين أو ابني الزوجين أو ابني أحدهما

وفی الشامية تحته: قوله (ولو فاسقين الخ) اعلم أن النكاح له حكمان حكم الانعقاد وحكم الإظهار فالأول ما ذكره والثاني إنما يكون عند التجاحد فلا يقبل في الإظهار إلا شهادة من تقبل شهادته في سائر الأحكام كما في شرح الطحاوي فلذا انعقد بحضور الفاسقين والأعميين و المحدودين في قذف وإن لم يتوبا وابني العاقدين وإن لم يقبل أداؤهم عند القاضي كانعقاده بحضرة العدوين۔

وفی الشامية أيضا(۸۴/۳): فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئة له أو لا فإنه صحيح لازم۔

(۲۳) اٹھارہ سال سے کم عمر بچوں کا نکاح نہ کرسکنے کا قانون بنانا

سؤال

پاکستان میں فیملی لاء آرڈیننس (عائلی قوانین) کے نام سے ایوب خان کے دور میں ایک قانون نافذ ہوا تھا، جس کے مطابق

اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکا اور سولہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ہندوستان میں برطانوی دور اقتدار میں ''شارد ایل'' کے نام سے ایک ایسا ہی قانون پورے ہندوستان کیلئے نافذ ہوگیا تھا کہ اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکا اور چودہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ قانون شریعت کے اصولوں سے متصادم ہے؟

(۲) نیز اس کے نفاذ کے بعد ان عمروں سے کم کے نوجوانوں کا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

(۳) کافر اور مسلمان حکومتوں کے درمیان اس قانون کے نافذ کرنے میں فرق ہوگا یا نہیں؟

(۴) کیا اسلام میں کوئی عمر نکاح کیلئے مقرر ہے؟

(۵) کافر ملک کا تو سمجھ آتا ہے کیونکہ کافر تو کافر ہے، مگر مسلمان ملک میں اس کا نفاذ سمجھ نہیں آتا، کچھ تو دلیل ہوگی جو پاکستان میں اس کا نفاذ ہوا۔

براہ کرم ان دلائل کے جوابات بھی مرحمت فرمائیں اور مسئلے کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈال دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً نکاح کیلئے کوئی مدتِ متعینہ نہیں بلکہ عمر کے کسی بھی حصے میں نکاح ہوسکتا ہے، اگر بچے یا بچی پر علاماتِ بلوغ ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال کی عمر میں اسے بالغ سمجھا جائے گا البتہ بلوغت سے قبل بھی نکاح منعقد ہوسکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی مانع نہیں، لیکن مصالح نکاح کے حصول کیلئے بہتر یہ ہے کہ نکاح بلوغت کے بعد ہو کیونکہ چھوٹی عمر میں نکاح کے بعد ممکن ہے بالغ ہونے تک لڑکے یا لڑکی کی ترجیحات بدل جائیں اور پھر اس بندھن کو باقی رکھنا مشکل ہوجائے لہٰذا بلوغت کے بعد دیکھ بھال کر رشتہ کرنا بہتر ہے، بہرحال اگر بچے کے والدین چھوٹی عمر میں ہی بچے کے نکاح میں فائدہ دیکھیں تو بلاشبہ نکاح کیا جاسکتا ہے، لہٰذا آپ کے سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) یہ قانون خلافِ شرع ہے۔

(۲) اس کے نفاذ کے بعد بھی ان عمر سے کم عمر کے بچوں کا نکاح ہوسکتا ہے، اب ذیل میں یہ قانون غیر مؤثر ہوگا۔

(۳) دونوں طرح کی حکومتیں برابر ہیں۔

(۴) اسلام میں نکاح کی کوئی خاص عمر مقرر نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

(۵) مسلمان ملک میں ایسے قانون کا نفاذ کسی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ مغرب کے پروپیگنڈے اور اس سے متاثر مسلمانوں کی بناء پر ہے شریعت یا دلیل سے اس قانون کا کوئی تعلق نہیں۔ جدت پسندوں کی طرف سے نکاح کے شرعاً آسان معاملے کو مشکل بنانے کیلئے ایسے اقدامات سامنے آتے رہتے ہیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۶): وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

وفی المشکوۃ (ص۲۷۱): وعن أبي سعيد رضي الله عنه وابن عباس رضى الله عنهما قالا: قال رسول الله صلى

الله عليه وسلم : " من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه " ۔

وفی الدرالمختار(۹/۳) : (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك۔

(۲۴) شادی کے موقع پر دولہا کو تحفہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر دولہا کو عزیز و اقارب اور قریبی دوست اپنی اپنی مرضی سے کچھ رقم بخوشی دیتے ہیں۔ کیا شرع میں اس کا کوئی جواز ہے؟ یہ بدعت یا رسم ورواج میں تو نہیں آتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دولہا کو تحفہ وغیرہ دینا یہ مسنون طریقہ ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ہدیہ دے کر بھیجا تھا، لہٰذا مذکورہ صورت میں شادی کے موقع پر دولہا کو رقم یا ہدیہ وغیرہ دینا یہ بدعت نہیں بلکہ مسنون ہے، البتہ اس معاملے میں حد سے تجاوز کرنا اور اسے لازم سمجھ کر لینا دینا اور نہ دینے والے پر طعن وتشنیع یا برے جذبات دل میں لانا ان امور سے اجتناب کرنا چاہیئے، اور اگر ایسے عوامل کے پیشِ نظر ہدایا کا لین دین ہو رہا ہو تو اسے ترک کر دینا چاہیئے۔

لما فی البخاری (۷۷۵/۲): باب الهدية للعروس: وقال إبراهيم: عن أبي عثمان واسمه الجعد، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: مر بنا في مسجد بني رفاعة، فسمعته يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا مر بجنبات أم سليم دخل عليها فسلم عليها، ثم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم عروسا بزينب، فقالت لي أم سليم: لو أهدينا لرسول الله صلى الله عليه وسلم هدية، فقلت لها: افعلي، فعمدت الى تمر وسمن وأقط، فاتخذت حيسة في برمة، فأرسلت بها معي إليه، فانطلقت بها إليه، فقال لي: ضعها ، ثم أمرني فقال: ادع لي رجالا سماهم وادع لي من لقيت قال: ففعلت الذي أمرني، فرجعت فإذا البيت غاص بأهله، فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يديه على تلك الحيسة وتكلم بها ما شاء الله، ثم جعل يدعو عشرة عشرة يأكلون منه۔ الخ۔

وفی الترمذی (۳۴/۲): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: تهادوا فإن الهدية تذهب وحر الصدر ولا تحقرن جارة لجارتها ولو شق فرسن شاة۔

وفی عمدۃ القاری (۲۰/۱۵۱): وفيه فوائد الأولى كونه أصلا في هدية العروس وكان الإهداء قديما فأقرها الإسلام۔

(۲۵) نکاح کے موقع پر مٹھائی یا چھوارے تقسیم کرنے کا حکم

سؤال

ہمارے علاقے میں لوگ نکاح کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک عزیز نے شادی میں چھوارے تقسیم کئے، میں نے ایک صاحب سے وجہ پوچھی کہنے لگے یہ مسنون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمر تقسیم کئے تھے۔

دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) تمر کا کیا مطلب ہے؟ کیا تمر کا اطلاق چھوارے پر ہوسکتا ہے؟ یا کھجور ہی کو تمر کہتے ہیں؟

(۲) کوئی اور میٹھی چیز بتاشہ وغیرہ مسجد میں نکاح کے بعد بانٹنا [پھینک کر یا ہاتھوں میں دیکر] یہ مسنون ہوگا یا نہیں؟ ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۳) اگر ضعیف احادیث میں ایسے مواقع پر اس قسم کے افعال کا ذکر ہے تو ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے؟ انہیں جائز کہیں گے یا استحباب کی حدود میں داخل کرسکتے ہیں۔؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ عقد نکاح ایک خوشی کا موقعہ ہے، اور ایسے موقع پر کھجور یا کوئی اور میٹھی چیز تقسیم کرنا فی نفسہ جائز اور مباح ہے، البتہ یہ عمل ثواب کی نیت سے نہ کیا جائے۔ میٹھی چیز کے پھینکنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ تر چیز (چاہے کھجور ہو یا کوئی اور مٹھائی وغیرہ) کا پھینکنا مطلقاً ممنوع ہے، چاہے مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر، کیونکہ مسجد میں ہو تو مسجد کی تلویث ہوگی ورنہ کپڑے خراب ہوں گے، زمین پر گرنے کی صورت میں وہ چیز خراب ہوگی۔ خشک چیز کا مسجد میں اور مسجد سے باہر پھینکنا جائز تو ہے، البتہ نہ پھینکنا بہتر ہے، آرام سے ہاتھوں میں تقسیم کردیا جائے۔

لہٰذا شادی کے موقع پر میٹھی چیز ثواب کی نیت سے تقسیم کرنا کہ احادیث سے ثابت ہے درست نہیں، اس لئے کہ مذکورہ احادیث اس درجہ کی نہیں کہ ان سے اس کے استحباب کو ثابت کیا جاسکے، البتہ صرف اباحت اور جواز کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

لما فی اعلاء السنن (۱۱/۱۲) باب استحباب الوليمة (ط ادارة القرآن): وكتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلى النجاشي يأمره أن يخطبها للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ويزوجها منه، ففعل --- ثم أرادوا أن يقوموا، فقال: اجلسوا فإن سنة الأنبياء عليهم الصلوة والسلام اذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج،

فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا قلت: وليس ذلك بوليمة، بل هو طعام التزويج ويلتحق به ما تعارفه المسلمون من نثر التمر ونحوه في مجلس النكاح، فقد روى البيهقي عن معاذ بن جبل رضي الله عنه بسند فيه ضعف وانقطاع "أن النبي صلى الله عليه وسلم حضر في املاك (أي نكاح) فأتى بطباق عليها جوز ولوز وتمر، فنثرت فقبضنا أيدينا فقال: مابا لكم لا تأخذون؟ فقالوا: لأنك نهيت عن النهبى فقال: مانهيتكم عن نهبى العساكر خذوا على اسم الله، فجاذبنا وجاذبناه" واغرب إمام الحرمين فصححه من حديث جابر رضي الله عنه، وهو لا يوجد ضعيفا فضلا عن صحيح، وفي "مصنف ابن ابي شيبة" عن الحسن والشعبي: "انهما كانا لا يريان بأسا بالنهب في العرسات والولائم، وكرهه أبو مسعود وابراهيم وعطاء وعكرمة رحمهم الله كذا في "التلخيص الحبير"۔

وفي السراجية (ص۷۵) كتاب الكراهية (ط سعيد): لا بأس بنثر السكر والدراهم في الضيافة وعقد النكاح۔

وفي الهندية (۳۴۵/۵) كتاب الكراهية (ط حقانية): الباب الثالث عشر في النهبة ونثر الدراهم والسكر وما رمى به صاحبه: ذكر في فتاوى أهل سمرقند أن النهبة جائزة إذا أذن صاحبه فيها إذا وضع الرجل مقدارا من السكر أو عددا من الدراهم بين قوم وقال من شاء أخذ منه شيئا أو قال من أخذ منه شيئا فهو له فكل من أخذ منه شيئا يصير ملكا له ولا يكون لغيره أن يأخذ ذلك منه كذا في الذخيرة --- لا بأس بنثر السكر والدراهم في الضيافة وعقد النكاح كذا في السراجية۔

(۲۶) کن صفات کے حامل شخص سے نکاح پڑھوایا جائے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح پڑھانے والا شخص کیسا ہونا چاہیئے؟ کیسی صفات کا مالک ہو جس سے نکاح پڑھوایا جائے؟ کیا اس میں کوئی قید ہے؟ نیز خطبہ، نکاح کے انعقاد کیلئے ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک اعتبار سے نکاح عبادت ہے لہٰذا نکاح پڑھانے والا شخص بھی ایسا ہونا چاہیئے جو متبع شرع ہو، باوقار ہو اور ایجاب وقبول اور خطبہ مسنون پڑھنا جانتا ہو، تاکہ سنت کے موافق نکاح منعقد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے تشہیر نکاح کا حکم دیا ہے، چنانچہ یہ مستحب

ہے کہ نکاح مسجد میں ہو، جمعہ کے دن عصر کے وقت ہو۔

خطبہ کے بغیر اگرچہ نکاح درست تو ہوجاتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ اس میں خطبہ پڑھ لیا جائے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء". (المشكوة: ص٢٧٢)

یعنی ہر وہ شادی جس میں خطبہ (حمد وثناء) نہ ہو وہ مجذوم (کوڑھ زدہ) ہاتھ کی طرح ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد فى الصلاة والتشهد فى الحاجة قال: التشهد فى الصلاة: " التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ". والتشهد فى الحاجة: " إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ". ويقرأ ثلاث آيات الخ. (مشكوة: ٢/٢٧٢)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح وغیرہ کی مستقل تعلیم دی ہے، لہذا خطبہ نکاح کا پڑھ لینا مستحب اور بہتر ہے۔

لما فى القرآن الكريم (النور:٣٣): وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

وفى مرقاة المفاتيح (٦/٢٨٣): عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال علمنا رسول الله التشهد في الصلاة والتشهد في الحاجة أي من النكاح وغيره۔

وفيه أيضا: (٦/٢٨٣): وعن أبي هريرة قال قال رسول الله كل خطبة بكسر الخاء وهي التزوج ليس فيها تشهد أي حمد وثناء على الله فهي كاليد الجذماء أي المقطوعة التي لا فائدة فيها لصاحبها والجذم سرعة القطع وقيل الجذماء من الجذام وهو داء معروف تنفر عنه الطباع۔

وفى المغنى لابن قدامة (٧/٤٣٣): والخطبة غير واجبة عند احد من اهل العلم علمناه الا داؤد فانه اوجبها الخ۔

وفى الدرالمختار (٣/٨): ويندب: اعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول۔

وفى الفقه الاسلامى (٦٦١٦/٩):يستحب للزواج ما يأتي:١- أن يخطب الزوج قبل العقد عند التماس التزويج خُطبة مبدوءة بالحمدلله والشهادتين، والصلاة على رسول الله صلّى الله عليه وسلم مشتملة على آية فيها أمر بالتقوى وذكر المقصود، عملاً بخطبة ابن مسعود رضي الله عنه ـــ و المستحب خطبة واحدة ـــ فالخطبة مستحبة غير واجبة۔

وفيه أيضا (٦٥٢٠/٩):ويدل لكونه عبادة أمر النبي صلّى الله عليه وسلم ، والعبادة تتلقى من الشرع، فالزواج من قبيل العبادة، لما يشتمل عليه من المصالح الكثيرة التي منها تحصين النفس وإيجاد النسل۔

وفيه أيضا(٦٦١٨/٩):أن يعقد النكاح يوم الجمعة مساء، لحديث أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً:أمسكوا بالمِلاك، فإنه أعظم بركة ولأن الجمعة يوم شريف ويوم عيد، والبركة في النكاح مطلوبة، فاستحب له أشرف الأيام طلباً للبركة، والإمساء به، لأن في آخر النهار من يوم الجمعة ساعة الإجابة۔

(٢٧) نکاح مسجد میں اور نیک شخص سے پڑھوانا مستحب ہے۔

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں نکاح پڑھانا شریعت کی رو سے درست ہے یا نہیں نیز نکاح میں خطبہ پڑھنے کا کیا حکم ہے اور نکاح کیسے شخص سے پڑھوانا چاہیئے؟؟؟

الجواب بعون الملك الوهاب

عقد نکاح مسجد کے اندر کرنا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے اسی طرح خطبۂ نکاح پڑھنا بھی مستحب ہے جبکہ کسی بزرگ ہستی سے نکاح پڑھانا ایک نیک شگون ہے۔

لمافى الترمذى (٢٠٧/١):عن عائشة رضى الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف"

وفى المشكوة (٢٧٢/٢):وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء"

وفى نيل الأوطار (ج٣ جز٦ ص٢٤٤،٢٤٥): عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: علّمنا رسول الله صلى الله عليه

وسلم التشهد فى الصلاة والتشهد فى الحاجة ---- وفى رواية للبيهقى "اذا اراد احدكم ان يخطب لحاجة من النكاح اوغيره فليقل: الحمد لله نحمده ونستعينه۔الخ۔" ---- وقد استدل بحديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ هذا على مشروعية الخطبة عند عقد النكاح وعند كل حاجة۔

وفى المرقاة (٦/٢٨٥): ''عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله اعلنوا هذا النكاح واجعلوه فى المساجد''وهو امالأنه ادعى الى الاعلان او لحصول بركة المكان وينبغى أن يراعى فيه أيضا فضيلة الزمان ليكون نورا على نور و سروراً على سرور قال ابن الهمام رحمه الله : ويستحب مباشرة عقد النكاح فى المسجد لكونه عبادة وكونه فى يوم الجمعة۔

وفى الدرالمختار(٣/٨):ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول۔

وفى الرد تحتة: قوله: (قوله : ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي {أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف } فتح (قوله : وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد ---- (قوله : في مسجد) للأمر به في الحديث ط ---- (قوله : بعاقد رشيد وشهود عدول) فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ، ولا مع عصبة فاسق۔

(٢٨) کافر جج کے سامنے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیرون ممالک مثلاً برطانیہ وغیرہ میں نکاح کا طریقہ کار یہ ہے کہ اگر لڑکی وہاں اور لڑکا مثلاً پاکستان میں ہو اور وہ نکاح کرنا چاہتے ہوں تو لڑکے کو وہاں بلا کر غیر مسلم جج کے سامنے ایجاب وقبول کرنا پڑتا ہے۔تردد اس بات کا ہے کہ نہ خطبہ ہوتا ہے نہ دعاء وغیرہ بس ایک فارملٹی سی ہے۔پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟ کیا وہ لڑکا اس لڑکی سے استمتاع کر سکتا ہے یا دوبارہ نکاح مسلمان قاضی سے پڑھوانا فرض ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ عقد نکاح کیلئے ایجاب وقبول ارکان میں سے ہیں، جبکہ گواہوں کا ہونا اور عاقدین کا عاقل بالغ ہونا وغیرہ شرائط نکاح میں سے ہیں۔جہاں تک خطبہ نکاح اور دعاء وغیرہ کا تعلق ہے تو خطبہ مستحب ہے،لہٰذا خطبہ پڑھے بغیر بھی نکاح جائز ہے،اگر چہ

خلاف سنت ہے۔قاضی کا ہونا بھی کوئی ضروری نہیں، چنانچہ صورت مسئولہ میں اگرلڑکا لڑکی عقدِ نکاح کے اہل ہوں اور انہوں نے مسلمان گواہوں کے سامنے باقاعدہ ایجاب وقبول کرلیا ہوتو نکاح منعقد ہوگیا اورلڑکے کیلئے لڑکی سے استمتاع جائز ہے اگر چہ کافرجج کے سامنے یہ ایجاب وقبول ہوا ہو، البتہ مسلمان قاضی کے سامنے مسجد میں نکاح کرنا بہتر ہے اور اسلامی حمیت کا تقاضہ بھی یہی ہے، البتہ صورتِ ھذا میں دوبارہ مسلمان قاضی سے نکاح پڑھوانا ضروری نہیں۔

لمافی الهندية (۱/۲٦۷) : أما تفسيره فهو عقد يرد على ملك المتعة قصدا ۔۔۔ وأمارکنه فالايجاب والقبول ۔۔۔ وأما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية فی العاقد ۔۔۔ ومنها الشهادة قال عامة العلماء انها شرط جواز النكاح۔

وفی حاشية الطحطاوی على الدر (۲/۵):(قوله وتقديم خطبة) ای على العقد اطلق فی الخطبة كصاحب البحر والنهر وغيرهما فافاد بذلك انها ليس لها الفاظ معينة ۔۔۔ (وشهود عدول) ليكون العقد متفقا عليه۔

وفی الدرالمختار (۳/۸) :ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول۔

وفی الرد تحته:قوله (وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد وأما بكسرها فهي طلب التزوج وأطلق الخطبة فأفاد أنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة وإن خطب بما ورد فهو أحسن۔

(۲۹) تبرک کے حصول کیلئے کسی دینی اجتماع میں نکاح پڑھوانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں اس سال تبلیغی اجتماع کیلئے رائیونڈ گیا، ماشاء اللہ کافی لوگ موجود تھے جو بزرگوں کے بیانات یکسوئی کے ساتھ سننے کا اہتمام کرتے تھے وہاں کا ماحول مجھے بڑا پسند آیا لیکن ایک بات میں نے عجیب دیکھی کہ اعلان ہوا ''ابھی نکاح ہوں گے''۔ میں نے ایک تبلیغی بھائی سے معلوم کیا تو وہ کہنے لگے ''چونکہ یہاں بڑے بڑے بزرگ موجود ہوتے ہیں، لوگ خیر وبرکت کیلئے ان سے نکاح پڑھواتے ہیں''۔ میں نے اس وقت ارادہ کیا کہ آئندہ سال میں بھی اجتماع میں اپنا نکاح پڑھواؤں گا، لیکن جب اپنے امام صاحب سے بات کی تو انہوں نے فرمایا: ''یہ ایک فضول حرکت ہے، ناواقف تبلیغی ایسا کرتے ہیں''۔ آپ حضرات بتائیں کہ تبلیغی اجتماعات کے اندر نکاح پڑھوانا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

مسجد میں نکاح پڑھوانا مستحب ہے، چنانچہ تشہیر بھی ہوجاتی ہے اور تبرک بھی حاصل ہوجاتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص تبرک کیلئے بزرگوں سے نکاح پڑھوائے تو یہ جائز اور مستحسن ہے لہٰذا آپ بھی تبرک کیلئے اجتماع میں بزرگوں سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں، لیکن مسجد میں نکاح کی نضیلت حاصل نہ ہو پائے گی لہذا آپ مسجد میں ہی کسی بزرگ سے نکاح پڑھوالیں تو بہتر ہے۔ نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مسجد یا اجتماع گاہ میں نکاح پڑھوانا مقصود نہیں، اصل یہ ہے کہ نکاح کے بعد شادی کی تمام تقاریب کو شریعت کے مطابق انجام دیا جائے، شادی اگر اس طرح کی جائے کہ اس میں مکمل سنتوں کا اہتمام اور منکرات سے اجتناب ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالتا ہے۔

لمافي صحيح البخاري (۲/۷۷۲): عن سهل رضي الله عنه أن امرأة أتت النبي صلى الله عليه وسلم فعرضت عليه نفسها فقال مالي اليوم في النساء من حاجة فقال رجل زوجنيها يا رسول الله۔ الخ۔

وفي سنن الترمذي (۱/۲۰۷): عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔

وفي المرقاة (۶/۲۸۵): وهو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أولحصول بركة المكان، وينبغي أن يراعى فيه أيضاً فضيلة الزمان ليكون نوراً على نور وسروراً على سرور قال ابن الهمام رحمه الله: ويستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد لكونه عبادة وكونه في يوم الجمعة۔ الخ۔

وفي الدر المختار(۳/۸): ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقدٍ رشيد وشهود عدول۔

وفي الرد تحته: (قوله في مسجد) للأمر به في الحديث (قوله يوم جمعة) أي وكونه يوم جمعة، فتح۔

(۳۰) اپنا نکاح خود پڑھا دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص دو افراد کی موجودگی میں خود اپنا نکاح پڑھائے تو کیا یہ نکاح درست ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوهاب

نکاح کی صحت کیلئے دو گواہ ضروری ہیں جو عاقدین کے علاوہ ہوں اور ایجاب وقبول کی مجلس میں موجود ہوں، لہذا اگر لڑکی کی طرف سے کوئی وکیل موجود ہو یا لڑکی نے اس شخص کو ہی اپنے سے نکاح کا وکیل بنا دیا ہو تو اس صورت میں دو افراد کی موجودگی میں اس شخص

کا کیا ہوا نکاح درست ہے، البتہ مجمع عام میں نکاح کرنا بہتر اور اولی ہے تاکہ نکاح کی تشہیر ہو جائے۔

لما فی مختصر القدوری (ص۱۷۳): النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول۔ الخ۔

وفی الدرالمختار (۹/۳): (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي)۔۔۔۔ (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك (و) يقول الآخر (تزوجت)۔

وفی ردالمحتار (۹/۳): قوله (كزوجت نفسي الخ) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلا أو وليا أو وكيلا۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۵۲۹/۹): انعقاد الزواج بعاقد واحد :قال الحنفية : ينعقد الزواج بعاقد واحد إذا كانت له ولاية من الجانبين، سواء أكانت ولايته أصلية كولاية القرابة، أم طارئة كولاية الوكالة، بأن كان العاقد ولياً من الجانبين كالجد إذا زوج ابن ابنه الصغير من بنت ابنه الصغيرة، و الأخ إذا زوج بنت أخيه من ابن أخيه الصغير، أو كان أصيلاً و ولياً كابن العم إذا تزوج بنت عمه من نفسه، أو كان وكيلاً من الجانبين، أو كان رسولاً من الجانبين، أو كان أصيلاً من جانب، ووكيلاً من جانب آخر كأن توكل امرأة رجلاً ليزوجها من نفسه، أو وكل رجل امرأة لتزوج نفسها منه۔

(۳۱) مسجد میں نکاح کر کے مسجد کی چھت پر ہی دعوتِ نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں ایک شخص کا نکاح ہوا نکاح کے بعد اس شخص نے متولی کی اجازت سے مسجد کی چھت پر اپنے اساتذہ اور دوست واحباب کی دعوت کی، آیا اس طرح مسجد کی چھت پر نکاح کی دعوت کرنا کیسا ہے؟ اور اس کی اجازت دینے والے متولی کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے لیکن مسجد میں دعوت وغیرہ کھانا مکروہ ہے البتہ اگر اعتکاف کی نیت ہو تو پھر جائز ہے بشرطیکہ مسجد کا تقدس پامال نہ ہو، نیز مسجد کی چھت بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ دعوت میں چونکہ سب کا اعتکاف کی نیت کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور مسجد کا تقدس پامال ہونے کا بھی خطرہ ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مسجد میں دعوت کرنے سے اجتناب کیا جائے اور متولی کو بھی چاہئے کہ آئندہ کسی کو بھی مسجد میں دعوت کرنے کی اجازت نہ دے۔

لمافی البحر الرائق (۲/٦٠) باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها (رشيديه): لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته ـ ـ ـ ولأن تطهيره واجب لقوله تعالى{أن طهرا بيتي للطائفين والعكفين والركع السجود} ولما أخرجه المنذري مرفوعا جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وبيعكم وشراءكم ورفع أصواتكم وسل سيوفكم ـ الخ ـ ـ ـ (ص ٦٣) والمفتي به أنه لا يلازم غريمه في المسجد لأن المسجد بني لذكر الله تعالى ـ

وفی الهندية (٥/٣٢١) الباب الخامس فی آداب المسجد (ط حقانيه): ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى أو يصلي ثم يفعل ما شاء كذا في السراجية ـ ـ ـ ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد ـ ـ ـ مباشرة عقد النكاح في المساجد مستحب ـ ـ ـ الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا وفي خزانة الفقه ما يدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا في المسجد حرام ـ

وفيه أيضاً (٢/٤٢٥): فإن طعن في الوالي طاعن لم يخرجه القاضي من الولاية إلا بخيانة ظاهرة ـ

وفيه الشامية (١/٦٦١): (قوله وأكل ونوم الخ) واذا أراد ذلك ينبغى أن ينوى الاعتكاف فيدخل ويذكر الله تعالیٰ بقدر مانوى أو يصلى ثم يفعل ماشاء ـ

وفيه أيضاً(٤/٤٢٥): قال فی البدائع: فان كان بحيث يتلوث بالماء المستعمل يمنع منه لأن تنظيف المسجد واجب ـ (٤/٣٨٠): قال فی البحر: قدمناه أنه لايعزله القاضى بمجرد الطعن فی أمانته بل بخيانة ظاهرة ببينة ـ ـ ـ مطلب في شروط المتولي قوله (غير مأمون الخ) قال في الإسعاف ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود ـ

(۳۲) نکاح خواں کا نکاح پڑھانے پر فیس وصول کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح پڑھانے میں سنت طریقہ کیا ہے؟ آیا نکاح پڑھانے پر فیس وصول کرنے کی گنجائش ہے؟ جبکہ اگر فیس نہ دی جائے تو نکاح خواں (جو بغیر فیس کے نکاح پڑھائے) کی تلاش بھی مشکل

ہوجائے گی، ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر نکاح خواں کی فیس ادا کرنا جائز ہوگا؟ تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح پڑھانے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے خطبہ پڑھے، پھراس کے بعد گواہان کے سامنے ایجاب وقبول کرالے نیز اگر نکاح مسجد یا دیگر دینی اجتماعات میں کیا جائے تو بہتر ہے۔

صورتِ مسئولہ میں نکاح خواں اور متعاقدین کے درمیان جو اُجرت طے ہوچکی ہو اس کا لینا نکاح خواں کیلئے جائز ہے، بشرطیکہ نکاح پڑھانے والا متعاقدین کا ولی نہ ہو کیونکہ جو عقد کرانا کسی شخص پر واجب ہو اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہوتی، ولی کے علاوہ کیلئے نکاح پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے۔

لمافي الدر المختار (۹/۲): ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم الجمعة بعاقد رشيد وشهود عدول (وينعقد) متلبساً (بايجاب) من احدهما (وقبول) من الآخر۔

وفي خلاصة الفتاویٰ (۴۸/۴): ولا يحل له اخذ شئي على النكاح ان كان نكاحاً يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر وفي غيره يحل۔

وفي الهندية (۳۴۵/۳): وفي فتاوى النسفي إذا كان القاضي يتولى القسمة بنفسه حل له أخذ الأجرة وكلّ نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه كذا في المحيط واختلفوا في تقديره والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا وفي الثيب نصف دينار ويحل له ذلك هكذا قالوا كذا في البرجندي۔

(۳۳) نکاح کے موقع پر دولہا سے تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر نکاح خواں دولہا سے تین بار ایجاب وقبول کراتے ہیں تو کیا تین بار ایجاب وقبول کا ثبوت قرآن وسنت سے ملتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسا کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

شرعاً فقط دو گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرنے کا نام، نکاح ہے۔ تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانے کی ضرورت نہیں، لہٰذا نکاح خواں کو چاہیئے کہ شرعی طریقہ کار کو مقدم رکھتے ہوئے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرانے پر اکتفاء کرے اور نکاح کے وقت مروج ان زائد رسومات سے اجتناب کرے۔

لما في البخاری (۷۷۰/۲، ۷۷۱): حدثنا سهل بن سعد رضي الله عنه كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم جلوسا، فجاءته امرأة تعرض نفسها عليه، فخفض فيها النظر ورفعه، فلم يردها، فقال رجل من أصحابه: زوجنيها يا رسول الله، قال: أعندك من شيء؟ قال: ما عندي من شيء، قال: ولا خاتم من حديد؟ قال: ولا خاتم من حديد ولكن أشق بردتي هذه فأعطيها النصف، وآخذ النصف، قال: لا، هل معك من القرآن شيء؟ قال: نعم، قال: اذهب فقد زوجتكها بما معك من القرآن۔

وفی الهندية (۲٦۷/۱): وأما ركنه فالإيجاب والقبول كذا في الكافي والإيجاب ما يتلفظ به أولا من أي جانب كان والقبول جوابه هكذا في العناية۔

وفی الشامية (۹/۳): قوله (وينعقد) قال في شرح الوقاية العقد ربط أجزاء التصرف أي الإيجاب والقبول شرعا لكن هنا أريد بالعقد الحاصل بالمصدر وهو الارتباط لكن النكاح الإيجاب والقبول مع ذلك الارتباط إنما قلنا هذا لأن الشرع يعتبر الإيجاب والقبول أركان عقد النكاح لا أمورا خارجية كالشرائط۔

(۳۴) نکاح کے وقت زوجین سے کلمہ طیبہ اور ایمان مجمل، مفصل پڑھوانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں نکاح کے وقت لڑکا اور لڑکی سے کلمہ، درود شریف، ایمان مفصل ومجمل وغیرہ پڑھوایا جاتا ہے، اسی طرح دو رکعت نماز بھی پڑھوائی جاتی ہے۔ شرعاً ان چیزوں کی کیا حیثیت ہے خصوصاً اس وقت جبکہ کثرت تعامل کی وجہ سے ان چیزوں کو ایجاب وقبول کا حصہ سمجھنا شروع کر دیا گیا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں ایجاب وقبول ضروری ہے بدون ایجاب وقبول کے نکاح منعقد نہ ہوگا اور ایمان مفصل ومجمل اور کلموں کا پڑھانا انعقاد نکاح کے لئے شرط نہیں ہے بدون پڑھائے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ خصوصاً ان چیزوں کو ایجاب وقبول کا حصہ سمجھنا، اسی طرح دو

رکعت نماز پڑھوانا یہ بالکل بے اصل ہے، لیکن اگر ایسے ناواقف اور جاہل لوگ ہوں کہ جو کفریہ اور غیر کفریہ الفاظ کو نہ سمجھتے ہوں ایسے لوگوں کو کلمہ اور شریعت کے احکام سے آگاہ کرنا اور تعلیم دینا جائز ہے مثلاً یہ کہ "کہو اللہ ایک ہے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔ غرض یہ کہ ایسے الفاظ ان سے کہلوانا جن سے ان کو مسلمان بنایا جائے، لہٰذا عوام الناس وغیرہ سے کلمہ وغیرہ احتیاطاً پڑھا سکتے ہیں، البتہ خواص میں اس کی ضرورت نہیں۔

نیز نکاح کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اوّل خطبہ مسنون پڑھا جائے اور پھر ایجاب وقبول مجلس نکاح میں کرایا جائے اور کم از کم دو گواہ ایجاب وقبول کو بیک وقت سننے والے مجلسِ عقد میں موجود ہونا ضروری ہیں۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷):عن عائشة رضي الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"۔

وفی الدرالمختار(۹/۳):(وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك۔

وفی الشامیة (۴۲/۱): لا شك في فرضية علم الفرائض ـــ وعلم الألفاظ المحرمة أو المكفرة ، ولعمري هذا من أهم المهمات في هذا الزمان، لأنك تسمع كثيرا من العوام يتكلمون بما يكفر وهم عنها غافلون ، والاحتياط أن يجدد الجاهل إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين في كل شهر مرة أو مرتين ، إذ الخطأ وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير۔

وفی الفقه الإسلامی(۶۴۹۲/۹):الخطبة مجرد وعد بالزواج وليست زواجاً ـــ الخطبة والوعد بالزواج وقراءة الفاتحة وقبض المهر وقبول الهدية، لا تكون زواجاً۔

وفی حاشية الفقه الإسلامی :إن ما يشيع بين الناس من أن قراءة الفاتحة تبيح كل شيء هو غلط محض، ومنكر قبيح وجهل بأحكام الدين، فذلك كله مجرد وعد لا عقد، والعقد وحده هو الذي يبيح ما كان محرماً قبله۔

(۳۵) کیا قاضی (نکاح خواں) کا حکومت سے رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہر کوئی نکاح پڑھا سکتا ہے یا اس کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہے؟ نیز نکاح پڑھانے پر اجرت لینا درست ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

نکاح منعقد ہونے کے لئے میاں بیوی کا ایجاب وقبول اور دوشرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ جہاں بھی مرد وعورت کا دوگواہوں کے سامنے ایجاب وقبول پایا گیا نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ نکاح میں چند اُمور مندوب اور مستحب ہیں، جنکی رعایت کرنا موجب ثواب اور موجب برکت ہے۔ مثلاً نکاح کا اعلان کرنا، نکاح سے پہلے خطبہ مسنونہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ، چونکہ نکاح کے تمام اُمور کو قاضی ماہر ہونے کی وجہ سے اچھی طریقے سے ادا کرسکتا ہے اس لئے اس سے نکاح پڑھوانا بہتر ہے، لیکن اس کے لئے قاضی کا حکومت سے باقاعدہ اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں، بلکہ جہاں اجازت لینا ضروری ہے وہ قانونی اعتبار سے اور ترتیب نظام قائم رکھنے کے لئے ہے، شرعاً یہ لازم اور ضروری نہیں ہے۔

نکاح پڑھانے پر اُجرت لینے سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ اگر قاضی لڑکے یا لڑکی کا ولی ہے اور ان کا نکاح کرنا اُس پر واجب ہو تو ایسے قاضی کو نکاح پڑھانے پر اُجرت لینا شرعاً درست نہیں اور اگر قاضی ولی نہیں ہے تو پھر نکاح پڑھانے پر اُجرت لینا شرعاً درست ہے۔

لمافی سنن البيهقی (۱۲۵/۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ : لانكاح الا بولی وشاهدیٔ عدل۔

وفی الهندية (۳۴۵/۳): وفي فتاوى النسفي إذا كان القاضي يتولى القسمة بنفسه حل له أخذ الأجرة وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه كذا في المحيط۔

وفی الشامية (۸/۳): قوله (ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي أعلنواهذاالنكاح واجعلوه في المساجدواضربواعليه بالدفوف فتح۔قوله (وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد۔

وفيه أيضا: (۹/۳) قوله (وينعقد) قال في شرح الوقاية العقد ربط أجزاء التصرف أي الإيجاب والقبول شرعا۔۔۔۔أيضا (۱۳/۳): فان كان بمحضر من الشهود صح النكاح وإلا فلا۔

وفی الدر المختار (۱۴/۳): ومن شرائط الإيجاب القبول اتحاد المجلس۔

وفی الرد تحته: قوله: (اتحاد المجلس) قال في البحر فلو اختلف المجلس لم ينعقد۔

(۳۶) چار عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کا طریقہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ایک ہی مجلس میں چار شادیاں کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں مذکورہ صورت میں ایجاب وقبول کی کیا صورت ہوگی؟ اور چار سے زائد کیوں جائز نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

ایک شخص ایک ہی مجلس میں بیک وقت چار شادیاں کرسکتا ہے اور ایجاب وقبول کی صورت وہی ہوگی جو ایک عورت کے ایجاب وقبول کی ہے مثلاً مرد عورتوں کو کہے گا [زوجنی نفسکن] یعنی تم اپنے آپ کو میرے نکاح میں دیدو تو وہ سب جواب میں کہیں گی [قبلنا] یعنی ہم نے تم کو قبول کیا۔ اسی طرح آج کل جو وکالت کا مروّج طریقہ ہے اس کے مطابق نکاح خواں چاروں عورتوں کا ایک ایک کرکے نام لے کر ان کی طرف سے ایجاب کرے گا اور لڑکا [قبلت] میں نے انہیں قبول کیا، کہہ کر چاروں کو اپنے عقد میں لے لے گا۔

نیز چار سے زائد شادیوں کا ناجائز ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے (فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ) اس آیت میں تصریح ہے کہ چار سے زائد شادیاں کرنا ناجائز ہے۔

لمافی القرآن الكريم (النساء:۳): وَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی الدرالمنثور فی التفسير بالمأثور (۴۲۷/۲): وأخرج ابن جرير عن عكرمة رحمه الله فی الآية قال: كان الرجل يتزوج الأربع والخمس والست والعشر فيقول الرجل ما يمنعني أن أتزوج كما تزوج فلان فيأخذ مال يتيمه فيتزوج به فنهوا أن يتزوجوا فوق الأربع۔

وفی الشامية (۴۸/۳): قوله (جمع) أي بين المحارم كأختين ونحوهما أو بين الأجنبيات زيادة على أربع ۔

وفی الدر المختار(۴۸/۳): (ولو تزوج أربعا من الإماء وخمسا من الحرائر في عقد) واحد (صح نكاح الإماء) لبطلان الخمس (و) صح (نكاح أربع من الحرائر والإماء فقط للحر) لا أكثر۔

وفی الرد تحته: قلت ويستفاد منه ما لو كان جملة الحرائر والإماء لم تزد على أربع فإنه يجوز في

الحرائر فقط وهو صريح ما ذكرناه آنفا عند قوله لا يصح عكسه۔

(۳۷) کیا برادری میں نکاح کرنا ضروری ہے؟

سؤال

لڑکی کی شادی کس عمر میں کی جائے؟ بعض لوگ برادری کے رشتے کے انتظار میں لڑکی کی شادی نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم برادری سے باہر اپنی بچی نہیں دیں گے۔ مفتی صاحب پوچھنا یہ ہے کہ اگر برادری میں لڑکا نہیں یا دیندار نہ ہو تو برادری سے باہر رشتہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

چھوٹی عمر میں بھی لڑکی کی شادی کرنا جائز ہے۔ شرعاً نکاح کے لئے کوئی معین مدت نہیں، لیکن جماع اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اس کی طاقت نہ رکھتی ہو۔ اس زمانے میں بہتر یہ ہے کہ بالغہ ہونے سے پہلے لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے اور جب لڑکی بالغہ ہو جائے اس کے کفوء کا رشتہ بھی ملتا ہو تو بغیر کسی سبب کے نکاح کو مؤخر کرنے سے باپ گناہ گار ہوگا۔

نکاح برادری میں کرنا ضروری نہیں بلکہ اگر برادری میں دیندار لڑکا نہیں ملتا ہو تو باپ کو چاہیئے کہ اپنی اور اپنی صاحبزادی کی آخرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے برادری سے باہر متشرع اور دیندار انسان سے لڑکی کا نکاح کروادے۔ خیر القرون میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہم سب کے لئے بہت بڑا نمونہ اور اُسوہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (باوجود یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نسب و جمال کے اعتبار سے بہت فائق تھیں) ان کا نکاح آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اسے قبول کر کے رہتی دنیا تک کیلئے مثال قائم کردی تھی کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ صرف نسب میں ہی کم نہیں بلکہ آزاد کردہ غلام بھی تھے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ [جو کہ قریش میں سے نہ تھے اور دشمن کی طرف سے قید ہو کر غلام بنا لئے گئے تھے ان] کا نکاح حضرت ضباعۃ بنت زبیر بن عبد المطلب رضی اللہ عنہا سے پڑھایا جو کہ بظاہر نسب و شرافت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں نکاحوں کے بارے میں بہت ہی زرّیں ارشاد فرمایا:

"أنكحت المقداد وزيدا ليكون أشرفكم عند الله أحسنكم اسلاما"۔

(مصنف عبد الرزاق ۶/۱۵۳)

"میں نے مقداد اور زید کے نکاح (مذکورہ بالا عالی النسب خواتین سے) پڑھائے تاکہ تمہارے میں صاحب شرف و کرم وہ ہو جو اسلام کے اعتبار سے اعلیٰ ہو (نہ کہ نسب کے اعتبار سے)"

یہ جملہ اسلام اور ایک مسلمان کا حقیقی مزاج و مذاق بتاتا ہے، ہمارے لئے اس میں راہنمائی ہے کہ نکاح میں معیار دینداری کو

بنایا جائے نہ کہ برادری اور خاندان کو، اور برادری سے باہر سے رشتہ نہ کرنے کے پختہ عزائم کر لئے جائیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں اسلام کے ابتدائی قرون سے پیش کی جاسکتی ہیں کہ ایک دیندار شخص جو کہ غلام اور بظاہر پراگندہ حال ہوتا ہے لیکن اس کا نکاح انتہائی عالی النسب خاندانوں میں ہوجاتا ہے اور لڑکی والے اسے عار یا ذلت سمجھنے کے بجائے فخر اور خوشی کا اظہار کرتے تھے۔

یہ انتہائی خطرناک طرزِ فکر وعمل ہے کہ برادری کے چکر میں لڑکی کی دنیا وآخرت برباد کردی جاتی ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر برادری میں ہی دیندار اور باشرع رشتہ موجود ہو اور اسے ترجیح دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لمافی المرقاة (١٩٢/٦): عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : (اذاخطب اليكم) أى طلب منكم أن تزوجوه امرأة من أولادكم وأقاربكم (من ترضون) أى تستحسنون (دينه) أى ديانته (وخلقه) أى معاشرته (فزوّجوه) أى اياها (ان لا تفعلوا) أى لا تزوجوه (تكن) أى تقع (فتنة فى الأرض وفساد عريض) أى ذو عرض أى كثير لأنكم لم تزوجوه الامن ذى مال أوجاه ربما يبقى أكثر نساء كم بلا أزواج وأكثر رجالكم بلانساء فيكثرون الا فتتان بالزنا۔

وفى الدرالمختار (٨٨/٣): (و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة)أي تقوى فليس فاسق كفؤا لصالحة أو فاسقة بنت صالح معلنا كان أولاعلى الظاهر، نهر۔

وفى الرد تحته: قوله (ديانة)۔۔۔قلت والحاصل أن المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل ۔۔ فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفؤا لصالحة بنت صالح بل يكون كفؤا لفاسقة بنت فاسق۔

(٣٨) لڑکی کا خفیہ طور پر گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری چھوٹی لڑکی نے حال ہی میں خفیہ طور پر شادی کرلی۔ اس بات کا علم گھر کے کسی فرد کو نہیں تھا۔ معلوم ہونے پر والدین نے "لڑکے" کے سامنے یہ بات رکھی کہ جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا اور یہ جو نکاح کیا ہے آپ نے اس پر بھی ہم راضی ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہم اپنی عزت کی خاطر لڑکی کو کچھ ماہ بعد آپ کے سپرد کردیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ ہماری ایک اور لڑکی ہے جو اس سے بڑی ہے۔ اس کی چند ماہ بعد شادی ہے۔ اس کی شادی کے ساتھ ساتھ اس لڑکی کا بھی نکاحِ جدید کردیں گے۔ آیا اس طرح نکاح جدید کرنا شرعاً کیسا ہے؟ یادرہے کہ ابھی اس وقت لڑکی اپنے میکے میں ہے جبکہ شوہر کو بھی اس بات کا علم ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

شریعت میں نکاح کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے علی الاعلان نکاح کیا جائے، تاکہ لوگوں کو نکاح کے بارے میں علم ہوجائے، تاہم اگر کسی لڑکی نے خفیہ طور پر [سرپرست کی اجازت کے بغیر] گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا تو اگر یہ نکاح کفوء (دینداری، مال اور پیشہ میں لڑکا، لڑکی کے ہم پلہ ہو یا زیادہ ہو) میں ہو تو جائز ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی چھوٹی لڑکی نے خفیہ طور پر گواہوں کے سامنے جو نکاح کیا ہے، اگر وہ کفوء میں ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے، اب اگر آپ لوگ مذکورہ بالا وجہ سے لڑکی کا نکاح دوبارہ کرانا چاہتے ہیں تو شرعاً اس میں بھی کوئی حرج نہیں، دوبارہ نکاح پڑھا لیا جائے اور اگر وہ لڑکا، لڑکی کا کفوء نہیں تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اس صورت میں رشتہ ازدواج استوار کرنے کیلئے بہر صورت ان دونوں کا دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

لما في المشكوة (٢٧٢): عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف". رواه الترمذي۔

وفي الدر المختار (٥٥/٣): (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (وله) أي للولي (إذا كان عصبة)۔۔۔(الاعتراض في غير الكفء) فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح (ما لم) يسكت حتى (تلد منه) لئلا يضيع الولد وينبغي إلحاق الحبل الظاهر به (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولي بعد معرفته إياه فليحفظ۔

(۳۹) مہر مقرر کئے بغیر فقط ایجاب وقبول سے کئے گئے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس طرح کروایا کہ ایک مجلس میں اس نے خود اپنی نابالغہ بیٹی کا وکیل بن کر کہا کہ میں نے اپنی بیٹی فلاں لڑکے کو دی اور اس لڑکے نے قبول کرلیا، یہ الفاظ بھری مجلس میں تین مرتبہ دہرائے گئے۔ مولوی صاحب نے خطبہ دیا مگر مہر مقرر نہیں کیا۔ اب جبکہ لڑکی بالغہ ہوچکی ہے، لڑکی کا والد رخصتی دینے کیلئے تیار نہیں، کہتا ہے کہ وہ منگنی تھی، نکاح نہیں تھا، لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلے کا صحیح حل تجویز فرمائیں کہ اگر مہر کے بغیر محض ایجاب وقبول سے نکاح ہوجاتا ہے تو بھی فرمائیں، یا مہر نکاح میں لازمی شرط ہے۔ تفصیل سے اس مسئلے کا واضح حل تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر صغرسنی میں شرعی طریقہ سے، ایجاب وقبول کے ساتھ، گواہوں کی موجودگی میں، لڑکی کا والد اس کا نکاح کردے تو وہ نکاح صحیح اور نافذ ہے، خواہ مہر مقرر کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ صحتِ عقدِ نکاح کیلئے مہر شرط نہیں ہے۔ مہر کے ذکر کئے بغیر بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، البتہ اس صورت میں شوہر پر مہر مثل (لڑکی کی دیگر بہنوں وغیرہ کا جو مہر مقرر ہوا تھا وہ) واجب ہوتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کے والد نے ایک مجلس میں ایجاب وقبول کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کردیا ہے تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہے، اب اس کا یہ کہنا کہ "وہ نکاح نہیں تھا، منگنی تھی" درست نہیں۔

لما فی البحر الرائق (۳/۲۴۹): (قوله: صح النكاح بلا ذكره) لان النكاح عقد انضمام وازدواج لغة فيتم بالزوجين، ثم المهر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل فلا يحتاج الى ذكره لصحة النكاح۔

وفی الدر المختار (۳/۱۰۸): (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا۔

وفی الشامية تحته: قوله (فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه نهر فدخل فيه ما لو سمى غير مال كخمر ونحوه أو مجهول الجنس كدابة وثوب۔

وفيه أيضا (۳/۶۵،۶۶): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبرا۔۔۔ (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش)۔۔۔ (أو) زوجها (بغير كفء إن كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا)۔

وفی الرد تحته: قوله (ولزم النكاح) أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد والمولى وكذا الابن على ما يأتي۔

(۴۰) اگر والدین اور اولاد کی پسند میں اختلاف ہوجائے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں اس سال دورۂ حدیث شریف کررہا ہوں فراغت کے بعد شادی کا مسئلہ ہے میرا ارادہ ہے کہ کسی عالمہ یا حافظہ لڑکی سے شادی کرلوں لیکن والدین کہہ رہے ہیں کہ اپنی قوم اور برادری سے شادی کرو، عالمہ وغیرہ کی ضرورت نہیں، یہ ہمیں اور آپ کو تنگ کرے گی۔ میں بہت پریشان ہوں اس لئے آپ میری راہنمائی کریں مجھے کیا کرنا چاہیئے، نیز شادی کے معاملے میں والدین کی بات ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں بالغ مرد پر شادی کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، وہ اپنی مرضی سے جس عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہے

کرسکتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ جہاں بھی جس عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ آپ والدین کی رضامندی سے شادی کریں۔

لمافی جامع الترمذی (۱۲/۲): عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد۔

وفی مشکاۃ المصابیح (ص۲۶۷): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"

وفی عمدۃ القاری (۸۲/۲۲): ولا یجب علی الولد طاعتهما فی کل ما یامران ولا فی کل ما ینهیان عنه باتفاق العلماء۔

وفی الدرالمختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فان استاذنها هو) ای الولی وهو السنة۔

وفی الرد تحته: (ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمكاتب والمكاتبة ولو صغيرين۔

(۴۱) بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح پڑھا دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بھانجی کی شادی تھی، ہم سب نکاح کیلئے مقررہ وقت پر مسجد میں پہنچ گئے، بعد میں مجھے یاد آیا کہ میں نے دلہن سے تو اجازت ہی نہیں لی اور نہ اس کے دستخط کروائے، گھر بھی بہت دور تھا۔ میں نے قاضی صاحب سے ویسے ہی کہہ دیا کہ جی دلہن کی طرف سے اجازت ہے، انہوں نے دولہا سے قبول کروالیا۔ نکاح کے بعد گھر آکر میں نے دلہن سے اجازت لے لی اور دستخط کروالئے۔ اب آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ آیا یہ نکاح درست ہوگیا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ میں بالغہ لڑکی کے نکاح کے منعقد ہونے کیلئے اس کی اجازت ضروری ہے، تاہم اگر کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرادے تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ جائز قرار دے تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور اگر انکار کردے تو نکاح کالعدم ہوجائے گا۔

صورت مسئولہ میں آپ نے اپنی بھانجی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرایا ہے لہذا یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف تھا، بعد میں اس کی طرف سے قولاً وفعلاً رضامندی پائی گئی تو یہ نکاح منعقد ہوگیا۔

لمافی المبسوط للسرخسی، باب الوکالة فی النکاح (۱۵/۵): قال اذا خطب الرجل امرأة علی رجل غائب لم یامره فزوجت نفسها اوزوجها ابوها برضاها فقدم الغائب أو بلغه ذلك فاجاز النکاح فهو جائز عندنا۔

وفی الهندیة (۱/۲۹۹): کتاب النکاح الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها: کل عقد صدر من الفضولی وله قابل یقبل سواء کان ذلك القابل فضولیاً آخرأو وکیلاً أو أصیلاً انعقد موقوفاً هکذا فی النهایة۔

وفی الشامیة(۳/۵۵)باب الولی: الأیم أحق بنفسها من ولیها رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي ومالك في الموطأوالأیم من لا زوج لها بکرا أو لا فإنه لیس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضیت وقد جعلها أحق منه به۔

(۴۲) باپ کا بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کا نکاح کردینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی شادی اس کی غیر موجودگی میں کرے اور بہو کو اپنے بیٹے کی غیر موجودگی میں گھر بھی لائے تو کیا یہ نکاح اور شادی درست ہو جائے گی؟ شریعت کی رو سے مسئلے کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر لڑکے نے باپ کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح بیٹے کیلئے بیٹے کی عدم موجودگی میں درست ہوگا اور باپ اپنی اس بہو کو گھر لاسکتا ہے۔ اگر لڑکے نے باپ کو نکاح کیلئے وکیل نہیں بنایا اور باپ نے بیٹے کی عدم موجودگی میں نکاح کرادیا تو یہ نکاح بیٹے کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر بیٹے نے اجازت دے دی تو یہ نکاح درست ہوگا اور باپ اپنی بہو کو گھر لاسکتا ہے، اگر اجازت نہیں دی تو باپ کا کیا ہوا نکاح درست نہ ہوگا اور باپ لڑکی کو بہو بنا کر گھر میں نہیں لاسکتا۔

لمافی الهدایة(۳/۳۰۷)المطبوع مع فتح القدیر: قال وتزویج العبد والأمة بغیر إذن مولاهما موقوف فإن أجازه المولی جاز وإن رده بطل وکذلك لو زوج رجل امرأة بغیر رضاها أو رجلا بغیر رضاه وهذاعندنافإن کل عقد صدر من الفضولي وله مجیز انعقد موقوفا علی الإجازة وقال الشافعي رحمه الله تصرفات الفضولي کلها باطلة۔

وفی الدر المختار (۳/۹۷): (ونكاح عبدو أمة بغير إذن السيد موقوف) على الإجازة (كنكاح الفضولي) سيجيء في البيوع توقف عقوده كلها إن لها مجيز حالة العقد ولا تبطل۔

(۴۳) نکاح کا اقرار کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مکان میں ایک مرد اور عورت کافی عرصے سے میاں بیوی کے طور پر رہ رہے تھے۔ اس بات کو انہوں نے محلے میں مشہور بھی کر رکھا تھا، مگر کافی دنوں بعد یہ بات کھلی کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا ہے۔ سؤال یہ ہے کہ بلا ایجاب وقبول کے مرد وزن نے باہم زوجین ہونے کا اقرار کیا ہے، کیا اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کے بارے میں کہے کہ "یہ میری بیوی ہے" اور عورت بھی اس مرد کے بارے میں کہے کہ "یہ میرے شوہر ہیں" کیا ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں مرد اور خاتون کے ایجاب وقبول کا نام ہے اور ایجاب وقبول کئے بغیر محض اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہذا اگر کسی شخص نے کسی خاتون کے متعلق یہ کہا کہ "یہ میری بیوی ہے" اور اس خاتون نے اس شخص کے متعلق یہ کہا کہ "یہ میرے شوہر ہیں" تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ بر تقدیرِ صحتِ واقعہ یہ دونوں مرد اور خاتون اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور نکاح کر کے زنا کی لعنت سے اجتناب کریں۔

لما في جامع الترمذي (۱/۲۱۰): عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة قال يوسف بن حماد رفع عبد الأعلى هذا الحديث في التفسير وأوقفه في كتاب الطلاق ولم يرفعه۔۔۔ وفي هذا الباب عن عمران بن حصين وأنس وأبي هريرة رضي الله عنهم والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم من التابعين وغيرهم قالوا لا نكاح إلا بشهود لم يختلفوا في ذلك من مضى منهم إلا قوما من المتأخرين من أهل العلم وإنما اختلف أهل العلم في هذا إذا شهد واحد بعد واحد فقال أكثر أهل العلم من أهل الكوفة وغيرهم لا يجوز النكاح حتى يشهد الشاهدان معا عند عقدة النكاح۔

وفي الدر المختار (۳/۱۲): (فلا ينعقد)۔۔۔ ولا (بالإقرار على المختار) خلاصة كقوله هي امرأتي

لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت وليس بإنشاء (وقيل إن) كان (بمحضر من الشهود صح) كما يصح بلفظ الجعل۔

وفي الرد تحته: قوله (ولا بالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق لأن المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد والمراد من قولهم إنه يثبت بالتصادق أن القاضي يثبته به أي بالتصادق ويحكم به أبو السعود عن الحانوتي۔

وفي الشامية (۹/۳): فليس العقد الشرعي مجرد الإيجاب والقبول ولا الارتباط وحده بل هو مجموع الثلاثة وعليه فقوله وينعقد أي النكاح أي يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول۔

(۴۴) نکاح اور طلاق کے اقرار سے انعقاد میں فرق کی وجہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح اقرار سے منعقد نہیں ہوتا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ یہ میری بیوی ہے اور بیوی اقرار کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا، لیکن اگر شوہر بیوی کو طلاق دینے کا اقرار کرے تو طلاق ہو جاتی ہے، لہٰذا قابلِ اشکال امر یہ ہے کہ نکاح اور طلاق دونوں میں اقرار تو اقرار ہے اور اقرار کا مطلب ہے ایسی چیز کا اظہار جو پہلے سے ثابت ہو وان لا فلا؟ پھر تفریق کیوں؟ ہمارے علاقے میں ایک میاں بیوی کے ساتھ ایسا مسئلہ پیش آیا تو مولوی صاحب نے مذکورہ تفصیل بتادی۔ ازراہِ کرم مسئلے کا واضح جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح اقرار سے منعقد نہیں ہوتا لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ طلاق میں جھوٹا اقرار ملکیت میں ہوتا ہے، وقتِ تکلم سے پہلے بھی یہ طلاق دینے کا مالک تھا، یعنی محل موجود تھا، لہٰذا طلاق کے جھوٹے اقرار سے فی الوقت انشاءً طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ نکاح کا جھوٹا اقرار کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ ماقبل میں یہ شخص اس اقرار کا مالک نہیں اور وہ عورت اس کی منکوحہ نہیں، لہٰذا اس شخص کے اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوگا چنانچہ نکاح میں اقرار انشاء نہیں لیکن طلاق میں اقرار انشاء ہے۔

لما في خلاصة الفتاوى(۴/۲):وفي الفتاوى رجل و امرأة أقرابالنكاح بين يدى الشهودوقالا بالفارسية مازن وشوئيم لا ينعقد النكاح بينهما وهو المختار۔

وفيه أيضا(۷۵/۲): وفي الأصل اذا قال طلقتك أمس وهو كاذب كان طلاقا في القضاء۔

وفي الدرالمختار (۳۴۵/۳):(وشرطه الملك) ۔۔۔ (أو الاضافة اليه) ۔۔۔ فلغا قوله لاجنبية إن

زرت زيدا فأنت طالق فنكحها فزارت ـ ـ ـ لعدم الملك والإضافة إليه۔

وفى الطحطاوى على الدر(۱۱۳/۲): الإقرار بالطلاق كاذبا يقع به الطلاق قضاء لا ديانة۔

وفى الشامية (۲۶۶/۳): (قوله: لأن الإنشاء فى الماضى انشاء فى الحال) لأنه ما أسند إلى حالة منافية ولا يمكن تصحيحه اخبارا لكذبه وعدم قدرته على الاسناد فكان انشاء فى الحال وعلى هذه النكتة حكم بعض المتأخرين من مشائخنا فى مسئله الدور بالوقوع وحكم اكثرهم بعدمه۔

(۴۵) رشتہ داروں کے ڈر سے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کو تسلیم کر لینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بعض نکاح بذریعہ طاقت ہوتے ہیں نہ کہ رضامندی سے۔ اگر ایک لڑکا کسی لڑکی سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا لیکن والدین کے زور سے یا رشتہ داروں کی وجہ سے یا پھر خوف کی خاطر اس سے نکاح کرتا ہے، البتہ نکاح کا پختہ ارادہ اس کے دل میں نہیں ہے یا پھر لڑکی کسی لڑکے کو پسند نہیں کرتی اس کو بھی ڈرا دھمکا کر اس کا نکاح کرایا جاتا ہے، کیا یہ نکاح شریعت میں جائز ہے؟ ایک لڑکا یا لڑکی کی شادی کسی دوسرے سے بذریعہ طاقت کی جائے کیا یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کیلئے مناسب رشتے تلاش کریں جس میں اولاد کی رضامندی بھی ہو، اگر اولاد راضی نہ ہو تو شادی کے بعد مختلف نقصانات طلاق، جھگڑے وغیرہ کی صورت میں سامنے آتے ہیں، لہٰذا اگر والدین اپنی اولاد کو اپنی پسند کے رشتوں سے روکتے ہیں اور اس طریقہ کار کو رسم بنالیتے ہیں تو یہ ظلم اور موجب فسق عمل ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے، البتہ اگر بالغ اولاد کا زبردستی ڈرا دھمکا کر نکاح کرا دیا اور میاں بیوی نے آپس میں زبانی ایجاب وقبول بھی کرلیا، [اگر چہ دل سے نکاح کا پختہ ارادہ نہ بھی ہو] نکاح بہر حال منعقد ہو جاتا ہے۔

لمافى القرآن الكريم (النساء:۱۹): يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

وفى الهندية (۳۵/۵): وأما حكمه وهو الرخصة أو الإباحة أو غيرهما فيثبت عند وجود شرطه والأصل أن تصرفات المكره كلها قولا منعقدة عندنا إلا أن ما يحتمل الفسخ منه كالبيع

والإجارة يفسخ وما لا يحتمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر فهو لازم كذا في الكافي۔

وفي الشامية(۲۱/۳): قوله (ليتحقق رضاهما) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل۔۔۔ ولو أكرهت على أن تزوجته بألف ومهر مثلها عشرة آلاف زوجها أولياؤها مكرهين فالنكاح جائز ويقول القاضي للزوج إن شئت أتمم لها مهر مثلها وهي امرأتك إن كان كفؤا لها وإلا فرق بينهما ولا شيء لها الخ فافهم۔

(۴۶) نکاح کھلے عام اعلان کر کے کیا جائے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنی بیوی کو ناچاقی کی وجہ سے طلاق دیدی تھی، پھر مجھے ایک بیوہ عورت کے بارے میں ایک دوست نے بتایا، وہ عورت حاجتمند بھی ہے، میں اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں اس شادی کو چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر منظر عام پر نہیں لاسکتا، بلکہ میں اس طرح شادی کرنا چاہتا ہوں کہ کسی کو خبر نہ ہو اور مہینے میں ایک، دوبار جا کر اس سے مل آؤں اور اس کی تمام ضروریات، خرچہ وغیرہ بھی دیتا رہوں تو کیا شریعت کی روشنی میں میرا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے نکاح کی صحت کیلئے اگرچہ دو گواہوں کا وجود اور باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کو کافی قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود شریعت کا مزاج یہ ہے کہ نکاح کھلے عام ہو، علاقے والوں اور پڑوس والوں سب کو معلوم ہو، تاکہ آئندہ شکوک وشبہات نہ رہیں اسی طرح نکاح سے مقصد ایک ساتھ زندگی گزارنا اور ایک دوسرے کیلئے زندگی میں سہارا بننا ہے، پس نکاح اس طرح گمنام انداز میں کرنا کہ کبھی کبھی بیوی کے ساتھ رہا جائے، یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، لہٰذا کھلے عام نکاح کرنے کی کوشش کریں، باقاعدہ بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے کا مقصد ہو، لیکن اگر انتہائی مجبوری ہو تو چند لوگوں کی موجودگی میں بھی نکاح درست ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر عورت بھی اس بات پر راضی ہو کہ آپ کبھی کبھی اس کے پاس جایا کریں اور اس کو خرچہ دیا کریں تب بھی نکاح درست ہے۔

لما في جامع الترمذي (۲۰۷/۱): باب ماجاء في اعلان النكاح: عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔

يتقيد بالأول فصار كما لو قال قبلت لابنى اهـ

وفى المفصل فى احكام المرأة والبيت المسلم: (۳۹۱/٦): الأولى عدم تزويج الصغار الا لمصلحة:
ومع جواز تزويج الصغير والصغيرة، ولكن الأولى عدم تزويجهما ان لم تكن هناك مصلحة ظاهرة فى التعجيل فى تزويجهما وهما صغيران، لأن تزويجهما غير واجب وانما هو جائز، ولأن الزواج تتعلق به حقوق وواجبات، كما أننا لا ندرى مايؤول اليه هذا النكاح بعد أن تبلغ الصغيرة ويبلغ الصغير، وقد يكون لكل منهما رأى فيه يؤثر فى بقاء النكاح، وقد يعجل فى زواله وانقطاعه۔

(۴۹) نابالغ لڑکے اورلڑکی کاازخود نکاح کرلینے کاحکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر دو بچوں نے کسی مجلس میں نکاح کے لئے ایجاب وقبول کیا اور گواہ بھی موجود تھے تو نکاح ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اگر ان کے اولیاء لڑکی کو طلاق دینا چاہتے ہیں تو وہ اس نکاح کو لڑکے کی طرف سے کیسے ختم کرسکتے ہیں نکاح کے فسخ سے یا طلاق سے؟ حالانکہ بچے کی طلاق کا اعتبار نہیں ہے، وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئلہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا ہے، کیونکہ بچوں کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے لہذا یہاں پر طلاق کی ضرورت ہی نہیں۔

لمافى الهندية (۲٦۷/۱): وأما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية في العاقد إلا أن الأول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي الذي لا يعقل والأخيران شرطا النفاذ فإن نكاح الصبي العاقل يتوقف نفاذه على إجازة وليه هكذا في البدائع۔

وفى الدر المختار (۵۵/۳): الولى شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق لامكلفة۔

وفى الرد تحته: قوله (صغير الخ) الموصوف محذوف أي شخص صغير الخ فيشمل الذكر والأنثى ---- وبالمكلفة عن الصغيرة والمجنونة فلا يصح إلا بولي كما قدمه۔

(۵۰) بچپن میں نکاح کے بعد لڑکی کے باپ کا رخصتی سے انکار کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بچہ اور بچی کا نکاح والدین نے بچپن میں ہی کیا جس میں شریعت کے مطابق گواہ بھی تھے، جب وہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو گئے تو لڑکے کے والدین گواہوں سمیت لڑکی کے والدین کے پاس لڑکی کو رخصت کرانے کیلئے گئے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم رخصتی نہیں دیں گے کیونکہ وہ نکاح ہی نہین ہوا تھا، گواہوں سمیت بار بار جانا ہوا لیکن پھر بھی انہوں نے نہیں مانا، کیا اب وہ دوسری جگہ شادی کر سکتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم دوسری جگہ شادی کریں گے، اس نکاح کو ہم نہیں مانتے، مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جب نابالغہ بچی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا اور نکاح گواہوں کے سامنے ہوا تو یہ نکاح برقرار ہے، لڑکی کے والدین کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہے، لڑکے والے اپنے مطالبے میں حق بجانب ہیں، البتہ اگر لڑکی وہاں آباد ہونا نہیں چاہتی تو اس کے شوہر سے طلاق یا خلع لے لی جائے، لڑکے کو بھی چاہیئے کہ جب لڑکی اس کے گھر آباد ہونا نہیں چاہتی تو خواہ مخواہ اس کو روک کر گنہگار نہ ہو بلکہ خوشی سے طلاق دے کر فارغ کر دے، لیکن جب تک لڑکا، طلاق یا خلع نہ دے، لڑکی دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی۔

لمافی الشامية(۸۵/۳):الولي لوزوج الصغيرة غير كفء لا يصح ما لم يكن أبا أو جدا غير ظاهر الفسق۔

(۵۱) گونگی لڑکی سے نکاح میں لڑکے کا بھی اشارے سے قبول کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خالد کا نکاح ہندہ سے طے ہوا، ہندہ پیدائشی گونگی اور بہری تھی، عقد نکاح کے وقت جب ایجاب وقبول کرایا گیا تو ہندہ گونگی بہری تھی، اس لئے اس نے اشارہ سے جواب دیا۔ اسی طرح جب خالد سے قبول کرایا گیا تو اس نے بھی اشارے سے جواب دیا، حالانکہ خالد کو کوئی عذر نہیں ہے، وہ سن سکتا ہے اور بول سکتا ہے، اس صورت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اشارہ یا تحریر فقط گونگے انسان کی طرف سے قائم مقام بنتے ہیں، جبکہ خالد کو کوئی عذر نہیں۔ اسے قبول کے الفاظ زبان سے اداء کرنا ضروری تھے، لہذا صورت مسئولہ میں خالد کا ہندہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لما فی بدائع الصنائع (۳/۳۲۲): وکما ینعقد النکاح بالعبارۃ ینعقد بالاشارۃ من الاخرس اذا کانت اشارته معلومة۔

وفی الدر المختار (۳/۲۱): (وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر) لیتحقق رضاھما۔

فی الشامیة (۳/۲۱): (قوله سماع کل) ای ولو حکما کالکتاب الی غائبه لان قرأته قائمة مقام الخطاب کما مر۔ وفی الفتح ینعقد النکاح من الاخرس اذا کانت له اشارۃ معلومة۔

(۵۲) دورانِ درس استاذ کا اپنی بیٹی کے نکاح کا ایجاب اور شاگرد کے قبول کرلینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دورانِ درس باب النکاح پڑھاتے ہوئے ایک استاذ نے ساری جماعت کے سامنے ایک شاگرد (خالد) سے کہا کہ "مثلاً میں نے اپنی بیٹی کا نکاح خالد سے کیا" اس پر خالد نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ خالد کی آواز کو اس کے قریب بیٹھے ہوئے چار، پانچ ساتھیوں نے سن لیا۔ درس کے بعد خالد، استاذ کے پاس گیا اور کہا کہ میرا نکاح آپ کی بیٹی سے ہوگیا ہے۔ اس پر فلاں فلاں ساتھی گواہ ہیں۔

یہ مسئلہ جب ایک صاحب علم کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے نکاح کے انعقاد کا حکم لگایا، لیکن اس پر فقہ کی ایک مشہور جزئی سے اشکال ہوتا ہے کہ کسی نے دورانِ تکرار اپنی بیوی سے کہا کہ "مثلاً میں نے تم کو طلاق دی" تو اگر اس مرد کا طلاق کا قصد نہیں تھا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ جس طرح اس مسئلہ میں عدمِ قصد کی بناء پر طلاق نہیں ہوتی اسی طرح نکاح والے مسئلہ میں بھی عدمِ قصد کی وجہ سے نکاح کے عدمِ انعقاد کا حکم لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ طلاق اور نکاح میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ جملہ سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوا، اسی طرح نکاح اور طلاق کی مذکورہ صورت میں کوئی فرق نہیں ہے، نقلِ کلام کی صورت میں نکاح اور طلاق واقع نہیں ہوتے، جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، مذکورہ صورتوں میں کسی اور کا کلام ہی نقل ہو رہا ہے، البتہ اس میں بہتر اور احتیاط کا راستہ یہ ہے کہ متکلم کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ مثلاً "میں نے طلاق دی" کے بجائے "زید نے طلاق دی" یا "اس نے طلاق دی" وغیرہ کے الفاظ استعمال کرے۔

لما في البحر الرائق (۳/۴۵۱) باب الطلاق: لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته ويقول أنت طالق ولا ينوي لا تطلق، وفي متعلم يكتب ناقلا من كتاب رجل قال ثم يقف ويكتب امرأتي طالق و كما كتب قرن الكتابة باللفظ بقصد الحكاية لا يقع عليه ، وما في القنية امرأة كتبت أنت طالق ثم قالت لزوجها اقرأ علي فقرأ لا تطلق اهـ

وفى منحة الخالق على البحر الرائق (۳/۴۵۰) باب الطلاق: (يقاس على النكاح) قال الرملى: الذى ذكره قاضيخان فى كتاب النكاح فى الفصل الاول يقتضى قياس النكاح على الطلاق والعتاق لاقياسهما عليه فان عبارته بعد الكلام عليهما: واذا عرف الجواب فى الطلاق والعتاق ينبغى ان يكون الجواب فى النكاح كذلك۔

وفى الشامية (۳/۲۰): ثم إنه لا فرق يظهر بين النكاح والطلاق وقد استدل الخير الرملي على ذلك بما قدمناه من قول قاضيخان إنه ينبغي أن يكون النكاح والعتاق في أنه لا يشترط العلم بمعناه لأن العلم بمضمون اللفظ إنما يعتبر لأجل القصد فلا يشترط فيما يستوي فيه الجد والهزل اهـ

(۵۳) بیٹے کے نکاح میں اپنے لئے قبول کے الفاظ استعمال کر لینے سے نکاح کس کا ہوا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تمہارے بیٹے سے کر دیا۔ دوسرے نے صرف "میں نے قبول کیا" کہا، تو آیا اس سے نکاح بیٹے کے لئے ہوگا، یا خود اس کے لئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر صحتِ نکاح کی دیگر شرائط (مثلاً شرعی گواہ، لڑکی بالغہ ہونے کی صورت میں اس کی اجازت، زوجین کا تعین وغیرہ) موجود ہوں تو نکاح لڑکے کے لئے درست ہو جائے گا، کیونکہ لڑکی کے باپ نے ایجاب میں نسبت لڑکے کی طرف کی ہے، لہٰذا قبول میں بھی اس قید کا لحاظ رکھا جائے گا، گویا لڑکے کے باپ نے یہ کہا ہے کہ "میں نے اپنے بیٹے کیلئے قبول کیا" اور ایسا کہنے سے نکاح بیٹے کیلئے (اگر بیٹے نے بھی اجازت دی ہو) درست ہو جاتا ہے۔

لما في الخانية (۱/۱۵۳): رجل أراد أن يزوج لابنه الصغير امرأة صغيرة فقال أبو الصغيرة زوجت بنتى من ابنك فقال أبو الصغير قبلت جاز وان لم يقل، قبلت لابنى، لأن الجواب يتضمن

ما في السؤال۔

وفي الشامية (٣/٢٦): لو قال أبو الصغيرة زوجت بنتي من ابنك فقال أبو الابن قبلت ولم يقل لابني يجوز النكاح للابن لإضافة المزوج النكاح إلى الابن بيقين وقول القابل جواب له والجواب يتقيد بالأول فصار كما لو قال قبلت لابني اهـ

رسالة

تحریر النقول

فی

مسئلة عدم الجہر بلفظ القبول

بوقت نکاح لڑکے کا قبول کے الفاظ کو آہستہ کہہ دینا اور اس سے متعلق ایک شبہ کا جواب،

نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کی مدلل وضاحت،

نکاح اور بیوع میں تعاطی سے متعلق علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی عبارتوں کی روشنی میں مکمل تشریح

(۵۴) نکاح میں قبول کے الفاظ آہستہ کہہ دینے کا حکم

سؤال

مجھے ایک اہم سوال کا جواب درپیش ہے وہ یہ کہ آج کل جب قاضی نکاح کا ایجاب کرتا ہے تو دولہا انتہائی ہلکے سے بلکہ اکثر تو بغیر زبان کے استعمال کے فقط ہلکا سا منہ ہلا کر قبول کر لیتا ہے، کچھ دن قبل جب یہ واقعہ میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ میری نیت یہ تھی کہ گواہ نہ سن سکیں تو میں تو سن کر گواہ بن جاؤں لیکن میں بالکل ساتھ بیٹھ کر دولہا کے منہ سے نکلے الفاظ نہ سن سکا اور ہاتھ ملتا رہ گیا۔ دولہا بہت شرما بھی رہا تھا بس گردن ہی ہلا رہا تھا۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ نکاح منعقد ہو گیا؟ گواہ کا ایجاب وقبول ایک ساتھ سننا ضروری ہے یا نہیں؟ پیپر کے گواہ نہ بھی سنیں دو جاندار انسانوں کا سننا تو ضروری ہے!!! یہاں تو اس کے قریب بیٹھا شخص بھی نہیں سن پا رہا، یہ عمل اور فقہاء کی عبارات متضاد نہیں؟ نتیجہ تو عدم انعقادِ نکاح نکلتا ہے، لیکن طریقہ مروج ہے، کیا کیا جائے؟ دورِ نبوی میں ایجاب وقبول کس طرح ہوتا تھا؟ ذکر کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے اندر ایجاب وقبول کا گواہوں کو سنانا اور ان کا سننا شرط ہے، اس کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دولہا اتنا آہستہ سے قبول کرتا ہے کہ گواہ کو آواز نہیں جاتی اور وہ نہیں سن پاتے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، بلکہ دولہا سے کہا جائے کہ زور سے کہے جیسا کہ عموماً نکاحوں میں ہمارے علماء دولہا کے آہستہ کہنے پر کہہ دیتے ہیں کہ زور سے کہو یا مائیک ان کے سامنے کر دیتے ہیں۔

باقی رہا دورِ نبوی میں نکاح کا رواج، اس میں اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے نکاح کی اطلاع نہیں دی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا، البتہ مروجہ طریقہ کہ نکاح کی مجلس کا منعقد ہونا اور خطبہ کا پڑھا جانا وغیرہ یہ بھی دورِ نبوی سے ثابت ہے۔ چنانچہ نجاشی نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح پڑھایا ہے، اس میں نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حبشہ میں تھے، انکو بھی بلایا، پھر اس کے بعد اس نے خطبہ بھی پڑھا ہے اور یہ خطبہ اسی طرح ایجاب وقبول تمام لوگوں نے سنا بھی ہے، مجلس نکاح کے بعد اس نے تمام لوگوں کو کھانا کھلایا ہے۔ اسی طرح نکاح، مسجد میں کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو نکاح ہوا ہے اس میں بھی ایک روایت میں صراحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجمع سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایجاب وقبول کر رہے ہیں اس کو سنو اور اس کے گواہ بھی بنو۔

دورِ نبوی ﷺ میں ایجاب وقبول کے الفاظ اس طرح ملتے ہیں کہ "زوجتك" اسی طرح قبول میں "نعم" اور "قد فعلت" وغیرہ الفاظ کی صراحت ملتی ہے۔

لما في البداية والنهاية (۱۴۵/۴) فصل في تزويج النبى ﷺ بأم حبيبة ط دارالفكر: فلما أن كان من العشي، أمر النجاشي جعفر بن أبي طالب، ومن كان هناك من المسلمين أن يحضروا، وخطب النجاشي وقال: الحمد لله الملك القدوس المؤمن العزيز الجبار، وأشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله وأنه الذي بشر به عيسى بن مريم۔

أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب أن أزوجه أم حبيبة بنت أبي سفيان، فأجبت إلى ما دعا إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد أصدقها أربعمائة دينار، ثم سكب الدنانير بين يدي القوم. فتكلم خالد بن سعيد فقال: الحمد لله أحمده واستغفره، وأشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله أرسله بالهدى ودين الحق، ليظهره على الدين كله، ولو كره المشركون. أما بعد فقد أجبت إلى ما دعا إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وزوجته أم حبيبة بنت أبي سفيان. فبارك الله لرسول الله صلى الله عليه وسلم ودفع النجاشي الدنانير إلى خالد بن سعيد فقبضها ثم أرادوا أن يقوموا، فقال: اجلسوا فإن من سنة الانبياء إذا تزوجوا أن يؤكل طعام على التزويج. فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا۔

وفي البداية والنهاية أيضا(۳۵۴/۴)عن أبي هريرة قال: لما خطب علي فاطمة دخل عليها رسول الله فقال لها: " أي بنية ! إن ابن عمك عليا قد خطبك فماذا تقولين ؟ فبكت ثم قالت: كأنك يا أبت إنما دخرتني لفقير قريش؟ فقال: والذي بعثني بالحق ما تكلمت فيه حتى أذن الله لي فيه من السموات، فقالت فاطمة: رضيت بما رضي الله ورسوله. فخرج من عندها واجتمع المسلمون إليه ثم قال: يا علي أخطب لنفسك فقال علي الحمد لله الذي لا يموت وهذا محمد رسول الله زوجني ابنته على صداق مبلغه أربعمائة درهم فاسمعوا ما يقول واشهدوا، قالوا: ما تقول يا رسول الله ؟ قال: أشهدكم إني قد زوجته ".

وكذا فيه (۱۶۰/۴) غزوة بني المصطلق: عن عائشة قالت: لما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم سبايا بني المصطلق، وقعت جويرية بنت الحارث في السهم لثابت بن قيس بن شماس، أو لابن عم له، فكاتبته على نفسها، وكانت امرأة حلوة ملاحة، لا يراها أحد إلا أخذت بنفسه، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم لتستعينه في كتابتها قالت: فوالله ما هو إلا أن رأيتها على باب

حجرتي فكرهتها، وعرفت أنه سيرى منها ما رأيت. فدخلت عليه فقالت: يا رسول الله أنا جويرية بنت الحارث بن أبي ضرار سيد قومه، وقد أصابني من البلاء ما لم يخف عليك، فوقعت في السهم لثابت بن قيس بن شماس، أو لابن عم له، فكاتبته على نفسي فجئتك أستعينك على كتابتي. قال: فهل لك في خير من ذلك؟ قالت: وما هو يا رسول الله قال: أقضي عنك كتابك وأتزوجك. قالت: نعم يا رسول الله قد فعلت۔

وفی البحرالرائق (١٥٦/٣) وان الحضور كاف لتعبيره بكلمة (عند) فلا يشترط السماع وفيه خلاف ففی الخانية وعامة المشايخ شرطوا السماع والقائل بعدمه القاضی الامام علی السغدی۔

وكذا فيه (١٤٤/٣): وهل يكون القبول بالفعل كالقبول باللفظ كمافی البيع؟ قال فی البزازية اجاب صاحب البداية فی امرأة زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم يقل الزوج شيئا لكن اعطاها المهر فی المجلس انه يكون قبولا و انكره صاحب المحيط وقال: لا مالم يقل بلسانه قبلت بخلاف البيع۔

وفی الدرالمختار (٢٠/٣) وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما وشرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا علی الاصح۔

وفی الشامية (١٢/٣) قال فی البحر وهل يكون القبول بالفعل كالقبول باللفظ كمافی البيع؟ قال فی البزازية اجاب صاحب البداية فی امرأة زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم يقل الزوج شيئا لكن اعطاها المهر فی المجلس انه يكون قبولا وانكره صاحب المحيط و قال الامام مالم يقل بلسانه قبلت۔

(۵۵) مذکورہ فتوے پر فاضل مستفتی کا استدراک

سوال

حضرت اقدس مفتی سید نجم الحسن امروہوی مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام گذارش ہے کہ بندے نے آپ کے مؤقر دارالافتاء میں نکاح میں قبول کے الفاظ آہستہ کہنے سے متعلق استفتاء جمع کرایا تھا، جس کا جواب بندے کو ملا، جو اس سوال کے ساتھ ملحق ہے اس میں یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ایجاب وقبول کا زبانی ہونا شرط ہے، بالفعل ایجاب وقبول کافی نہیں، لیکن آج سے چند دن قبل بندے کو ''احسن الفتاوی'' کے مطالعے کے دوران حضرت اقدس مفتی رشید

احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتوی نظر آیا، جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"صرف کلمہ ایجاب کا تملیک عین کیلئے موضوع ہونا کافی ہے کلمہ قبول میں یہ شرط نہیں، بلکہ قبول میں تو سرے سے کلام ہونا ہی ضروری نہیں، قبول بالعمل بھی متحقق ہوسکتا ہے۔" (احسن الفتاوی، ۵/۳۸)

البتہ فتاوی محمودیہ میں مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتوی بندے کو آپ کی طرف سے جاری کردہ فتوے کے موافق ملا تھا۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

س: ہندہ باکرہ ہے جب گواہوں کے سامنے آئی تو استحیاءً اس نے ایجاب کا جواب لفظ "قبلت" یا کسی اور لفظ سے نہیں دیا بلکہ خاموش رہی یا سر سے منظوری کا اشارہ کیا یا بجائے "قبلت" کے "منظور ہے" کہنے سے نکاح بلاتردد منعقد ہوگا یا نہیں؟

ج: خاموش رہنے اور سر ہلانے سے منعقد نہیں ہوگا اور لفظ "منظور ہے" سے منعقد ہو جائے گا۔ (محمودیہ، ۱۰/۴۵۶)

آپ کی طرف سے جاری کردہ فتوی اور فتاوی محمودیہ کا فتوی دونوں موافق تھے، البتہ احسن الفتاوی کا فتوی بظاہر مجھے متضاد لگا، میں نے مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ''دارالافتاء جامعۃ الرشید'' میں ''احسن الفتاوی'' سے متعلق استفسار کیا۔ بندے کو ''جامعۃ الرشید'' سے جو جواب موصول ہوا، اس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی وضاحت تھی [جامعۃ الرشید کے فتوی کی نقل لف ہے] بندہ مکمل طور پر ''جامعۃ الرشید'' کے اس فتوے کو سمجھ نہ سکا۔ بہر حال یہ تمام معلومات پھر ایک بار آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور زحمت کی تکلیف کیلئے پیشگی معذرت خواہ ہوں، آپ کے تحقیقی ذوق اور فقہ سے قدیم تعلق کے باعث بندہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ ہی اس مسئلے کو سلجھا سکتے ہیں۔ ازراہِ کرم مسئلے سے متعلق قولِ فیصل اور مفتی بہ مذہب تحریر فرمادیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یا رائے اس سلسلے میں کیا ہے اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔ نیز مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کی وضاحت بھی تحریر فرمادیں۔ الغرض مسئلہ چونکہ انتہائی اہم اور عام طور پر پیش آنے والا ہے، لہٰذا ازراہِ کرم مسئلے کی مفصل اور محقق تشریح فرماتے ہوئے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

مسئلہ ہذا میں جامعۃ الرشید کے دار الافتاء کا فتوی[1]

سوال..... کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''احسن الفتاوی'' ج 5 ص 38 پہ یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ''قبول کا منہ سے بولنا شرط نہیں، بلکہ عمل سے بھی قبول کیا جاسکتا ہے'' اگر الفاظ ایجاب صریح ہو۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"صرف کلمہ ایجاب کا تملیک عین کے لئے موضوع ہونا کافی ہے، کلمہ قبول میں یہ شرط نہیں، بلکہ قبول میں تو سرے سے کلام ہونا ہی ضروری نہیں، قبول بالعمل بھی متحقق ہوسکتا ہے۔" (احسن الفتاوی ج 5 ص 38)

---

[1] یہ اس فتوی کی نقل ہے جو فاضل مستفتی نے مسئلہ ھذا میں ''دارالافتاء جامعۃ الرشید'' سے لیا ہے۔ استاذ محترم کا محقق جواب اس کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

حالانکہ کتب فقہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ ایجاب وقبول دونوں باللفظ ہوں، علاوہ ازیں البحر الرائق، درمختار، شامیہ وغیرہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ قبول بالفعل متحقق نہیں ہوسکتا۔ صاحب ہدایہ کا قول ذکر کر کے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب محیط رحمۃ اللہ علیہ کے رد کو ذکر کیا اور اس کی دلیل اور وجہ رد بھی ذکر فرمائی ہے، چنانچہ شامیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"قال فی البحر: وهل یکون القبول بالفعل کالقبول باللفظ کمافی البیع؟ قال فی البزازیة أجاب صاحب البدایة فی امرأة زوجت نفسها بألف من رجل عند الشهود، فلم یقل الزوج شیئا لکن أعطاها المهر فی المجلس أنه یکون قبولا، وأنکره صاحب المحیط وقال لا مالم یقل بلسانه قبلت بخلاف البیع لأنه ینعقد بالتعاطی والنکاح لخطره لا ینعقد حتی یتوقف علی الشهود وبخلاف اجازة نکاح الفضولی بالفعل لوجود القول ثمة"۔ (رد المحتار: ۱۲/۳، کتاب النکاح)

اسی طرح فتاویٰ محمودیہ کے ایک مسئلہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

س: ہندہ باکرہ ہے جب گواہوں کے سامنے آئی تو احتیاءً اس نے ایجاب کا جواب لفظ "قبلت" یا کسی اور لفظ سے نہیں دیا، بلکہ خاموش رہی یا سر سے منظوری کا اشارہ کیا یا بجائے "قبلت" کے "منظور ہے" کہنے سے نکاح بلا تردد منعقد ہوگا یا نہیں؟

ج: خاموش رہنے اور سر ہلانے سے منعقد نہیں ہوگا اور لفظ "منظور ہے" سے منعقد ہو جائے گا۔

(فتاوی محمودیہ ۱۰/۴۵۶)

براہ کرم اس تعارض کو رفع فرمائیں اور احسن الفتاویٰ کی عبارت اگر معمول بہا ہے تو اس کی کوئی دلیل بھی ذکر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

نوٹ: جواب جلد عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

واضح رہے کہ صاحب درمختار، علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "تعاطی من جانب واحد" بھی عقدِ تعاطی ہے، جبکہ علامہ طرسوسی، بزازی، امام حلوانی اور علامہ شامی رحمہم اللہ اس کو تعاطی نہیں کہتے، بلکہ عقد قولی کہتے ہیں۔

تعاطی کے بارے میں سوال میں جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ درحقیقت درمختار کی عبارت ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر بحر کی مذکورہ عبارت نقل ضرور کی ہے، جس میں صاحب بدایۃ اور صاحب المحیط کے دونوں قول ذکر کئے ہیں، لیکن اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تکرار قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ قبول بالفعل سے مصنف کی دراصل تعاطی کی صورتیں مراد ہیں، اس کی ضرورت یہاں نہیں تھی، کیونکہ آگے "ولا ینعقد بتعاط" کی تصریح متن میں آرہی ہے، وہاں پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تعاطی پر تبصرہ نہیں فرمایا، البتہ صرف یہ کہا ہے کہ "احترام فروج" کی وجہ سے نکاح تعاطی سے منعقد نہیں ہوتا۔ بخلاف البیع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بیع میں علامہ شامی

رحمۃ اللہ علیہ نے صرف "فعل من الجانبین" کو تعاطی قرار دیا ہے بظاہر نکاح میں بھی ان کی رائے یہی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نکاح، تعاطی کی صورت میں بالاتفاق منعقد نہیں ہوتا، البتہ تعاطی من جانب واحد (قبول بالفعل) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعاطی نہیں، بلکہ عقد قولی ہے۔ کما رجحہ فی البیوع۔ لہٰذا حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات اپنی جگہ درست اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ہے، البتہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے خلاف ہے لیکن علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مرجوح قرار دیا ہے۔

قال فی الدرالمختار(۹/۱۹۶): (فلا ینعقد) بقبول بالفعل کقبض مهر ولا بتعاط ولا بکتابة حاضر بل غائب بشرط اعلام الشهود بما فی الکتاب مالم یکن بلفظ الأمر فیتولی الطرفین فتح۔

قال فی ردالمحتار (۹/۲۰۵): قوله (فلا ینعقد الخ) تفریع علی ما تقدم من انعقاده بلفظین الخ ح ۔ قوله (کقبض مهر) قال في البحر: وهل یکون القبول بالفعل کالقبول باللفظ کما في البیع قال في البزازیة أجاب صاحب البدایة في امرأة زوجت نفسها بألف من رجل عند الشهود فلم یقل الزوج شیئا لکن أعطاها المهر في المجلس أنه یکون قبولا وأنکره صاحب المحیط وقال الإمام ما لم یقل بلسانه قبلت بخلاف البیع لأنه ینعقد بالتعاطي والنکاح لخطره لا ینعقد حتی یتوقف علی الشهود وبخلاف إجازة نکاح الفضولي بالفعل لوجود القول ثمة اه ح۔ قوله (ولا بتعاط) تکرار مع قوله بالفعل کقبض مهر وکل منهما تکرار مع قول المتن الآتي ولا بتعاط فإن مسألة قبض المهر التي قدمنا نقلها عن البحر بعینها شرح بها المصنف قوله ولا بتعاط ح ۔

قال فی الدر مع ردالمحتار(۹/۲۱۷): (ولا بتعاط)احتراما للفروج۔

قال فی ردالمحتار(۹/۲۲۹): قوله (احتراما للفروج) أي لخطر أمرها وشدة حرمتها فلا یصح العقد علیها إلا بلفظ صریح أو کنایة ۔

قال فی درر الحکام شرح غرر الاحکام(۴/۳۹): (ولا) ینعقد أیضا (بالتعاطی) وهو أن لا یذکر العاقدان شیئا من الایجاب والقبول،بل تراضیا علی قدر من المهر وینفذه الزوج او وکیله وتأخذه المرأة أو وکیلها وتسلم المرأة نفسها وانما لم ینعقد به مبالغة فی صیانة الأبضاع عن الهتك واحتراما لشأنها وینعقد به البیع،اذ لیس فیه هذا المعنی ولذا قال بعضهم ینعقد به فی الخسیس لا النفیس (وانما یصح بلفظ النکاح والتزویج وما وضع لتملیك العین) کهبة وتملیك وصدقة وبیع وشراء فلا یصح بلفظ الإجارة والإعارة،لأنهما وضعا لتملیك المنفعة (فی الحال) فلا یصح بلفظ الوصیة، لأنها وضعت لتملیك العین بعد الموت۔

قال في رد المحتار (۴/۵۱۴): مطلب القبول قد يكون بالفعل وليس من صور التعاطي وكذا إذا قال بعته بألف فقبضه ولم يقل شيئا كان قبضه قبولا بخلاف بيع التعاطي فإنه ليس فيه إيجاب بل قبض بعد معرفة الثمن فقط ففي جعل الأخيرة من صور التعاطي كما فعل بعضهم نظر اهـ

قال في رد المحتار (۴/۵۱۳): قوله (فتحرر ثلاثة أقوال) هذا الاختلاف نشأ من كلام الإمام محمد فإنه ذكر بيع التعاطي في مواضع فصوره في موضع بالإعطاء من الجانبين ففهم منه البعض أنه شرط وصوره في موضع بالإعطاء من أحدهما ففهم البعض أنه يكتفي به وصوره في موضع بتسليم المبيع ففهم البعض أن تسليم الثمن لا يكفي بحر عن الذخيرة ط

قال في رد المحتار (۴/۵۱۴): مطلب في انعقاد البيع بلفظ واحد من الجانبين قوله (وينعقد أيضا) أي كما ينعقد بإيجاب وقبول منهما أو بتعاط من الجانبين ط قوله (بلفظ واحد) ظاهره أنه لا يكون بالتعاطي هنا.

قال في رد المحتار (۴/۵۱۴): زاد في الدرر قوله وكذا لو قال بعت منك هذا بدرهم فقبضه المشتري ولم يقل شيئا ينعقد البيع اهـ وقال في العزمية والظاهر أن هذا من باب التعاطي اهـ وفيه نظر لأن بيع التعاطي ليس فيه إيجاب بل قبض بعد معرفة الثمن فقط كما قدمناه عن الفتح وقدمنا عنه أن القبول يكون بالقول والفعل وأن القبض قبول فحينئذ لم يوجد انفراد أحدهما بالعقد.

دارالافتاء جامعۃ الرشید کراچی ۱۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

مفتی صاحب جامعۃ الرشید کے فتوی کی مدلل وضاحت بھی فرمادیں۔ بندہ آپ کے جواب کا منتظر ہے۔ اللہ تعالی آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

الجواب بعون الملک الوہاب

آنجناب نے ایک فقہی مسئلہ سے متعلق اتنی تحقیق اور جستجو فرمائی اللہ تعالی آپ کو اس پر جزاء خیر عطا فرمائے۔ ہمارے دارالافتاء سے جو فتوی مسئلہ ہذا کی بابت تحریر کیا گیا اس میں یہ وضاحت تھی کہ نکاح کا ایجاب وقبول قولاً یعنی زبانی ہونا ضروری ہے اور زبانی بھی اتنی آواز سے کہ دو گواہ الفاظ کو سنیں۔ اگر قبول کے الفاظ اتنے آہستہ ہوں کہ بیک وقت دو گواہ نہ سن سکیں تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

ہمارے فتوے میں مسئلہ کے حوالہ جات بھی صریح درج ہیں۔ بحر، تاتارخانیہ، ہندیہ، درمختار، ردالمحتار المعروف بالشامیہ تمام معتبر کتابوں سے نقل ہے کہ نکاح میں دو گواہوں کا ایجاب وقبول کو بیک وقت سننا شرط ہے بصورتِ دیگر نکاح منعقد نہ ہوگا۔ یہاں

شامیہ کی مکمل عبارت مع ترجمہ تحریر کی جارہی ہے:

"قال الحصكفي رحمه الله: (فلا ينعقد) بقبول بالفعل كقبض مهر ولا بتعاط."

وقال العلامه ابن عابدين رحمه الله تحته:" قوله (فلا ينعقد الخ) تفريع على ما تقدم من انعقاده بلفظين الخ ح . قوله (كقبض مهر) قال فى البحر: وهل يكون القبول بالفعل كالقبول باللفظ كما فى البيع قال فى البزازية أجاب صاحب البداية فى امرأة زوجت نفسها بألف من رجل عند الشهود فلم يقل الزوج شيئا لكن أعطاها المهر فى المجلس أنه يكون قبولا وأنكره صاحب المحيط وقال الإمام ما لم يقل بلسانه قبلت بخلاف البيع لأنه ينعقد بالتعاطى والنكاح لخطره لا ينعقد حتى يتوقف على الشهود وبخلاف إجازة نكاح الفضولى بالفعل لوجود القول ثمة . ح.

قوله (ولا بتعاط) تكرار مع قوله بالفعل كقبض مهر وكل منهما تكرار مع قول المتن الآتى ولا بتعاط فإن مسألة قبض المهر التى قدمنا نقلها عن البحر بعينها شرح بها المصنف قوله ولا بتعاط ح".

"علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (پس نکاح منعقد نہ ہوگا) قبول بالفعل کے ذریعے جیسا کہ مہر پر قبضہ کرلینا اور نہ تعاطی سے نکاح منعقد ہوگا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں: (مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول: نکاح منعقد نہ ہوگا) یہ تفریع ہے گزشتہ میں گزرے انعقاد کیلئے دو لفظ کے ضروری ہونے پر۔ (مصنف کا قول: جیسا کہ مہر پر قبضہ کرلینا) بحر میں تحریر ہے: کیا قبول بالفعل بھی قبول باللفظ کی طرح ہوگا جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے؟ بزازیہ میں ہے صاحب بدایہ نے جواب دیا اس عورت کے بارے میں جس نے ہزار روپے میں کسی شخص سے گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کرلیا شوہر نے کچھ نہ کہا لیکن مجلس میں اسے مہر دے دیا اس بارے میں صاحب بدایہ نے کہا کہ یہ قبول شمار ہوگا اور صاحب محیط نے اس کا انکار کیا اور امام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب تک زبان سے میں نے قبول کیا نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا برخلاف بیع کے کیونکہ وہ تعاطی سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور نکاح کا معاملہ پرخطر ہونے کے باعث منعقد نہ ہوگا یہاں تک کہ گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور برخلاف فضولی کے نکاح کی بالفعل اجازت دینے کے کیونکہ وہاں قول پایا جاتا ہے اھ ح (مصنف کا قول: اور نہ تعاطی سے نکاح منعقد ہوگا) یہ قول تکرار ہے پچھلے قول بالفعل قبض مہر کے ساتھ [کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ از ناقل] اور علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دونوں قول ہی تکرار ہیں آگے تنویر الابصار میں آنے والے قول "ولا بتعاط" سے [یعنی یہ دونوں قول در مختار میں یہاں قبل از وقت مکرر ذکر ہیں، آگے تنویر الابصار میں خود تعاطی سے عدم انعقاد کا ذکر آرہا ہے۔ از ناقل]"۔ (شامیة، ۳/ ۱۲)

اس عبارت میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ جس عبارت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ شامیہ کی تیسری جلد میں ہی صفحہ نمبر بیس (۲۰) پر آرہی ہے بہتر ہے کہ اسے بھی یہاں تحریر کر دیا جائے:

"قال الحصكفي: (ولا بتعاط) احتراما للفروج".

قال ابن عابدين رحمه الله تحتها: " قوله (احتراما للفروج) أي لخطر أمرها وشدة حرمتها فلا يصح العقد عليها إلا بلفظ صريح أو كناية".

"علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اور نکاح تعاطی سے منعقد نہ ہوگا) عورت کی شرمگاہ کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں: (مصنف کا قول: شرمگاہ کا احترام) یعنی اس کے پرخطر ہونے اور اس کی شدتِ حرمت کے سبب اس پر عقد درست نہ ہوگا سوائے لفظِ صریح یا کنائی کے۔" (شامیہ، ۳/۲۰)

فقہاء کی عبارات سے قبول بالقول کے ضروری ہونے کا اثبات

شامیہ کی اس مکمل بحث اور گزشتہ فتوے میں ذکر دیگر حوالجات کو مدنظر رکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کیلئے ایجاب وقبول کا زبانی ہونا ضروری ہے۔ قبول بالعمل شرعاً نکاح میں معتبر نہیں۔ گواہوں کیلئے ایجاب وقبول کا سننا شرط ہے اس پر چند حوالے اور دیئے جارہے ہیں۔ فتاویٰ خانیہ میں امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يصح النكاح مالم يسمع كل واحد من العاقدين كلام صاحبه ويسمع الشاهدان كلامهما معا فإن سمع احد الشاهدين كلامهما ولم يسمع الشاهد الآخر لا يجوز".

"اور نکاح صحیح نہ ہوگا جب تک دونوں عاقدین ایک دوسرے کا کلام نہ سنیں اور دونوں گواہ بیک وقت دونوں کے ایجاب وقبول کو نہ سنیں اگر ایک گواہ ان دونوں کا کلام سنتا ہے اور دوسرا انہیں سنتا تو نکاح نہ ہوگا"

(خانية على هامش الهندية، ۱/۳۳۲)

فتح القدیر میں محقق علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وعن اشتراط السماع ما قدمناه في التزوج بالكتابة من أنه لا بد من سماع الشهود ما في الكتاب المشتمل على الخطبة... ولقد أبعد عن الفقه وعن الحكمة الشرعية من زاد النائمين ونص في فتاوى قاضيخان عليه إذا لم يسمعا كلامهما ثم الشرط أن يسمعا معا كلامهما مع الفهم أما الأول فذكر في روضة العلماء أنه الأصح قال وبه أخذ عامة العلماء".

"گواہوں کا ایجاب وقبول سننا شرط ہونے پر یہ بھی دلیل ہے جو ہم نے تحریراً نکاح میں ذکر کی کہ ضروری ہے کہ گواہ پیغام نکاح پر مشتمل خط کو سنیں...... اور جس نے دو سوئے ہوئے اشخاص کی موجودگی میں بھی نکاح کا قول کیا وہ فقہ سے دور اور حکمت شرعیہ

سے بعید ہے قاضی خان میں نص ہے کہ دونوں کا بیک وقت سننا شرط ہے۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ بیک وقت سنیں بھی اور سمجھیں بھی۔ پہلی بات کہ سننا شرط ہے اس سے متعلق روضۃ العلماء میں ہے کہ یہ ہی اصح ہے اور فرمایا کہ عامۃ العلماء نے یہی قول اختیار کیا ہے۔" (فتح القدیر، ۳/۲۰۳)

الغرض نکاح میں ایجاب وقبول کا زبانی ہونا ضروری ہے اور دو گواہوں کا بیک وقت اسے سننا بھی شرط ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور یہی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ جو ان کی عبارات سے ظاہر ہے۔

بیع اور نکاح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تنقیح اور فرق کا بیان

جامعۃ الرشید کے فتوے میں خلطِ مبحث ہوئی ہے جس کی وضاحت یہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بیع میں تو واقعۃً قبول بالفعل کو تعاطی نہیں سمجھتے بلکہ قول کے حکم میں لیتے ہیں لیکن یہاں نکاح کے معاملے میں بھی قبول بالفعل کو قول قرار دینا اور اسے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قرار دے دینا محل نظر ہے جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شامیہ میں دو مقامات پر درمختار کے تحت مسئلہ ہذا زیرِ بحث آیا ہے دونوں مقامات کا ترجمہ بھی تحریر کر دیا گیا ہے۔ دونوں جگہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے قول کی وضاحت کی ہے کسی بھی مقام پر استدراک کا ایک لفظ ذکر نہیں اگر علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نکاح میں بھی بیع والی ہوتی تو بعید از عقل اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے اسلوبِ تحریر سے کوسوں دور ہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ استدراک نہ فرماتے اور اپنی رائے اور اس کی ترجیحات نقل نہ کرتے۔

(۲) دوسرے مقام پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "احتراما للفروج" کی تشریح فرماتے ہوئے خود یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

"لخطر أمرها وشدة حرمتها فلا يصح العقد عليها إلا بلفظ صريح أو كناية". (الشامية، ۳/۲۰)

"اس کے پرخطر ہونے اور شدتِ حرمت کی بناء پر اس پر عقد درست نہ ہوگا سوائے لفظ صریح یا کنائی کے۔"

یہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے صریح الفاظ ہیں جو کسی اور بحث میں نہیں تعاطی کی بحث میں نکاح سے متعلق علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود تحریر فرمائے ہیں کہ نکاح کے لئے لفظ ہونا ضروری ہے عمل سے نکاح نہ ہوگا۔ یہ الفاظ کسی سے نقل بھی نہیں کئے ہیں۔ پھر بھی یہ کہنا کہ ''نکاح میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیع کی طرح تعاطی کو قول قرار دینے کی معلوم ہوتی ہے'' قابل تأمل ہے۔

(۳) جامعۃ الرشید کے فتوے میں دوسرے مقام سے متعلق یہ عبارت بھی محل نظر ہے:

"آگے "ولا ينعقد بتعاط" کی تصریح متن میں آرہی ہے وہاں پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تعاطی پر تبصرہ نہیں فرمایا البتہ صرف یہ کہا ہے کہ "احترام فروج" کی بناء پر نکاح تعاطی سے منعقد نہیں ہوتا۔ بخلاف البیع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بیع میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف "فعل من الجانبين" کو تعاطی قرار دیا ہے بظاہر نکاح میں بھی ان کی رائے یہی ہے۔"

اس عبارت میں دو باتیں محل نظر ہیں ایک تو یہ کہ ''علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تعاطی پر تبصرہ نہیں فرمایا'' مجیب کا یہ کہنا کہاں تک

درست ہے ہر صاحب علم شامیہ کی عبارت پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً کہا ہے کہ لفظ ہونا ضروری ہے چاہے صریح ہو یا کنایہ، اس کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا لہٰذا اس سے زیادہ اور کیا تبصرہ ہوگا!!! نیز جواب کی اس عبارت میں زیادہ محل نظر یہ دوسری بات ہے کہ "بخلاف البیع" کے الفاظ مجیب نے کچھ اس طرز پر تحریر کر کے نتیجۃً علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نکاح میں بھی بیع والا قرار دیا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر شامیہ میں ہی بخلاف البیع کے الفاظ موجود ہوں جبکہ شامیہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح الفاظ میں درمختار کے قول سے موافقت کی ہے۔ اتنے اہم مسئلے میں دو مقامات پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا وضاحت کر دینا اور دوسرے مقام پر تو خود تشریح بھی کر دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا ضروری ہے پھر بھی یہ کہنا کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیع کی طرح تعاطی کو قول قرار دینے کی معلوم ہوتی ہے احقر کے نزدیک یہ درست نہیں۔

(۴) مجیب کا یہ کہنا "لیکن علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مرجوح قرار دیا ہے۔" بیع کے معاملے میں تو یہ بات مسلم ہے لیکن نکاح میں احقر اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے مکمل اتفاق اور اپنی رائے بھی باللفظ ہونے کا واضح انداز میں اظہار کیا ہے۔ عجیب بات ہے فروج (شرمگاہ) سے متعلق اتنے اہم مسئلے میں جہاں متن میں ہی دو مرتبہ مسئلہ ہذا کا ذکر آ رہا ہے اور اہمیتِ فروج کا ذکر ہے وہاں علامہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہیں۔

(۵) مجیب نے جواب میں ابتداء تو دو حوالے شامیہ کے دونوں مقامات سے نقل کئے ہیں پھر درر الحکام کا ایک حوالہ اور اس کے بعد شامیہ کے چار اور حوالے بیوع سے ذکر کئے ہیں۔ بیوع سے متعلق شامیہ کے چاروں حوالے تو مسلم ہیں لیکن نکاح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ مجیب نے درر الحکام کا جو حوالہ ذکر کیا ہے مسئلہ ھذا میں فقط نکاح کے باب سے متعلق وہی واحد صریح حوالہ ہے لیکن وہ حوالہ خود ہی صریح مجیب کے مدعیٰ کے مخالف ہے درر الحکام کے الفاظ یہ ہیں:

"وانما لم ينعقد به مبالغة في صيانة الابضاع عن الهتك واحترامالشأنها وينعقد به البيع اذ ليس فيه هذا المعنى ولذا قال بعضهم ينعقد به في الخسيس والنفيس"۔ (درر الحكام، ۴/۴۹)

درر میں "إذ ليس فيه هذا المعنى" سے مراد ہے کہ بیع میں نکاح کی طرح ایک عورت کی عزت وعصمت کا معنی نہیں لہٰذا بیع اس طرح منعقد ہو جاتی ہے، یہی بات علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شامیہ (۳/۲۰) پر تحریر فرمائی ہے لہٰذا یہ ایک صریح حوالہ بھی مجیب کے دعویٰ کے مخالف ہے۔

(۶) ایک اور دلیل کتابتِ حاضر سے نکاح کا مسئلہ ہے مجلس نکاح میں حاضر دولہا، دلہن کی طرف سے کتابت کافی نہیں بلکہ قول کا ہونا ضروری ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ خود تحریر فرماتے ہیں:

" مطلب التزوج بإرسال كتاب قوله (ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد، بحر - والأظهر أن يقول فقالت قبلت الخ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبة، تأمل"۔ (الشامية، ۳/۱۲)

"(مصنف کا قول: اور حاضر کی کتابت سے بھی نکاح منعقد نہ ہوگا) پس اگر لڑکے نے لکھا میں آپ سے شادی کرتا ہوں اس کے جواب میں لڑکی لکھے میں نے قبول کیا تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا، بحر۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یوں کہتے کہ لڑکی (لکھے نہیں بلکہ) بولے میں نے قبول کیا کیونکہ کتابت دونوں جانب سے بغیر قول کے کافی نہیں ہوتی اگر چہ غائب ہونے کی حالت میں ہو۔"

اس عبارت میں واضح طور پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین کی جانب سے تحریر کے کافی نہ ہونے بلکہ قبول کا ہونا ضروری بتایا ہے۔

(۷) ایک دلیل سماعِ شاہدین کا مسئلہ ہے جس کے حوالجات گزر گئے۔ جمہور کے نزدیک شاہدین کا ایجاب وقبول سننا ضروری ہے۔ اگر تعاطی من جانب قول کے حکم میں ہوتا تو استثناء لازمی تھا، لیکن شامیہ میں مکمل سکوت بلکہ سماع شاہدین کے اثبات پر دلائل ہیں۔

درمختار کی عبارت یہ ہے:

"(وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح". (الدر المختار، ۲۲/۳)

درمختار کی اس عبارت کے تحت ردالمحتار میں کوئی تفصیل تعاطی وغیرہ کی نہیں کی گئی بلکہ ثبوت کے دلائل ہیں۔

خلاصہ کلام

ان مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر احقر کے نزدیک نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا اور دو گواہوں کا اسے سننا شرط ہے یہی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے یہی جمہور فقہاء احناف کا مذہب ہے۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے احسن الفتاویٰ میں جو قبول بالفعل کو کافی قرار دیا ہے احسن الفتاویٰ میں اس کا کوئی حوالہ نہیں۔ بظاہر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح کو بیع پر قیاس فرمایا ہے، جس کا محل نظر ہونا بندہ نے بیان کردیا۔ جامعۃ الرشید کے فتوے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں جو تاویلات کی گئی ہیں، وہ بعید ہیں۔ ان پر بہت سے استدراک واقع ہوتے ہیں جو ہم نے ذکر کردیئے۔ فتاویٰ محمودیہ میں حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہی بات ذکر کی ہے جو عام شروح وفتاویٰ میں موجود ہے اور ہم نے مفصلاً ذکر کردی۔

لہٰذا فقہ حنفی اور فتاویٰ شامیہ کی صریح نقول اور مدلل عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا ضروری ہے عملاً سر ہلادینا یا آہستہ قبول کرنا یا تحریراً قبول کرلینا کافی نہیں نکاح کے معاملے میں شدتِ احتیاط کی بناء پر ایسا نکاح غیر منعقد رہے گا۔ فقط

(۵۶) ہیڈ ماسٹر کا گناہ سے بچانے کیلئے والدین کی غیر موجودگی میں نکاح پڑھا دینے کا حکم

سوال

ایک اسکول میں تین طلبہ اور تین طالبات زیر تعلیم تھے۔ ان کے آپس میں تعلقات تھے جونہی یہ بات ہیڈ ماسٹر کے علم میں آئی انہوں نے گناہ سے بچانے کیلئے ان طلبہ و طالبات کے ان کی مرضی سے نکاح پڑھا دیئے۔ تمام طلبہ و طالبات عاقل بالغ اور باشعور ہیں اور ایک دوسرے کے کفو بھی۔ نکاح کی مجلس میں چونکہ تین نکاح ایک ساتھ ہوئے لہٰذا ایک کے نکاح کے وقت بقیہ دونوں جوڑے گواہ تھے، لیکن یہ کارروائی نہ تو کسی فارم پر ہوئی اور نہ ہی باقاعدہ قاضی بلوایا گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے خود ہی نکاح پڑھایا۔ لڑکے اور لڑکیوں کے والدین بھی اس سے لاعلم تھے۔ ان کی رضا بھی اس میں شامل نہیں ہے۔ آیا اب والدین کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ کیا شریعت کی رُو سے یہ نکاح منعقد ہو گیا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

نکاح کے بارے میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ یہ زندگی کا انتہائی نازک معاملہ ہے اس میں قدم بہت سوچ کر رکھنا چاہیئے اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام متعلقہ فریقوں کی رضا شامل ہو، تاکہ بعد میں کوئی لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہو، اس لئے احادیث میں ایک طرف تو ولی کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کرتے وقت اس کی مرضی کو پیش نظر رکھے، اس کی مرضی ومنشا کے بغیر نکاح نہ کرے، دوسری طرف لڑکی کو یہ کہا گیا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس کو ولی نامناسب سمجھتا ہو، ولی کی رائے کا لحاظ رکھنا چاہیئے، کیونکہ اس کی رائے عورت کی رائے سے وزنی ہے۔ دونوں کی رضا جمع ہونے سے بہت سارے فتنوں کا سد باب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ لڑکی اپنے نکاح کے معاملہ کو ولی کے سپرد کر دے، علاوہ ازیں لڑکی خود ایجاب وقبول کرے تو اس میں بے حجابی اور بے باکی بھی ہے لیکن اگر وہ خود شرعی طریقے سے ایجاب وقبول کر کے نکاح کرے تو ولی یا دوسرے رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں بھی یہ نکاح شرعاً صحیح رہتا ہے جبکہ نکاح کفؤ میں ہو اور دو گواہوں کی موجودگی میں کیا جائے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر کفوء میں شرعی طریقے سے ایجاب وقبول کیا گیا ہے تو یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے اگرچہ ان کے والدین کو علم نہ ہو، لہٰذا اب والدین کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں، باقی نکاح کی کارروائی فارم پر لکھنا یا نکاح کے لئے قاضی کو بلانا صحت نکاح کی شرائط میں سے نہیں ہے۔

لمافی صحیح مسلم (۱/۴۵۵): عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی ﷺ قال: الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها واذنها صماتها۔

وفی الدر المختار (۳/۲۱،۲۲): (و) شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حر وحرتین (مکلفین

سامعين قولهما معا) على الأصح (فاهمين) أنه نكاح على المذهب، بحر (مسلمين لنكاح مسلمة ولو فاسقين أو محدودين في قذف أو أعميين أو ابني الزوجين أو ابني أحدهما ـــ (ولو زوج بنته البالغة) العاقلة (بمحضر شاهد واحد جاز إن) كانت ابنته (حاضرة) لأنها تجعل عاقدة (وإلا لا)۔

وفي الرد تحته :قوله (ولو فاسقين الخ) اعلم أن النكاح له حكمان حكم الانعقاد وحكم الإظهار فالأول ما ذكره والثاني إنما يكون عند التجاحد فلا يقبل في الإظهار إلا شهادة من تقبل شهادته في سائر الأحكام كما في شرح الطحاوي فلذا انعقد بحضور الفاسقين والأعميين والمحدودين في قذف وإن لم يتوبا وابني العاقدين۔

وفي الشامية أيضا(۲۵/۳): قوله (ولو زوج بنته البالغة العاقلة) كونها بنته غير قيد فإنها لو وكلت رجلا غيره فكذلك، كما في الهندية وقيد بالبالغة لأنها لو كانت صغيرة لا يكون الولي شاهدا لأن العقد لا يمكن نقله إليها۔

وفي الشامية أيضا (۸۴/۳): فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئة له أو لا فإنه صحيح لازم۔

(۵۷) خفیہ نکاح میں نکاح فارم کے جعلی نکلنے کی صورت میں نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بالغ لڑکے اور بالغ لڑکی نے اپنے گھر والوں سے چھپ کر دو گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا۔ جب گھر والوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ نکاح فارم جعلی ہیں نکاح پڑھانے والے کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے البتہ دونوں گواہ جن کے سامنے نکاح ہوا موجود ہیں۔ اب گھر والے کہتے ہیں کہ نکاح فارم جعلی ہے اس لئے نکاح منعقد نہیں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ نکاح فارم جعلی ہونے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح میں نکاح فارم کا ہونا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ ثبوت نکاح کے لئے دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں (جو شرعاً معتبر ہوں) کی گواہی کافی ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں ہوا ہے، اور یہ نکاح کفو میں کیا گیا ہے تو نکاح نافذ ہوگا

لیکن اگر نکاح غیر کفو میں کیا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا نیز اگر نکاح کفو میں ہو تو پھر نکاح فارم کے نہ ہونے یا نکاح فارم جعلی ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما في القرآن المجيد (النور: ۳۲): وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ...الآية۔

وفی المشكوة (۲۷۲): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف" . رواه الترمذي۔

وفی الشامية (۷۲/۳): قوله وفقد الكفء ای اذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا ظاهر الرواية واما على رواية الحسن فالعقد فاسد وتقدم انها المفتى بها۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۵۶۱/۹): يرى الجمهور غير المالكية: أن الشهادة تلزم حين إجراء العقد، ليسمع الشهود الإيجاب والقبول عند صدورهما من المتعاقدين. فإن تم العقد بدون الشهادة وقع فاسداً ۔۔۔ الحكمة من اشتراط الإشهاد على الزواج بيان خطوره وأهميته وإظهار أمره بين الناس لدفع الظِّنة والتهمة عن الزوجين ولأن بالشهادة على الزواج التمييز بين الحلال والحرام، فشأن الحلال الإظهار وشأن الحرام التستر عليه عادة ويتحقق بالشهادة التوثق لأمر الزواج والاحتياط لإثباته عند الحاجة إليه۔

(۵۸) دولہا دلہن کے نام کے ساتھ والد کے نام لینے کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اکثر نکاح خواں حضرات نکاح کے وقت دولہا و دلہن کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام بھی ذکر کرتے ہیں ایک آدمی کہتا ہے کہ اسطرح نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ حضرات ہماری راہنمائی کریں کہ نکاح میں دولہا اور دلہن کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

نکاح کے منعقد ہونے کیلئے ضروری ہے کہ دلہا اور دلہن کی شناخت میں کوئی اشتباہ نہ رہے۔ اس لئے اگر بوقت نکاح دلہا اور دلہن دونوں موجود ہیں تو صرف ان کے نام ذکر کرنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بوقت نکاح موجود نہیں ہے تو ان کے والد کے نام کا ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ اگر دادا کا نام بھی ذکر کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے تاکہ اشتباہ کی کوئی گنجائش

نہ رہے۔اسی طرح نکاح نامے کی رجسٹریشن وغیرہ جوحکومتی امور کی پاسداری کیلئے تیار کی جاتی ہیں ان میں بھی والد کا نام تحریر کرنا احتیاطا ضروری ہوگا۔

لما فی الطحطاوی علی الدر (۸/۲):(قوله ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوّجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة بخلاف ما اذا كانت له بنت واحدة الا اذا سماها بغير اسمها ولم يشر اليها فانه لايصح ولو كان للمزوج ابنة واحدة۔

وفی الشامية (۱۵/۳):قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت إحداهما متزوجة ويؤيده ما سيأتي من أنها لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها كفى ذكر اسمها وإلا لا بد من ذكر الأب والجد أيضا۔

(۵۹)صرف "بنت فلاں" کہہ کر نکاح پڑھا دینے کا حکم

سؤال

مجھے ایک جگہ رنچھوڑ لائن کی بادامی مسجد میں بعد از عصر عقد نکاح میں شرکت کا موقع ملا قاضی صاحب بڑی متشرع، دیندار اور عالم معلوم ہوتے تھے لیکن نکاح پڑھاتے وقت میں نے ایک عجیب بات محسوس کی وہ یہ کہ قاضی صاحب نے لڑکی کا نام نہیں لیا بلکہ بنت محمد صدیق کہہ کر نکاح پڑھا دیا ساتھ بیٹھے شخص سے میں نے پوچھا بھی کہ یہ تو ضروری ہے کہ لڑکی کا نام لیا جائے؟ وہ بیچارہ بھی موبائل فون میں انتہائی مصروفیت کے باعث فقط اتنا بولا کہ اچھا ہے نام نہ لیا جائے کیونکہ لڑکی کی ہر چیز پوشیدہ رہنی چاہیے۔قاضی مزمل صاحب سے پوچھنے کی مجھے جرأت نہ ہوئی آپ سے تحریراً پوچھ رہا ہوں کہ نکاح میں، میں نے سنا تھا کہ لڑکی کا نام لینا ضروری ہے ورنہ نکاح منعقد نہیں ہوتا اور کیا بادامی مسجد کا نکاح منعقد ہو گیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقدِ نکاح کے وقت اگر گواہ اور عاقدین کو لڑکی کا بالتعیین علم ہو تو اس صورت میں لڑکی کا نام ذکر کرنا ضروری نہیں، چنانچہ آجکل مجلس نکاح سے پہلے ہی گواہوں اور عاقدین کو لڑکی کا پتہ ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں لڑکی کا نام ذکر کیے بغیر نکاح ہو جائے گا۔صورت مسئولہ میں ذکر کردہ نکاح بھی درست ہے البتہ اگر لڑکی کی اور بہنیں بھی ہوں اور گواہوں کو یہ علم نہ ہو کہ کونسی لڑکی کا نکاح ہے تو پھر اس لڑکی کا نام لینا ضروری ہے۔

لمافی التاتارخانية (۳۳/۴) کتاب النكاح، ط فاروقيه: في الحجة سئل محمد بن الفضل عمن قال لرجل زوجت ابنتي منك وليس له بنت غيرها وشهد الشهود جاز النكاح وبالتسمية اصح واولى ولا يصح اذا كانت له بنتان فصاعدا۔

وفی الشامية (۱۵/۳): قوله (ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوج بنته منه وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كما في البزازية نهر وفي معناه ما إذا كانت إحداهما محرمة عليه فليراجع ، رحمتي۔ وإطلاق قوله لا يصح دال على عدم الصحة ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فإنه لا بد منه، رملي۔ قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها۔

(۶۰) بوقت نکاح منکوحہ کی تعیین کی مختلف صورتیں

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ نکاح پڑھاتے وقت مجلس میں لڑکی اوراس کے والد کا نام لیناضروری ہے یانہیں؟ اگرصرف لڑکی یااس کے والد کا نام لےلیاجائے مثلاً یوں کہہ دیاجائے کہ زید کی صاحبزادی تو نکاح صحیح ہوجائے گایانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منکوحہ کی اس طرح تعیین ضروری ہے کہ شوہراور گواہ اچھی طریقہ سے پہچان جائیں کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے اگرلڑکی یاوالد کا نام لئے بغیرایسی تعیین ہوجائے تو نکاح صحیح ہوگیا،مثلاً:

(۱) لڑکی مجلس میں موجود ہوتواس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔

(۲) لڑکی مجلس میں نہیں مگراس کونام سے سب پہچانتے ہیں اس نام کی کوئی دوسری منکوحہ لڑکی وہاں نہیں تو اس صورت میں صرف لڑکی کا نام لیناکافی ہے،والد کا نام لیناضروری نہیں۔

(۳) کسی کی صرف ایک ہی لڑکی ہویازیادہ لڑکیاں ہوں مگرایک کے سواباقی سب شادی شدہ ہوں تولڑکی کا نام لیناضروری نہیں صرف والد کا نام لیناکافی ہے۔

لہذااگراس شخص کی ایک ہی لڑکی ہوتو ''فلاں کی صاحبزادی کے نکاح'' کے الفاظ سے نکاح منعقد ہوجائے گا،لیکن اگراس شخص

کی ایک سے زائد لڑکیاں ہوں اور اس طرح تعیین نہ ہوتی ہو، تو لڑکی اور اس کے والد کا نام لینا ضروری ہوگا۔ بہتر صورت یہ ہے کہ ہر حال میں لڑکی اور اس کے والد کا نام صراحۃً لے لیا جائے تا کہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔

لمافی البحرالرائق (٨٤/٣): فلو زوجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة بخلاف ما اذاكان له بنت واحدة الا اذا سماها بغير اسمها ولم يشراليها فانه لا يصح كمافی التجنيس وفيه عن الذخيرة اذا كان للمزوج ابنة واحدة وللقابل ابن واحد فقال زوجت ابنتی من ابنك يجوز النكاح واذا كان للمزوج ابنة واحدة وللقابل ابنان ان سمى القابل الابن باسمه صح الخ۔

وفی الشامية (١٥/٣): قوله (ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوج بنته منه وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كما في البزازية نهر. وفي معناه ما إذا كانت إحداهما محرمة عليه فليراجع.رحمتي۔ وإطلاق قوله لا يصح دال على عدم الصحة ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فإنه لا بد منه.رملي۔ قلت و ظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد۔الخ۔

وفی الشامية أيضا(٢٢/٣): قوله (وشرط حضور شاهدين)۔۔۔۔ والظاهر أن المراد بالمعرفة أن يعرفها أن المعقود عليها هي فلانة بنت فلان الفلاني لا معرفة شخصها وأن ذكر الاسم غير شرط بل المراد الاسم أو ما يعينها مما يقوم مقامه۔

(٦١) بوقت نکاح دولہا کے نام میں غلطی ہو جانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دوران نکاح، ایجاب وقبول میں اگر دولہا کا نام غلط بولا جائے مثلاً محمد اسحٰق کے بجائے محمد عیسیٰ بول دیا، لیکن دولہا خود موجود ہو اور جو لوگ دورانِ نکاح بیٹھے ہوں لڑکے (دولہا) کو جانتے ہوں اور لڑکے نے خود اپنے لئے قبول کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر مذکورہ صورت میں لڑکے کو لوگ نہ جانتے ہوں تو کیا حکم ہے؟ یہ بھی بتلائیں کہ اگر دولہا یا دلہن میں سے، یا ان کے وکیلوں میں سے کوئی ایک، یا دونوں کسی عرفی نام سے زیادہ مشہور ہوں، تو ایجاب وقبول کے وقت ان ناموں کے بولنے سے نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

نکاح کے وقت جب دولہا مجلس میں موجود ہو تو ایسی صورت میں اگر چہ نام بولتے وقت غلطی ہوگئی ہو تو بھی نکاح درست ہے،

چاہے دولہا کو لوگ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں کیونکہ قبول کے وقت عموماً دولہا کی طرف اشارہ کر کے اس سے قبول کروایا جاتا ہے، اب اگر نام غلط بھی لے لیا جائے تو مضر نہ ہوگا، نیز ایجاب وقبول کے وقت وکیل، دولہا وغیرہ کو عرفی نام سے پکارنا [جس سے وہ مشہور ہو] درست ہے اور نکاح بھی صحیح ہوگا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت اصلی اور عرفی دونوں ناموں کو پکار لیا جائے۔

لمافی فتح القدیر(۱۹۲/۳): تزوج باسمها الذی تعرف به، حتی لو کان لها اسمان اسم فی صغرها واخری فی کبرها تزوج بالاخیر لانها صارت معروفة به ـــ أما لو كانت حاضرة منتقبة فقال تزوجت هذه وقبلت جاز لأنها صارت معروفة بالاشارة۔

وفی الشامیة (۲۲/۳): وما ذكروه في المرأة يجري مثله في الرجل، ففي الخانية قال الإمام ابن الفضل إن كان الزوج حاضرا مشارا إليه جاز ولو غائبا فلا ما لم يذكر اسمه واسم أبيه وجده۔

وفی (۲٦/۳): قوله (إلا إذا كانت حاضرة الخ) راجع إلى المسألتين أي فإنها لو كانت مشارا إليها وغلط في اسم أبيها أو اسمها لا يضر لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية لما في التسمية من الاشتراك لعارض فتلغو التسمية عندها كما لو قال اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو فإنه يصح۔

رسالۃ

نہایۃ الضدین

فی

وقوع الخطاء عند نکاح الاختین

دو بیٹیوں کے نکاح کے وقت ناموں میں غلطی سے

برعکس ایجاب وقبول ہو جانے کی صورت میں انعقاد نکاح سے متعلق تفصیلات،

فقہی جزئیہ، اردو فتاوی میں پائے جانے والے تعارضات کا دفیعہ

اور مسئلہ ہذا پر مکمل ومدلل تحقیقی فتوی

(۶۲) دو بہنوں کے نکاح کے وقت نام بدل جانے سے نکاح کے متعلق مفصل تحقیق

سؤال

مفتی صاحب! گزشتہ جمعہ بعد از نماز عصر مجھے ناظم آباد کی ایک مسجد میں نکاح کی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ جب نکاح ہورہے تھے تو امام صاحب نے سہواً دو بہنوں (بڑی شکیلہ اور چھوٹی رضیہ کا نکاح تھا) کے نام تبدیل کردیئے یعنی بڑے لڑکے کا نکاح چھوٹی رضیہ اور چھوٹے لڑکے کا نکاح بڑی شکیلہ سے پڑھادیا، اور دونوں اشخاص نے قبول کرلیا۔ مفتی صاحب یہ سب کچھ انتہائی اچانک اور غیرارادی طور پر واقع ہوا لیکن دعا کے بعد شوروغل کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی کچھ لوگ کہتے تھے کہ دوبارہ نکاح پڑھاؤ لیکن امام صاحب اڑے رہے اب جو ہوا سو ہوا۔ قبول کرنے سے پہلے ٹوکنا چاہیئے تھا، اب جو پڑھادیئے وہی برعکس نکاح منعقد ہوگئے۔ خیر مفتی صاحب میں تو اس شوروشغب سے نکل کر گھر آگیا۔ آپ کو بتاتا چلوں کہ میں ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن'' سے فارغ التحصیل ہوں لیکن فی الحال درس وتدریس سے مستقلاً متعلق نہیں بلکہ ایک کالج میں اسلامیات کا لیکچرار ہوں لہٰذا مسائل کا اتنا استحضار نہیں رہتا، البتہ میں نے بہت سے اردو فتاویٰ خریدے ہوئے ہیں اور مطالعے میں رکھتا ہوں اس پیش آمدہ مسئلے میں بھی میں نے اردو فتاویٰ سے مراجعت کی مجھے ان درج ذیل فتاویٰ میں مسئلہ مل گیا۔

(۱)......فتاویٰ محمودیہ [۱۱/ ۴۰] عنوان: نکاح میں ایک بہن کی جگہ دوسری کا نام لیا گیا۔

(۲)......امداد المفتین (فتاوی دار العلوم دیوبند از مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ) [۲/ ۵۱۸] عنوان: دھوکہ دے کر چھوٹی کے بجائے بڑی لڑکی سے نکاح کردیا۔

(۳)......خیر الفتاویٰ [۴/ ۲۷۲] عنوان: غلطی سے چھوٹی بہن کا نکاح بڑی سے......الخ۔

(۴)......کفایت المفتی [۵/ ۳۵۱] عنوان: عقد کے وقت جس لڑکی کا نام لیا گیا اس سے نکاح ہوا۔

(۵)......فتاوی دار العلوم دیوبند میں یہ مسئلہ ۳ مقامات پر آیا ہے:

۱۔ فتاوی دار العلوم دیوبند [۷/ ۹۹] عنوان: قبول میں وکیل نے لڑکی کا ... نام بدل دیا کیا حکم ہے؟

۲۔ فتاوی دار العلوم دیوبند [۷/ ۱۰۰] عنوان: قاضی وکیل ... نے بھول سے ایجاب میں لڑکی کا نام بدل دیا نکاح کس کا ہوا؟

۳۔ نیز فتاوی دار العلوم دیوبند [۷/ ۱۰۳] عنوان: نکاح کے وقت لڑکی کے ردوبدل کی صورت میں کیا حکم ہے؟

مفتی صاحب! ان پانچ فتاویٰ کی ... کتب میں مجھے میرا سوال مل گیا لیکن پریشان کن بات یہ تھی کہ ان تمام میں یہ ذکر ہے کہ قاضی

نے جس کیفیت کے ساتھ نکاح پڑھا دیئے (یعنی چھوٹی رضیہ کا بڑے سے اور بڑی شکیلہ کا چھوٹے سے) یہی نکاح منعقد ہو گئے اگر چہ یہ ایجاب وقبول بالعکس ہوا ہے۔ میرے سوال میں بھی گویا امام صاحب کا موقف درست ہے کہ جو پڑھا دیا وہ ہو گیا۔

ان سب امور کو ایک طرف رکھ دیں مجھے اصل مسئلے میں تردد ہو رہا ہے۔ اگر چہ امام صاحب بزرگ شخصیت تھے، نیز یہ سب اصحاب فتاویٰ ہمارے سروں کے تاج ہیں، لیکن مجھے اشکال یہ ہے کہ چھوٹی لڑکی نے تو بڑے لڑکے سے نکاح کی اجازت ہی نہیں دی اور بڑی لڑکی نے چھوٹے لڑکے سے نکاح کی۔ پھر تو دونوں نکاح غیر منعقد موقوف علی الاجازۃ ہونے چاہئیں نہ کہ منعقد، جبکہ ان تمام فتاویٰ میں نکاح کو منعقد قرار دے کر صورت حال کو طلاق وغیرہ کے ذریعے حل کرنے کا بتایا گیا ہے اور فقہ حنفی کا مشہور جزئی سے استدلال کیا گیا ہے، وہ جزئیہ یہ ہے:

"قال الحصكفي رحمه الله :"ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى خانية".

وفي الرد تحته: "قوله (ولو له بنتان الخ) أي بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة فقال زوجتك بنتي الكبرى فاطمة". (الشامية: ٢٦/٣)

تقریباً یہی جزئیہ الفاظ کے معمولی ردوبدل کے ساتھ ھندیۃ (۲۶۸/۱) پر بھی ہے۔ ان جزئیات سے استدلال کر کے ان دونوں نکاحوں کو بہر صورت منعقد کہنا آپ کی نظر میں کیسا ہے؟ آیا مسئلہ ایسا ہی ہے یا نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا؟

نیز مفتی صاحب! آخر میں فتاویٰ دار العلوم دیوبند سے متعلق ایک خاص بات اس مسئلہ میں جو میرے سامنے آئی وہ بھی عرض کر دوں کوشش کروں گا کہ آسان الفاظ میں بات تحریر میں آجائے جیسا کہ میں نے لکھا کہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں یہ مسئلہ تین جگہ ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پہلی اور تیسری جگہ پر تو دیگر فتاویٰ کی طرح بالعکس نکاح کو منعقد قرار دیا گیا ہے لیکن دوسرا فتویٰ (۱۰۰/۷) ان دونوں سے متضاد ہے اس میں مخالفت مؤکل [باپ] کی وجہ سے وکیل [قاضی] کے نکاح کو غیر منعقد کہا گیا ہے لہٰذا بظاہر یہ دونوں فتاویٰ آپس میں متعارض ہیں [مفتی صاحب! یہ بات ملحوظ رہے کہ مفتی عزیز الرحمن قدس سرہ واعلی اللہ مراتبہ نے اپنے دوسرے فتوی میں (۱۰۰/۷) پر ان نکاحوں کو غیر منعقد تو کہا ہے مگر مخالفت مؤکل کی وجہ سے نہ کہ عدم اجازت مرأۃ کی وجہ سے]۔

مفتی صاحب! فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں موجود اس تعارض پر بھی تبصرہ فرمائیں نیز مفتی صاحب بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے پہلے فتویٰ (۹۹/۷) پر حضرت مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب [جو کہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے مرتب ومبوب ہیں ان] کا حاشیہ بھی ملاحظہ کریں انہوں نے مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کے پہلے اور تیسرے فتویٰ کو تسامح اور دوسرے فتوے کو درست کہا ہے اور عدم انعقاد نکاح کی وجہ حاشیہ پر وہی مخالفت مؤکل بتائی ہے لیکن مفتی ظفیر احمد صاحب نے حاشیہ پر تصریح کی ہے کہ باپ اگر نکاح پڑھا رہا ہوتا تو یہ نکاح منعقد ہو جاتے۔ قاضی چونکہ باپ کا وکیل ہے اس لئے وکیل کے پڑھائے ہوئے نکاح مخالفتِ مؤکل کی وجہ سے منعقد نہیں ہو رہے ہیں۔

مفتی صاحب! حضرت مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب نے جوتسامح ذکر کیا ہے مجھے ان کے بیان میں خود دو تسامح لگ رہے ہیں
(۱) پہلا تسامح تو یہی کہ باپ پڑھاتا تب بھی نکاح دونوں لڑکیوں کی اجازت پر موقوف ہونے چاہیئے تھے جو کہ میرا مرکزی سوال ہے، جبکہ مفتی ظفیر صاحب نے باپ کی صورت میں انعقاد کی تصریح کی ہے۔
(۲) دوسرا تسامح یہ کہ مفتی ظفیر احمد صاحب نے اپنی بات پر اس جزئیہ سے استدلال کیا ہے:

"ومن أمر رجلاً أن يزوجه امرأة فزوجه اثنتين في عقدة لم تلزمه واحدة منهما لأنه لا وجه إلى تنفيذهما للمخالفة" ۔ (هداية،۳/۳۳)

لیکن قابل تفکر بات یہ ہے کہ وکالت میں مخالفت مؤکل کا جزئیہ مفتاحی صاحب نے وکیل ثانی (قاضی) پر منطبق کر کے نکاح غیر منعقد قرار دیا ہے حالانکہ باپ بھی تو اپنی بیٹی کا وکیل ہے اس صورت میں باپ کا اپنی بیٹی (مؤکلہ) کی اجازت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے باپ کا کیا نکاح بھی غیر منعقد ہونا چاہیئے تھا حالانکہ حضرت مفتی ظفیر احمد صاحب نے اسے حاشیہ پر صراحتاً منعقد کہا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ باپ وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ولی بھی ہے تب بھی ہم کہیں گے کہ ولی کیا دنیا کی کوئی طاقت بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں پڑھا سکتی۔ فلما ذا يفرق بين الوكيلين مع الاشتراك في مخالفتهما للمؤكل الاول۔ مفتی صاحب! مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب نے تیسرے فتوی کے ذیل میں (۷/ ۱۰۳) پر زیادہ تفصیل سے اپنی یہ تحقیق بیان کی ہے۔ ان پر وارد اشکالات ہم نے ذکر کر دیئے۔ یہ دونوں تسامحات مجھے حضرت مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب کے حاشیہ والی تحقیق پر نظر آئے، اصل سوال اپنی جگہ ہے۔

مفتی صاحب! جب میں نے اردو فتاویٰ میں یہ تفصیلات دیکھیں تو میں نے کراچی کے معروف اصحاب دارالافتاء سے اس مسئلے میں مراجعت کی جن میں بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، دارالعلوم کراچی، خلفائے راشدین، اور جامعۃ الرشید وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ بنوری ٹاؤن، فاروقیہ اور دارالعلوم کراچی سے جو فتویٰ جاری ہوا وہ ان نکاحوں کے عدم انعقاد کا ہے خلفاء راشدین کے دارالافتاء سے جو فتویٰ جاری ہوا اس میں ان نکاحوں کو منعقد کہا گیا ہے اور جامعۃ الرشید میں مہینوں گزر جانے کے باوجود وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکے، ان کے ہاں تحقیق جاری ہے۔ ان تمام حاصل کردہ فتاویٰ کی نقول میں پیش کر رہا ہوں، مجھے یہ تردد بھی ہوا کہ امداد المفتیین جو کہ حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس میں نکاح کو صراحتاً منعقد کہا گیا ہے، پھر دارالعلوم کراچی سے جو فتویٰ جاری ہوا اس میں نکاح کو غیر منعقد کیسے کہا گیا، اس الجھن کا بھی حل فرمائیں۔

مفتی صاحب مجھے آپ کے مؤقر دارالافتاء کا علم بھی تھا اور بہت سے اہم اور تحقیقی فتاویٰ میں آپ سے استفادے کی نوبت بھی آئی ہے۔ آپ کے فتاویٰ کی کتاب چونکہ فی الحال تین جلدوں میں ''کتاب الحج'' تک ہے لہٰذا اس مسئلے کو نجم الفتاویٰ میں تلاش کرنا بے معنی تھا، چنانچہ یہ تمام تفصیلات اور نقول آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، آپ کے تحقیقی ذوق اور کمال علم کی روشنی میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اس مسئلے کا ایسا حل پیش فرمائیں گے کہ جس سے عبارات فقہاء کے مطالب واضح ہو جائیں نیز شامیہ اور ہندیہ کے اس جزئیہ

ولوله بنتان... الخ پر بھی غور فرمائیں کہ کیا یہ اپنے اطلاق کے ساتھ درست ہے اور کیا اس جزئیہ سے استدلال کر کے نکاح کو منعقد قرار دینا قرین قیاس ہے یا مخالف قواعد شرعیہ؟

یہ جزئیہ ظاہر الروایہ میں موجود ہے یا اس کی اصل اور ابتداء کہاں سے ہے؟ کتب فقہ حنفی کے مصنفین اور اعلام احناف نے اس جزئیہ پر اگر کہیں سیر حاصل گفتگو کی ہو تو نظر فرمائیں نیز اکابرین امت کے جن فتاویٰ کا میں نے ذکر کیا ان پر بھی غور فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورتِ مسئولہ میں اولاً مسئلے کی تنقیح ضروری ہے اس کے بعد ہی جواب اور جواب سے متعلق تفصیلات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ا۔ تنقیح المسئلۃ:

کسی بھی لڑکی کا نکاح ہو رہا ہو تو وہ لڑکی دو حال سے خالی نہ ہوگی۔ ۱) وہ لڑکی بالغہ ہوگی۔ ۲) یا وہ لڑکی نابالغہ ہوگی۔

اگر وہ لڑکی بالغہ ہے تو بالغہ کے نکاح کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بالغہ اپنا نکاح خود کر رہی ہوگی اور دوسری یہ کہ بالغہ نے کسی شخص کو وکیل بنایا ہوگا اور وہ وکیل بالغہ کا نکاح کرا رہا ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہے یعنی بالغہ اصالۃً خود اپنا نکاح کر رہی ہے اور بنفسِ نفیس مجلس عقد میں موجود ہے پھر تو لڑکی سے کسی قسم کی اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ لڑکی خود ہی عاقد ہے البتہ دوسری صورت یعنی اگر بالغہ کا نکاح اس کا وکیل کرا رہا ہو تو بہر صورت چاہے وہ وکیل لڑکی کا ولی یعنی باپ ہی کیوں نہ ہو لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے یہ اصول ہے کہ بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص اس کا نکاح نہیں کر سکتا اگر کر دیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ بالغہ کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا۔

بالغہ کا نکاح کرانے کیلئے کوئی شخص اسی صورت میں وکیل بن سکتا ہے جب بالغہ نے اسے اجازت دی ہو ورنہ وہ شخص فضولی ہے اور اس کا نکاح بالغہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ بالغہ لڑکی سے اجازت لئے بغیر اس کا نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ فتاویٰ کی مشہور اور مستند ترین کتاب الفتاویٰ الھندیہ میں ہے:

"لایجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکرا کانت أو ثیبا فإن فعل ذلك فالنکاح موقوف علی إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردّته بطل".

(الهندية، ۲۸۷/۱)

"کسی بھی شخص کا بالغہ، صحیح العقل لڑکی کا نکاح کرنا جائز نہیں، چاہے وہ شخص باپ یا بادشاہ ہو، لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح جائز نہیں اور اس میں لڑکی کے شادی شدہ یا کنواری ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں اگر کسی بھی شخص نے بالغہ کی

اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ جائز قرار دیدے تو منعقد ہو جائے گا اور اگر وہ رد کر دے تو یہ عقد باطل ہو جائے گا۔"

بوقتِ نکاح لڑکی کے بالغہ ہونے کی صورت میں تو یہ تفصیل تھی اور اگر لڑکی نابالغہ ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ نابالغہ خود عاقد نہیں بن سکتی، اس کے تصرفات معتبر نہیں اور نہ ہی نابالغہ کی اجازت معتبر ہے، نابالغہ کا نکاح ولی کے علاوہ کوئی نہیں کرا سکتا، ولی کے نکاح کرنے کی صورت میں دو احتمالات ہیں:

[۱] ولی اقرب نکاح پڑھائے۔ (ولی اقرب سے مراد وہ ولی ہے کہ بچے کا اس سے زیادہ قریب کا دیگر کوئی ولی موجود نہ ہو مثلاً ایک بچے کے باپ اور چچا ہوں تو باپ ولی اقرب ہے، کیونکہ باپ سے زیادہ قریب کا کوئی ولی نہیں لہٰذا باپ ولی اقرب ہے۔) اس کے نکاح کرانے کا حکم یہ ہے کہ نابالغہ کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ ولی ابعد نابالغہ کا نکاح پڑھائے۔ (ولی ابعد سے مراد وہ ولی ہے جس سے قریب کا دیگر کوئی اور ولی موجود ہو، چنانچہ اس ولی اقرب کی موجودگی میں یہ ابعد ہوگا مثلاً باپ کی موجودگی میں چچا ولی ابعد ہے۔) لہٰذا ولی ابعد یا بالکل ہی اجنبی شخص نابالغہ لڑکی کا نکاح کرا دیتا ہے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا، بلکہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا ولی اقرب نے اگر اجازت دے دی تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا بصورتِ دیگر رد کرنے سے رد ہو جائے گا۔

فتاویٰ ھندیہ میں ہے:

"وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضرا وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته". (الهندية، ۱/۲۸۵)

"اگر نابالغ یا نابالغہ کا نکاح ولی ابعد نے کرا دیا تو اگر ولی اقرب موجود ہو اور وہ شخص اہلِ ولایت میں سے ہو تو اس ولی ابعد کا نکاح اُس ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔"

۲۔ بوقتِ عقد نام میں غلطی واقع ہو جانے کا حکم

بوقت عقد لڑکی کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر لڑکی معلوم نہ ہو بلکہ مجہول ہو بایں طور کہ گواہ لڑکی کو نہیں جانتے اور نہ صراحۃً لڑکی کا نام بوقتِ عقد لیا جائے [اور لڑکی مجلس عقد میں موجود نہ ہو] تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر لڑکی خود مجلسِ عقد میں موجود ہو تو پھر اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے، اس کے بعد نام اگرچہ غلط لے لیا جائے تب بھی یہ نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ اگر لڑکی موجود نہ ہو تو پھر لڑکی کا درست نام لینا ضروری ہے اور اگر گواہوں کو صرف نام کے ذریعے لڑکی سے صحیح آگاہی نہ ہوتی ہو تو باپ اور دادا کا نام لینا بھی ضروری ہے۔

نکاح کے وقت لڑکی یا اس کے باپ، دادا کا نام لیتے ہوئے غلطی سے دوسرا کوئی نام نکل جائے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ لڑکی

مجہول ہوگئی۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي رحمه الله: "(غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح) للجهالة وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح"

"قوله (لم يصح) لأن الغائبة يشترط ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط خلافا لابن الفضل وعند الخصاف يكفي مطلقا ... قوله (إلا إذا كانت حاضرة الخ) راجع إلى المسألتين أي فإنها لو كانت مشارا إليها وغلط في اسم أبيها أو اسمها لا يضر لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية لما في التسمية من الاشتراك لعارض فتلغو التسمية عندها كما لو قال اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو فإنه يصح"

(شامية ۲۶/۳)

"علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (وکیل بالنکاح نے لڑکی کے باپ کے نام میں غلطی کر دی اور لڑکی موجود نہ تھی تو نکاح صحیح نہ ہوا) کیونکہ منکوحہ مجہول ہوگئی اور اسی طرح اگر باپ بوقتِ نکاح بیٹی کا نام لینے میں غلطی کر دے ہاں اگر منکوحہ موجود ہو اور اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو یہ عقد صحیح ہوگا۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ میں حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول (نکاح صحیح نہ ہوا) کے تحت فرماتے ہیں کیونکہ غائب دلہن اور اس کے باپ دادا کا نام بوقتِ عقد ذکر کرنا شرط ہے اور یہ بات پہلے بھی گزر چکی کہ اگر گواہ لڑکی کو پہچانتے ہوں تو صرف لڑکی کا نام لے دینا بھی کافی ہے البتہ ابن الفضل کا اس میں اختلاف ہے اور امام خصاف کے نزدیک مطلقاً یہ کفایت کر جائے گا .... (ماتن کا قول: ہاں اگر منکوحہ موجود ہو) یہ قول گزشتہ دونوں مسئلوں سے متعلق ہے یعنی اگر لڑکی کی طرف اشارہ کر دیا جائے اور پھر لڑکی یا اس کے باپ کے نام میں غلطی ہو جائے تو یہ غلطی مضر نہیں کیونکہ حسی اشارہ باعتبار قوت کے نام لینے سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ نام میں تو کبھی اشتراک (کسی اور کا وہی نام) ہو سکتا ہے لہٰذا اس وقت تسمیہ لغو ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ میں اس زید کی اقتداء میں نماز کی نیت کرتا ہوں اور وہ شخص زید نہیں عمرو ہو تب بھی اقتداء (اشارے حسی کی وجہ سے) درست ہوگی (اور یہ غلط نام لے دینا لغو ہو جائے گا)۔"

یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ لڑکی کے نام میں غلطی سے عقد غیر منعقد ہو جائے گا جبکہ لڑکی بوقتِ عقد مجلس میں موجود نہ ہو البتہ یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ اگر ایک شخص کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ ایک کے نکاح کے وقت دوسرے کا نام لے لیتا ہے تو کس کا نکاح منعقد ہوگا؟ یہاں یہ بات تو واضح رہے کہ اگر یہ غلطی قاضی سے ہوتی ہے تو نکاح بہر صورت غیر منعقد ہوں گے، کیونکہ قاضی وکیل ہوتا ہے اور وکیل کا نکاح مخالفتِ موکل کی بناء پر موقوف ہو جاتا ہے۔ یہ تفصیل باپ کے نکاح پڑھانے سے متعلق ہے اس صورت میں مسئلے کی چار صورتیں بن سکتی ہیں جو کہ مع حکم یہ ہیں:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں لڑکیاں بالغہ ہوں لیکن بڑی لڑکی کے نکاح کے وقت چھوٹی بالغہ لڑکی کا نام لے لیا تو اس صورت میں بڑی کا نکاح تو ہوا نہیں کیونکہ اس کا نام ہی نہیں لیا اور چھوٹی کا عقد بھی نہ ہوگا کیونکہ وہ بھی بالغہ ہے اور اوپر تفصیل گزر چکی کہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر پڑھایا ہی نہیں جا سکتا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں لڑکیاں نابالغہ ہوں اور بڑی نابالغہ لڑکی کے نکاح کے وقت ولی چھوٹی نابالغہ لڑکی کا نام لے لے اس صورت میں قواعد کے مطابق چھوٹی نابالغہ لڑکی کا نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ نابالغہ کے حق میں اس کا باپ ولی ہے اور وہی اصیل ہے وکیل نہیں، لہٰذا اس نے اگر دوسری نابالغہ بچی کا نام لے لیا تو اس دوسری نابالغہ کا نکاح ہو جائے گا۔

[نوٹ: البتہ یہ بات بالخصوص ذہن نشین رہے کہ یہاں نکاح کے انعقاد کا حکم ولی کے نکاح پڑھانے سے متعلق ہے وکیل یعنی قاضی، نکاح خواں وغیرہ کے ساتھ یہ حکم نہیں، کیونکہ قاضی کسی کی نابالغہ بچی کا ولی نہیں ہوتا لہٰذا قاضی اگر اس طرح کرے تو اس دوسری نابالغہ کا نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ قاضی (درحقیقت ولی کا) وکیل ہے اور وکیل کا نکاح مخالفتِ موکل کی وجہ سے موقوف ہو جائے گا جبکہ باپ اصیل ہے لہٰذا اس کا نکاح منعقد ہوگا۔]

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ایک لڑکی بالغہ اور ایک نابالغہ ہو لیکن نکاح بالغہ کا ہو رہا ہو، اور بالغہ کے نکاح کے وقت باپ غلطی سے نابالغہ کا نام لے لے تو اس صورت میں نابالغہ کا نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس میں وہی دوسری صورت والی تفصیل ملحوظ رہے کہ باپ غلطی سے غلطی معتبر ہے قاضی یا کوئی وکیل غلطی کرے تو نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ مخالفتِ موکل کی وجہ سے موقوف ہوگا۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک لڑکی بالغہ اور ایک نابالغہ ہو لیکن نکاح نابالغہ کا ہو رہا ہو، اور نابالغہ کے نکاح کے وقت باپ غلطی سے بالغہ کا نام لے لے۔ اس صورت میں کسی کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ نابالغہ کا تو نام ہی نہیں لیا گیا اور بالغہ سے اجازت نہیں لی گئی۔

اصولِ شرع اور فقہی نصوص کی روشنی میں وضاحت یہی ہے جو تحریر کر دی گئی اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ اپنے سوال کا جواب معلوم کر سکتے ہیں۔

۳۔ صورتِ مسئولہ کی وضاحت:

صورتِ مسئولہ میں لڑکیوں کے بالغہ اور نابالغہ ہونے کی اگرچہ وضاحت نہیں لیکن دو اہم باتوں کی وضاحت موجود ہے۔

(۱) نکاح مسجد میں ہوا ہے جہاں عموماً لڑکیاں مجلسِ عقد میں نہیں ہوتیں۔

(۲) نکاح قاضی نے پڑھائے ہیں اور قاضی کو بڑی لڑکی کا نکاح بڑے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی کا نکاح چھوٹے لڑکے سے پڑھانے کا وکیل بنایا گیا تھا۔

اوپر جو تفصیلات تحریر کی گئی ہیں اگر ان کا استحضار رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نکاح بہرحال موقوف ہیں کیونکہ قاضی وکیل تھا اور وکیل اگر مخالفت موکل کر دے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض یہ نکاح باپ پڑھا رہا ہوتا تب اوپر

ذکر کردہ چاروں صورتوں کے مطابق لڑکی کے بالغہ یا نابالغہ ہونے کے مطابق نکاح کے انعقاد اور عدم انعقاد کی تفصیل کی جاتی، لیکن یہاں قاضی نکاح پڑھا رہا تھا جو کہ بہر صورت (لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ) وکیل ہی بنتا ہے لہٰذا یہ نکاح علی الاطلاق (غیر منعقد) موقوف ہوں گے۔

۴۔ زیرِ بحث مسئلے میں اردو فتاویٰ کا تعارض:

مسئلہ زیرِ بحث میں جیسا کہ سائل نے اردو فتاوی کی طرف مراجعت کی اور اسے چند فتاوی میں مسئلہ مل گیا اسی طرح ہم نے بھی اپنے پاس دستیاب ۳۵ کے قریب اردو فتاویٰ کی طرف مراجعت کی اور کافی تتبع وتفحص کے بعد یہ مسئلہ درج ذیل مقامات پر موجود پایا البتہ ان میں سے بعض مقامات تو اس باب میں صریح ہیں کہ مجیب نے دونوں طرف سے کئے گئے برعکس نکاح کو منعقد قرار دیدیا ہے اور نکاح بھی قاضی پڑھا رہا ہے اور کچھ میں تو بالغہ تک کی تصریح کے باوجود فقہ کے ایک عام جزیئے (جو کہ درحقیقت خاص ہے اور اس پر آگے بحث آرہی ہے) سے استدلال کر کے ان نکاحوں کو منعقد قرار دیا گیا ہے جو کہ بہرحال قواعد کے خلاف ہے۔

ہم ان فتاویٰ کو دو قسموں پر تقسیم کر رہے ہیں

۱) ایک وہ جن میں تقریباً صریح الفاظ میں نکاح پڑھانے والے کے منہ سے نکلے الفاظ کو حرفِ آخر قرار دے کر نکاح منعقد کردیئے گئے ہیں اور ان میں بظاہر تاویل ممکن نہیں۔

۲) دوسرے وہ فتاوی جن میں تاویل کی گنجائش ہے اگرچہ ان کے جواب کا سیاق وسباق، کلام کا تسلسل اور بغیر کسی قید کے جواب کا اطلاق اس تاویل سے اباء کرے لیکن بہرحال تاویل ممکن ہے۔ سردست ہم یہاں صرف پہلی قسم کے فتاوی مع تشریحی نوٹ (بندے ناچیز کی جانب سے) پیش کریں گے۔ دوسری قسم کے فتاویٰ کے فقط حوالے ذکر کرنے پر اکتفاء کریں گے باذوق حضرات خود مراجعت کر کے تحقیق کر سکتے ہیں۔

اردو فتاویٰ میں سے انعقادِ نکاح کا حکم لگانے میں تقریباً صریح فتاویٰ جات درج ذیل ہیں:

(۱) خیر الفتاویٰ [۴/۲۷۲] (۲) خیر الفتاویٰ [۴/۳۴۱]

(۳) فتاویٰ حقانیہ [۴/۳۰۸] (۴) امداد المفتیین [۲/۵۱۸]

(۵) کفایت المفتی [۵/۳۰۶] (۶) فتاویٰ دار العلوم دیوبند [۷/۹۹]

(۷) فتاویٰ دار العلوم دیوبند [۷/۱۰۳]

(۱) خیر الفتاویٰ (۴/۲۷۲) (ط: امدادیہ):

عنوان: غلطی سے چھوٹی بہن کا نکاح بڑے بھائی سے اور بڑی کا چھوٹے سے ہوگیا تو کیا کیا جائے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ دین متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے اپنی دو لڑکیوں کا دو آدمیوں سے نکاح کرنا تھا

یعنی بڑے لڑکے (خالد) سے بڑی لڑکی (خالدہ) کا اور چھوٹے لڑکے (ناصر) سے چھوٹی لڑکی (جمیلہ) کا، مگر غلطی سے نکاح خواں نے چھوٹے لڑکے کو بلا کر یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بڑا لڑکا ہے نکاح بڑی لڑکی سے پڑھا دیا حالانکہ رجسٹر کا اندراج بڑی لڑکی کا بڑے لڑکے سے ہوا جب لڑکیوں سے پوچھنے گئے تھے تو اس میں بڑی لڑکی نے بڑے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی نے چھوٹے لڑکے سے نکاح پر رضامندی کا اظہار کیا تھا، لوگوں کے بتلانے پر کہ یہ چھوٹا لڑکا ہے نکاح خواں نے اسی مجلس میں اصل صورت پر دوبارہ نکاح پڑھا دیا اب صورتِ مسئلہ میں نکاح صحیح ہے یا نہ؟ دوسرے نکاح میں کوئی خلل تو واقع نہیں ہوا جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مساۃ خالدہ کا نکاح مسمی ناصر سے منعقد ہو چکا ہے اور مساۃ جمیلہ کا نکاح ناصر سے نہیں ہوا ہے کیونکہ بہن کی موجودگی میں دوسرے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ولو کان لرجل بنتان کبری اسمها عائشة وصغری اسمها فاطمة واراد أن یزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ینعقد علی الصغری (هندیة: ۱/۲۷۰)

(خیر الفتاویٰ، ۴/۲۷۲)

نوٹ: سوال کے الفاظ "رضامندی کا اظہار کیا تھا" واضح دال ہیں کہ لڑکیاں بالغہ تھیں کیونکہ نابالغہ کی رضامندی کا اعتبار ہی نہیں اس کی رضا کا تو ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں، نیز یہاں "نکاح خواں" کے الفاظ اس بات پر دال ہیں کہ یہ نکاح باپ نے خود نہیں پڑھائے بلکہ قاضی سے پڑھوائے ہیں، گویا مجیب نے دو بالغہ لڑکیوں کے نکاح کے وقت قاضی کی جانب سے صادر غلطی کی بناء پر دونوں نکاح منعقد قرار دیئے ہیں۔ (از راقم)

(۲) خیر الفتاویٰ (۴/۳۴۱) (ط: امدادیہ):

عنوان: نام چھوٹی کا لیا اور صفت کبری کی استعمال کی تو نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص مسمی کریم اللہ نے اپنی چھوٹی لڑکی نسیمہ بی بی کا عقدِ نکاح مسمی گاما سے کرانا تھا والد صاحب کی غلطی کی وجہ سے نکاح جس جگہ ہوا وہاں جھگڑا پڑ گیا کہ چھوٹی لڑکی کا نام نہیں لیا گیا جبکہ اس جگہ پر بڑی کا نام لیا گیا ہے کیونکہ والد جاہل ہے اس بناء پر والد چھوٹی اور بڑی کے نام میں تمیز نہ کر سکا لہٰذا آپ شریعتِ حنفیہ سے حکم فرمائیں کہ آیا جس لڑکی سے نکاح ہونا قرار پایا تھا وہ نہ ہوا لہٰذا بڑی لڑکی کا نکاح ہوا یا نہیں یا دونوں میں کسی کا ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی شخص کی دو لڑکیاں ہوں مثلاً ایک بڑی اور ایک چھوٹی تو نکاح کے وقت والد بجائے چھوٹی کے بڑی کا نام لے دے یا برعکس تو جس کا نام لے گا اسی کا نکاح ہوگا خواہ اس کے ذہن میں تعین دوسری کا ہو لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ صرف نام ہی لیا ہو نام کے ساتھ چھوٹی یا بڑی کا لفظ نہ کہا ہو مثلاً اگر نام چھوٹی کا لیا اور اس کے ساتھ لفظ بڑی کا کہا یا برعکس تو اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ اس نام کی اس کی بڑی لڑکی یا عکس کی صورت میں چھوٹی لڑکی کوئی نہیں ہے لہٰذا نکاح کسی کا بھی منعقد نہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے۔

کما فی الدر المختار (۲/۲۷۵) ولو له بنتان اراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری الخ۔

وفی الشامیة علی قوله(له بنتان الخ) أی بأن کان اسم الکبری مثلاً عائشة و الصغری فاطمة فقال زوجتك بنتی فاطمه وقیل صح العقد علیها وان کانت عائشة هی المرادة وهذا إذا لم یصفها بالکبری اما لو قال زوجتك بنتی الکبری فاطمة یجب أن لا ینعقد العقد علی احدهما لانه لیس له ابنة کبری بهذا الاسم الخ (شامی، ۲/۲۷۵)

لہٰذا باپ نے جس لڑکی کا نام لیا اس کا نکاح ہوگیا دوسری کا نہیں۔ (خیر الفتاوی، ۴/۳۴۱)

نوٹ: مجیب کے الفاظ "جس کا نام لے گا اس کا نکاح ہوگا" اس پر دال ہیں کہ مجیب کے نزدیک زبان سے نکلے الفاظ حرفِ آخر ہیں، چاہے وہ غلط (یعنی برعکس) ہی کیوں نہ نکل جائیں اور لڑکیاں بالغہ ہوں یا نابالغہ بہرصورت نکاح منعقد ہوں گے۔

(۳) فتاویٰ حقانیہ (۴/۳۰۸):

عنوان: نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا

سوال: نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کے بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب: مجلسِ نکاح میں جب کوئی ممیز اشارہ وغیرہ نہ ہو جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو صورت مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اسی کے ساتھ ہوا ہے اس لئے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے۔

قال العلامة الحصکفی: غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح للجهالة و کذا لو غلط فی اسم بنته الا اذا کانت حاضرة و اشار الیها فیصح ولوله بنتان اراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری صح للصغری خانیة۔ (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، ۲/۴۵۰)

(فتاویٰ حقانیہ، ۴/۳۰۸)

نوٹ: مجیب کا بغیر کسی قید کے یہ کہنا کہ "وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اسی کے ساتھ ہوا ہے" یہ بتاتا ہے کہ مجیب علی الاطلاق انعقادِ نکاح کے قائل ہیں، نیز سوال اور جواب میں "وکیل" کے لفظ کی صراحت یہ بتاتی ہے کہ مجیب کے نزدیک ولی اور وکیل دونوں صورتوں میں، لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ بہرحال یہ برعکس نکاح منعقد ہیں۔

(۴) امداد المفتین (۲/۵۱۸):

عنوان: نکاح کے وقت لڑکی کا نام بھول کر دوسری کا نام بتادیا گیا

سوال: زید نے اپنی بڑی نواسی کے نکاح کے وقت اس لڑکی کا سہواً وہ نام بتلادیا جو اس کی چھوٹی نواسی کا تھا حالانکہ اس کے اور

دولہا کے اور گواہوں کے علم میں بڑی لڑکی ہی دلہن تھی کیا یہ نکاح صحیح ہوا؟

الجواب: نکاح کیلئے ایجاب وقبول میں جس لڑکی کا نام لیا گیا اسی کا نکاح ہو گیا اگرچہ دل میں نیت وارادہ دوسری کا ہو اور گواہ اور حاضرین بھی دوسری کو دلہن سمجھ رہے ہوں بولے ہوئے الفاظ کے خلاف نیت وارادہ عمل نہیں کرتا۔

قال فی الدر المختار: وقوله له بنتان اراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى خانية۔

(امداد المفتین، ۲/ ۵۱۸)

نوٹ: حضرت کے الفاظ "جس لڑکی کا نام لیا گیا اسی کا نکاح ہو گیا" اور "بولے ہوئے الفاظ کے خلاف نیت وارادہ عمل نہیں کرتا" اس پر دال ہیں کہ حضرت کے نزدیک مطلقاً یہ نکاح منعقد قرار دیئے جائیں گے بالغہ کی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں، نیز سوال میں یہ صراحت ہے کہ نام میں یہ غلطی نانا کی جانب سے ہوئی ہے۔

(۵) کفایت المفتی (۵/ ۳۶۰) (ط: دار الاشاعت):

عنوان: ایجاب وقبول کے وقت لیا ہوا نام معتبر ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید کے نکاح کی بات چیت ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان سے نکاح ہونا قرار پایا لیکن جب قاضی نے ایجاب وقبول کرایا تو بجائے مسماۃ انشاء اللہ جان کے مسماۃ آمنہ بی کے ساتھ، آمنہ بی کا نام لے کر، ایجاب و قبول کرادیا اور رجسٹر میں بھی آمنہ بی لکھا گیا، جب رخصتی ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان کو رخصت کر دیا گیا، حالانکہ ایجاب وقبول آمنہ سے کرایا گیا۔ عندالشرع ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ایجاب وقبول کے وقت آمنہ بی کے والد اور بھائی موجود تھے چھ ماہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی مسماۃ انشاء اللہ جان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: یہ نکاح آمنہ بی کے ساتھ منعقد ہوا جس کا نام ایجاب وقبول کے وقت لیا گیا مگر چونکہ یہ غلطی ہوئی تو اب اس کے تدارک کی بہتر سبیل یہ ہے کہ انشاء اللہ جان کو شوہر سے علیحدہ کر دیا جائے اور شوہر آمنہ بی کو طلاق دیدے اور اس کے بعد انشاء اللہ جان کے ساتھ اس کا دوبارہ نکاح کر دیا جائے۔

(کفایت المفتی، ۵/ ۳۶۰)

نوٹ: حضرت کے الفاظ "جس کا نام ایجاب وقبول کے وقت لیا گیا" بغیر کسی استثناء اور تقیید کے اس پر دال ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ علی الاطلاق نام کی غلطی سے، جس کا نام لے لیا جائے، اس کے نکاح کے انعقاد کے قائل ہیں، چاہے وہ بالغہ ہو یا نابالغہ۔ رخصتی کا ہونا اور پھر بچے کی ولادت بھی اس پر دال ہے کہ لڑکی بالغہ ہے نیز سوال میں یہ صراحت ہے کہ یہ غلطی قاضی سے ہوئی ہے [جو کہ وکیل ہوتا ہے]۔

(۶) فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۷/ ۹۹) (ط: دار الاشاعت):

عنوان: قبول میں وکیل نے لڑکی کا نام بدل دیا کیا حکم ہے؟

سوال: زید کی نسبت ساتھ ہندہ کے ہوئی اور ہندہ کی بہن مریم کے ساتھ بکر کی نسبت ہوئی بوقت نکاح موافق نسبت کے

ایجاب کرایا گیا بعد ایجاب کے جب قاضی نے روبرو قبول کروایا وکیل نے بھول کر زید کے ساتھ ہندہ کی بہن مریم کا نام لیا اور بکر کے ساتھ ہندہ کا نام لیا اسی وقت ایک شخص بولا یہ خلافِ نسبت نام لیتے ہو چنانچہ دوسری مرتبہ قاضی نے موافق نسبت کے قبول صحیح کرایا اس صورت میں پہلا ایجاب وقبول صحیح ہوا یا دوسرا؟

جواب: درمختار کتاب النکاح میں ہے: ولوله بنتان اراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری صح للصغری، خانیة۔ شامی میں اس کی شرح میں ہے أي بأن کان اسم الکبری مثلا عائشة والصغری فاطمة فقال زوجتك بنتي فاطمة وقیل صح العقد علیها الخ۔ اس عبارت سے واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں پہلا نکاح صحیح ہوا دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۷/ ۹۹)

نوٹ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا درمختار کے جزئیہ سے علی الاطلاق استدلال اور ایک بہن کی جگہ دوسری بہن کے نکاح کے انعقاد کا قول کرنا یہ اس پر دال ہے کہ حضرت مطلقاً زبانی الفاظ کا اعتبار کرتے ہیں اس کے بعد لڑکی کی اجازت کی ضرورت نہیں چاہے وہ بالغہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۷/ ۱۰۳) (ط: دار الاشاعت):

عنوان: نکاح کے وقت لڑکی کے ردوبدل کی صورت میں کیا حکم ہے؟

سوال: ایک موضع میں ایک شخص کے یہاں دو لڑکیوں کی بارات آئی۔ بوقت عقد ایک ہی قاضی دونوں کے وکیل بالنکاح مقرر ہوئے انہوں نے بڑی لڑکی کا عقد چھوٹے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی کا عقد بڑے لڑکے سے کر دیا۔ رخصت نہیں ہوئی۔ ایک گھنٹے بعد پھر دوبارہ نکاح خواں آ کر کہنے لگے پہلا عقد غلطی سے سہواً خلافِ ترتیب ہو گیا اب پھر عقد کیا جاوے، چنانچہ دوبارہ ردّوبدل کر کے عقد کر دیا گیا اب چھوٹی لڑکی کا شوہر رخصت کر کے نہیں لاتا کہ آخر کا عقد غیر صحیح ہے اور بڑی لڑکی کا شوہر کہ وہ بھی جاہل مطلق ہے رخصت کرا کے لے گیا ایک لڑکا بھی پیدا ہوا وہ لڑکا ولد الحلال ہے یا نہ؟ آئندہ کیلئے کیا ہونا چاہیئے؟

الجواب: اس صورت میں جس طرح پہلے نکاح ہو گیا یعنی بڑی لڑکی کا چھوٹے دولہا سے اور چھوٹی لڑکی کا بڑے دولہا سے وہی صحیح ہو گیا پھر اگر ردّوبدل کرنا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب دونوں دولہا بالغ ہوں اور خلوت ووطی نہ ہو اس وقت ہر ایک شوہر اپنی منکوحہ کو طلاق دے اور دوسرے سے عقد کرے ورنہ اسی طرح رہنے دیں جس طرح نکاح ہو گیا ہے اور نکاح خواں نے جو بعد ایک گھنٹے کے ردّوبدل کر دیا یہ صحیح نہیں ہوا اور بڑی لڑکی کا شوہر جو اس کو رخصت کرلایا یہ درست نہیں ہوا اور وہ مرتکب زنا ہے اور نسب کے ثابت ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے پس اس کو چاہیئے کہ اپنی منکوحہ کو علیحدہ کر دے یا پہلی منکوحہ کو طلاق دے کر اس عورت سے پھر نکاح کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۷/ ۱۰۳)

نوٹ: حضرت والا کا جواب میں برعکس نکاح کو منعقد قرار دینا نیز بڑے لڑکے کے رخصتی کرلانے کو زنا قرار دینا اس پر دال ہے کہ حضرت کے نزدیک زبانی قول کا ہی اعتبار ہے۔

یہ وہ مقامات تھے جو عورت کی اجازت کے بغیر فقط زبانی ردّوبدل سے برعکس نکاح کے انعقاد پر تقریباً صراحۃً دلالت کررہے ہیں اور ان میں سے اکثر میں یہ صراحت ہے کہ یہ غلطی قاضی کی جانب سے ہورہی ہے۔اس کے بعد وہ فتاویٰ جن میں زیرِ بحث مسئلے میں انعقاد کا حکم تو لگایا گیا ہے لیکن بہرحال ان میں اس تاویل کی گنجائش موجود ہے کہ مجیب کا جواب نابالغہ سے متعلق مان لیا جائے،اب ہم ان حوالجات کو ذکر کریں گے۔

(۱) امداد الاحکام (۲/۲۲۶) (ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)

عنوان: بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتا کر نکاح پڑھایا گیا الخ۔

(۲) فتاویٰ مفتی محمود (۴/۳۵۶)

عنوان: نکاح میں جس کا نام لیا اس کے ساتھ نکاح ہوجاتا ہے۔

(۳) فتاویٰ محمودیہ (۱۱/۴۰) (ط: ادارۃ الفاروق کراچی)

عنوان: نکاح میں ایک بہن کی جگہ دوسری کا نام لیا گیا۔

(۴) جامع الفتاویٰ (۱۰/۲۵۶)

جامع الفتاویٰ میں اس مقام پر امداد الاحکام کا فتویٰ نقل ہے۔

۵۔مذکورہ فتاوی جات کے استدلالی جزیئے "ولوله بنتان الخ" پر بحث

اردو فتاوی جات میں دو بہنوں کے نکاح کے وقت اس طرح برعکس نام زبان سے نکل جانے کی بنیاد پر جو نکاح کے عمومی انعقاد کا حکم لگایا گیا ہے وہ دراصل فقہ کے ایک جزیئے سے استدلال کرکے لگایا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ان مذکورہ حضرات میں سے ہی بعض نے دوسرے کسی مقام پر کسی اور اصول کو بنیاد بنا کر نکاح کے عدمِ انعقاد کا حکم بھی لگایا ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ بہرحال یہاں ایک ہی فتوے کی کتاب میں متضاد فتاوی بھی مسئلہ زیرِ بحث میں پائے جاتے ہیں جس کی اصل وجہ یہی فقہ کا ایک جزئیہ ہے جسے عموم پر لے کر علی الاطلاق استدلال کیا گیا ہے جبکہ حقیقتاً یہ جزئیہ عام نہیں۔

وہ جزئیہ درمختار میں ان الفاظ میں ہے:

"ولوله بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية"۔

(الدر المختار، ۲۶/۳)

"ایک شخص کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ بڑی کی شادی کرانا چاہتا ہو لیکن غلطی سے چھوٹی کا نام لے لے تو نکاح چھوٹی کا ہوجائے گا، خانیہ"۔

اس کے تحت ردّالمحتار میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قوله (ولو له بنتان الخ) أي بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة فقال زوجتك بنتي الكبرى فاطمة وقيل صح العقد عليها وإن كانت عائشة هي المرادة".

"(ماتن کا قول: ایک شخص کی دو بیٹیاں ہوں) یعنی بڑی لڑکی کا نام مثلاً عائشہ اور چھوٹی کا فاطمہ ہو اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد کرتا ہوں اور لڑکا قبول کرلے تو یہ عقد فاطمہ کا ہو جائے گا اگرچہ مراد عائشہ ہو۔" (شامیہ، ۳/۲۶)

یہ وہ جزئیہ ہے جو مسئلہ زیرِ بحث میں اشتباہ کا سبب بنا ہے اولاً اس جزئیے کی اصل معلوم کرنا ضروری ہے یہ ظاہر الروایہ ہے یا نہیں؟ کس کس کتاب میں اسے ذکر کیا گیا ہے اور اوپر یہ کہاں تک نقل ہوا ہے؟ اس سلسلے میں ہمارے پاس عربی کتب، متون شروح اور فتاویٰ کا جو ذخیرہ دستیاب تھا ان سب پر متعلقہ ابواب میں بالاستیعاب نظر کرکے شامیہ کے علاوہ درج ذیل مقامات پر ہمیں یہ جزئیہ ملا۔

(۱) فتاویٰ النوازل للسمرقندی (ص ۱۶۳)
(۲) فتاویٰ خانیہ (۱/۱۵۲)
(۳) المحیط البرہانی (۴/۲۵)
(۴) فتاویٰ ولوالجیہ (۱/۳۱۳)
(۵) خلاصۃ الفتاویٰ (۲/۵)
(۶) فتاویٰ تاتارخانیہ (۴/۳۴)
(۷) فتح القدیر (۳/۱۹۲)
(۸) البحر الرائق (۳/۱۵۰)
(۹) مجمع الانہر (۱/۴۷۲)
(۱۰) الفتاویٰ الہندیہ (۱/۲۷۰)
(۱۱) طحطاوی علی الدر (۲/۱۲)

ان میں سے آخر کی کتب میں تو تقریباً محیط وغیرہ کے حوالے سے یہ جزئیہ ذکر ہے اور اوپر کی کتابوں میں فتاویٰ الفضلی اور ظہیریۃ کے حوالے سے اس جزئیے کو نقل کیا گیا ہے۔ بہرحال اس کی اصل ہماری معلومات کی حد تک "النوازل لابی اللیث السمرقندی" تک جاتی ہے اس سے اوپر ظاہر الروایۃ کی کتب مثلاً امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتب یا مبسوط سرخسی [جس کا متن کافی "اصول ستہ" پر مشتمل ہے] میں ہمیں یہ جزئیہ نہیں ملا، اگر کسی صاحبِ مطالعہ کو ظاہر الروایۃ میں یہ جزئیہ مل جائے تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں لیکن فی الحال ہمارے نزدیک اس کی اصل نوازل ہے۔ ظاہر ہے ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی نوازل مسائل کے تین درجات میں سے تیسرے درجے میں ہے۔ وہ تین درجات یہ ہیں:

۱) ظاہر الروایۃ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی چھ کتابیں جنہیں اصولِ ستہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں موجود مسائل ظاہر الروایہ ہیں۔

۲) نوادر: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر کتب وغیرہ میں موجود مسائل نوادر ہیں۔

۳) نوازل: وہ مسائل جو امامِ مذہب سے منقول نہ ہوں بلکہ بعد کے مجتہدین اپنے اجتہادات سے انہیں استنباط کرتے ہیں، ایسے اجتہادی مسائل نوازل کہلاتے ہیں۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تیسرے قسم کے مسائل کا مجموعہ ہے یعنی یہ مسائل امام مذہب سے منقول نہیں۔ یہاں ایک انتہائی اہم بات ذہن نشین رہے کہ اس جزئیے سے متعلق یہ ساری تفصیلات تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ جزئیہ ظاہر الروایۃ ہو تب بھی اس کا

مطلب وہ ہے جو ہم آگے ذکر کریں گے کہ یہ جزئیہ نابالغہ کے ساتھ خاص ہے، بالغہ لڑکی کے نکاح کے انعقاد پر اس سے استدلال ممکن نہیں اور یہ بات ہم آئندہ صفحات پر مضبوط دلائل سے ثابت بھی کریں گے، یہاں فقط یہ بتانا زیرِ نظر ہے کہ یہ جزئیہ ظاہر الروایۃ نہیں بلکہ بعد کے مجتہدین کا اجتہاد ہے لہٰذا یہ خود اتنا مضبوط مقام نہیں رکھتا۔

اس جزیئے کو اتنا عام رکھنا کہ دو بہنوں کے نکاح کے وقت غلطی سے برعکس نام نکل جانے کی صورت میں مطلقا برعکس نکاح منعقد قرار دیئے جائیں اور بالغہ، نابالغہ نیز باپ سے غلطی یا وکیل قاضی سے غلطی وغیرہ میں کوئی فرق نہ کرنا اور علی الاطلاق یہ کہہ دینا کہ جیسا کہہ دیا اسی طرح نکاح منعقد ہو گئے، بظاہر اس جزئیہ کو اتنا عام رکھنا محلِ نظر ہے۔ درحقیقت یہ جزئیہ عام نہیں بلکہ خاص ہے۔ بالغہ یا نابالغہ لڑکی کے نکاح کے وقت دوسری نابالغہ لڑکی کا نام باپ کے منہ سے غلطی سے نکل جانے کی صورت میں فقط یہ جزئیہ مستدل بن سکتا ہے...... اس کے علاوہ قاضی یا وکیل غلطی کرے یا باپ کے منہ سے دوسری بالغہ لڑکی کا نام نکل جائے تو ان صورتوں میں یہ جزئیہ مستدل نہیں بن سکتا۔ باپ نابالغہ کا تو ولی ہوتا ہے باقی بالغہ کے نکاح کی، اس کی اجازت کے بغیر، کوئی گنجائش ہی نہیں۔ بالغہ پر باپ کو ولایت اجبار حاصل نہیں نیز وکیل یا قاضی کی غلطی کی صورت میں نکاح کالعدم قرار پائیں گے کیونکہ وکالت کی وجہ سے یہ ان کے لئے ممکن ہی نہیں کہ دوسری لڑکی کا نکاح کر دیں چاہے دوسری لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ...... جس لڑکی نے جس لڑکے سے نکاح کی اجازت دی ہے نکاح اسی سے کیا جا سکتا ہے...... بہرحال اس جزیئے کے نابالغہ کے ساتھ خاص ہونے پر مختلف دلائل ہیں جنہیں ہم ذیل میں تفصیل سے نمبروار ذکر کریں گے۔

پہلی دلیل:

درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ اس جزیئے کو جس سیاق میں لائے ہیں وہ یہ ہے:

"(غلط وكيلها بالنكاح فى اسم أبيها بغير حضورها لم يصح) للجهالة وكذا لو غلط فى اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية".

(الدر المختار، ۲۶/۳)

یہاں اس جزیئے سے پہلے جزیئے میں واضح الفاظ میں تحریر ہے کہ بیٹی کے نام میں غلطی اس نکاح کو غیر منعقد کر دے گی لہٰذا لامحالہ "ولو له بنتان الخ" والے جزئیہ میں جس بچی کا نام منہ سے نکل رہا ہے وہ نابالغہ مراد لینا پڑے گی کیونکہ باپ کو نابالغہ پر ولایت کلیہ حاصل ہوتی ہے اس کا نام باپ کے منہ سے غلطی سے نکل جانا بھی اس کا نکاح منعقد کر دے گا۔

دوسری دلیل:

دوسرا یہ کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کی اس عبارت کے تحت یہ بحث فرمائی ہے:

"قوله (ولو له بنتان الخ) أي بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة ... ونظير هذا

ما في البحر عن الظهيرية لو قال أبو الصغيرة لأبي الصغير زوجت ابنتي ولم يزد عليه شيئا فقال أبو الصغير قبلت يقع النكاح للأب هو الصحيح ويجب أن يحتاط فيه فيقول قبلت لابني". (الشامية، ۲۶/۳، ط: سعيد)

یہاں علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جزئیہ ہذا کی نظیر بیان کی ہے۔ بطورِ نظیر جو مسئلہ بیان کیا ہے اس میں نابالغہ کے باپ کا نابالغ کے باپ کو اپنی بیٹی کے نکاح کے ایجاب کے طور پر یہ الفاظ کہنے کا ذکر ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔ اس کے جواب میں نابالغ کا باپ کہتا ہے میں نے قبول کیا، تو یہ نکاح نابالغ کا نہیں اس کے باپ کا ہوجائے گا۔ اب آپ ذرا سا غور کریں تو واضح ہوجائے گا کہ جو مسئلہ بطورِ نظیر ذکر ہو رہا ہے وہ صراحۃً وبداہۃً نابالغ بچوں سے متعلق باپ کے الفاظ کی غلطی یا ہیر پھیر سے بدل رہا ہے تو جس مسئلے کے بعد اسے بطورِ نظیر پیش کیا گیا ہے وہ بھی نابالغہ کا نام باپ کے منہ سے سہواً نکل جانے سے متعلق ہوگا۔ یہی وہ قدرِ مشترک ہے جس کی بناء پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نظیر قرار دیا ہے بصورتِ دیگر اگر پہلا جزئیہ عام لے لیا جائے تو علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسے نظیر قرار دینا بے معنی رہ جائے گا۔

تیسری دلیل:

جزئیہ "ولو له بنتان الخ" کو جس کتاب میں بھی دیکھا جائے وہاں صرف کبری (بڑی بہن) کے نکاح کے وقت غلطی سے صغری (چھوٹی بہن) کا نام نکل جانے سے چھوٹی کے نکاح کے انعقاد کا حکم ذکر ہے کہیں بھی اس کے بعد کی دوسری شق نہیں کہ صغری (چھوٹی بہن) کے نکاح کے وقت کبری (بڑی بہن) کا نام منہ سے نکل جانے سے بڑی کا نکاح منعقد ہوجائے گا۔ نہ شروحات میں اور نہ متون وفتاوی میں کہیں بھی اس دوسری شق کا ذکر نہیں۔ درمختار وغیرہ کی عبارت تو گزر چکی۔ ہندیہ میں اس جزیئے کے الفاظ یوں ہیں:

"ولو كان لرجل بنتان كبرى اسمها عائشة وصغرى اسمها فاطمة وأراد أن يزوج الكبرى وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرى". (الهندية، ۱/۲۷۰)

تقریباً تمام کتب فقہ میں یہ جزئیہ کم وبیش انہیں الفاظ سے ذکر ہے کہ بڑی کے نکاح کے وقت "صغری" چھوٹی کا نام لے لینے سے چھوٹی کا نکاح منعقد ہوجائے گا کہیں بھی اس کے برعکس "صح للكبرى" کا ذکر نہیں۔ جزئیہ کا یہ طرز بھی واضح دال ہے کہ جزئیہ نابالغہ بچی کے ساتھ خاص ہے اور صغری سے مراد نابالغہ بیٹی ہے، اسی وجہ سے جزیئے کی دوسری شق کا کہیں ذکر نہیں ورنہ کبری کے نکاح کا انعقاد کبری سے بالغہ مراد ہونے پر دال بن سکتا تھا۔

چوتھی دلیل:

جواب کے ابتداء میں جو اصول تحریر کیے گئے وہ مسلمہ اصول ہیں کہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا نیز بلوغت کے بعد ولایت منقطع ہوجاتی ہے البتہ نابالغہ پر باپ کو ولایت حاصل ہوتی ہے۔ باپ کے منہ سے نابالغہ بیٹی کا نام غلطی سے نکل جانے سے اس کا نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

دوسری بالغہ بیٹی کا نام غلطی سے نکل جانے سے اس بیٹی کے نکاح کا انعقاد، اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ بالغہ بیٹی پر باپ کو ولایت نہیں وہ خود مختار ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت کسی اور کی بیٹی کا نام منہ سے نکل جائے ظاہر ہے اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ دوسرے کی بیٹی پر اس شخص کو کوئی ولایت نہیں۔

ان چار دلائل کی بنیاد پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "ولو له بنتان الخ" کا جزئیہ صرف باپ کے منہ سے نابالغہ بیٹی کا نام غلطی سے نکل جانے سے متعلق ہے، بالغہ سے اس کا تعلق نہیں۔ ابتداء میں بیٹی کے نام میں غلطی کی جو چار صورتیں بیان کی گئیں یہ جزئیہ ان میں سے فقط دو صورتوں میں مستدل بن سکتا ہے جن میں نابالغہ کا نام منہ سے نکل رہا ہے۔ اس جزئیے کو تمام صورتوں کے ساتھ متعلق کر کے بالغہ نابالغہ ہر ایک کے نکاح کے انعقاد کا حکم لگانا محل نظر ہے، نیز باپ کے علاوہ قاضی یا وکیل سے سہو ہو جانے کی صورت میں بھی اسے مستدل بنا لینا زیادہ محل نظر ہے۔ اوّلاً تو یہ جزئیہ نوادر کا ہے ظاہر الروایہ نہیں، اصولِ مسلمہ سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ثانیاً یہ جزئیہ عام نہیں خاص ہے نابالغہ کے ساتھ، جبکہ باپ اس کا نکاح پڑھا رہا ہو۔ اس بات پر ہم نے چار دلائل ذکر کر دیئے۔ حضرات کا اس جزئیے کو عام لے لینا بظاہر تسامح معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ جزئیہ زیرِ بحث کے مشابہ ایک اور جزئیہ:

"ولو له بنتان الخ" کا جزئیہ جن کتب میں دستیاب ہوا ہم نے ان کا حوالہ ذکر کر دیا اسی طرح کا ایک اور جزئیہ "منحة الخالق" میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اس جزئیے کو بھی لامحالہ (نابالغہ کے ساتھ) خاص ماننا پڑے گا۔ اسے بھی اگر عام مانا جائے تو درج بالا اشکالات وارد ہوں گے۔

وہ جزئیہ اس مسئلے سے متعلق ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت فقط یہ الفاظ کہے "میں اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہوں" تو "البحر الرائق" میں علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غیر منعقد قرار دیا ہے کیونکہ منکوحہ مجہول ہے اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ قائل کی دو بیٹیاں ہوں۔ اگر ایک بیٹی ہو تو ظاہر ہے یہ کہنے سے کہ "میں اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہوں" وہ لڑکی خود ہی متعین ہو کر نکاح صحیح ہو جائے گا۔

بحر کے حاشیہ منحة الخالق میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مسئلے سے متعلق فرماتے ہیں کہ دو بیٹیوں کی صورت میں بھی نکاح اس وقت غیر منعقد ہوگا جب کسی ایک پر مقدماتِ نکاح نہ چلے ہوں لیکن اگر مقدماتِ نکاح ایک پر چلے ہوں مثلاً پیغامِ نکاح اس کا آیا ہو، بات چیت منگنی وغیرہ اس کی ہوئی ہو اور بوقتِ نکاح گواہ واضح طور پر جانتے ہوں کہ دو میں سے کس بیٹی کا نکاح ہو رہا ہے اس صورت میں اس معینہ بیٹی کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی بات یہاں تک تو واضح ہے البتہ آگے علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیکن اگر باپ نے ان الفاظ (میں اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہوں) کے بجائے اس دوسری بچی کا نام لے لیا تو اس دوسری کا نکاح ہو جائے گا اور مقدمات نکاح وغیرہ یہ سب تو قرائن ہیں جو ابہام کے وقت تعیین کرتے ہیں، لیکن تصریح کے مقابلے میں تو قرائن ہیچ ہیں، للہٰذا جب باپ نے دوسری

کے نام کی تصریح کردی تو نکاح اسی کا ہوگا چاہے گواہوں کے ذہن اور نیت میں کچھ بھی ہو۔ بحر اور منحہ کی عبارات درج ذیل ہیں:

قال العلامة ابن نجيم في البحر الرائق (۱۵۰/۳): "ومنها أن لا تكون المنكوحة مجهولة فلو زوجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة بخلاف ما إذا كان له بنت واحدة"

وقال العلامة ابن عابدين تحتها في منحة الخالق: "(لم يصح للجهالة) قال الرملي اطلاقه دال على عدم الصحة ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فانه لابد منه... أقول: ظاهره أنها لو تميزت عند الشهود أيضا بجريان مقدمات الخطبة عليها يصح العقد وهي واقعة الفتوى، تامل. ولا ينافي هذا ما اذا وقعت الخطبة على احداهما ووقت العقد عقد باسم الأخرى خطأ فانه يصح على التي سماها وذلك لأن مقدمات الخطبة قرينة معينة إذا لم يعارضها صريح والتصريح بذلك الأخرى صريح فلا تعمل معه القرينة بخلاف مسئلتنا فإن مقدمات الخطبة لما عينت واحدة منهما عند العاقدين والشهود ارتفعت الجهالة وهو الشرط ولم يعارض القرينة شيئ صريح هذا ما ظهر لي فتامل"

اس عبارت میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا مطلقاً تصریحِ اسم سے انعقادِ نکاح کا حکم لامحالہ نابالغہ کے ساتھ مقید ہوگا کیونکہ بالغہ کا نام لینا اس کے نکاح کو منعقد نہیں کرسکتا جب تک وہ اجازت نہ دے۔ بحر میں خود ہی واضح ترین الفاظ میں یہ صراحت موجود ہے:

"(ولا تجبر بكر بالغة على النكاح) أي لا ينفذ عقد الولي عليها بغير رضاها" (بحر، ۱۹۴/۳)

"(اور کنواری بالغہ لڑکی پر نکاح کے معاملے میں جبر نہیں کیا جاسکتا) یعنی ولی کا اس کی رضامندی کے بغیر کیا گیا عقد نافذ نہ ہوگا۔"

اسی طرح شامیہ میں یہ صراحت موجود ہے:

"قال الحصكفي: (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ".

وقال ابن عابدين رحمه الله تحته: "قوله (وهو السنة)... وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها". (شامية: ۵۸/۳)

"امام حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "(کنواری بالغہ پر نکاح کے معاملے میں جبر نہیں) کیونکہ بلوغ کے بعد ولایت نہیں رہتی"

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں: "اگر ولی بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر پڑھا دیتا ہے تو یہ عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔"

یہ ایک ایسا مسلمہ اور بدیہی امر ہے کہ بظاہر تو اس پر حوالے ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں، لیکن حضرات فقہاء کے بیان کردہ عمومی جزئیے سے اس طرح کا عمومی استدلال کرلینا اور ان مسلمات اور جزئیے کے سیاق سباق کو ملحوظ نہ رکھنا محل نظر تھا، جس کی وجہ سے اس

مسئلے کو باوجود واضح ہونے کے بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اکابرین کا "ولو له بنتان الخ" اور اس جیسے جزئیات سے بالغ لڑکی کے نکاح کے انعقاد پر استدلال کر لینا بظاہر تسامح معلوم ہوتا ہے۔

عبارت یا جزئیے کے ظاہری عموم سے اس طرح کا عمومی استدلال کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ ایسے تسامحات پہلے بھی ہو چکے ہیں جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقود رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مسئلة الاستئجار على تلاوة القرآن المجردة فقد وقع لصاحب السراج الوهاج والجوهرة شرح القدوری أنه قال ان المفتی به صحة الاستئجار وقد انقلب الامر عليه فإن المفتی به صحة الاستئجار على تعليم القرآن لا على تلاوته ثم ان اكثر المصنفين الذين جاءوا بعده تابعوه على ذلك ونقلوه وهو خطأ صريح بل كثير منهم قالوا إن الفتوى على صحة الاستئجار على الطاعات ويطلقون العبارة ويقولون إنه مذهب المتأخرين"

"تلاوتِ قرآن پر اجرت لینے کا مسئلہ: اس مسئلے میں سراج وہاج اور جوہرہ شرح قدوری والے سے یہ خطا واقع ہوئی کہ انہوں نے کہا مفتی بہ اجرت لینے کا جواز ہے (انہوں نے مطلقاً جواز نقل کر دیا) جبکہ معاملہ ان پر خلط ہو گیا تھا کیونکہ مفتی بہ قرآن پاک کی تعلیم دینے پر (ضرورۃً) اجرت لینے کا جواز ہے نہ کہ مطلقاً تلاوت قرآن پر اجرت کا جواز پھر ان کے بعد آنے والے اکثر مصنفین ان کے نقشِ قدم پر چل پڑے اور نقل در نقل ہوتا رہا جبکہ یہ صریح خطا ہے بلکہ بہت سوں نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ فتوی مطلقاً طاعات پر اجرت لینے پر ہے اور عبادت کو بالکل ہی مطلق کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ متاخرین کا مذہب ہے۔"

(شرح عقود رسم المفتی ص ۶)

علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے آگے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ تعلیم قرآن کا جواز دراصل ضرورۃً تھا کیونکہ بیت المال سے قاریوں کو وظیفہ نہیں مل رہا تھا لہٰذا اگر انہیں تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کے جواز کا فتوی نہیں دیا جاتا تو ضیاعِ قرآن کا اندیشہ تھا لہٰذا متاخرین نے تعلیم قرآن پر جواز کا فتوی دیا جبکہ تلاوتِ قرآن (قرآن خوانی وغیرہ) نہ ہونے سے قرآنِ کریم کا کوئی ضیاع لازم نہیں آتا پھر اس پر جواز کا فتوی دینا تسامح اور خطا پر مبنی کہا جائے گا۔ یہ سب ایک کتاب کے اطلاق سے غلط استدلال کا نتیجہ ہے بلکہ تلاوتِ قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کے جواز کے فتوے کا ضرر واضح ہے، کیونکہ قرآن پاک محل کسب اور کمائی کا ذریعہ بن جائے گا۔ کوئی قرآن پڑھنے والا اخلاص سے قرآن نہیں پڑھے گا بلکہ سب پیسوں کیلئے پڑھیں گے۔ یہ ریاء محض ہے۔ اس پر جب پڑھنے والے کو ثواب نہ ملے گا تو وہ میت کو کیا بخشے گا؟؟ امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ کسی بھی ذکر اللہ کے مقابلے میں اجرت لینا ثواب کے استحقاق سے مانع بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی خرابیاں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہیں، لیکن آج بھی بعض حضرات کو ان عبارات کے اطلاق نے تسامح میں ڈالا ہوا ہے اور وہ تلاوتِ قرآن پر اجرت لینے کے قائل ہیں۔

اسی طرح علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرنے والے کی توبہ قبول نہ ہونے پر "بزازیہ" کی ایک نقل

پیش کی ہے، پھر بعد والوں کا بزازیہ پر اعتماد کرتے ہوئے تسامح میں پڑ کر یہ نقل کرتے جانا کہ احناف کے ہاں بھی سابّ کی توبہ قبول نہیں ہوتی، جبکہ یہ احناف کا مذہب نہیں [۱] اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ عبارت کے عموم سے غلط استدلال کیا گیا اور پھر بعد والے اس سے غلطی میں پڑتے گئے بہر حال بطورِ نمونہ کچھ ذکر کر دیا تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

امید ہے اتنی وضاحت پیش کر دینے کے بعد "ولوله بنتان الخ" کا جزئیہ، اس سے استدلال، اس کی اپنی حیثیت اس کا اصل مصداق اور دیگر تفصیلات قابلِ تشفی اور مسئلے کو سمجھنے میں معاون ہوں گی۔

۷۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے فتاویٰ میں تعارض اور تسامحات:

اب ہم جوبات ذکر کرنے جا رہے ہیں اس سے قبل فتاوی دار العلوم دیوبند کے وہ دو فتاویٰ جو گزشتہ صفحات پر ذکر ہوئے ایک [ج ۷ ص ۹۹] کے حوالے سے اور دوسرا [ج ۷ ص ۱۰۳] کے حوالے سے ان دونوں کو ایک نظر پھر دیکھ لیا جائے ان دونوں فتاویٰ میں مذکورہ برعکس نکاح کو جزئیہ "ولوله بنتان الخ" کی وجہ سے منعقد قرار دیا گیا ہے البتہ فتاوی دار العلوم دیوبند میں یہ مسئلہ ایک اور مقام پر بھی ہے اور وہ ہے [ج ۷ ص ۱۰۰]۔ اس مقام پر جو جواب ہے وہ پچھلے دونوں فتاویٰ سے معارض ہے۔ اَوّلاً وہ سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

فتاوی دار العلوم دیوبند کا مسئلہ ھذا میں تیسرا فتوی

عنوان: قاضی وکیل نے بھول کر ایجاب میں لڑکی کا نام بدل دیا نکاح کس کا ہوا؟

سوال: دو لڑکے بالغ زید و عمر دو لڑکیاں عائشہ و فاطمہ سے بایں تشریح منسوب ہوئیں کہ زید کا نکاح عائشہ سے اور عمر کا نکاح فاطمہ سے ہو، چنانچہ وقت نکاح جو ایک ہی وقت میں ہوا عائشہ کے ایجاب وقبول میں زید آیا لیکن قاضی صاحب نے غلطی سے زید کا نکاح فاطمہ سے عام مجمع میں معہ خطبہ کے پڑھا دیا اور یہ غلطی عمر کے عائشہ سے نکاح پڑھانے کے وقت معلوم ہوئی زید کے ایجاب وقبول میں فاطمہ آئی شرعاً نکاح مکرر ہونا چاہیئے یا زید اور فاطمہ کا عقد مستقل ہو گیا؟

الجواب: اگرچہ ظاہرِ عبارات کتب فقہ سے اس صورت میں واضح ہوتا ہے کہ نکاح زید کا فاطمہ کے ساتھ جس کا نام وقت ایجاب وقبول میں لیا گیا ہے منعقد ہو جائے گا مگر اس میں بحث یہ ہے کہ جبکہ قاضی سے پہلے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ نکاح زید کا عائشہ سے کرے اور نکاح عمر کا فاطمہ سے کرے تو قاضی چونکہ وکیل ہوتا ہے اور وکیل کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ خلافِ وکالت کرے لہٰذا اس صورت میں زید کا نکاح فاطمہ سے نہیں ہوا کیونکہ فاطمہ کا نکاح زید سے کرنے میں وکیل ہی نہیں ہے۔ پس نکاح زید کا پھر عائشہ سے ہونا چاہیئے اور نکاح عمر کا فاطمہ سے ہونا چاہیئے البتہ اگر قاضی نے جو نکاح زید کا فاطمہ سے کر دیا اور فاطمہ نے یا اس کے ولی نے اس کو سن کر جائز رکھا تو نکاح زید کا

---

[۱] اس مسئلے پر تفصیلی بحث نجم الفتاوی جلد ا میں فتوی [تنبیہ ذوی العقول ببیان مذهب الحنفية فی قبول التوبة لشاتم الرسول] کے ذیل میں ملاحظہ کی جائے۔ از مرتب

فاطمہ سے منعقد ہو گیا۔ عبارت درمختار یہ ہے:

"و كذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية"۔

اور شامی میں ہے:

"قوله (ولو له بنتان الخ) أي بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة فقال زوجتك بنتي الكبرى فاطمة وقيل صح العقد عليها وإن كانت عائشة هي المرادة"۔

یہ عبارت مقتضی اس کو ہے کہ صورت مسئولہ میں نکاح زید کا فاطمہ سے ہوجائے لیکن اس میں بحث یہی ہے کہ درمختار کی صورت میں خود باپ نے عقد نکاح کیا ہے اور صورت مسئولہ میں قاضی نے نکاح پڑھا ہے جو کہ وکیل ہے اور وکیل اگر خلاف کرے تو وہ معتبر نہیں ہے۔ کما مر تفصیلہ۔ انتہی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۷/۱۰۰)

حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے کو اگر بغور پڑھا جائے تو واضح طور پر یہ فتویٰ گزشتہ دونوں فتووں سے معارض ہے یہاں اس جزیئے کو باپ کے ساتھ خاص کر کے قاضی کی صورت میں عدمِ انعقادِ نکاح کو ترجیح دی گئی ہے جبکہ پچھلے فتاوی میں بھی غلطی قاضی نے کی تھی لیکن وہاں اس بحث کے بجائے انعقادِ نکاح کا حکم تھا۔ اب یہ فتویٰ درست ہے یا پچھلے دو فتاویٰ؟؟؟ اس کی تعیین سے قبل دارالعلوم دیوبند کے مرتب و محشی علامہ ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ کی تحقیق کو ذکر کر دینا مناسب ہے اس کے بعد ہم ان فتاوی میں سے ترجیح ذکر کریں گے۔

علامہ ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ نے گزشتہ دونوں فتاوی پر حاشیہ میں استدراک کر کے دونوں جگہ حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے اس تیسرے فتوے (۷/۱۰۰) کو راجح قرار دیا ہے، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۷/۹۹) والے پہلے فتوے کے تحت علامہ ظفیر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"جواب میں تسامح ہے اگر باپ نے ایسا کیا ہوتا تو بلاشبہ پہلا نکاح صحیح ہوتا مگر یہاں وکیل نے یہ ایجاب وقبول کرایا ہے اور وکیل کو خلافِ وکالت نکاح کرنے کا قطعاً اختیار نہیں ہے لہٰذا پہلا ایجاب جو اس نے کرایا وہ اس کے لئے جائز ہی نہیں تھا اس لئے دوسرا نکاح درست ہوا پہلا درست نہیں ہوا، خود مفتی علام کا جواب بھی اس سلسلے کا آگے اسی طرح آرہا ہے۔

"ومن أمر رجلا أن يزوجه امرأة فزوجه اثنتين في عقدتين لم تلزمه واحدة منهما لأنه لا وجه إلى تنفيذهما للمخالفة، هداية، فصل في الوكالة"۔ (۳/۳۰۳)۔

(حاشیہ فتاوی دارالعلوم دیوبند، ۷/۹۹)

اسی طرح علامہ ظفیر الدین مفتاحی صاحب نے فتاوی دارالعلوم دیوبند کے دوسرے فتوے (۷/۱۰۳) کو بھی حاشیے پر تسامح قرار دیا ہے گویا علامہ ظفیر الدین مدظلہ کے نزدیک حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تیسرا فتویٰ راجح اور درست ہے باقی دونوں فتاویٰ

تسامح ہیں۔

اس تیسرے فتوے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور جس سے علامہ ظفیر الدین صاحب مدظلہ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ قاضی اگر برعکس نکاح پڑھادے تو وہ منعقد نہ ہوں گے کیونکہ قاضی وکیل ہے البتہ باپ سے اگر غلطی ہوتی تو یہ نکاح منعقد ہوجاتے۔

ہماری ناقص رائے کے مطابق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس تیسرے فتویٰ میں بھی تسامح ہے۔ پہلے دو فتاویٰ کا تسامح ہونا تو ہم نے گزشتہ صفحات پر بیان کرہی دیا اور یہ تیسرا فتویٰ بھی جسے علامہ ظفیر الدین مدظلہ راجح قرار دے رہے ہیں وہ بھی دراصل راجح نہیں بلکہ تسامح پر مبنی ہے کیونکہ اس فتویٰ میں بحث کرکے جس طرح "ولوله بنتان الخ" کے جزیئے کو باپ کے ساتھ خاص کیا ہے اسی طرح نابالغہ کے ساتھ خاص کرنا بھی ضروری تھا اس کے دلائل بالتفصیل گزر چکے ہیں۔ علامہ ظفیر الدین مدظلہ کا یہ فرمانا کہ "اگر باپ یہ نکاح پڑھاتا تو ہوجاتے" یہ بات بالغہ کے حق میں قواعدِ شرع مسلمہ کے خلاف ہے نابالغہ کے حق میں اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اس فتوے میں قاضی کو تو آپ نے (باپ کا) وکیل بنا کر مخالفتِ موکل کی وجہ سے اس کے نکاح غیر منعقد قرار دے دیئے لیکن باپ بھی تو بالغہ کا صرف وکیل ہے، ولایت تو منقطع ہوگئی، مدلل حوالجات گزر چکے ہیں "لانقطاع الولاية بالبلوغ" بلوغ سے ولایت منقطع ہوجاتی ہے، لہٰذا بالغہ کے حق میں باپ بھی وکیل ہے اور باپ وکیل اگر اپنی موکلہ کی مخالفت کرے تب بھی نکاح غیر منعقد ہونے چاہئیں۔

احقر کے خیال میں جس طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے پہلے دو فتاویٰ تسامح ہیں اسی طرح یہ تیسرا فتویٰ بھی تسامح پر مبنی ہے اور علامہ ظفیر الدین مدظلہ کی تحقیق بھی محل نظر ہے۔ مسئلے کا اصل جواب وہی ہے کہ یہ جزئیہ "ولوله بنتان الخ" باپ کے خود نکاح پڑھاتے وقت دوسری نابالغہ بچی کا نام نکل جانے سے متعلق ہے اس کے علاوہ کوئی بھی صورت ہو عدم اجازت اور مخالفتِ موکلہ کی وجہ سے نکاح غیر منعقد ہوں گے۔ یہی بات دلائل کی روشنی میں راجح اور قوی معلوم ہوتی ہے اور یہی بات فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں موجود ایک چوتھے فتوے میں ہے۔ وہ فتویٰ ان تینوں فتاویٰ سے کچھ صفحات ہٹ کر ہے اور اس پر علامہ ظفیر الدین مدظلہ نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ وہ چوتھا فتویٰ یہ ہے:

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا مسئلہ ھذا میں چوتھا فتویٰ

عنوان: جس کا نکاح کررہا تھا نام اس کی بہن کا لیا تو نکاح ہوا یا نہیں؟

سوال: مسماۃ حکیمن بیوہ، بالغہ نے اپنے نکاح کا اذن اپنی زبان سے دو گواہوں کے روبرو دیدیا لیکن قاضی صاحب نے سہوا حکیمن کے بجائے اس کی چھوٹی بہن سلیمن کا نام لے کر ایجاب وقبول کرادیا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں حکیمن کا نکاح صحیح نہیں ہوا اور سلیمن اگر بالغہ ہے تو اس کا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے اور جو نابالغہ ہے تو اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۹۳)

احقر کے نزدیک فتاوی دارالعلوم دیوبند میں موجود مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق چار فتاوی میں سے یہ چوتھا فتویٰ راجح اور صواب پر مبنی ہے بالغہ کا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہو اور نابالغہ کا نکاح اگر قاضی پڑھائے تو باپ کی اجازت پر موقوف ہو اور اگر باپ خود پڑھائے تو چونکہ باپ خود ولی ہے تو نابالغہ کا نکاح منعقد قرار دیا جائے۔ یہی تحقیق زیادہ راجح، اصولوں سے قریب تر اور نصوصِ شرع سے ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے اس کے برخلاف خاص جزیئے سے عمومی استدلال کرنا محلِ نظر معلوم ہوتا ہے۔

۸۔جواب کا قدرے تفصیلی خلاصہ اور مقصودِ بحث:

اس ساری تحقیق میں ہم نے درج ذیل امور پر بحث کی:

اولاً......مسئلے کی تنقیح کی گئی اور بالغہ نابالغہ کے نکاح کی جو صورتیں بن سکتی تھیں انہیں الگ الگ کیا۔

ثانیاً......بوقت عقد لڑکی کے نام میں کسی بھی قسم کی غلطی کے احکام درج کئے گئے اور ساتھ ساتھ باپ کے دو بیٹیوں کے نکاح پڑھاتے وقت نام میں غلطی کی چار صورتیں اور ان کے احکام درج کئے گئے۔

ثالثاً......صورتِ مسئولہ کی وضاحت کردی گئی کہ نکاح منعقد ہوئے یا نہیں۔

رابعاً......اردو فتاوی کا مسئلہ زیرِ بحث میں ہماری تحقیق سے جو تعارض آیا تھا اولاً ان فتاویٰ کا جو تقریباً صریح معارض تھے ذکر کردیا گیا۔

خامساً......اردو فتاویٰ کا تعارض جس خاص جزیئے کی بناء پر تھا اس استدلالی جزیئے **ولوله بنتان الخ** پر تفصیلی بحث جس میں اولاً اس جزیئے کا ظاہر الروایہ نہ ہونا، پھر اس جزیئے کا وجود کن کتابوں میں ہے، ان کے حوالجات اور پھر اس جزیئے کا نوازل میں سے ہونا نیز اس جزیئے کے باپ کے نکاح پڑھانے کی صورت میں، نابالغہ کے ساتھ خاص ہونے پر چار دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

سادساً......جزئیہ ہذا کی طرح کا ایک اور جزئیہ اور اس کا بھی نابالغہ کے ساتھ خاص ہونے کا بیان اور آخر میں عبارات فقہ کے عموم سے بعض اوقات عمومی استدلال کر کے تسامح واقع ہو جانے کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

سابعاً......مسئلہ زیرِ بحث میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے فتاوی کا آپس میں تعارض اور چار فتاویٰ میں سے علامہ ظفیر الدین صاحب کا تیسرے فتوے کو ترجیح دینا جبکہ درحقیقت پہلے دو اور تیسرا فتویٰ تینوں تسامح ہیں، البتہ چوتھا فتویٰ صائب اور درست تھا، لہٰذا فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ میں ترجیح اور تسامحات کا بیان۔

ثامناً......آٹھویں نمبر پر جواب کا قدرے تفصیلی خلاصہ بیان ہوا۔

اس پوری تحقیق سے واضح ہو گیا کہ کتب فقہ میں موجود "**ولوله بنتان الخ**" کا جزئیہ باپ کے نکاح پڑھاتے وقت نابالغہ کا نام منہ سے نکل جانے سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں جن حضرات نے اسے عموم پر لے کر مطلق استدلال کیا وہ تسامح ہے۔ ایسے تسامحات ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں معاصر مفتیان کرام کی آراء بھی سامنے رہیں، جس میں دارالعلوم کراچی، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن

اور جامعہ فاروقیہ کے دارالافتاء کا فتوی بالغہ کے نکاح کے عدمِ انعقاد کا ہی ہے جبکہ جامعۃ خلفاء راشدین کا فتوی اسی جزیئے کی بناء پر انعقادِ نکاح کا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں دارالافتاء جامعہ خلفاء راشدین سے مراجعت کی تا حال ان کا جواب موصول نہ ہوسکا۔

(۶۳) بوقت نکاح والد نے بھول کے اپنی دوسری بیٹی کا نام لے لیا تو کیا حکم ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو بہنیں ہیں ایک بڑی ہے اور ایک چھوٹی ہے، بڑی کا رشتہ زید سے طے ہوا، بوقت نکاح ایجاب وقبول کرتے ہوئے والد نے جلدی میں غلطی سے بڑی کے بجائے چھوٹی کا نام لے لیا اور پھر بڑی بہن کی رخصتی کردی گئی۔

(۱) پوچھنا یہ ہے کہ زید کے ساتھ نکاح بڑی بہن کا ہوا ہے یا تجدید نکاح ضروری ہے؟

(۲) چھوٹی بہن جس کا نام غلطی سے لیا گیا تھا اور اس سے اجازت بھی نہیں لی گئی تھی آیا اس کا نکاح ہوگیا تھا کہ طلاق دینا ضروری ہے یا نکاح ہی نہیں ہوا تھا؟

نوٹ: مذکورہ دونوں بہنیں عاقلہ بالغہ ہیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مذکورہ میں اگر بڑی بیٹی کی تعیین کی کوئی صورت عقد نکاح میں نہیں پائی گئی یعنی اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا تو اس صورت میں بڑی بیٹی کا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا اور چھوٹی بیٹی جس کا نام غلطی سے لیا گیا اس کا نکاح بھی منعقد نہیں ہوا کیونکہ وہ بالغہ ہے اور اس سے نکاح کی اجازت نہیں لی گئی ہے۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۱/۲): باب لاینکح الاب وغیره البکر والثیب الا برضاها: عن أبي سلمة أن أبا هريرة حدثهم: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا: يا رسول الله، وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت۔

وفی الهندیة (۲۷۰/۱): ولو كان لرجل بنتان كبرى اسمها عائشة وصغرى اسمها فاطمة وأراد أن يزوج الكبرى وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرى ولو قال زوجت ابنتي الكبرى فاطمة لا ينعقد على إحداهما كذا في الظهيرية۔۔۔(۲۶۹/۱) :ومنها رضا المرأة إذا كانت بالغة بكرا كانت أو ثيبا فلا يملك الولي إجبارها على النكاح عندنا كذا في فتاوى قاضيخان۔

وفی الدر المختار، کتاب النکاح (ص۲۶) وكذا لو غلط فی اسم بنته إلا اذا كانت حاضرة واشار إليها فيصح۔

وفی الرد تحته: (قوله إلا إذا كانت حاضرة الخ)۔۔۔ أی فانها لو كانت مشاراً إليها وغلط فی اسم أبيها

أو اسمها لا یضر۔۔۔ (قوله ولوله بنتان الخ) أی بان کان اسم الکبری مثلاً عائشة والصغری فاطمة۔

وفی الشامیة (۵۸/۳):(قوله وهو السنة) ۔۔۔وان زوجها بغیر استئمار فقد أخطاء السنة و توقف علی رضاها۔

(۶۴) بوقت نکاح دلہن کے نام میں غلطی اور سہواً دوسری بہن کا نام لے لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے یہاں دولڑکیاں ہیں، بڑی لڑکی کا عقد پہلے ہو چکا تھا مگر شوہر کی نالائقی کی وجہ سے تقریباً آٹھ سال سے بڑی لڑکی بھی ماں باپ کے ہاں ہے۔اب زید نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کیا مگر سہواً نکاح خوانی کے وکیل قاضی اور گواہان کو جو نام بتلایا گیا وہ بجائے چھوٹی لڑکی کے بڑی لڑکی کا بتادیا۔ناکح نے یہی نام لے کر ایجاب وقبول دولہا کو کروادیا۔نکاح خوانی کے رجسٹر پر جس وقت دلہن نے دستخط کئے تو اس غلطی کا احساس ہوا کہ نام صحیح نہیں۔اس صورت میں یہ نکاح چھوٹی لڑکی کا بکر کے ساتھ صحیح ہوگیا کہ نہیں؟ اب تو دولہا دلہن میں خلوت بھی ہو چکی۔چھوٹی لڑکی کا نکاح دوبارہ پڑھانا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے وکیل (قاضی) سے عقد نکاح کے وقت لڑکی کے نام میں غلطی ہوجائے تو نکاح درست نہیں ہوتا نیز اگر دوسری بالغہ بہن کا نام لے لیا جائے تب بھی کسی کا نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ دوسری بہن نے اس نکاح کی اجازت نہیں دی نیز وہ پہلے سے شادی شدہ بھی ہے اور اس لڑکی کا نام نہیں لیا گیا لہذا صورت مسئولہ میں چونکہ وکیل اور گواہوں سے عقد نکاح کے وقت لڑکی کے نام میں غلطی ہوئی ہے اور دوسری [بالغہ، شادی شدہ] بہن کا نام لیا گیا ہے لہذا کسی کا نکاح منعقد نہیں ہوا، جس لڑکی کے نکاح کا ارادہ تھا اس کا نکاح دوبارہ کیا جائے۔

لمافی الهندیة(۲۷۰/۱):ومنها أن یکون الزوج والزوجة معلومین فلو زوج بنته وله بنتان لا یصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فینصرف إلى الفارغة كذا في النهر الفائق ۔۔۔ رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال لرجل زوجت منك ابنتي عائشة ولم تقع الإشارة إلى شخصها ذكر في فتاوى الفضلي أنه لا ینعقد النكاح ولو قال زوجت ابنتي منك ولم یزد على هذا وله بنت واحدة جاز كذا في المحیط ولو كان لرجل بنتان كبرى اسمها عائشة وصغرى اسمها فاطمة

وأراد أن يزوج الكبرى وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرى۔

وفي الدر المختار (۲۶/۳): (غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح) للجهالة وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية۔

(۶۵) زوجین کے والد اور دادا کا نام لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے وقت نکاح میں زوجین کے نام کے ساتھ باپ اور دادا کا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے، یہ کیا ہے؟ فقہ میں تو تحریر ہے لیکن قاضی نہیں لیتا۔ شوہر تو موجود ہے لیکن لڑکی نہیں ہے۔ اگر دادا کا نام بھی شرط ہے تو کیسے شرط ہے؟ لیتے کیوں نہیں؟ اگر نہیں تو فقہ کی تمام کتب میں کیوں ذکر ہے؟ مسئلہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شادی کے وقت نکاح میں زوجین کے نام کے ساتھ باپ اور دادا کا نام تعریف (پہچان) کیلئے لیا جاتا ہے اور جہاں تعریف صرف زوج وزوجہ کے نام سے ہوجائے تو باپ اور دادا کے نام کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتبِ فقہ میں باپ اور دادا کا نام ذکر کرنے کی یہی علت ذکر کی گئی ہے لہٰذا اگر گواہوں کو صرف زوجہ کا نام ذکر کرنے سے معلوم ہوجائے کہ اس سے فلانی لڑکی مراد ہے تو پھر باپ اور دادا کا نام ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما في التاتارخانية (۳۲/۴۔ ۳۳): الفصل الخامس في تعريف المرأة الخ: امرأة وكلت رجلا يتزوجها من نفسه فذهب الوكيل وقال لجماعة اشهدوا أني قد تزوجت فلانة ولم تعرف الشهود فلانة لا يجوز النكاح مالم يذكر اسمها واسم أبيها واسم جدها ۔۔۔ فأما اذا كانوا يعرفونها فذكر الزوج اسمها لاغير جاز النكاح وان كانت غائبة اذا عرف الشهود أنه أراد بها المرأة التي يعرفونها لأن المقصود هو التعريف وقد حصل بمجرد ذكر اسمها۔

وفي الشامية (۱۵/۳): قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت إحداهما متزوجة۔

وفيه أيضا (۲۲/۳): وإن كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها فإن كان الشهود

يعرفونها كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها وإن لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها ـــ يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا وبه جزم صاحب الهداية في التجنيس وقال لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل وأقره في الفتح والبحرـــ ولا يخفى أنه إذا كان الشهود كثيرين لا يلزم معرفة الكل بل إذا ذكر اسمها وعرفها اثنان منهم كفى والظاهر أن المراد بالمعرفة أن يعرفها أن المعقود عليها هي فلانة بنت فلان الفلاني لا معرفة شخصها۔

(٦٦) زوجین کی ولدیت میں غلطی ہوجانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر زوجین کے نکاح میں ولدیت بتانے یا لکھنے میں غلطی ہوجائے تو نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر زوجین گواہوں کے ہاں معروف ہیں، بغیر ولدیت بتائے بھی وہ ان کو خوب اچھی طرح جانتے ہوں تو نکاح شرعاً درست ہے لیکن اگر گواہوں کے ہاں وہ معروف نہیں اور بوقت نکاح مجلس میں موجود بھی نہ ہوں تو ولدیت میں غلطی کرنے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

لمافی الخانية (١/١٥٢): وغلط فی اسم ابيها لاينعقد النكاح اذا كانت غائبة الخ۔

وفی الشامية (٣/٢٢): والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وإن كانت معروفة عند الشهود على قول ابن الفضل وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا وبه جزم صاحب الهداية في التجنيس وقال لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل وأقره في الفتح والبحر۔

وفيه أيضا (٣/٢٢): وما ذكروه في المرأة يجري مثله في الرجل، ففي الخانية قال الإمام ابن الفضل إن كان الزوج حاضرا مشارا إليه جاز ولو غائبا فلا ما لم يذكر اسمه واسم أبيه وجده قال والاحتياط أن ينسب إلى المحلة أيضا۔

(۶۷) لڑکی کے دو نام ہوں تو نکاح کس نام سے پڑھایا جائے؟

سوال

مفتی صاحب! ایک لڑکی کے دو نام ہیں، ایک نام لڑکپن کا ہے اور ایک ابھی مشہور ہے۔ کونسے نام سے نکاح پڑھایا جائے؟ قرآن وحدیث کی رُو سے جواب دیا جائے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

نکاح اس نام سے پڑھایا جائے گا جو زیادہ مشہور اور معروف ہو اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں نام لے لئے جائیں تاکہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

لمافی فتح القدير (۳/۱۹۲): تزوج باسمها الذى تعرف به حتى لو كان لها اسمان اسم فى صغرها وآخر فى كبرها تزوج بالآخر لأنها صارت معروفة بها۔

وفی الهندية (۱/۲۷۰): جارية سميت في صغرها باسم فلما كبرت سميت باسم آخر قال تزوج باسمها الآخر إذا صارت معروفة باسمها الآخر والأصح عندي أن يجمع بين الاسمين۔

رسالة

قواعد الفقهاء

فی خطاء القاضی عند تلفظ الأسماء

بوقت نکاح اگر قاضی لڑکے یا لڑکی کا نام غلط لے لے

تو اس کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام،

نیز تلفظِ اسماء میں غلطی سے متعلق فقہاء کی عبارات سے متخرج قواعد کا بیان

(۶۸) نام کے تلفظ میں غلطی یا نام غلط لکھ دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک تبلیغی ساتھی نے اچانک کہیں سے رجسٹرڈ قاضی کا عہدہ حاصل کرلیا اور گھر کے باہر بڑی تختی لگادی۔ اب وہ نکاح پڑھاتے ہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان کے تلفظ بالکل خطا ہیں، بولتے کچھ ہیں منہ سے نکل کچھ جاتا ہے۔ مثلاً فرحت نامی لڑکی کا نکاح فرحت کے نام سے پڑھا دیا اور کبھی عقیلہ کا نکاح عکیلہ سے پڑھا دیا نیز پڑھے لکھے بھی اتنے نہیں لہٰذا لکھنے میں بھی فارم پر کبھی عقیلہ کو اکیلہ اور فرحت کو فرہت وغیرہ لکھدیتے ہیں آپ بتائیں کہ اس طرح نکاح منعقد ہوگا؟ اگر تلفظ غلط کرے لکھ صحیح دے یا اس کا عکس ہوجائے تو ان دونوں صورتوں میں فرق ہوگا؟ تفصیلاً حکم لکھ دیں اور تلفظ میں غلطی کے تمام احکام درج کردیں۔ نیز نکاح اگر مسجد یا ہال جہاں بھی ہو قریب میں کمرے میں دلہن کی موجودگی سے مسئلے پر اثر پڑے گا؟

الجواب بعون الملك الوهاب

اولاً تو نکاح ایسے شخص سے پڑھایا جائے جو صاحب علم اور مسائلِ نکاح سے بدرجہ اتم واقف ہو تا کہ کسی قسم کی غلطی کی صورت میں اس کا تدارک ان کے علم میں ہو بالخصوص نکاح پڑھانے والے کا تلفظ درست ہونا از حد ضروری ہے ورنہ تلفظ میں واقع خطا لوگوں میں تشویش کا سبب بن سکتی ہے۔ تلفظ میں غلطی سے متعلق یہ قواعد ذہن نشین رکھیں:

(۱) لڑکی مجلس نکاح میں اگر موجود ہو تو نام کی کسی قسم کی غلطی کا کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کی موجودگی ہی نکاح کی صحت کیلئے کافی ہوگی۔

(۲) اگر لڑکی موجود نہ ہو تو لڑکی کے نام میں غلطی کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ کسی حرف میں غلطی واقع ہو جائے مثلاً فرحت کو فرھت، عقیلہ کو اکیلہ اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ نکاح کے وقت نام لینے سے مقصود تعریف ہے اور وہ حاصل ہو رہی ہے لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نام میں ایسی غلطی ہو جائے کہ صیغہ بدل جائے لیکن اصل مادہ باقی رہے یعنی نام کے اکثر الفاظ تو باقی ہوں لیکن ہیئت بدل جائے جیسے رفیقن سے رفاقن اور گواہ بھی جانتے ہوں کہ رفیقن ہی مراد ہے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔ لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اصلاً نام ہی بدل جائے مثلاً عائشہ کی جگہ فاطمہ تو اس صورت میں عائشہ کا نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہاں غلط نام صراحۃً ذکر ہے اب اگر گواہ جانتے بھی ہوں کہ عائشہ کا نکاح ہو رہا ہے تب بھی فاطمہ کہنے سے نکاح کا انعقاد نہ ہوگا کیونکہ یہ تصریح ہے اور تصریح کے مقابلے میں ذہن کا تعین مفید نہیں اور یہاں لڑکی بھی مجلس نکاح میں موجود نہیں۔

لہٰذا پہلی دو صورتوں (فرحت کے بجائے فرھت یا رفیقن کے بجائے رفاقن) میں نکاح منعقد ہو جائے گا بشرطیکہ گواہوں کو ہی اشتباہ واقع نہ ہو جائے اور تیسری صورت (عائشہ سے فاطمہ) میں نکاح کا انعقاد نہ ہوگا چاہے ذہن میں معلوم بھی ہو۔ باقی قریبی کمرے میں لڑکی کی موجودگی سے اثر نہ پڑے گا مسئلہ کا حکم وہی ہوگا جو ذکر کر دیا گیا البتہ اگر لڑکی مجلسِ نکاح میں بنفسِ نفیس موجود ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا جائے تو ہر صورت میں چاہے کیسی بھی غلطی ہو نکاح کا انعقاد ہو جائے گا۔

لما في الشامية (۱۵/۳): قوله (ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوج بنته منه وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كما في البزازية نهر --- ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فإنه لا بد منه، رملي، قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة

الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت إحداهما متزوجة ويؤيده ما سيأتي من أنها لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها كفى ذكر اسمها وإلا لا بد من ذكر الأب والجد أيضا۔

وفيه أيضا(۳/۲۰): وقد صرحوا بعدم اعتبار الغلط والتصحيف في مواضع فأوقعوا الطلاق بالألفاظ المصحفة مع اشتراك الطلاق والنكاح في أن جدهما جد وهزلهما جد وخطر الفروج وأفتوا بالوقوع۔۔۔ فإذا لم نعتبر هذا الغلط الفاحش لزمنا أن لا نعتبره فيما نحن فيه مع فشو استعماله وكثرة دورانه في ألسنة أهل القرى والأمصار ۔۔۔ وقد استحسن بعض المشايخ عدم فساد الصلاة بإبدال بعض الحروف وإن لم يتقارب المخرج لأن فيه بلوى العامة فكيف فيما نحن فيه اھ ملخصا۔

(۶۹) حنا کی جگہ ھنا کے نام سے نکاح پڑھا دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولانا صاحب نکاح پڑھا رہے تھے، انہوں نے نکاح پڑھاتے وقت دُلہن جس کا نام امینہ تھا امانت کہہ کر اس کا ایجاب کر دیا اور لڑکے نے قبول کرلیا، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح نکاح ہوگیا کیونکہ امانت نام کی لڑکی تو اس گھر کیا خاندان میں بھی موجود نہیں، نام امینہ تھا۔ اس طرح مفتی صاحب کبھی رفیقہ کا نکاح رفاقت کے نام سے پڑھا دینا یا حنا کا نکاح ھنا کہہ کر پڑھا دینا کیسا ہے؟ نیز دُلہن کے گھر پر نکاح ہو رہا ہو [نہ کہ مسجد میں] تو کوئی فرق پڑے گا؟ عورت کمرے میں اکیلی ہو اور قاضی نام غلط لے لے یا عورتوں کے ساتھ ہو، برائے مہربانی ان تمام صورتوں اور ناموں کی تبدیلیوں کے احکام تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورتِ مسئولہ میں چند اصول ذہن نشین رہیں:

۱۔ لڑکی اگر نکاح کی مجلس میں موجود ہو اور بوقت عقد لڑکی کی طرف اشارہ بھی کر دیا جائے تو پھر اگرچہ لڑکی کے نام میں غلطی بھی واقع ہو جائے یا بالکل ہی نام تبدیل ہو جائے اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح صحیح ہو جائے گا۔

۲۔ اگر لڑکی مجلسِ نکاح میں موجود نہ ہو اور لڑکی کا نام لیا جائے نیز نام لینے میں غلطی واقع ہو جائے تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) حرف میں غلطی واقع ہو جیسے حنا کو ھنا کہہ دیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ نام لینے سے مقصود تعریف ہے اور وہ حاصل ہوگئی۔

(۲) ایسی غلطی کی کہ صیغہ بدل گیا لیکن مادہ باقی رہا یعنی نام کے اکثر الفاظ تو باقی ہوں لیکن ہیئت بدل جائے جیسے "رفیقن سے رفاقن" اور گواہ بھی جانتے ہوں کہ رفیقن ہی مراد ہے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، نکاح منعقد ہو جائے گا "لأن المقصود نفی الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود" (شامی ۲۲/۳)

(۳) بالکل نام ہی بدل جائے جیسے فاطمہ کی جگہ عائشہ کہہ دیا۔ اس صورت میں فاطمہ سے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ نام کا صراحۃ بالکل ہی بدل دینا یہ تصریح ہے اور یہاں لڑکی کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا کیونکہ وہ مجلس میں موجود ہی نہیں لہٰذا اب اگر گواہ وغیرہ یہ سمجھ بھی رہے ہوں کہ نکاح فاطمہ کا ہو رہا ہے تب بھی عائشہ کہنے سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ غلط تصریح کے مقابلے میں ذہن میں متعین ہونا انعقادِ نکاح کیلئے مفید نہ بن سکے گا، تصریح مقدم ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی دونوں صورتوں میں (یعنی حنا اور رفیقن کی جگہ ھنا اور رفاقن کہنے سے) نکاح حنا اور رفیقن ہی سے ہوگا بشرطیکہ گواہوں کو اشتباہ نہ ہو اور تیسری صورت میں نکاح فاطمہ سے نہ ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں امینہ کی جگہ امانت، رفیقن کی جگہ رفاقن اور حنا کی جگہ ھنا کہنے سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا یعنی نکاح ہو جائے گا البتہ اس معاملے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور نام کو صحیح تلفظ کے ساتھ اداء کیا جائے۔ باقی تمام صورتوں کو اصول کے مطابق خود ہی دیکھ لیا جائے۔

لما فی البحر الرائق (۱۵۷/۳) کتاب النکاح، ط رشیدية: ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة فإن كانت حاضرة متنقبة كفى الإشارة إليها والاحتياط كشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت إن كانت المرأة في البيت وحدها جاز النكاح لزوال الجهالة وإن كان معها امرأة أخرى لا يجوز لعدم زوالها وكذا إذا وكلت بالتزويج فهو على هذا التفصيل وإن كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها فإن كان الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها وإن لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها۔

(۷۰) دولہا کا اپنی ولدیت میں سوتیلے باپ کا نام ذکر کرنے سے نکاح پر اثر نہیں ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھتیجے کاشف مختار کی شادی ہوئی اس نے اپنے سوتیلے والد کا نام نکاح نامہ میں لکھوایا ہے جبکہ میرے بھائی اور لڑکے کے حقیقی والد کا نام سید مختار علی ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ جواب مرحمت فرما کر اس مسئلے کو حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کے درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کیا جائے نیز گواہوں کے سامنے عاقدین (جن کا نکاح ہو رہا ہو) کی تعیین بھی ضروری ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے بھتیجے کے مجلس نکاح میں موجود ہونے سے تعیین ہوگئی ہے، اس لئے آپ کے بھتیجے کا اپنے ساتھ سوتیلے باپ کا نام ذکر کرنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ اپنے والد کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرنے پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے، یہ گناہ کا کام ہے۔

لما في القرآن الكريم (الاحزاب:٥): أُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اٰبَآءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ الآية.

وفي مسلم في كتاب الايمان (١/٥٧):عن سعد وأبي بكرة رضى الله عنهما كلاهما يقول سمعته أذناى ووعاه قلبى محمدا ﷺ يقول:من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام۔

وفي الشامية (٣/٢٢):وما ذكروه في المرأة يجري مثله في الرجل ففي الخانية قال الإمام ابن الفضل إن كان الزوج حاضرا مشارا إليه جاز ولو غائبا فلا ما لم يذكر اسمه واسم أبيه وجده قال والاحتياط أن ينسب إلى المحلة أيضا ، قيل له فإن كان الغائب معروفا عند الشهود ؟ قال ، وإن كان معروفا لا بد من إضافة العقد إليه، وقد ذكرنا عن غيره في الغائبة إذا ذكر اسمها لا غير وهي معروفة عند الشهود وعلم الشهود أنه أراد تلك المرأة يجوز النكاح۔

وفي الدر المختار(٣/٢٦) : (غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح) للجهالة وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح۔

وفي الرد تحته: قوله (إلا إذا كانت حاضرة الخ) راجع إلى المسألتين أي فإنها لو كانت مشارا إليها

وغلط في اسم أبيها أو اسمها لا يضر لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية لما في التسمية من الاشتراك لعارض فتلغو التسمية عندها كما لو قال اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو فإنه يصح۔

(۱۷) لڑکے کے اصل والد کا نام نہیں بتایا گیا تو فسخ نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے والد کا انتقال ہوگیا۔ زید کی والدہ نے بعد از عدت دوسری شادی کی۔ اس شوہر نے زید کو اپنے بیٹے جیسا رکھا۔ آج تقریباً ۳۰ سال گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ زید کے یہ والد اصل والد نہیں ہیں بلکہ سوتیلے ہیں اب زید کی والدہ زید کو نہیں بتانا چاہتیں یا زید کے نکاح نامہ پر اصل والد کی جگہ موجودہ والد کا نام دینا چاہتی ہیں (ظاہر ہے قاضی نکاح بھی اسی طرح پڑھائے گا) کیا اس ولدیت کے ساتھ زید کا نکاح درست ہوگا؟ لڑکی کو بعد میں پتہ چلے تو اسے فسخ کا اختیار دیا جائے گا؟ مسئلہ کی علت کیا ہے؟ کفاءت اور رذالت کا فرق ہوگا؟ یعنی اصل باپ کی حالت سے نکاح پر کیا کیا فرق مرتب ہوں گے تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کو زید کے والد کا نام بتا دیا جائے اور غیر باپ کی طرف نسبت کرنا حرام ہے، البتہ جہاں پر باپ کے نام کی جگہ پر سوتیلے باپ کا نام لکھ دیا اگر عورت یا اس کے وکیل اور گواہوں کو لڑکا معلوم ہو تو نکاح ہو جائے گا یا اسی طرح لڑکا خود مجلس نکاح میں موجود ہو تو پھر بھی نکاح پر کسی قسم کا اثر نہ پڑے گا۔

عورت کو فسخ نکاح کے مطالبے کا اختیار بھی نہیں ہوگا، عورت کا نکاح عورت کے مطالبے پر قاضی وہاں پر فسخ کرنے گا جہاں شوہر عورت کے حقوق زوجیت اداء کرنے پر قادر نہ ہو جیسا کہ شوہر نامرد ہو یا شوہر مفقود یعنی لاپتہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

لمافي الهندية، كتاب النكاح (۱/۲۷۰) :ومنها أن يكون الزوج والزوجة معلومين فلو زوج بنته وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كذا في النهر الفائق۔

وبعد أسطر:أبو الصغيرة إذا قال زوجت بنتي فلانة من ابن فلان وقال فلان قبلت لأبني ولم يسم الابن إن كان له ابنان لا يجوز وإن كان له ابن واحد يصح۔

وفيه أيضا(۱/۲۹۱): وتعتبر الكفاءة في الحرية والإسلام في حق العجم لأنهم كانوا يفتخرون بهما دون النسب هكذا في التبيين --- ثم الكفاءة تعتبر عند ابتداء النكاح ولا يعتبر استمرارها

بعد ذلك حتى لو تزوجها وهو كفء ثم صار فاجرا داعرا لا يفسخ النكاح كذا في السراج الوهاج۔

۲۷)کیا بیوی کو جیب خرچی دینا بھی ضروری ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عزیز کی مارچ میں شادی ہے لیکن عزیز کے سسرال والے یہ شرط لگا رہے ہیں کہ عزیز لڑکی کو ہر ماہ ۳ ہزار خرچہ دے گا۔عزیز یہ شرط ماننے کو پوری طرح تیار نہیں ہو رہا ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں لڑکی کی ضروریات پوری کروں گا۔مفتی صاحب! آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کے نان نفقہ سکنی میں جیب خرچی بھی داخل ہے؟ عزیز کے پر فرض ہے کہ جیب خرچ دے؟اگر فرض ہے تو اسے معین کرنا کیسا ہے؟اگر عزیز مان لے تو اس پر دیانۃً واجب ہوگا یا قضاء بھی اس سے وصول کیا جائے گا؟ جیب خرچی کی شرط ملائم عقد ہے یا مقتضی عقد کے موافق ہے یا مخالف؟ برائے کرم ان تمام اجزاء کے تسلی بخش حوالہ جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بات ذہن نشین رہے کہ شرعاً شوہر پر عورت کیلئے رہائش، کھانا، پینا اور کپڑے کا بندوبست کرنا ضروری ہے اور اس میں معروف طریقے کے مطابق تعین کیا جاسکتا ہے البتہ شرعاً نقد کی صورت میں جیب خرچی عورت کو دینا ضروری نہیں۔یہ نفقہ کے لوازمات میں سے نہیں،البتہ مصالح کے اعتبار سے عورت کو وقتاً فوقتاً بعض ضروریات کے لئے کچھ رقم کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور عین وقت پر اس کے پاس نقداً کچھ نہ ہونا اس کی عزت نفس کو مجروح کرسکتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی استطاعت کے مطابق کچھ رقم ماہانہ طور پر جیب خرچی کیلئے بیوی کو دیتا رہے البتہ نکاح میں اس کی شرط لگانے سے شرعاً بعد از نکاح جیب خرچی دینا ضروری نہ ہوگا نیز لڑکی والوں کو بھی چاہیئے کہ جب لڑکا تمام ضروریات فراہم کررہا ہے تو اس معمولی مسئلہ کو اہم نہ بنائیں یہ زوجین کا آپس کا معاملہ ہے وہ خود طے کرکے اس پر عمل کرلیں گے۔

لمافی الهندية (۱/۵۴۸): قالوا إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة وإن كان لا يجبرها القاضي كذا في البحر الرائق۔۔۔ ويجب عليه آلة الطحن وآنية الأكل والشرب مثل الكوز والجرة والقدر والمغرفة وأشباه ذلك كذا في الجوهرة النيرة۔۔والنفقة الواجبة المأكول والملبوس والسكنى۔

وفيه أيضا(۱/۵۵۵):الكسوة واجبة عليه بالمعروف بقدر ما يصلح لها عادة صيفا وشتاء كذا في التتارخانية۔

وفي الدر المختار(۳/۵۷۲): وشرعا (هي الطعام والكسوة والسكنى)وعرفا هي الطعام۔

رسالة

الحکم الموافق

فی

الفرق بین الشرائط توافق العقد و تخالف

مقتضاءِ عقد کے موافق، ملائم اور مخالف شرائط کا بیان،

عقد پر ان کے اثرات اور متعلقہ احکام سے متعلق تفصیلی فتوی

(۷۳) مقتضائے عقد کے موافق اور مخالف شروط کے معنی

سؤال

میں ایک دینی مدرسے کا طالب ہوں فقہ کی کتب میں شرائط کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں مقتضی عقد کے موافق اور مخالف کی اصطلاح آتی ہے پھر اس کی مختلف تشریحات کردی جاتی ہیں کسی ایک کا فائدہ نہ ہو یا وہ شرط مفضی الی النزاع نہ ہو وغیرہ۔ مفتی صاحب آپ سے گزارش ہے کہ اس کی مفصل تشریح فرمادیں نیز موافق عقد اور ملائم عقد شرائط میں کیا فرق ہے؟ فتاوی شامیہ (۵/۸۵) پر بحر کے حوالے سے ان دونوں میں فرق بتایا گیا ہے جو میں سمجھ نہیں پارہا۔ تشریح کر کے مع امثلہ تحریر فرمادیں۔ بیع اور نکاح میں ان کی وضاحت ہوجائے کہ کونسی قضاءً واجب ہوتی ہیں اور کون سی دیانۃً؟ کیا نکاح شرط فاسد سے مطلقاً فاسد نہیں ہوتا یا بعض شرائط مفسد ہیں؟ اور کیا نکاح میں بھی ملائم اور موافق عقد شرائط کا فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں موافقِ عقد اور ملائم عقد کا فرق جاننے سے قبل چند باتیں ذہن نشین ہونا ضروری ہیں امید ہے اس کے بعد تمام فروق خود ہی واضح ہوجائیں گے۔

شرط کی دو قسمیں [۱] موافق عقد [۲] مخالفِ عقد

اولاً یہ سمجھیں کہ شرائط دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱) موافقِ عقد　　　۲) مخالفِ عقد

موافق عقد شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد خود اس شرط کا تقاضا کرتا ہو، مثلاً خرید و فروخت کے وقت بیچنے والا خریدنے والے پر قیمت کی ادائیگی کی شرط لگاتا ہے تو اس شرط کا عقد خود متقاضی ہے اگر شرط نہ بھی لگائی جائے تب بھی خریدنے والے نے قیمت تو اداء کرنی ہی ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے موافقِ عقد شرائط کی بہت عمدہ وضاحت فرمائی ہے کہ "وجوده كعدمه" یعنی ان شرائط کا وجود اور عدم برابر ہے، ان کے لگانے یا نہ لگانے سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مخالفِ عقد شرط سے مراد ہر وہ شرط ہے جو مقتضی عقد کے خلاف ہو، یعنی عقد اس کا تقاضا نہ کرتا ہو اور اس کے لگانے سے عقد اپنی فطری حالت سے نکل کر کچھ تبدیل ہو رہا ہو یہ مخالف عقد شرائط کہلاتی ہیں۔

ہر مخالفِ عقد شرط مفسدِ عقد نہیں ہوتی نیز اس سے متعلق تین اہم امور کا بیان

اب یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہر مخالفِ عقد شرط مفسدِ عقد نہیں ہوتی بلکہ مخالفِ عقد شرط میں اگر درج ذیل تین باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے تو وہ مفسدِ عقد نہیں رہتی، وہ تین باتیں یہ ہیں:

۱) ملائم عقد ہونا۔　　۲) اس شرط کے جواز پر نص وارد ہونا۔　　۳) اس شرط پر لوگوں کا تعارف وتعامل ہو جانا۔

اول: ملائمِ عقد ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرط بظاہر تو مقتضی عقد کے خلاف ہو لیکن حقیقتاً وہ شرط عقد کو مؤکد کرنے والی ہو مثلاً بائع کا خریدنے والے سے قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں کوئی ضامن طلب کرنا یا قیمت کے تاخیر سے اداء کرنے کی صورت میں خریدار سے کوئی چیز گروی رکھوانا۔ اب دیکھیں یہ شرائط ضامن یا گروی رکھوانے کی اصل عقد کے خلاف ہیں لیکن یہ درحقیقت اسی عقد میں قیمت کی ادائیگی کے معاملے کو موکد اور پختہ کر رہی ہیں لہٰذا یہ موافقِ عقد اگرچہ نہ ہوں لیکن ملائم عقد ضرور ہیں لہٰذا ان سے عقد مفسد نہ ہوگا۔

دوم: ایسی شرط جس کے جواز پر نص وارد ہو گیا ہو، مثلاً خیارِ شرط ہے یعنی اس شرط پر چیز خریدنا کہ مجھے اتنے وقت تک چیز کو دیکھنے کا اختیار ہے اگر سمجھ نہیں آئی تو واپس کر دوں گا۔ اب ایسی شرط لگانا اصل عقد کے مقتضی کے تو خلاف ہے لیکن اس کے جواز پر صریح نص وارد ہو گیا ہے۔ حدیث میں صراحتاً اسے جائز کہا گیا ہے لہٰذا فقہاء کرام نے خلافِ قیاس نص کی بناء پر استحساناً اسے جائز قرار دیا ہے۔

سوم: ایسی شرط جس پر لوگوں کا تعارف وتعامل ہو گیا ہو ایسی شرط بھی اگرچہ مخالفِ عقد ہو لیکن مفسدِ عقد نہیں ہوتی مثلاً جوتا اور تسمہ اس شرط پر خریدنا کہ بیچنے والا تسمہ جوتے میں لگا کر دے گا یہ شرط اگرچہ اصل عقد کے مخالف ہے لیکن لوگوں میں اس کا رواج ہے لہٰذا اس سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

لہٰذا مخالفِ عقد شرط میں مذکورہ بالا تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے تو وہ مفسدِ عقد نہ ہوگی البتہ اگر یہ تینوں باتیں نہ ہوں تو وہ شرط، شرعاً مفسدِ عقد ہو جائے گی مثلاً ایک شخص غلام اس شرط پر بیچتا ہے کہ خریدنے والا اسے آزاد کرے گا اب یہ شرط مقتضی عقد کے بالکل مخالف ہے کیونکہ شریعت خریدنے والے کو چیز کا مالک قرار دیتی ہے اور اسے اس چیز میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا اس شرط پر غلام کو فروخت کرنا کہ خریدنے والا اسے آزاد کرے گا یہ شرط مخالفِ عقد ہے اور یہ ملائمِ عقد بھی نہیں نیز نہ اس کے جواز پر نص ہے اور نہ لوگوں کا ایسا تعامل ہے لہٰذا اس شرط کی بناء پر عقد فاسد ہو جائے گا۔

اس تشریح کے بعد امید ہے موافقِ عقد اور ملائمِ عقد شرائط کا فرق واضح ہو گیا ہوگا۔ ملائم عقد شرط دراصل مخالفِ عقد شرط ہے البتہ ملائمت (مناسبت) کی بناء پر عقد کیلئے مفسد نہیں اور موافقِ عقد شرط برائے نام ہے اس کا وجود اور عدم عقد پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

شرط کے مخالفِ عقد یا عقد کو فاسد کرنے کی جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی بعض فقہائے کرام اسے دوسرے الفاظ میں بیان کر دیتے

ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مخالفِ عقد اس شرط کو کہا جاتا ہے جس میں متعاقدین یا مبیعہ میں سے کسی کا فائدہ ہو اور جو مفضی الی النزاع یعنی جھگڑے کا باعث ہو۔

موافق اور مخالفِ عقد شرائط کی تعریفات میں ایک اور تعبیر

بندہ ناچیز کے نزدیک فقہاء کرام کی یہ تعبیر مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ ہی معلوم ہوتی ہے۔ بندہ کافی غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ایک ایسی شرط جس میں کسی ایک [خریدار یا بیچنے والے] کا نفع ہو وہ مفضی الی النزاع یعنی جھگڑے کا سبب بنے گی لیکن اگر وہ شرط ملائم عقد ہے [یعنی عقد کو مؤکد کرنے والی ہے] تو یہ جھگڑے کا سبب نہ بنے گی یا اس پر خلافِ قیاس نص وارد ہوا ہو تو جھگڑے کا اعتبار ہی نہیں، کیونکہ نص کے بعد نزاع جہالت ہے یا تیسرے یہ کہ اگر اس شرط میں لوگوں کا تعامل ہو تب بھی وہ جھگڑے کا سبب نہ بنے گی لہٰذا فقہاء کرام کا یہ کہنا کہ وہ شرط جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو اور وہ مفضی الی النزاع ہو تو وہ مخالفِ عقد مفسد شرط ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ اس مخالفِ عقد شرط میں ملائم ہونا، یا نص کا ورود یا تعامل نہ پایا جاتا ہو تب ہی وہ مفضی الی النزاع ہوگی اور اس میں کسی ایک کا نفع ہوگا جو جھگڑے کا سبب بنے گا بصورتِ دیگر اس شرط کے جھگڑے کا سبب بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ فقہاء کی تعبیرات کا یہ فرق دراصل وہی پہلی تشریح کا عکاس ہے فقط الفاظ الگ استعمال کردیئے جاتے ہیں۔

نکاح کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا البتہ شرط لغو ہوجاتی ہے، مثلاً نکاح کے بعد نفقہ دینا واجب ہے اب کوئی اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ نفقہ نہیں دوں گا تو یہ شرط فاسد ہے البتہ عقد درست ہوگا اور نفقہ دینا ہوگا۔ نکاح میں موافق اور ملائمِ عقد شرائط کا فرق نہیں کیونکہ ملائم تو اس شرط کو کہا جاتا ہے جو مقتضیٰ عقد کے خلاف ہو، اور ملائم ہونے کی بناء پر وہ عقد کو فاسد نہ کرے اور یہاں نکاح میں تو مخالفِ عقد شرط سے عقد فاسد ہی نہیں ہوتا تو پھر ملائمِ عقد شرط کا کوئی معنی نہیں۔

اس تمام تفصیل کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے متن کی جو تشریح کی ہے اور خود درمختار اور تنویر الابصار میں جو تفصیلات ہیں انہیں سمجھنا مشکل نہیں، تنویر الابصار کی عبارت یہ ہے:

"(و)... (بیع بشرط)... (لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو)... (لمبیع)... (من أهل الاستحقاق)... (ولم یجر العرف به و)لم (یرد الشرع بجوازه)."

"وہ بیع جو ایسی شرط کے ساتھ منعقد ہو جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا اور نہ وہ عقد کے ساتھ ملائم ہو، اور اس شرط میں کسی ایک کا یا مبیعہ کا جبکہ وہ نفع کا استحقاق بھی رکھتی ہو (یعنی انسان غلام وغیرہ ہو) اور عرف بھی اس شرط کا نہ ہو اور شرع میں کوئی نص اس کے جواز کا موجود نہ ہو تو ایسی بیع درست نہیں۔"

(تنویر الابصار المطبوع مع رد المحتار ۵/ ۸۵)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

"قوله (لا یقتضیه العقد ولا یلائمه) قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیه العقد أن یجب

بالعقد من غير شرط ومعنى كونه ملائما أن يؤكد موجب العقد كذا في الذخيرة۔"

"(ماتن کا قول: ایسی شرط کہ عقد اس کا تقاضہ نہ کرتا ہو اور وہ عقد کے ملائم بھی نہ ہو) بحر میں ہے کہ شرط کے مقتضاء عقد کے موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقد سے بغیر کسی شرط کے ثابت ہو جاتی ہو اور ملائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقد کے موجب کو اور مؤکد کرے، یہی ذخیرہ میں ہے۔" (رد المحتار علی الدر المختار ۵/۸۵)

لما في المحيط البرهاني، (٣٩١/٩): إما إن كان شرطاً يقتضيه العقد، ومعناه أن يجب بالعقد من غير شرط وأنه لا يوجب فساد العقد كشرط تسليم المبيع على البائع وشرط التسليم الثمن على المشتري، وهذا لأن اشتراط ما يجب بالعقد من غير شرط له ولأنه لا يفيد شيئاً، فصار وجوده كعدمه، فكأنه لم يشترط شيئاً فيجوز البيع، وإن كان شرطاً لا يقتضيه العقد على التفسير الذي قلنا إلا أنه يلائم العقد ونعني به أنه يؤكد موجب العقد إذ تأكيد موجب الشيء يلائم ذلك الشيء وذلك كالبيع بشرط أن يعطي المشتري كفيلاً بالثمن۔۔۔ وقبل الكفالة جاز البيع استحساناً والكفالة إن لم تكن من مقتضيات البيع إلا أنها تؤكد موجب العقد، فما يؤكدها يكون ملائماً للعقد، فلا يؤثر في فساد العقد،وكذلك البيع بشرط أن يعطي المشتري بالثمن رهناً والرهن معلوم بالإشارة أو التسمية جاز البيع استحساناً، وإن لم يكن الرهن من مقتضيات العقد لأن الرهن يؤكد موجب العقد لأن الرهن شرع وثيقة و مؤكد لجانب الاستيفاء۔۔۔ و بعد أسطر:وإن كان الشرط شرطا لايلائم العقد إلا أن الشرع ورد بجوازه كالخيار والأجل أو لم يرد الشرع بجوازه ولكنه متعارف كما إذا اشترى نعلاً وشراكاً على أن يحذوه البائع جاز البيع وإن كان القياس يأبى جوازه لأن التعارف والتعامل حجة يترك به القياس، ويخص به الأثر ۔۔۔ فإن الشرع نهى عن بيع وشرط مطلقاً إلا شرطاً يقتضيه العقد، أو يلائم موجب العقد أو ورد الشرع بجوازه وكان متعارفاً صار مخصوصاً عن قضية النهي، فبقي ما وراءه داخلاً تحت النهي فتقع المنازعة بينهما في إبقاء المشروط، وكل عقد يفضي إلى المنازعة يحكم بفساده۔

وفي الدر المختار (٥٣/٣) :(لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) إنما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط۔

وفي الردتحته: قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل۔

وفی الهندية (۱/۳۴۱): ولو تزوج امرأتين على أن يقيم عند إحداهما أكثر أو أعطت لزوجها مالا أو جعلت على نفسها جعلا على أن يزيد قسمها أو حطت من المهر لكي يزيد قسمها فالشرط و الجعل باطل ولها أن ترجع في مالها كذا في الخلاصة۔

وفی الدر المختار (۳/۲۰۶): (ولو تركت قسمها) بالكسر أي نوبتها (لضرتها صح ولها الرجوع في ذلك) في المستقبل لأنه ما وجب فما سقط۔

(۷۶) لڑکی کے باپ کا دو لاکھ لینے کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلے کے بارے میں دور حاضر میں یہ رواج ہو چکا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے گھر رشتہ لینے کیلئے جاتا ہے تو لڑکی کا باپ کہتا ہے میں اپنی بچی اس شرط پر دونگا کہ دو لاکھ پہلے دو ورنہ رشتہ نہ دوں گا۔ جب لڑکے والے دو لاکھ دے دیں تو لڑکی کا باپ مثلاً ایک لاکھ کا جہیز وغیرہ لے کر بچی کو دیتا ہے بقیہ ایک لاکھ اپنی ذاتیات میں خرچ کر لیتا ہے کیا مذکورہ طریقہ شریعت مطہرہ میں جائز ہے؟ یاد رہے! دو لاکھ جو دیئے جاتے ہیں بطور مہر کے نہیں ہوتے (بلکہ عقد نکاح سے پہلے یہ شرط لگاتا ہے) اور عقد نکاح اس شرط پر موقوف ہوتا ہے۔ **والا فلا عقد بینهما۔**

الجواب بعون الملک الوهاب

لڑکے والوں نے جو دو لاکھ لڑکی کے باپ کو دیئے ہیں یہ درحقیقت رشوت ہے اور رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی نیز رشوت کا مال چونکہ حرام ہے اور حرام مال کا انسان مالک نہیں بنتا لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کے باپ کیلئے یہ پیسے استعمال کرنا جائز نہیں اسے یہ مال لڑکے والوں کو واپس کر دینا چاہیئے۔ اگر بیٹی کو جہیز میں سامان دینے کیلئے پیسے نہ ہوں تو یہ ضروری اُمر نہیں بلکہ شرعی نقطہ نظر سے شادی جتنی سادی ہو اتنی باعثِ برکت ہے لہٰذا حسبِ استطاعت جہیز دے کر رخصت کر دیا جائے البتہ اگر کوئی اس شرط کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو چونکہ نکاح شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط لغو و باطل ہو جاتی ہے لہٰذا نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس شرط کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۹): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔

وفی البيهقی (۶/۱۰۰): لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب من نفسه۔

وفی الترمذی (۲۴۸/۱): وعن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ قال :" لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي"۔

وفی الدر المختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔

وفی الرد تحته: قوله (عند التسليم) أي بأن أبي أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لو أبي أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا لأنه رشوة، بزازية۔

(۷۷) بیوہ سے (اس کی بیٹی کا) اپنے بیٹے سے نکاح کی شرط پر شادی کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص احمد قریشی کے دو بیٹے ہیں بیوی مرچکی ہے اب وہ ایک ایسی بیوہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کی ایک جوان بیٹی ہے۔ بیوہ اس شرط پر شادی کرنے کیلئے تیار ہے کہ تم اپنے ایک بیٹے کی شادی میری بیٹی سے کروگے۔ احمد صاحب اب شش وپنج میں ہیں کہ اگر مان بھی لیتے ہیں تو کیا اس طرح نکاح منعقد ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مرد اور عورت کا اپنا نکاح اپنی اولاد کے نکاح پر معلق کرنا یہ شرط فاسد ہے۔ ان دونوں کا نکاح منعقد ہوجائیگا اور احمد صاحب پر اپنے بیٹے سے بیوہ کی لڑکی کی شادی کرنا ضروری نہ ہوگا کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اور خود بخود لغو ہوجائے گی البتہ اتنا ہے کہ اگر دیگر کوئی شرعی مانع نہ ہو تو بیٹے کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے کردیا جائے تو بہتر ہے۔

لمافی القدوری (ص۱۶۲): واذا زوج الرجل بنته على أن يزوجه المتزوج بنته أو أخته فالعقدان جائزان۔

وفی الدر المختار (۵۳/۳): (والنكاح لا يصح تعليقه بالشرط) كتزوجتك إن رضي أبي لم ينعقد النكاح لتعليقه بالخطر ـــ (ولكن لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) إنما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط بخلاف ما لو علقه بالشرط۔

(۷۴) میکے سے کہیں نہ لے جانے کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے فاطمہ سے نکاح کیا فاطمہ کے ورثاء نے زید سے اقرار نامہ لکھوایا کہ وہ اس کو میکے سے کہیں اور نہیں لے جائے گا۔اس وقت زید نے اپنی خوشی سے اقرار نامہ تحریر کر کے دے دیا، اب دس سال شادی کو ہو چکے ہیں۔اس کا ارادہ ہے کہ کسی بڑے شہر میں رہائش اختیار کروں تا کہ بچوں کی تعلیم اچھے طریقے سے ہو سکے۔آیا اس صورت میں زید بیوی کو میکے سے کہیں اور لے جا سکتا ہے یا نہیں؟؟؟ یا اقرار پر قائم رہنا لازم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقدِ نکاح کے وقت ایسی شرائط لگانا جو عقد نکاح کے موافق ہوں اور احکام شریعت سے بھی ان کا کوئی تعارض نہ ہو تو ایسی شرائط کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، جو شرائط عقد نکاح کے موافق نہ ہوں یا احکام شریعت سے معارض ہوں تو ان کا پورا کرنا لازم نہیں۔صورت مسئولہ میں جو شرط لگائی گئی ہے یہ عقد نکاح کے موافق ہے اور احکام شرع کے معارض بھی نہیں، اس لئے زید پر اس کا پورا کرنا لازمی ہے لہٰذا زید پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی فاطمہ کو میکے سے کہیں باہر نہ لے جائے، البتہ اگر بیوی دوسرے شہر جانے پر راضی ہو تو زید بیوی کو دوسرے شہر میں لے جا سکتا ہے۔

لمافی الھندیة(۳۰۸،۳۰۷/۱):الفصل الرابع في الشروط في المهر: ولو تزوج امرأة على ألف إن لم يكن له امرأة وعلى ألفين إن كانت له امرأة أو تزوجها على ألف إن لم يخرجها من بلدها وعلى ألفين إن أخرجها منها۔ فلا شك أن النكاح جائز وأما المهر فالشرط الأول جائز بلا خلاف فإن وقع الوفاء به فلها ما سمى على ذلك الشرط وإن لم يقع الوفاء به فإن كان على خلاف ذلك أو فعل خلاف ما شرط فلها مهر مثلها لا ينقص من الأقل ولا يزاد على الأكثر وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى الشرطان جائزان كذا في البدائع۔

وفی الدرالمختار(۱۲۳/۳):(نكحها بألف على أن لا يخرجها من البلد۔۔۔ فإن وفى) بما شرطه ۔۔۔ (فلها الألف) لرضاها به ۔۔۔ (وإلا) يوف ولم يقم (فمهر المثل) لفوات رضاها بفوات النفع۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۵۴۰/۹): إن كان الشرط صحيحاً يلائم مقتضى العقد ولا يتنافى مع أحكام

الشرع وجب الوفاء به كاشتراط المرأة أن يسكنها وحدها في منزل لا مع أهله أو مع ضرّتها أو ألا يسافر بها سفراً بعيداً إلا بإذن أهلها أو تزوجا على مهر مسمى وشرط لها شيئاً آخر بأن تزوجها بألف على ألا يخرجها من بلدها أو على ألا يتزوج عليها فإن وفى بالشرط فلها المهر المسمى لأنه يصلح مهراً وقد تم رضاها بهوإن لم يف بالشرط بأن تزوج عليها أو أخرجها فلها مهر المثل لأنه سمى لها شيئاً لها فيه نفع فعند فواته يجب لها مهر المثل لعدم رضاها به۔ الخ۔

(۷۵) عورت کا اپنی باری پہلی بیوی کو دینے کی شرط پر نکاح کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی نے کسی شخص کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ وہ شخص شادی شدہ تھا اس نے کہا میں آپ سے نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ اپنی صحبت کی باری پہلی بیوی کو دے دیں۔ اس عورت نے قبول کرلیا۔ آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح شرط لگانے سے نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز اب اس شرط کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اُولاً یہ بات واضح رہے کہ نکاح کا معاملہ ایک مقدس رشتہ ہے یہ زندگی بھر کیلئے ایک بندھن ہے جس سے مرد وعورت کو عفت و پاکدامنی حاصل ہوتی ہے نیز اگر وہ ایک دوسرے کے حقوق احسن طریقے سے اداء کریں تو یہ ثواب کا باعث ہے۔ عورت کے حقوقِ نکاح میں سے ایک بڑا حق اس کی جماع کی خواہش کو پورا کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ عورت سے ہمبستری یہ نکاح کا ایک واضح مقصد ہے اگر اس کو درمیان سے نکال دیا جائے تو یہ ایک ادھورا عقد بچ جاتا ہے جو قطعاً پائیدار نہیں ہوسکتا نیز یہ حق عورت اگر ساقط کرنے پر راضی بھی ہو تب بھی ساقط نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں نکاح چونکہ ایسا عقد ہے جو شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط لغو ہوجاتی ہے اس لئے مذکورہ صورت میں نکاح صحیح ہوجائے گا نیز یہ شرط چونکہ احکامِ شریعت کے خلاف ہے اس لئے اسے پورا کرنا جائز ہی نہیں۔ عورت ہر وقت یہ مطالبہ کرسکتی ہے کہ اس کی باری کو پورا کیا جائے۔ مرد کو بھی چاہیئے کہ ایسی بیہودہ شرائط لگانے سے اجتناب کرے اور اللہ ورسول کے احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے حقوقِ زوجیت اداء کرے، عورت کی مجبوری سے غلط فائدہ نہ اٹھائے۔

لما في تبيين الحقائق (۶۲۹/۲): (ولها أن ترجع إن وهبت قسمها للأخرى) لأنها أسقطت حقا لم يجب بعد فلا يسقط وهذا لأن الإسقاط إنما يتحقق في القائم فيكون الرجوع امتناعا بمنزلة العارية حيث يرجع المعير فيه متى شاء لما قلنا۔

(۷۸) ایامِ عدت میں شادی کی غرض سے خرچ کئے پیسوں کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک عورت کو طلاق ہوئی تو ایامِ عدت میں ایک شخص اس پر پیسے خرچ کرتا رہا۔ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عدت کے بعد اس سے شادی کرلوں لیکن عورت نے ایامِ عدت گزرنے کے بعد اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس شخص نے ایامِ عدت میں جو رقم اس عورت پر خرچ کی کیا وہ اس کا رجوع کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر"

(رواه البخاري ۲/۸۸۸)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شوہر عورتوں اور مسکینوں کیلئے دوڑ دھوپ کرنے والا اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو (راوی کہتے ہیں) اور میرا خیال ہے کہ یہ فرمایا کہ وہ شخص اس قیام کرنے والے کی طرح ہے جو (اپنی نماز کے) قیام میں سستی نہ کرتا ہو، اور روزے دار کی طرح ہے جو کسی دن بھی روزے کا ناغہ نہ کرتا ہو"

اس نوعیت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار احادیث منقول ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیواؤں، بے شوہر عورتوں پر خرچ کرنے اور حسنِ سلوک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو ان کی بے لوث اور بے غرض خدمات انجام دینے کی تلقین کی ہے۔ خاص طور پر مجاہدین شہداء کی بیواؤں کے گھروں کی دیکھ بھال اسلامی کتب میں ایک مستقل عنوان اور امتیازی شناخت رکھتا ہے۔ یہ شریعتِ اسلامی کا ایک مستقل باب ہے لیکن اس شعبہ میں اس غرض سے پیسے خرچ کرنا کہ عدت کے بعد اس عورت سے نکاح کر لوں گا یا نکاح نہ کرپایا تو خرچ کی گئی رقم واپس لے لوں گا، یہ ایک بداخلاقی اور تہذیب کے دائرے سے باہر کی حرکت ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ اگر وہ کسی بیوہ یا ضرورت مند پر خرچ کررہا ہے تو بے غرض ہو کر خرچ کرے۔ ہاں بعد میں کسی موقع پر خود ہی نکاح کے اسباب پیدا ہوجائیں تو نکاح میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ اگر اس بیوہ یا مطلقہ کو سہارا دینے کی نیت ہے تو ثواب کی امید بھی ہے لیکن پیسے ہی اس نیت سے خرچ کرنا کہ اس عورت کو احسان تلے لاکر شادی کروں گا یا پیسے واپس مانگ کر اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاؤں گا ایسے ارادے سے اس

خرچ پر ثواب کے بجائے پکڑ کا اندیشہ ہے۔

ایک مسلمان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر عمل کرنا چاہیئے۔ حیاۃ الصحابہ (۲/ ۷۹۳) پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بنولیث کی ایک عورت سے بات چیت طے کرانے لے گئے چنانچہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کیلئے رشتہ طلب کیا، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو تو ہم رشتہ نہیں دے سکتے البتہ آپ کے ساتھ رشتہ کرنے پر تیار ہیں چنانچہ اس عورت کا نکاح ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ہوگیا۔ اس کے بعد ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ایک ایسی بات ہوگئی ہے کہ جس کا تذکرہ تم سے کرتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہوئی؟ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے انہیں ساری تفصیل بتائی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میں تم سے شرم محسوس کروں۔ میں اس لڑکی سے رشتہ کرنا چاہتا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہاری قسمت میں لکھ دیا تھا۔ کسی بیوہ یا مطلقہ پر عدت میں خرچ کرنے والے کو بھی مذکورہ طریق پر چلنا چاہیئے۔ تقدیر نے اس عورت کا نکاح جہاں لکھا ہے وہ تو وہیں ہوگا یہ شخص بھی اگر بخوشی اسے قبول کرلے تو یہ دنیا و آخرت میں اس کیلئے سعادت کا سبب بنے گا۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار میں اس مسئلے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

" مطلب أنفق على معتدة الغير: قوله (أنفق على معتدة الغير الخ) حكى فى البزازية فى هذه المسألة ثلاثة أقوال مصححة، حاصل الأول أنه يرجع مطلقا شرط التزوج أو لا، تزوجته أو لا، لأنه رشوة. وحاصل الثانى أنه إن لم يشرط لا يرجع وحاصل الثالث وقد نقله عن فصول العمادى أنه إن تزوجته لا يرجع وإن أبت رجع شرط الرجوع أو لا إن دفع إليها الدراهم لتنفق على نفسها وإن أكل معها لا يرجع بشيء أصلا ... وقيل يرجع إذا زوجت نفسها وقد كان شرطه وصحح أيضا وإن أبت ولم يكن شرطه لا يرجع على الصحيح... فصار حاصل هذا القول الثانى أنه يرجع فى صورة واحدة وهى ما إذا أبت وكان شرط التزوج ولا يرجع فى ثلاث وهى ما إذا أبت ولم يشترطه أو تزوجته وشرطه أو لم يشرط فهذه أربعة أقوال كلها مصححة".

(ردالمحتار ۳/ ۱۵۴)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق چار اقوال ذکر کئے ہیں اور چاروں کی تصحیح کی ہے لیکن درایت کی روشنی میں چوتھا اور آخری قول راجح اور قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر مرد نے خرچ سے قبل یہ شرط لگائی ہو کہ عدت کے بعد نکاح کرنا ہوگا تو فقط اس صورت میں عورت اگر انکار کرتی ہے تو مرد پیسوں کا رجوع کرسکتا ہے اس کے علاوہ اگر مرد نے پیسے خرچ کرتے وقت شرط نہ لگائی ہو، اور وہ انکار کردے یا شرط لگائی ہو لیکن عورت نکاح کرلے وغیرہ کسی صورت میں مرد کو پیسوں کے رجوع کا حق نہ ہوگا نیز رجوع والی صورت میں بھی شرط لگا کر عورت اگر نکاح سے انکار کرے تو مرد کو حق ضرور ہے لیکن تب بھی نہ لینا بہتر ہے

کیونکہ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کا حکم ہے۔

الغرض مسئلہ زیر بحث میں چار اقوال میں سے یہی قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ شرط لگا کر اگر عورت انکار کردے تو حق کے درجے میں مرد رجوع کرسکتا ہے اس کے علاوہ رجوع کی گنجائش ہی نہیں البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ زیر بحث کے چار اقوال میں سے بعض فقہاء کے حوالے سے دیگر اقوال کی ترجیح بھی نقل کی ہے اور "**المعروف كالمشروط**" (یعنی عرفاً رائج بات قولاً مشروط کے حکم میں ہوتی ہے) کولے کر ترجیح دی ہیں لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر مرد کو بہرحال رجوع کا حق دیدیا جائے تو پھر بدمعاش اور گھٹیا قسم کے لوگ اسے کاروبار بنالیں گے اور پھر پاکدامن عفیفات عورتیں، بدکردار لوگوں سے شادی کرنے یا ان کے پنجے میں پھنس جانے پر مجبور ہوں گی جو معاشرے میں اعتدال کو ختم کر کے اضطراب اور افراتفری کو جنم دے گا۔ اس لئے ہماری ناقص رائے میں یہی قول زیادہ راجح ہے کہ اگر مرد نے پیسے خرچ کرتے وقت شرط نہ لگائی ہو تو کسی قسم کے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا اور اگر نکاح کی شرط پر خرچ کئے ہوں اور عورت پھر نکاح سے انکار کردے تو مرد کو پیسوں کیلئے رجوع کا حق ہے البتہ تب بھی نہ لینا بہتر ہے۔ یہی شرعی حکم ہے اور مزاج شریعت سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

لما في الهندية (۴/۴۰۳): ولو أنفق على معتدة الغير على طمع أن يتزوجها بعد عدتها فأبت أن يتزوجها فإن شرط في الإنفاق التزوج يرجع بما أنفق وإلا فالأصح أن لا يرجع كذا قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالى۔

(۷۹) معلق بالشرط اور مقرون معه الشرط نکاح کے حکم میں فرق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے (۳/ ۵۳) پر نکاح میں شرط سے متعلق بحث کی ہے اسمیں کہا ہے کہ معلق بالشرط نکاح منعقد نہیں ہوتا اور مقرون معہ شرط فاسد منعقد ہوجاتا ہے، شرط لغو ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں۔ فرق کا مطلب اور توجیہ بھی بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نکاح معلق بالشرط اور نکاح مقرون معہ الشرط الفاسد کے حکم میں فرق کو واضح فرمارہے ہیں نکاح معلق بالشرط، معلق بالخطر ہونے کی وجہ سے سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا، مثلاً: کوئی شخص کسی عورت سے گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ "میں نے اتنے مہر کے بدلے تم سے نکاح کیا اگر میرے والد راضی ہوں" تو اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا کیونکہ نکاح کے وجود کو ایک ایسی چیز کے وجود پر معلق کردیا جو فی الحال موجود نہیں اور مستقبل میں اس کا وجود متوقع ہے جبکہ نکاح تعلیق کا احتمال نہیں رکھتا، نکاح مقرون

الشرط الفاسد منعقد ہوجاتا ہے اور شرط فاسد لغو ہوجاتی ہے، مثلاً: کوئی شخص کسی عورت سے کہے کہ ''میں نے تم سے نکاح کیا اس شرط پر تمہارا مہر نہیں ہوگا'' اس صورت میں نکاح درست ہوتا ہے، شرط لغو ہوجاتی ہے اور عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں ایجاب وقبول کے ذریعے نکاح فی الحال وجود میں آجاتا ہے البتہ اس عقد کے ساتھ ایک شرط فاسد لگادی جاتی ہے جو انعقاد نکاح کے لئے مانع نہیں بنتی کیونکہ نکاح شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط لغو ہوجاتی ہے، جبکہ معلق بالشرط نکاح میں ایجاب وقبول کو ہی معلق کردیا جاتا ہے، جس بناء پر نفسِ عقد میں ہی فساد آجاتا ہے۔

لما في خلاصة الفتاوى (٢/٤٨): ولو قالت زوجت نفسي منك إن رضي أبي لم يصح لأنه علق النكاح بالخطر۔

وفي الخانية (١/١٥٤): رجل قال لامرأة بحضرة الشاهدين تزوجتك على كذا ان أجاز أبي أو رضي فقالت قبلت لايصح لأنه تعليق والنكاح لايحتمل التعليق۔

وفي الشامية (٣/٥٣): قوله (والنكاح لا يصح تعليقه بالشرط) المراد أن النكاح المعلق بالشرط لا يصح لا ما يوهمه ظاهر العبارة من أن التعليق يلغو ويبقى العقد صحيحا كما في المسألة الآتية وهذا منشأ توهم الدرر الآتي قوله (لتعليقه بالخطر) بفتح الخاء المعجمة والطاء المهملة ما يكون معدوما يتوقع وجوده ح۔ قوله (فما في الدرر) حيث قال لا يصح تعليق النكاح بالشرط مثل أن يقول لبنته إن دخلت الدار زوجتك فلانا وقال فلان تزوجتها فإن التعليق لا يصح وإن صح النكاح ـــ قوله (ولكن لا يبطل الخ) لما كان يتوهم أنه لا فرق بين النكاح المعلق بالشرط الفاسد والمقرون بالشرط الفاسد كما وقع لصاحب الدرر أتى بالاستدراك ـــ قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح و يفسد الشرط ويجب مهر المثل۔

(٨٠) کیا نکاح فارم انعقادِ نکاح کے لئے ضروری ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عقد نکاح میں کون کونسے امور ضروری ہیں؟ خطبہ، گواہوں کا ہونا، نکاح کے فارم وغیرہ کے اندر رجسٹرڈ کرنا، یہ تمام چیزیں نکاح میں ضروری ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں ایجاب وقبول کرنا رکن نکاح ہے اور گواہوں کا ہونا شرط ہے۔خطبے کا پڑھنا مستحبات میں سے ہے۔باقی نکاح فارم اور رجسٹرڈ کرناوغیرہ شرعاً ضروری نہیں لیکن چونکہ قانوناً بہت سے مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ترتیب بنائی گئی ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۵) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی الدارقطنی (۱۵۵/۳): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"لا بد فی النکاح من أربعة الولی والزوج والشاهدين"

وفی الدر المختار(۸/۳):ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد و شهود عدول۔

وفی الفتاوی اللجنة الدائمة(۸۷/۱۸):س: المسلم والمسلمة مطالبان من حيث القانون بالحضور في مكتب تسجيل الزواج، فيذهب الرجل والمرأة إلى المكتب قبل الزواج مع الشهود، ويتم هناك الإيجاب والقبول، فهل هذا يكون نكاحا شرعيا؟۔۔۔الخ۔

ج: إذا تم القبول والإيجاب مع بقية شروط النكاح وانتفاء موانعه صح، وإذا كان تقييده قانونا يتوقف عليه ما للطرفين من المصالح الشرعية الحاضرة والمستقبلة للنكاح وجب ذلك. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

(۸۱) بیماری نہ ہونے کی شرط پر نکاح کرنا اور بعد میں بیماری ظاہر ہونا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح چار آدمیوں کے سامنے زید سے اس شرط پر کرتا ہے کہ زید کو کوئی بیماری نہ ہو کیونکہ اس نے سنا تھا کہ زید کو کینسر ہے، جب اس نے تحقیق کرنا چاہی تو کسی نے اس کے بارے میں نہ بتایا۔شادی ہوجانے کے بعد ظاہر ہوا کہ زید کو حقیقتاً کینسر ہے اب یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ نکاح درست ہوگیا اور زوجہ کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں۔

لمافی صحیح البخاری (۱/۳۷٦): عن عقبة بن عامر رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج۔

وفی الهندية (۱/۲۷۳): ولا يثبت في النكاح خيار الرؤية والعيب والشرط سواء جعل الخيار للزوج أو المرأة أو لهما ثلاثة أيام أو أقل أو أكثر حتى أنه إذا فعل ذلك فالنكاح جائز والشرط باطل ---

فإذا شرط أحدهما لصاحبه السلامة عن العمى والشلل والزمانة أو شرط صفة الجمال أو شرط الزوج عليها صفة البكارة فوجد بخلاف ذلك لا يثبت له الخيار هكذا في التتارخانية۔

وفيه أيضا:(۱/۵۲٦): إذا كان بالزوجة عيب فلا خيار للزوج وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خيار لها كذا في الكافي قال محمد رحمه الله تعالى إن كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ وإن كان مطبقا فهو كالجب وبه نأخذ كذا في الحاوي القدسي۔

وفی الشامية (۳/۵۰۱): قوله (ولا يتخير الخ) أي ليس لواحد من الزوجين خيار فسخ النكاح بعيب في الآخر عند أبي حنيفة وأبي يوسف ـ

وفی الفقه الاسلامی (۹/۷۰۴۹):أما العيوب الأخرى من جنون أو جذام أو برص أو رتق أو قرن، فلا فسخ للزواج بسببها إن كان بالزوجة، ولا إن كانت بالزوج، ولا خيار للآخر بها. وهذا هو الصحيح عند الحنفية. وقال محمد: للزوجة الخيار أو الفسخ إن كانت هذه العيوب بالزوج، ولاخيار للزوج إن كانت بالزوجة، وبه يتفق الحنفية على أنه لا خيار للزوج في فسخ الزواج بسبب عيوب الزوجة مطلقاً۔

(۸۲)شوہراول کے بچوں کانفقہ دینے کی شرط پرعورت سے نکاح کاحکم

سؤال

زیداورعمرو۱۹۸۵ء سے دوست ہیں۔زید کی بیوی مرگئی ہے،عمرواپنے خاندان کی کسی بیوہ سے زید کی شادی کرانا چاہتا تھااور اس شرط پرزید کی بیوہ سے شادی ہوگئی کہ بیوہ کے پہلے سے موجود بچوں کانان نفقہ زید دیگا۔زیدراضی توہوگیا تھالیکن کچھ عرصے بعدزیدان دوبچوں پرخرچے سے منکر ہوگیا جبکہ خرچہ کی شرط پرنکاح ہواتھا۔محلے کے امام صاحب سے پوچھا گیاتوانہوں نے کہا کہ کتب فقہ کے مطلق جزئیات سے توایسا لگتاہے کہ یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہےاورزید پر یہ خرچہ واجب نہیں۔آپ سے یہ مطلوب ہے کہ مطلق

جزئیات نہیں بلکہ فقہ حنفی سے ایسے صریح جزئیات لکھ دیں جن میں پہلے شوہر کے بچوں کے نفقہ کی شرط پر نکاح کے بعد اس شرط کا حکم ذکر ہو۔ازراہ کرم فی الفور جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

اصولی طور پر نفقہ قرابت اور جزئیت کی بنیاد پر واجب ہوتا ہے چونکہ زید اور مذکورہ بچوں کا آپس میں قرابت اور جزئیت کا کوئی تعلق نہیں اس لئے زید پر مذکورہ بچوں کا نفقہ واجب نہیں لہٰذا نکاح میں مذکورہ شرط، شرط فاسد ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہوگی البتہ زید کیلئے مناسب ہے کہ یتیموں کی کفالت کرے کیونکہ یتیم کی کفالت کرنے والے کیلئے قیامت کے دن آپ ﷺ کی رفاقت کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔

لما في المحيط البرهاني (۳/۵۵۲): ثم الأصل في نفقة الوالدين والمولودين أنه يعتبر القرب والجزئية

وفي الهندية (۱/۵۶۶): لأن شرط وجوب النفقة هو أن يكون ذو الرحم المحرم من أهل الميراث ولو كان رحما غير محرم نحو ابن عم وهو أخوه من الرضاع لا تجب النفقة كذا في شرح الطحاوي۔

وفي الشامية (۳/۶۲۳): قوله (والمعتبر فيه القرب والجزئية لا الإرث) أي الأصل في نفقة الوالدين والمولودين القرب بعد الجزئية.

(۸۳) بدلے میں نکاح نہ کرنے پر دو لاکھ کی شرط لگانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عبیر کا نکاح حمائلہ مغل سے اس شرط پر ہوا کہ مستقبل میں حمائلہ کا بھائی ادریس، عبیر کی بہن ربانہ سے نکاح کرے گا ورنہ (۱۰ سال کے اندر اندر نکاح نہ ہونے کی صورت میں) حمائلہ کے گھر والے دو لاکھ روپے ادا کریں گے۔

(۱) کیا عبیر کا نکاح حمائلہ مغل سے منعقد ہوگیا؟

(۲) کیا یہ شرط لگانا درست ہے؟ یہ شرط مقتضی عقد کے موافق ہے یا مخالف یا فاسد؟

(۳) اگر دوسرا نکاح ادریس کا ربانہ سے مستقبل میں کیا گیا تو وہ منعقد ہوگا؟

(۴) اگر دوسرا نکاح دس سال کے اندر نہ ہوا تو یہ پیسے کی وصولی کا کیس عدالت میں دائر کیا جا سکتا ہے؟

(۵) اگر دس سال کے اندر رضامندی سے نکاح نہ ہونا طے پائے اور بارہویں سال ادریس کا نکاح ربانہ سے ہونا طے پائے تب بھی دو

لاکھ کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ شرط (۱۰ سال کے اندر اندر نکاح نہ ہونے کی صورت میں) حمائلہ کے گھر والے دو لاکھ روپے ادا کریں گے، مقتضی عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہے، اور نکاح، شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا البتہ شرط لغو ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں:

(۱) عبیر کا نکاح حمائلہ مغل سے منعقد ہو گیا اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔

(۲) مذکورہ شرط لگانا درست نہیں، یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف اور فاسد ہے۔

(۳) مستقبل میں اگر ادریس اور ربانہ کا نکاح کیا گیا تو وہ بھی منعقد ہو جائے گا۔

(۴) چونکہ یہ شرط فاسد ہے، اس وجہ سے اگر حمائلہ کے گھر والوں نے مذکورہ شرط پوری نہیں کی تو عبیر کے گھر والے پیسوں کی وصولی کا مقدمہ عدالت میں دائر نہیں کر سکتے۔

(۵) اگر ادریس اور ربانہ کا نکاح بارہویں سال ہو تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن پھر بھی عبیر کے گھر والے دو لاکھ کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

لمافی الهندية (۱/۳۰۸): وفي المنتقى إذا قال لامرأة أتزوجك على ألف درهم على أن تزوجيني فلانة بمهر من عندك تعطينه إياها فتزوجها على ذلك كان النكاح بحصتها من الألف إذا قسم على مهرها وليس عليها أن تزوج فلانة۔ الخ۔

وفى الشامية (۳/۵۳): قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل۔

(۸۴) طلاق کا اختیار لڑکی کو ہونے کی شرط پر نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی سے اپنی لڑکی کا نکاح اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار لڑکی کو ہے کرنا چاہا، تو کیا یہ شرط لگانا ازروئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن شرط باطل ہے۔ عورت کو خیار طلاق نہ ہوگا۔

لمافی الهندية (۲/۶۱۰): وكل رجلا أن يزوجه امرأة فزوجه امرأة على أن أمرها في يدها جاز

النكاح ويبطل الشرط۔

وفی الدر المختار(۲۷/۳): فروع قال زوجني ابنتك على أن أمرها بيدك لم يكن له الأمر لأنه تفويض قبل النكاح۔

وفی الرد تحته: قوله (لم يكن له الأمر الخ) ذكر الشارح في آخر باب الأمر باليد نكحها على أن أمرها بيدها صح اھ۔

(۸۵) ایجاب وقبول کے وقت تفویض طلاق کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت شرط لگائے کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار میرے پاس ہوگا تو نکاح جائز ہے؟ شرط معتبر ہوگی یا نہیں؟ نیز مرد یہی شرط لگائے تو کیا حکم ہے؟ شامیہ (۳/ ۲۷) پر موجود بحث سے ایسا لگتا ہے دونوں میں فرق ہے لیکن دونوں کے شرط لگانے میں فرق کیوں ہے یہ ذکر نہیں۔ آپ سے درخواست ہے مسئلہ کی مکمل تحقیق فرما کر وجہ فرق بھی بیان کر دیں اور یہ بتادیں کہ اگر نکاح کے ایجاب وقبول سے پہلے ہی تفویض طلاق کا یہ عمل ہو تو یہ درست ہے کیونکہ ابھی تو شوہر مالکِ طلاق ہی نہیں تو تفویض چہ معنی دارد؟............اسی طرح دستخط سے قبل کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر ان سب کے بعد تفویض ہو تو مطلقاً درست ہے یا نہیں؟ اوپر والی شامیہ (۳ / ۲۷) کی عبارت کا فرق کہاں واضح ہوگا؟ مسئلہ کے مذکورہ بالا تمام پہلوؤں کی شافی وکافی بحث فرمادیں تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) مذکورہ دونوں صورتوں میں فرق اس طور پر ہے کہ اگر عورت ابتداء کرے گی تو تفویض الطلاق اس کی طرف سے شرط ہوگی اور اس کا وجود شوہر کے قبول کرنے کے بعد ہوگا تو اس وقت نکاح منعقد ہوگا لہٰذا اس صورت میں تفویض الطلاق بعد النکاح ہونے کی وجہ سے درست ہوگی اور اگر شوہر ابتداء کرتا ہے تو اس وقت شوہر کی طرف سے تفویض الطلاق قبل النکاح ہونے کی وجہ سے درست نہیں کیونکہ قبل النکاح وہ اس کا مالک ہی نہیں البتہ اگر بعد النکاح کی تصریح کردے تو یہ شرط درست ہوگی۔

(۲) تفویض الطلاق بعد النکاح کی صراحت کے بغیر قبل النکاح تفویض درست نہیں۔

(۳) اگر زبانی ایجاب وقبول ہو گیا تو تفویض درست ہے دستخط کی ضرورت نہیں۔

(۴) تفویض الطلاق بعد النکاح مطلقاً درست ہے۔

(۵) پہلی صورت کا فرق اس وقت ظاہر ہوگا جب یہ سارا معاملہ قبل النکاح کیا جائے۔

لما في الشامية (۲۴۲/۳): وذكره في الخانية في مسألة قبلها وهي إذا تزوج امرأة على أنها طالق جاز النكاح وبطل الطلاق، وقال أبو الليث هذا إذا بدأ الزوج وقال تزوجتك على أنك طالق وإن ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بيدي أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الأمر بيدها لأن البداءة إذا كانت من الزوج كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح أما إذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن إعادة ما في السؤال صار كأنه قال قبلت على أنك طالق أو على أن يكون الأمر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح اهـ۔

(۸۶) نکاح کیلئے اپنے فائدے کی مخصوص شرائط لگانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندہ ایک بیوہ عورت ہے وہ زید سے شادی کرنا چاہتی ہے اور زید شادی شدہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری کچھ شرائط ہیں اگر آپ کو منظور ہیں تو میں آپ سے شادی کروں گا۔

(۱) میں صرف آپ کو ماہانہ خرچہ دوں گا جس طرح آپ اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہیں اسی طرح آپ کا اپنا انتظام ہوگا یعنی مکان کا کرایہ میں نہیں دوں گا۔

(۲) میں آپ کے پاس اپنی مرضی سے آؤں گا آپ میری پہلی بیوی کے ساتھ ضد نہیں کریں گی۔

(۳) میرے مال میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہوگا نہ میری زندگی میں اور نہ میرے مرنے کے بعد۔ یہ شرائط آپ کو منظور ہیں تو میں شادی کروں گا۔

ایسی شرائط کے ساتھ شادی ہوسکتی ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد ہندہ اپنے حصہ کے مال سے محروم ہوسکتی ہے اور کیا ایسی شرائط اسلام میں جائز ہیں؟ بات یہ ہے کہ ہندہ کو یہ سب شرائط منظور ہیں اور کہتی ہے کہ میرے لئے صرف ماہانہ خرچہ دو اور بس۔ جواب قرآن، حدیث اور فقہ حنفی سے دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کوئی شخص نکاح میں ایسی شرائط لگائے جو مقتضائے عقد اور شریعت کے احکام کے خلاف ہوں تو ایسی شرائط کا شریعت مطہرہ میں کوئی اعتبار نہیں اور نکاح کرنے کی صورت میں تمام حقوق جو شریعت مطہرہ نے میاں بیوی کیلئے مقرر کئے ہیں وہ لازم ہوجاتے ہیں لہٰذا

صورت مسئولہ میں اگر زید ہندہ سے شادی کرے تو یہ نکاح منعقد ہوگا، شرط لغو ہو جائے گی، نیز شریعت مطہرہ نے شوہر پر بیوی کے جو حقوق مقرر کیے ہیں وہ زید پر لازم ہوں گے خواہ نان ونفقہ اور سکنی (رہائش) ہو اور ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری مقرر کرنا واجب ہوگا اور میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں لہٰذا زید اگر ہندہ سے نکاح کرے تو وہ نکاح کے بعد ہندہ کو ان حقوق سے محروم نہیں کر سکتا۔

وفي القرآن الكريم (البقرة: ٢٣٣): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا.

(النساء: ٣): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا.

(النساء: ١٢٩) وفي مقام آخر: وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ.

(النساء: ١٢): فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ.

وفي أحكام القرآن للتهانوي (٢/ ٢٢٣): باب وجوب القسم بين الزوجات: مسئلة: يقتضي هذه الآية والسنة يجب على الزوج التسوية بين نسائه في القسم، فإن ترك التسوية بينهن في القسم عصى الله تعالى وعليه قضاء المظلومة، والتسوية شرط في البيتوتة دون الجماع، لأنه يدور على النشاط وليس ذلك في وسعه.

وفي الدر المختار (٣/ ١٢٣): (ولكن لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد) وإنما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط بخلاف ما لو علقه بالشرط.

وفي الرد المحتار قوله (ولكن لا يبطل إلخ) لما كان يتوهم أنه لا فرق بين النكاح المعلق بالشرط الفاسد والمقرون بالشرط الفاسد كما وقع لصاحب الدرر أتى بالاستدراك وإن كانت هذه مسألة مستقلة ولذا قال الشارح بعده بخلاف ما لو علقه بالشرط وفيه تنبيه على خطأ وهم صاحب الدرر فافهم — قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل.

فصل فی الشهادة علی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

(۸۷) نکاح کے وقت دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص تین افراد کی موجودگی میں اپنا نکاح خود پڑھائے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ نکاح صحیح ہوجائے گا بشرطیکہ دوسری جانب سے قبول بھی پایا گیا ہو کیونکہ نکاح کے جواز کیلئے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ضروری ہے جو کہ پایا جارہا ہے۔

لمافی البدائع (۲/۴۰۱): ومنها: العدد فلا ینعقد النکاح بشاهد واحد لقوله صلی الله علیه وسلم: "لانکاح إلا بشهود"۔

وفی الدرالمختار (۳/۲۱):(و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)علی الأصح۔

(۸۸) لڑکے لڑکی کا تنہا اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مسمی فہیم احمد ولد نور محمد نے مسمات زرین بنت سید مصطفیٰ کمال سے اپنا نکاح خود بغیر کسی شخص کی موجودگی میں ایک بند کمرے میں اللہ کو حاضر وناظر جانتے ہوئے کیا۔ اس کے بعد اپنی

منکوحہ سے اس کی دل سے تصدیق کی اور بعد از تصدیق حق زوجیت ادا کیا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اب میری منکوحہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ واقعی یہ نکاح قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوگیا ہے یا یہ نکاح فاسد ہے یعنی نا قابل اعتبار ہے؟ برائے مہربانی میرے لئے اس مسئلہ کا حل صادر فرمائیں۔ میں نے اپنا نکاح ان الفاظ میں پڑھایا تھا کہ میں مسمی فہیم احمد ولد نور محمد -/50,000 پچاس ہزار روپے حق مہر غیر معجل میں تمہیں قبول ہوں۔ جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ جی مجھے قبول ہے اور یہ بھی کہا کہ خدا کے بعد میں نے آپ کو اپنا مجازی خدا بنایا اور میں آپ کو اجازت دیتی ہوں کہ میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ مجھے ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مجلسِ عقد نکاح میں گواہوں کا موجود ہونا شرعاً ضروری ہے اور گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اس لئے صورتِ مسئولہ میں آپ کا کیا ہوا نکاح فاسد ہے آپ اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار کریں اور فوراً اس عورت سے الگ ہوجائیں۔

لمافی نصب الراية (۲۱۲/۳): عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل، وما كان من نكاح على غير ذلك فهو باطل، فإن تشاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له"۔

وفی التاتارخانية (۶۱۰/۲): تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لايجوز۔

وفی الشامية (۱۳۲/۳): وفسر القهستاني هنا الفاسد بالباطل ومثله بنكاح المحارم وبإكراه من جهتها أو بغير شهود الخ ـــ وذكر في البحر هناك عن المجتبى أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا، قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها اهـ

رسالة

العقود الدرية

فی تحقیق حکم النکاح بدون الشهود عند المالکیة

مالکیہ کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح کے حکم سے متعلق

مالکیہ کی کتب کی روشنی میں مفصل فتوی

(۸۹) بغیر گواہوں کے نکاح اور اس سے متعلق مالکیہ کے مذہب کی تحقیق

سؤال

میرے ایک عزیز کے ساتھ گزشتہ سال کچھ انوکھا واقعہ پیش آیا۔آپ سے اس کا صحیح حل دریافت کرنا ہے۔وہ عزیز سمندر میں سفر کررہے تھے،شکار وغیرہ کے ارادے سے تھے،سمندری طوفان کے باعث جہاز اپنا توازن کھو بیٹھا اور ڈوب گیا۔صرف وہ عزیز اور ایک عورت تھی جو ایک ساحل پر پہنچ گئے۔وہاں سے نکلنے اور واپس شہر پہنچنے کے انتظام سے پہلے ان دونوں کو شیطان بہکارہا تھا لہٰذا ان دونوں نے وہاں بغیر گواہوں کے عارضی نکاح کرلیا،بعد میں شہر پہنچ گئے۔کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا؟ایک عالم نے بتایا کہ امام مالک کے ہاں بینہ شرط نہیں لیکن اعلان شرط ہے،تو مفتی صاحب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی تو عدم اعلان کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہ ہوگا لیکن ان عالم کا کہنا تھا کہ نہیں اعلان اس طرح شرط نہیں ورنہ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو مذہب اور سخت ہوجائے گا،بہرحال میرا علم اتنا نہ تھا میں آپ سے درج ذیل سوالوں کے جواب چاہتا ہوں۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کیا ہے اعلان شرط ہے تو کیا کیفیت ہے پچاس آدمی میں سو آدمی میں یا اعلان کس کیفیت سے شرط ہے؟نیز بینہ مطلقاً ضروری نہیں؟احناف اور مالکیہ کا ثمرہ اختلاف کہاں ظاہر ہوگا؟

(۲) کیا اس مسئلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟ازراہِ کرم میرے مسئلے کا مفصل اور مدلل جواب

مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اگرچہ خطبہ نکاح کے وقت صرف اعلان کا ہے لیکن ان کے نزدیک بھی مرد کے عورت سے ہمبستری کرنے سے قبل نکاح پر دو گواہ بنانا ضروری ہیں، جب ان (مالکیہ) کے نزدیک بھی گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو مذکورہ صورت میں خروج عن المذہب بے معنی ہے۔

حضرات مالکیہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ نکاح میں عند العقد ایجاب وقبول کے وقت گواہ ہونا شرط نہیں یعنی صحتِ نکاح کیلئے گواہی شرط نہیں لیکن اس عقد کا اعلان کرانا صحتِ نکاح کی شرائط میں سے ہے البتہ ہمبستری سے قبل اس عقدِ نکاح پر دو گواہ بنانا مالکیہ کے نزدیک بھی ضروری اور واجب ہے۔ عقد کے اعلان کی کیفیت مالکیہ کے نزدیک وہی ہے جو حدیث میں بیان کی گئی ہے دف بجانا یا دھویں کے ذریعے تشہیر نکاح کرنا، حضرات مالکیہ کی کتب میں اعلان کی یہی کیفیت موجود ہے، افراد کی تحدید ذکر نہیں۔

ایسے ملک میں جہاں مسلمان گواہ موجود نہ ہوں، مسلمان لڑکا اور لڑکی کسی دوسرے ملک میں وکیل بنالیں وہ وکلاء لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول کرلیں تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا۔ جہاں تک مذکورہ سوال میں دریافت صورت کا تعلق ہے تو اس میں اتنی بات تو واضح ہے کہ ان دونوں کے پاس گواہ نہیں لہٰذا یہ نکاح کسی بھی مذہب کے مطابق درست نہ ہوگا۔ سوال میں بغیر گواہوں کے عارضی نکاح کا ذکر ہے اس عارضی نکاح سے مراد اگر شہر پہنچنے تک موقت نکاح مراد ہے تو یہ نکاح باطل اور کالعدم ہوگا اور اگر صرف بغیر گواہوں کے مطلق نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح فاسد ہے اس میں نکاحِ فاسد کے احکام جاری ہوں گے نیز وطی کرنا اس میں بھی بہر صورت حرام ہوگا لہٰذا ان مرد وعورت پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے دور رہیں اور جلد از جلد شہر آجائیں اور صحیح شرعی طریقے سے نکاح کریں۔

حضراتِ احناف اور مالکیہ کے درمیان ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو حنفیہ کے نزدیک ابتداء سے ہی نکاح منعقد نہ ہوگا اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک گواہ صحتِ نکاح کی شرائط میں سے ہیں البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن ہمبستری سے قبل گواہ نہ بنانے پر نکاح خود ہی فسخ ہوکر طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی۔ الغرض نتیجتاً ہر صورت میں یہ نکاح بے فائدہ اور بغیر گواہوں کے کالعدم ہوگا۔

لما فی اعلاء السنن (۲۱۱/۵) (باب جواز عقد النکاح): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ: "أعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف" اخرجه الترمذی۔

وفیه أیضاً (۱۷/۱۱): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ: لا نکاح إلا بولی وشاهدی عدل وما کان من نکاح علی غیر ذلك فهو باطل فإن تشاجروا فالسلطان ولی من لا ولی له --- هذا الحدیث یدل علی اشتراط الولی والشهود العدول فی صحة النکاح۔

وفي بداية المجتهد ونهاية المقتصد (١٣/٢): الفصل الثاني في الشهادة: واتفق أبو حنيفة والشافعي ومالك على أن الشهادة من شرط النكاح واختلفوا هل هي شرط تمام يؤمر به عند الدخول أو شرط صحة يؤمر به عند العقد واتفقوا على أنه لا يجوز نكاح السر. واختلفوا إذا أشهد شاهدين ووصيا بالكتمان هل هو سر أو ليس بسر؟ فقال مالك: هو سر ويفسخ وقال أبو حنيفة والشافعي: ليس بسر وسبب اختلافهم هل الشهادة في ذلك حكم شرعي أم إنما المقصود منها سد ذريعة الاختلاف أو الإنكار؟ فمن قال حكم شرعي قال هي شرط من شروط الصحة ومن قال توثق قال: من شروط التمام ـ ـ ـ وأبو حنيفة ينعقد النكاح عنده بشهادة فاسقين لأن المقصود عنده بالشهادة هو الإعلان فقط.

وفي المدونة الكبرى (١٢٧/٢): قلت: أرأيت إن تزوج رجل بغير بينة وأقر المزوج بذلك أنه زوجه بغير بينة أيجوز أن يشهدا في المستقبل وتكون العقدة صحيحة في قول مالك؟ قال: نعم، كذلك قال مالك.

وفي حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (٢٢٢/٢): (قوله: وإعلانه) أي وندب إعلانه أي إظهاره وإشهاره بإطعام الطعام عليه لقوله عليه الصلاة والسلام {أفشوا النكاح واضربوا عليه بالدف} ـ ـ ـ (إن فشا) النكاح بوليمة أو ضرب دف أو دخان أو كان على العقد أو على الدخول شاهد واحد غير الولي.

وفي بدائع الصنائع (٢٩١/٢): وقال مالك ليست بشرط وإنما الشرط هو الإعلان حتى لو عقد النكاح وشرط الإعلان جاز وإن لم يحضره شهود ولو حضرته شهود وشرط عليهم الكتمان لم يجز ـ ـ ـ وجه قول مالك أن النكاح إنما يمتاز عن السفاح بالإعلان فإن الزنا يكون سرا فيجب أن يكون النكاح علانية ـ ـ ـ ولنا ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال لا نكاح إلا بشهود وروي لا نكاح إلا بشاهدين.

(۹۰) گواہوں کا ایجاب وقبول سننا کافی ہے یا سمجھنا بھی ضروری ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص کسی بالغہ باکرہ یا بیوہ عورت سے عربی میں "زوجتك نفسي" دو گواہوں کے سامنے کہلوائے اور اس کے جواب میں خود "قبلت" کہے اور دونوں گواہ ان لفظوں کے مطلب سے بے خبر ہیں کیا یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نکاح درست نہیں تو عورت اگر ان الفاظ کے معنی سے خبردار ہو لیکن گواہ بے خبر ہوں تو اس صورت میں بھی نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ نیز اکراہ اور مذاق کی صورت میں مجلس عقد نہیں ہوتی وہاں ایسا مسئلہ پیش آجائے کہ غیر زبان میں ایجاب وقبول ہو گواہ نہ سمجھ پائیں۔ ازراہ کرم ان تمام صورتوں کے احکام بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں عاقدین اور گواہوں کیلئے الفاظِ نکاح سمجھنے سے متعلق تین طرح کے اقوال کتب فقہ میں ملتے ہیں:

(۱) سمجھنا شرط ہے۔

(۲) سمجھنا ضروری نہیں ہے۔

(۳) ان دونوں کے درمیان تطبیق۔

تطبیق یہ ہے کہ پہلا قول (جس میں گواہوں کیلئے الفاظ سمجھنے کی شرط ہے) کا مطلب یہ ہے کہ گواہوں کو اتنا ضرور پتہ ہو کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاتا ہے اگرچہ ان الفاظ کے موضوع لہ معنی کو نہ جانتے ہوں دوسرا قول (جس میں الفاظ نکاح سمجھنے کی شرط نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ نکاح کا موضوع لہ معنی معلوم ہونا ضروری نہیں اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ یہ عقد نکاح ہے یہی تیسرا قول بظاہر زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو آخر میں ذکر کیا ہے لہٰذا نکاح کی صحت کیلئے عاقدین اور دونوں گواہوں کا یہ جاننا کم ازکم ضروری ہوگا کہ جو الفاظ کہے جارہے ہیں وہ بغرض نکاح ہیں اگرچہ وہ ان کے معانی سے بے خبر ہوں مثلاً وہ الفاظ انگریزی یا کسی دوسری زبان کے ہوں البتہ اگر عاقدین اور دونوں گواہوں میں سے کسی ایک شخص کو بھی یہ علم نہ ہو کہ ان الفاظ کو بغرض نکاح کہا جارہا ہے اور یہ مجلسِ نکاح ہے، تو نکاح نہ ہوگا۔

چنانچہ جب یہ معاملہ (کہ عورت یا گواہ الفاظِ نکاح کے معنی سے بے خبر ہوں) مجلس عقد نکاح میں پیش آیا ہو تو چونکہ اس صورت میں یہ تو پتہ ہوتا ہے کہ نکاح ہورہا ہے اگرچہ الفاظ کے معنی نہیں پتہ ہوتے لہٰذا یہ نکاح درست ہوجائے گا اور اکراہ کی صورت میں چونکہ مجلس عقد نہیں ہوتی۔ اس صورت میں عموماً یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ یہ الفاظ نکاح کیلئے بلوائے جارہے ہیں لہذا اس صورت میں نکاح نہ ہوگا ہاں اگر اکراہ کی صورت میں اتنا پتہ ہو کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ جس سے نکاح ہوجاتا ہے اگرچہ ان کے معانی پتہ نہ ہوں تو اس صورت میں بھی نکاح

ہوجائے گا، عام ہے کہ عورت کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہو کہ وہ معنی سے بے خبر ہو یا گواہوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

لما في البحر الرائق (۳/۴۵٦): واختلف أيضا في فهم الشاهدين كلامهما فجزم في التبيين بأنه لو عقد بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه في الجوهرة، وقال في الظهيرية والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح، واختاره في الخانية فكان هو المذهب فالحاصل أنه يشترط سماعهما معا مع الفهم على الأصح لكن في الخلاصة إذا تزوج امرأة بالعربية والزوج والمرأة يحسنان العربية والشهود لا يعرفون العربية اختلف المشايخ فيه والأصح أنه ينعقد اه فقد اختلف التصحيح في اشتراط الفهم وفي الخلاصة وغيرها ينعقد بحضرة السكارى إذا فهموا النكاح۔

وفي الشامية (۳/۲۲): قوله (فاهمين الخ) قال في البحر جزم في التبيين بأنه لو عقدا بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه في الجوهرة وقال في الظهيرية والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح واختاره في الخانية فكان هو المذهب لكن في الخلاصة لو يحسنان العربية فعقدا بها والشهود لا يعرفونها اختلف المشايخ فيه والأصح أنه ينعقد اه لقد اختلف التصحيح في اشتراط الفهم اه وحمل في النهر ما في الخلاصة على القول باشتراط الحضور بلا سماع ولا فهم أي وهو خلاف الأصح كما مروفق الرحمتي بحمل القول بالاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح ۔ الخ۔

(۹۱) گواہوں کے ایجاب وقبول کے الفاظ سمجھنے سے متعلق متضاد عبارات

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک دینی مدرسہ میں رابعہ کا طالب علم ہوں ایک فقہ کی کتاب کی شرح پڑھ رہا تھا اس میں ایک مسئلہ میرے سامنے آیا وہ یہ تھا کہ (نکاح کے) گواہ ایجاب وقبول کو اگر سن لیں یہ کافی ہے، سمجھنا ضروری ہے یا نہیں اس میں مختلف اقوال لکھے تھے میں نے دیگر عربی کتب دیکھیں تو سب کو ایسا پایا ایک ہی کتاب میں ایک قول سمجھنا ضروری ہونے کا ہے تو ایک غیر ضروری، کسی نے ایک قول کی تصحیح کی تو کسی نے دوسرے قول کی۔ پہلے تو میں بہت پریشان ہوا پھر میرے ذہن میں آیا کہ اس مسئلے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ مثلاً اگر لڑکا انگریزی میں قبول کرتا ہے اور گواہ نہیں سمجھ پاتے کہ کیا کہا مگر سن لیتے ہیں تو نکاح پر دونوں قول کے مطابق فرق پڑے گا اور یہ تو بڑا عجیب فرق ہوگا، جواز وعدم جواز کا۔ اس لئے میں مزید شش وپنج میں پڑ گیا اور میں نے آپ حضرات سے مسئلہ پوچھنے کا ارادہ کیا ازراہِ کرم مفتی بہ اور راجح قول کی تائید وتعیین کردیں اور تمام کتب کی عبارات کو یکجا جمع

ہے؟ نیز پاکستان اور ہندوستان کے علماء نے اپنے فتاویٰ میں اس پر بحث کی ہو تو اسے بھی تحریر کردیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

گواہوں کیلئے الفاظ نکاح سمجھنے سے متعلق تین طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں۔

(۱) سمجھنا شرط ہے اور اکثر شروحات میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۲) سمجھنا ضروری نہیں جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کو صحیح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) ان دونوں اقوال کے درمیان تطبیق وہ یہ کہ پہلا قول (جس میں گواہوں کیلئے الفاظ نکاح سمجھنے کی شرط ہے) کا مطلب یہ ہے کہ گواہوں کو اتنا ضرور پتہ ہو کہ یہ مجلس نکاح ہے اگرچہ ان الفاظ کے حقیقی معنی موضوع لہ کو نہ جانتے ہوں اور دوسرے قول (کہ جس میں گواہوں کیلئے ایجاب وقبول کے الفاظ سمجھنے کی شرط نہیں) کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ نکاح کا حقیقی معنی موضوع لہ سمجھنا ضروری نہیں تاکہ ان کو تو بس پتہ نہ ہو کہ یہ مجلس نکاح ہے، یعنی اتنا پتہ ہونا ضروری ہے کہ یہ عقد نکاح ہے۔

یہی تیسرا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے اور بظاہر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے اس لئے اس کو آخر میں ذکر کیا اور اسی قول پر امداد الفتاویٰ کتاب النکاح (۲/۲۳۶) اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند کتاب النکاح (۷/۸۶) میں فتویٰ دیا گیا ہے۔

ففي الهندية (۱/۲۶۸): وهل يشترط فهم الشاهدين العقد ذكر في الفتاوى أن المعتبر السماع دون الفهم حتى لو تزوج بشهادة الأعجميين جاز قال الظهير والظاهر أنه يشترط الفهم أيضا كذا في السراج الوهاج وهو الصحيح كذا في الجوهرة النيرة.

وفي الشامية (۳/۲۳): ووفق الرحمتي بحمل القول بالاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح.اهـ

(۹۲) گواہوں کا ایجاب وقبول سننا ضروری ہے یا سمجھنا بھی؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے جو پیدائش کے بعد سے انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ خاندان کے پٹھان ہیں جب اس کے نکاح کا وقت آیا تو جس لڑکی سے اس کا نکاح تھا اس نے پشتو میں ایجاب وقبول کیا اور اس لڑکے نے انگلش میں اور گواہ دونوں پٹھان تھے ان میں سے کوئی بھی میرے دوست کے نکاح میں قبول کرنے کو نہ سمجھا۔ بہرحال ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھا دیا اب آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ نکاح میں گواہوں کا ایجاب وقبول کا سننا کافی ہے یا سمجھنا بھی ضروری

ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح میں گواہوں کا ایجاب وقبول کو اکٹھے سننا ضروری ہے سمجھنا ضروری نہیں، البتہ گواہوں کو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ عقد نکاح ہے۔ اگر عقد نکاح کا ہی علم نہ ہو تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کا نکاح ہوگیا اس لئے کہ جب ایجاب پشتو میں ہوا تو گواہوں کو عقد نکاح کا علم ہوگیا اگرچہ الفاظ قبول کو وہ نہ سمجھ سکے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۱/۱۹): باب لانکاح الا بشھود: عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " لا نکاح إلا بولی وشاھدَی عدل"

وفی الھندیۃ (۱/۲۶۸): وإن سمعا کلام العاقدین ولم یعرفا تفسیرہ قیل بأنہ یصح والظاھر خلافہ وعن محمد رحمہ اللہ تعالی إذا تزوج امرأۃ بحضرۃ ترکیین أو ھندیین قال إن أمکنھما أن یعبرا ما سمعا جاز وإلا فلا کذا في فتاوی قاضي خان وھل یشترط فھم الشاھدین العقد ذکر في الفتاوی أن المعتبر السماع دون الفھم حتی لو تزوج بشھادۃ الأعجمیین جاز۔

وفی الشامیۃ (۳/۲۳): قولہ (فاھمین الخ) قال في البحر جزم في التبیین بأنہ لو عقدا بحضرۃ ھندیین لم یفھما کلامھما لم یجز وصححہ في الجوھرۃ وقال في الظھیریۃ والظاھر أنہ یشترط فھم أنہ نکاح واختارہ في الخانیۃ فکان ھو المذھب لکن في الخلاصۃ لو یحسنان العربیۃ فعقدا بھا والشھود لا یعرفونھا اختلف المشایخ فیہ والأصح أنہ ینعقد اھ لقد اختلف التصحیح في اشتراط الفھم اھ وحمل في النھر ما في الخلاصۃ علی القول باشتراط الحضور بلا سماع ولا فھم أي وھو خلاف الأصح کما مر ووفق الرحمتي بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فھم أنہ عقد نکاح والقول بعدمہ علی عدم اشتراط فھم معاني الألفاظ بعد فھم أن المراد عقد النکاح ۔الخ۔

(۹۳) ایک گواہ بہرہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی نکاح منعقد نہ ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ ایک آدمی نے نکاح کیا دو گواہوں کے سامنے ان میں سے ایک بہرہ ہے، سنتا نہیں آیا نکاح منعقد ہوا یا نہیں۔ اسی طرح ایک آدمی نے طلاق دی دو آدمیوں کے سامنے ایک ان میں سے بہرا ہے آیا یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

نکاح کے گواہوں کیلئے عاقدین کے کلام کا سننا ضروری ہے اس لئے دو گواہوں میں سے اگر ایک بہرا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہو اور اگر دو گواہ جس میں سے ایک بہرا ہے کے سامنے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ وقوع طلاق کیلئے گواہوں کی ضرورت نہیں۔صرف "أنت طالق" یا اس جیسے دوسرے الفاظ جو رفع پر دال ہوں ادا کرنے سے طلاق ہوجاتی ہے جبکہ نکاح میں شرعاً گواہوں کی موجودگی ضروری ہے ورنہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

لمافي بدائع الصنائع (٣/٢١٠): فصل وأما بيان ركن الطلاق فركن الطلاق هو اللفظ الذي جعل دلالة على معنى الطلاق لغة وهو التخلية والإرسال ورفع القيد في الصريح وقطع الوصلة ونحوه في الكناية أو شرعا وهو إزالة حل المحلية في النوعين أو ما يقوم مقام اللفظ أما اللفظ فمثل أن يقول في الكناية أنت بائن أو ابنتك أو يقول في الصريح أنت طالق۔

وفي البحرالرائق (٣/٨٨): وعامة المشايخ شرطوا السماع والقائل بعدمه القاضي الإمام علي السغدي اه وثمرة الاختلاف تظهر في النائمين والأصمين فعلى قول العامة لا ينعقد النكاح بحضورهما وعلى قول السغدي ينعقد وصحح قاضيخان في شرحه أنه لا ينعقد بحضرة الأصمين وجزم بأنه لا ينعقد بحضرة النائمين وجزم في فتاواه بأنه لا ينعقد بحضرة النائمين إذ لم يسمعا كلامهما فثبت بهذا أن الأصح ما عليه العامة كما صرح به في التجنيس إذا المقصود من الحضور السماع فقول الزيلعي ينعقد بحضرة النائمين على الأصح ولا ينعقد بحضرة الأصمين على المختار ضعيف بل لا فرق بينهما في عدم الانعقاد على الأصح لعدم السماع ولقد أنصف المحقق الكمال حيث قال ولقد أبعد عن الفقه وعن الحكمة الشرعية من جوزه بحضرة النائمين اه۔۔۔ فلو كان أحدهما أصم فسمع صاحب السمع ولم يسمع الأصم حتى صاح صاحبه في أذنه أو غيره لا يجوز النكاح حتى يكون السماع معا۔

وفي الهندية (١/٢٦٨): وتكلموا في الأصمين اللذين لا يسمعان والصحيح أنه لا ينعقد كذا في شرح الجامع الصغيرلقاضي خان ۔۔۔ ولو كان بحضرة الرجلين وأحدهما أصم فسمع السميع دون الأصم فصاح السميع أو رجل آخر في أذن الأصم لا يجوز حتى يكون سماعهما معا كذا في فتاوى قاضي خان۔

(۹۴) ایسی جگہ جہاں پر مسلمان گواہ میسر نہ ہوں، نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی زنا پر مجبور کرے اور یہ کہے کہ اگر تم اس عورت سے زنا نہیں کروگے تو تمہیں قتل کردوں گا وغیرہ، اس صورت میں زنا کرے یا جان دیدے؟ نیز اگر دو مسلمان لڑکا لڑکی کافروں کے علاقے میں ہوں یا وہاں گئے ہوں، پھر دونوں آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہوں تو کیا طریقہ ہوگا کیونکہ وہاں مسلمان گواہ تو نہیں ہیں اور نکاح کے بغیر تو زنا ہوجائے گا؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

۱۔ اس شخص کیلئے زنا کا ارتکاب جائز نہیں کیونکہ زنا کی حرمت ان حرمات کی قبیل سے ہے جو کسی صورت میں ساقط وقابل رخصت نہیں ہوسکتی۔

۲۔ نکاح کے انعقاد کیلئے مسلمان گواہوں کی موجودگی شرط ہے پس صورت مسئولہ میں ممکنہ طور پر دو صورتیں بن سکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے نکاح میں کافر گواہ نہیں بن سکتا، لہٰذا کسی ایسی جگہ جہاں مسلمان رہتے ہوں وہاں جاکر گواہوں کی موجودگی میں عقد نکاح کریں۔ **دوسری صورت** یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک خط اپنے احباب کے پاس بھیج دیں، جس میں انہوں نے اپنے نکاح کا کسی کو وکیل بنایا ہو، وہ دو گواہوں کے سامنے پڑھ کہ سنایا جائے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لما في القرآن الكريم (بنی اسرائیل:۳۲): وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاۤءَ سَبِيْلًا

وفی الدر المختار(۱۳۷/۶): (ولو أكره على الزنا لا يرخص له) لأن فيه قتل النفس بضياعها لكنه لا يحد استحسانا بل يغرم المهر ولو طائعة لأنهما لا يسقطان جميعا۔

وفی الرد تحته: قوله (ولو أكره) أي بملجیء ويدل عليه ما يجيء قوله (بضياعها) لأن ولد الزنا هالك حكما لعدم من يربيه فلا يستباح بضرورة ما كالقتل ، درر --- قوله (فترخص بالملجیء) في باب الإكراه من النتف لو أكره على الزنا واللواطة لا يسعه وإن قتل اھ۔

وفيه أيضا (۱۲/۳): وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح۔

رسالة

التقاطع فی شهادة الفاسق والتسامع

فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے جبکہ قضاءً فاسق کی شہادت قبول نہیں۔

فاسق کی شہادت سے قضاءً نکاح ثابت نہیں ہوتا۔

اس ذیل کی دیگر ابحاث اور بعض شبہات کا ازالہ نیز شہادت بالتسامع کا بیان

(۵۵) فاسق کی شہادت سے نکاح کا حکم

سوال

سنا ہے کہ فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے لیکن اظہار کے وقت فاسق شہادت ادا نہیں کرسکتا۔ یعنی نکاح کے دو حکم ہیں: (۱) حکم انعقاد (۲) حکم اظہار جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ جو قضاء میں عورت اگر نکاح کی منکر ہوجاتی ہے تو اس وقت شوہر اس نکاح کو فاسق کی شہادت سے ثابت نہ کرپائے گا۔ اظہار کے حکم کا یہ مطلب ہے یا یہ کہ عورت عدالت میں جاکر یہ کہہ دے کہ میرا نکاح ان فاسقوں کی گواہی میں ہوا ہے مجھے تفریق چاہئے۔ اس پر قاضی کہے گا کہ قضاءً تو اس سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا لہذا اب تفریق کی ضرورت نہیں۔
فاسق کی شہادت سے متعلق شوافع کا مذہب کیا ہے؟ قضاءً قبول ہے یا نہیں؟ نیز تسامع سے قضاءً نکاح کا اثبات ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے لیکن بوقت اظہار فاسق نکاح کے اثبات پر گواہی نہیں دے سکتا۔ یعنی اگر مرد یا عورت میں سے کوئی ایک نکاح کا انکار کردے تو دوسرا ان فاسق گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہیں کرسکتا۔ دراصل فاسق کی شہادت

کو قبول ہی نہیں کرنا چاہیئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ان کے نزدیک فاسق مردود الشہادۃ ہے، گواہی کا تحمل کرسکتا ہے اور نہ اداء۔

سادات حنفیہ رحمہم اللہ نے اداء شہادت کے معاملے میں تو فاسق کو مردود قرار دیا ہے، لیکن نکاح کے معاملے میں اسے تحمل کا اہل قرار دیا ہے۔یعنی دو فاسق آدمیوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہوجائیگا۔ یہ اس لئے کیونکہ نکاح میں گواہوں کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کسی کی جانب سے نکاح کے انکار کے وقت گواہی دیں اور اسے قبول کیا جائے۔ بلکہ نکاح میں تو گواہی کا مقصد تہمت زنا کا رفع ہے اور وہ دو فاسقوں کی موجودگی سے بھی حاصل ہوجاتا ہے اس لئے حنفیہ نے نکاح کے انعقاد کے سلسلے میں دو فاسقوں کی گواہی کو بھی معتبر قرار دیا ہے نیز ہر جگہ عادل گواہوں کا موجود ہونا مشکل ہے اور دیگر مجبوریاں بھی ہوسکتی ہیں لہذا فاسق کی گواہی سے نکاح کے کلیۃً عدم انعقاد کا حکم لگانا مشکلات کا سبب بنے گا البتہ انکار کے وقت دوسرا فریق ان فاسق گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہ کر سکے گا۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر ایسے گواہوں کا کیا فائدہ، جو انکار کے وقت عدالت میں کام ہی نہ آسکیں!!!۔اس اشکال کا جواب واضح ہے۔اولاً تو نکاح میں عادل گواہ بنائے جائیں تاکہ کسی پیچیدگی کا سامنا ہی نہ ہو۔عادل گواہ تحملاً اور اداءً دونوں وقت کام آئیں گے۔ثانیاً یہ نادر صورت ہے کہ ایک عرصہ میاں بیوی ساتھ رہیں اور پھر کوئی ایک نکاح کا انکار کردے۔عموماً ایسا نہیں ہوتا۔اگر ہو بھی جائے تو آج کل جدید ذرائع استعمال کر کے بھی عدالت ان دونوں کا میاں بیوی ہونا معلوم کر سکتی ہے یا علاقے والے بتا سکتے ہیں کہ اصل ماجرا کیا ہے۔ثالثاً یہ کہ ان فاسق گواہوں سے اگرچہ اثبات نکاح نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ ضرورت تسامع کے گواہوں کے ذریعے پوری ہوسکتی ہے۔تسامع کے گواہ کا یہ مطلب ہے کہ گواہ ایک ایسے جم غفیر سے سن کر گواہی دے، جن کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو یا دو عادل آدمیوں سے سن کر گواہی دے تو ایسے گواہوں کی گواہی سے بھی دوسرا فریق نکاح کا اثبات کرسکتا ہے لہذا فاسق گواہ اگرچہ قضاء کام نہ آئیں، لیکن تسامع کے گواہ نکاح ثابت کر سکتے ہیں۔اس جواب کو البحر الرائق میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"إن الإشهاد فی النکاح لدفع تهمة الزنا لا لصيانة العقد عند الجحود والإنكار والتهمة تندفع بالحضور من غير قبول على أن معنى الصيانة تحصل بسبب حضورهما وإن كان لا تقبل شهادتهما لأن النكاح يظهر ويشتهر بحضورهما فإذا ظهر واشتهر تقبل الشهادة فيه بالتسامع فتحصل الصيانة"۔ (البحر الرائق ۳/۱۵۸)

لہذا صورت مسئولہ میں آپ کے تینوں سوالوں کے بالترتیب جواب یہ ہیں:

(۱) فاسق کی شہادت تحملاً معتبر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی موجودگی سے نکاح منعقد ہوجائیگا۔قضاء اظہار کے وقت معتبر نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بوقت انکار دوسرا فریق ان گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہ کر سکے گا۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسق دیانۃً (یعنی تحملاً) اور قضاء دونوں اعتبار سے مردود الشہادۃ ہے۔

(۳) تسامع کے گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات ہوسکتا ہے۔ بوقت انکار فاسق گواہوں کی گواہی اگرچہ قبول نہ ہو، لیکن

تسامع کے گواہ کام آسکتے ہیں بشرطیکہ اس نے ایسے جم غفیر سے سنا ہو جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو یا دو عادل آدمیوں سے نکاح سے متعلق سن کر گواہی دے۔

لمافی البحر الرا ئق(۱۶۶/۷) :وذكر الشارح أنه إذا رأى رجلا يدخل على امرأته وينبسطان انبساط الأزواج وسمع من الناس أنها زوجته جاز له أن يشهد به وإن لم يعاين النكاح۔

وفی الدر المختار(۴۷۰/۵): (ولا) يشهد أحد (بما لم يعاينه) بالإجماع (إلا في) عشرة على ما في شرح الوهبانية منها العتق والولاء عند الثاني والمهر على الأصح بزازية و (النسب والموت والنكاح والدخول) بزوجته ـــ (فله الشهادة بذلك إذا أخبره بها) بهذه الأشياء (من يثق) الشاهد (به) من خبر جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب بلا شرط عدالة أو شهادة عدلين إلا في الموت فيكفي العدل ولو أنثى وهو المختار ملتقى وفتح۔

(۹۶) تحریراً نکاح میں لڑکی کے پاس دوگواہ ہوں تو نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی اس طرح ہوئی کہ میں اپنے گاؤں میں تھی اور وہ لڑکا (جواب میرا شوہر ہے) کراچی میں مقیم تھا ہم آپس میں مل نہیں سکتے تھے، چنانچہ میرے شوہر نے مجھے لکھا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں بعوض بتیس ہزار روپے مہر کے اگر قبول ہو تو فارم پر دستخط کردیں۔ اس فارم پر میرے شوہر کے دستخط اور دو گواہوں کے دستخط تھے، ادھر میں نے بھی اسی فارم پر دستخط کئے۔ میری دو سہیلیوں اور ایک لڑکے کو (جو میری سہیلی کا بھائی تھا) گواہ بنایا اور ان سے بھی دستخط لئے۔ بعد میں میرے شوہر آئے اور ہم چپ چاپ کراچی آگئے۔ اب جبکہ ہماری اولاد بھی ہوگئی ہے میرے والدین کہتے ہیں کہ تمہارا نکاح غلط تھا یہ بتایئے کہ جن حالات میں، میں تھی اور جیسے ہم نے دور دو الگ مقامات پر رہ کر نکاح کیا ہے، دل سے ہم نے قبول کیا تو کیا یہ نکاح صحیح نہ تھا؟ بعد میں بہرحال ہم نے یہ بھی کرلیا کہ سول کورٹ گئے اور وہاں قاعدے کے مطابق سب کچھ کرلیا مگر کیا اس سے پہلے ہم میاں بیوی "حرام" کے مرتکب ہوئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

تحریراً نکاح میں جب لڑکا ایجاب کا خط ارسال کرے اور لڑکی شرعی گواہوں کے سامنے لڑکے کے ایجاب کی خبر دے کر قبول کرلے تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجاتا ہے بشرطیکہ لڑکی کا ولی راجی ہو اور اگر ولی راضی نہ ہو تو لڑکے کا کفوء [یعنی دینداری، مال اور پیشہ وغیرہ میں لڑکے کا زیادہ] ہونا ضروری ہے، اگر لڑکا کفوء ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر بھی یہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا آپ کا کفوء ہے اور اس کے خط کے ذریعے بھیجے گئے ایجاب کی گواہوں کو خبر دے کر ان کے سامنے قبول کیا گیا ہو تو یہ نکاح شرعاً منعقد اور صحیح ہے اس پر اعتراض کا حق کسی کو نہیں اور اگر لڑکا کفوء نہیں تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا تھا۔

لمافی حاشیة تبیین الحقائق للشلبی (۲/۴۵۵): وعن اشتراط السماع ما قدمنا فی التزوج بالكتاب بأنه لا بد من سماع الشهود مافی الكتاب المشتمل علی الخطبة بأن تقرأ المرأة علیهم أو سماعهم العبارة عنه بأن تقول ان فلاناً كتب الی یخطبنی ثم تشهد أنها زوجته نفسها الخ۔

وفی الهندية (۱/۲۶۹): ولو قالت إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه صح النكاح لأن الشهود سمعوا كلامهما بإيجاب العقد وسمعوا كلام الخاطب بإسماعها إياهم هكذا في الذخيرة۔

وفی الدر المختار (۳/۵۷): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى۔

وفی الشامية(١٢/٢): وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه۔

(۹۷) مجلس عقد میں شادی کے گواہوں کی حاضری ضروری ہے یا وکیل کے گواہوں کی؟

سؤال

حکومتِ پاکستان کی طرف سے نکاح کیلئے نکاح فارم ملتا ہے جس کو پُر کر کے نکاح کی کارروائی مکمل کی جاتی ہے۔ نکاح فارم میں گواہوں سے متعلق دو خانے ہوتے ہیں۔

(۱) "دلہن کے وکیل کے گواہ"۔

(۲) "شادی کے گواہ"۔

ہمارے محلے میں اس فارم کو پُر کرنے کی کارروائی کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ نکاح کی تاریخ آنے سے دو یا تین دن پہلے لڑکی کی طرف سے مقررہ کردہ وکیل لڑکی کے پاس جا کر لڑکی سے نکاح کی اجازت اور اپنے وکیل بننے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اس موقع پر جو دو گواہ موجود ہوتے ہیں ان کے نام نکاح فارم کے "دلہن کے وکیل کے گواہ" والے خانے میں درج کر دیئے جاتے ہیں اور شادی کے گواہ جو ہوتے ہیں ان کے نام "شادی کے گواہ" والے خانے میں درج کئے جاتے ہیں۔ عام طور پر وکیل کے گواہ اور شادی کے گواہ مختلف ہوتے ہیں۔ سؤال یہ ہے کہ جب نکاح کی مجلس منعقد ہوتی ہے خواہ مسجد میں ہو یا شادی ہال میں "نکاح خواں" (نکاح پڑھانے والے) ایجاب وقبول کے وقت کن گواہوں کا ذکر کرے گا آیا وکیل کے گواہ کا یا شادی کے گواہوں کا؟ نیز مجلس عقد میں کن گواہوں کی حاضری ضروری ہے؟ وکیل کے گواہوں کی یا شادی کے گواہوں کی یا دونوں قسم کے گواہوں کی؟ ازراہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ نکاح شرعاً درست اور صحیح ہونے کیلئے عقد نکاح کے وقت دو عاقل بالغ مسلمان گواہوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے، خواہ وہ دلہن کے وکیل کے گواہ ہوں یا کوئی اور دو آدمی گواہ بن جائیں لہٰذا صورت مسئولہ میں وکیل کے گواہ اور شادی کے گواہ دونوں کی حاضری ضروری نہیں، بلکہ ان میں سے کوئی سے بھی دو گواہوں کی مجلس عقد نکاح میں موجودگی کی صورت میں نکاح خواں نے نکاح پڑھا دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا باقی نکاح خواں کا ایجاب کے وقت گواہوں کا نام ذکر کرنا شرعاً ضروری نہیں۔

لما فی جامع الترمذی (٢١٠/١): عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم

قال: البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة --- والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم من التابعين وغيرهم قالوا لا نكاح إلا بشهود --- فقال أكثر أهل العلم من أهل الكوفة وغيرهم لا يجوز النكاح حتى يشهد الشاهدان معا عند عقدة النكاح۔

وفي الشامية (۲۱/۳): قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر وإنما فائدتها الإثبات عند جحود التوكيل وفي البحر قيدنا الإشهاد بأنه خاص بالنكاح لقول الإسبيجابي وأما سائر العقود فتنفذ بغير شهود ولكن الإشهاد عليه مستحب للآية اھ وفي الواقعات أنه واجب في المداينات۔

وفيه أيضاً(۹۵/۳): واعلم أنه لا تشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل على عقد الوكيل وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها فتح۔

(۹۸) تین مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں ہونے والے نکاح کو نہ ماننے والوں کا حکم

سؤال

میں محمد اسلم نے اپنے اور لڑکی کے گھر والوں سے چھپ کر نکاح کیا اور نکاح میں تین مرد اور ایک عورت نے گواہی دی۔ گواہی دینے والوں میں کوئی بھی میرا یا لڑکی کا رشتے دار نہ تھا بلکہ وہ میرے دوست اور ایک دوست کی بیوی تھی۔ نکاح کے بعد میں نے اپنی بیوی کو اسی کے گھر چھوڑ دیا اور اس بات کو دونوں طرف کے والدین سے چھپایا گیا۔ تقریباً ایک ماہ کے بعد میں اپنے طور پر لڑکی کو لڑکی کی اجازت سے اپنے ساتھ لے گیا اور ہم دونوں میاں بیوی تقریباً ایک ہفتے تک ساتھ رہے۔ اس دوران دونوں طرف کے گھر والوں کو پتہ چل گیا اور ان کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ ہمیں مجبوری میں الگ الگ گھر جانا پڑا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد لڑکی کے ماں اور باپ نے بغیر کسی لڑائی اور زبردستی کے خود لڑکی کی رخصتی کردی۔ اب ہمارے چار بچے ہیں لیکن لڑکی کے بعض عزیز و اقارب اور رشتے دار اس نکاح کو نہیں مانتے اور اپنے طور پر فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ نکاح نہیں گناہ ہے۔ برائے مہربانی مجھے اس کا فتویٰ مفصل اور جلد از جلد ارسال کردیں۔ جناب کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں نکاح کے معتبر ہونے کیلئے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے اس کے بغیر تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا البتہ شریعت کی نظر میں مستحسن اور محمود امر یہ ہے کہ نکاح مجمع عام مسجد وغیرہ میں ہوتا کہ تشہیر بھی ہوجائے اور دوسرے مصالح کا

صورتِ مسئولہ میں جب لڑکا لڑکی [illegible] صورتِ مسئولہ میں اگر یہ نکاح تحریراً ہوا تھا [illegible] سال اور پیشتر تحریر میں [illegible] ہوا تھا [illegible] کے سامنے [illegible] یہ نکاح منعقد ہو جائے گا [illegible] اقارب کو اس نکاح کا علم تھا اور اگر نکاح [illegible] یہ نکاح نہیں بلکہ [illegible] ضروری ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ): وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ..... الآية.

وفی الدر المختار (۳/۲۱): (وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر) لیتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدین الخ.

وفی الشامیۃ: قوله (وشرط حضور شاهدین) أی یشهدان علی العقد أما الشهادۃ علی التوکیل بالنکاح فلیست بشرط لصحته.

وفی الدر المختار (۳/۱۵): (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوی.

لڑکی لڑکے کا گواہوں کی موجودگی میں از خود ایجاب وقبول کرنا اور بعض جزئیات کا حکم

سوال

محترم جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ کے متعلق استفسار کرنا ہے:

(الف) میں ایک لڑکے سے محبت کرتی ہوں میری عمر تقریباً بائیس سال (۲۲) ہے لڑکے کی عمر بھی تقریباً تئیس (۲۳) سال ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے لڑکے سے کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیج کر رشتہ کی بات کریں۔ لڑکے نے اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیجا جب رشتہ کی بات ہوئی تو میرے گھر والوں نے کہا کہ آپ کے لڑکے میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن ہم غیروں میں رشتے نہیں کرتے، وہ لوگ اپنے گھر آ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں لڑکے والوں کے گھر گئی اور کہا کہ میں اس کو اپنا شوہر مانتی ہوں، تین عاقل بالغ مسلمان موجود تھے اور ایک عاقل مرد کے سامنے لڑکے نے کہا کہ میں اس کو اپنی بیوی تسلیم کرتا ہوں۔

کچھ عرصہ کے بعد میں نے ایک تحریر بھیجی جس میں لکھا تھا کہ اگر کسی نے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ کہا کہ یہ میرا شوہر ہے یا یہ کہ میں نے قبول کر لیا تو نکاح ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنے دو بالغ عاقل بھائی اور دادا اور ماں کے سامنے کہا کہ یہ میرا شوہر ہے تو اس پر میرے گھر والوں نے تشدد کیا اور کہا کہ جانا چاہتی ہو جاؤ ہم آپ کو نہیں روکیں گے۔ کچھ عرصہ کے بعد [illegible] اور ہم نے [illegible] کی۔ ایک دن میں نے والد صاحب کو کہا کہ میری شادی اس لڑکے سے کر دیں تو میرے

والد نے مجھ پر تشدد کیا، میرے دادا نے کہا کہ آپ اپنے باپ کے سامنے کہو کہ وہ لڑکا میرا شوہر ہے تو میں نے اپنے گھر والوں اور دادا کے سامنے کہا کہ ہاں وہ میرا شوہر ہے اور میں نے کہا کہ ابو قرآن کا واسطہ ہے آپ کو میری شادی اس لڑکے سے کر دیں تو میرے باپ نے مجھ پر بہت تشدد کیا۔

میں نے ان کو جب یہ کہا کہ مولانا حکیم الامت تھانوی صاحب کی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں مانتا اس مولانا کو اور قرآن کو اور پھر کہا کہ اگر ایسے نکاح ہو جاتا ہے تو پھر قاضی کیوں بیٹھے ہیں؟ میری والدہ نے کہا کہ اگر ایسے نکاح ہو سکتا ہے تو طلاق بھی ہو سکتی ہے میں نے کہا کہ وہ مجھے طلاق نہیں دیں گے، میری والدہ نے کہا کہ اگر وہ تمہارا شوہر ہے تو پھر حق مہر کہاں ہے میں نے کہا کہ وہ میں نے لڑکے کو معاف کیا۔ اس پر میرے والد نے کہا کہ یہ جانا چاہتی ہے تو جانے دو "اس کو جوتا اور برقعہ نہیں"۔ بعد میں میں اس کو، لڑکے کو، لڑکے کے گھر والوں کو قتل کر دوں گا اور خود جیل چلا جاؤں گا۔

اس کے بعد میرے باپ نے میرے تایا اور خالو کو بلایا اور سارا قصہ بتایا تو اس پر میرے تایا اور خالو نے تشدد کیا اور کہا کہ ہم آپ کی شادی کر دیں گے لیکن ایک شرط پر، وہ یہ کہ اگر یہ شہر چھوڑ دو۔ میں نے کہا آپ بات کریں ان شاء اللہ چھوڑ دیں گے، لیکن انہوں نے ان سے بات نہ کی۔ پھر مجھے کہا کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے نواب شاہ چلی جاؤ، پھر جہاں آپ کہو گی آپ کی شادی کر دیں گے۔ میں چلی گئی، چار دن کے بعد مجھے واپس لے آئے لیکن میری شادی نہیں کی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

(ب) ۱۔ کیا لڑکی والدین کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ کیا لڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں کسی مرد کو اپنا شوہر تسلیم کر سکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ کیا وہ لڑکی اپنے شوہر کو حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

۴۔ کیا لڑکی کے حق مہر معاف کرنے کی صورت میں لڑکی کے والدین حق مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا لڑکی سے طلب کریں یا لڑکے سے؟

۵۔ لڑکی اور لڑکے نے جو ہمبستری کی ہے جائز ہے یا ناجائز؟

۶۔ لڑکی نے اپنے والدین کے سامنے لڑکے کو شوہر تسلیم کیا ہے اور لڑکے نے بھی، کیا یہ دونوں آپس میں میاں بیوی ہوں گے یا نہیں؟

۷۔ لڑکی کے والد کا لڑکی کو قتل کرنا یا تشدد کرنا اور تایا، خالو کا تشدد کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۸۔ کیا لڑکی لڑکے کا قاضی کے سامنے کیا گیا ایجاب وقبول نکاح شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے بارے میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ یہ زندگی کا انتہائی نازک معاملہ ہے اس میں قدم بہت سوچ سمجھ کر رکھنا ضروری

ہے۔اس میں تمام متعلقہ فریقوں کی رضا شامل ہوتا کہ بعد میں کوئی لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہو، اسی لئے احادیث میں ایک طرف تو ولی کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کرتے وقت اس کی مرضی کو پیش نظر رکھے اس کی مرضی و منشا کے بغیر نکاح نہ کرے، دوسری طرف لڑکی کو یہ کہا گیا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس کو ولی نامناسب سمجھتا ہو۔ولی کی رائے کا لحاظ رکھنا چاہیئے کیونکہ اس کی رائے عورت کی رائے سے وزنی ہے دونوں کی رضا جمع ہونے سے بہت سارے فتنوں کا سد باب ہوجاتا ہے لہذا اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ لڑکی اپنے نکاح کے معاملہ کو ولی کے سپرد کردے، علاوہ ازیں لڑکی خود ایجاب وقبول کرے تو اس میں بے حجابی اور بے باکی بھی ہے، بہرحال چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) اگر لڑکی شرعی طریقے سے بذات خود ایجاب وقبول کر کے نکاح کرے تو باوجود ولی یا دوسرے رشتہ دار کی عدم موجودگی میں وہ نکاح شرعاً صحیح ہوجاتا ہے جبکہ نکاح کفو میں ہو، اور دو گواہوں کی موجودگی میں کیا جائے۔

(۲) لڑکی اگر دو گواہوں کی موجودگی میں یہ کہے کہ میں اس کو اپنا شوہر مانتی ہوں اور لڑکا یہ کہے کہ میں اس کو اپنی بیوی تسلیم کرتا ہوں تو اس سے نکاح منعقد ہوگا۔

(۳،۴) لڑکی اپنے شوہر کو حق مہر معاف کرسکتی ہے اور معاف کرنے کی صورت میں والدین کو مطالبے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(۵) صورت مسئولہ میں چونکہ مذکورہ الفاظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے (بشرطیکہ شرعی گواہ موجود ہوں اور کفو میں نکاح کیا ہو) لہٰذا اس کے بعد کی گئی ہمبستری جائز ہوگی۔

(۷) لڑکی کے والد کا لڑکی کو قتل کرنا یا اس پر تشدد کرنا اور اسی طرح تایا، خالو وغیرہ کا تشدد کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸) قاضی کے ہونے یا نہ ہونے سے نکاح کے انعقاد پر اثر نہیں پڑتا بلکہ نکاح کے منعقد ہونے کیلئے گواہوں (دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں) کی موجودگی میں ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے۔

لما فی صحیح البخاری (۱۰۱۶/۲):عن عبد الله ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا يحل دم امرئ مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمفارق لدينه التارك للجماعة "۔

وفی الصحیح لمسلم (۴۵۵/۱):عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم قال:الأیم أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها وإذنها صماتها۔

وفی مشکوۃ المصابیح(ص۲۷۰):وعن عائشة رضی الله عنهاأن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: " أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له "۔

وفی مرقاۃ المفاتیح (۲۷۱/۶):فنکاحها باطل فهو معارض لحدیث الایم أحق بنفسها من ولیها

فخص بمن نكحت غير الكفؤ-

وفی الدر المختار (٣/٥٧): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى-

وفی الشامية تحته: قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل ولو أحسن الولي وعدل القاضي فقد يترك أنفة للتردد على أبواب الحكام واستثقالا لنفس الخصومات فيتقرر الضرر فكان منعه دفعا له فتح-

(۱۰۰) ایک شخص کا لڑکی کے والدین کو گواہ بنا کر نکاح کرنا کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مولوی صاحب ایک لڑکی کا نکاح اپنے ساتھ اس کے والدین کے سامنے [یعنی والدین کو گواہ بنا کر] ایجاب وقبول کرتے ہیں، کیا اس صورت میں ان کا نکاح ہو جائے گا؟ دلائل سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت نکاح کیلئے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں بطورِ گواہ موجود ہونا ضروری ہیں جبکہ مذکورہ مسئلہ میں صرف ایک مرد اور ایک عورت ہے لہٰذا نکاح صحیح نہیں ہوا۔

لما في مشكوٰة المصابيح (ص٢٧١): وعن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة"-

وفی الهندية (١/٢٦٧): ومنها الشهادة قال عامة العلماء إنها شرط جواز النكاح هكذا في البدائع وشرط في الشاهد أربعة أمور الحرية والعقل والبلوغ والإسلام فلا ينعقد بحضرة العبيد --- ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد هكذا في البدائع ولا يشترط وصف الذكورة حتى ينعقد بحضور رجل وامرأتين كذا في الهداية ولا ينعقد بشهادة المرأتين-

وفی الدر المختار (٣/٢١): (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح-

(١٠١) بغیر زبان سے کچھ بولے صرف دستخط کردینے سے نکاح کا حکم

سؤال

اگر نکاح خواں نے لڑکی اور لڑکے کے سامنے عربی میں کچھ عبارت پڑھی اور لڑکی، لڑکے سے صرف دستخط کرائے ہوں، زبان سے کچھ نہ کہلوایا ہو تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ واضح رہے کہ دلی طور پر لڑکا، لڑکی نکاح کرنے پر راضی بھی ہیں۔ براہ کرم مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عقد نکاح میں ایجاب وقبول رکن ہے اور گواہوں کا عقد نکاح کرنے والوں کے کلام کو سننا شرط ہے اس کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر ایک گواہ عقد کرنے والوں میں سے ایک کے ایجاب کو سن لے اور دوسرا گواہ دوسرے عاقد کے قبول کو سن لے تو بھی نکاح درست نہیں ہوتا، اسی طرح عاقدین کیلئے بھی ایک دوسرے کے کلام کو سننا شرط ہے، چنانچہ ایجاب وقبول دونوں کتابت کے ذریعے ہوں تو نکاح درست نہیں ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر نکاح خواں نے لڑکے اور لڑکی سے صرف دستخط کرائے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہلوایا ہے تو [اگرچہ یہ دونوں دل میں راضی ہیں] لیکن شرط اور رکن کے فوت ہونے کے بناء پر مذکورہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔

لما في الهندية (١/٢٧٠): ولا ينعقد بالكتابة من الحاضرين فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد هكذا في النهر الفائق۔

وفي الدر المختار (٣/١٢): (فلا ينعقد) بقبول بالفعل كقبض مهر ولا بتعاط ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب۔

وفي الشامية تحته: مطلب التزوج بإرسال كتاب قوله (ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر والأظهر أن يقول فقالت قبلت الخ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبة تأمل۔

وفي الفقه الاسلامي وادلته (٩/٦٥٣١): إن كان العاقدان حاضرين معاً في مجلس العقد وكانا قادرين على النطق فلا يصح بالاتفاق الزواج بينهما بالكتابة أو الإشارة۔

(۱۰۲) کیا لڑکی سے اجازت لیتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کے صحیح ہونے کیلئے جن دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ مجلس نکاح کے ساتھ خاص ہے، یا لڑکی سے اجازت لیتے وقت بھی ان دو گواہوں کا، یا ان کے علاوہ دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری اور شرط ہے؟ نیز نکاح میں خواتین گواہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دو گواہوں کا عقد نکاح (ایجاب وقبول) کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔

لڑکی سے اجازت لیتے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری یا شرط نہیں نیز نکاح میں صرف خواتین گواہ نہیں بن سکتیں، گواہ ل دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۸۲): وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى.....الآية۔

وفی الشامية(۳/۲۱،۲۲): قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته۔

وفيه أيضا(۳/۲۲):قوله (أو حر وحرتين) كذا في الكنز وقد نسيه المصنف فذكره الشارح لدفع إيهام اختصاص الذكورة في شهادة النكاح كما نبه عليه الخير الرملي۔

(۱۰۳) بغیر گواہوں کے نکاح باطل ہے یا فاسد؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہوتا ہے یا باطل؟ اگر کوئی عورت بغیر گواہوں کے نکاح کرے اور بعد میں یہ سمجھ لے کہ گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا وہ اس شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسرے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں عورت کو دوسرے مرد سے نکاح کرنے درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ شوہر عورت کو قولا ایسے الفاظ کہے جو متارکت [چھوڑنے] پر دلالت کرتے ہوں جیسے میں نے تجھے چھوڑا، یا میں نے ا... چھوڑ دیا، یا میں نے تمہارا راستہ خالی کر دیا وغیرہ، یا مرد اور عورت میں سے کوئی بھی اس نکاح کو فسخ کردے جیسے میں یہ نکاح فسخ کر... ہوں یا کرتی ہوں وغیرہ، یا قاضی، شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کردے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر نکاح فاسد کے بعد وطی ہوچکی ہو تو جب میاں بیوی کے درمیان تفریق واقع ہو (چاہے قاضی کرے یا شوہر خود چھوڑ دے یا فسخ واقع ہوجائے) اس دن سے عورت عدت گزارے گی عدت کے اختتام کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے البتہ اگر نکاح فاسد میں وطی نہیں ہوئی تو پھر کوئی عدت نہیں، تفریق کے فوراً بعد دوسری جگہ نکاح کیا جاسکتا ہے۔

لما فی الھندیة(۳۳۰/۱): الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: إذا وقع النكاح فاسدا فرق القاضي بين الزوج والمرأة فإن لم يكن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها۔۔۔ وتجب العدة ويعتبر الجماع في القبل حتى يصير مستوفيا للمعقود عليه ۔۔۔ والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة أما لو أنكر وقال أيضا اذهبي وتزوجي كان متاركة لكن لا ينتقص من عدد الطلاق وبعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول لا تحصل المتاركة وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا تتحقق إلا بالقول ولكل فسخه بغير محضر صاحبه وبعده لا إلا بمحضر صاحبه كذا في الوجيز للكردري وعلم غير المتارك شرط لصحة المتاركة هو الصحيح حتى لو لم يعلمها لا تنقضي عدتها كذا في القنية والصحيح أن علمها بالمتاركة لا يشترط في الطلاق وعدة الوفاة لا تجب في النكاح الفاسد۔

وفی الدر المختار(۱۳۱/۳): (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود (بالوطء) في القبل۔۔۔ (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أو لا) في الأصح خروجا عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج۔

وفی الشامية (۱۳۲/۳): قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا

تکون إلا بالقول کخلیت سبیلك أو ترکتك ومجرد إنکار النکاح لا یکون متارکة۔

(۱۰۴)عورت کا پردے کے پیچھے سے نکاح قبول کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرد وعورت نکاح کرنا چاہتے تھے لہٰذا مرد اپنے دو گواہ لایا اور ایجاب وقبول کیا۔اس کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ مرد اور دونوں گواہ پردہ کے پیچھے کھڑے ہوئے مرد نے ایجاب اور عورت نے پردہ کے پیچھے سے قبول کیا گواہوں نے عورت کی صرف آواز سنی ہے اس کو پہچانتے نہیں ہیں تو اس صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر عورت گواہوں کے سامنے برقعہ پہن کر موجود ہے تو اس صورت میں صرف اس عورت کی طرف اشارہ کافی ہوجائے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ عورت کے چہرہ سے نقاب ہٹا دیا جائے تا کہ گواہوں کو پہچان ہوجائے البتہ اگر عورت پردے کے پیچھے ہے تو دیکھا جائے گا کہ عورت اکیلی ہے یا اس کے ساتھ دوسری عورت بھی ہے اگر تنہا عورت ہے تو اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا اور اگر دوسری عورت اس کے ساتھ موجود ہے تو نکاح درست نہیں ہوگا جب تک منکوحہ گواہوں کے سامنے آجائے تا کہ گواہ منکوحہ کو پہچان لیں۔

لما فی الهندیة (۲۶۸/۱): وفي فتاوی أبي اللیث رجل قال لقوم اشهدوا أني تزوجت هذه المرأة التي في هذا البیت فقالت المرأة قبلت فسمع الشهود مقالتها ولم یروا شخصها فإن کانت في البیت وحدها جاز النکاح وإن کانت في البیت معها أخری لا یجوز۔

وفی الشامیة (۲۱/۳): تنبیه أشار بقوله فیما مر ولا المنکوحة مجهولة إلی ما ذکره في البحر هنا بقوله ولا بد من تمییز المنکوحة عند الشاهدین لتنتفي الجهالة فإن کانت حاضرة منتقبة کفی الإشارة إلیها والاحتیاط کشف وجهها فإن لم یروا شخصها وسمعوا کلامها من البیت إن کانت وحدها فیه جاز ولو معها أخری فلا لعدم زوال الجهالة وکذا إذا وکلت بالتزویج فهو علی هذا اهـ۔والحاصل أن الغائبة لا بد من ذکر اسمها واسم أبیها وجدها وإن کانت معروفة عند الشهود علی قول ابن الفضل وعلی قول غیره یکفي ذکر اسمها إن کانت معروفة عندهم وإلا فلا۔

رسالة

الخنثى وأحكامه للشهادة فی الشريعة الإسلامية

نکاح میں خنثیٰ کی گواہی اور دیگر تفصیلات کا بیان

(۱۰۷) خنثیٰ کے گواہ یا قاضی بننے کے احکام

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں جامعہ عربیہ کا فاضل ہوں اور آج کل ایک مدرسے میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔ میرے ذہن میں ایک اشکال تھا آپ حضرات سے دریافت کر رہا ہوں۔ اشکال یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت گواہ ہجڑے ہوں یا قاضی ہجڑا ہو تو کیا نکاح ہو جائے گا؟ کیونکہ آج کل جب گھروں میں نکاح ہوتا ہے تو قریب ہجڑے میراثی بھی پہنچے ہوتے ہیں۔ اگر بوقت نکاح مثلاً فقط ایک گواہ ہو تو یہ ہجڑا دوسرا گواہ بن جائے گا؟ یا ہجڑے قاضی کا پڑھایا نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) کسی بھی شخص کے گواہ بننے کیلئے اس میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: عاقل ہو، بینا ہو، جس چیز پر گواہ بن رہا ہے اس کا خود معاینہ کیا ہو۔ ہجڑا ہونا گواہ بننے کیلئے مانع نہیں۔

(۲) دوسرا یہ ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ حقیقتاً ہجڑا کون ہے؟ ہجڑا در اصل وہ ہے جس کے خلقۃً دونوں (مرد اور عورت کے) اعضاء ہوں اسے عربی اصطلاح میں خنثیٰ کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا مردوالا آلہ استعمال ہوتا ہو اور وہی غالب ہو تو ایسے خنثیٰ پر مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں، اور اگر اس کی عورت والی شرمگاہ سے حیض وغیرہ آتا ہو اور عورتوں والی علامات غالب ہوں تو وہ خنثیٰ عورت شمار ہوگا اور اس پر عورتوں والے تمام احکام جاری ہوں گے لہٰذا خنثیٰ اگر مرد ہو تو ایسے دو خنثیٰ کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر خنثیٰ عورت ہو تو پھر ایسے دو خنثیٰ کے ساتھ ایک مرد کا ہونا نکاح کی صحت کیلئے ضروری ہوگا البتہ اگر خنثیٰ کے دونوں قسم کے

اعضاء یکساں عمل کرتے ہوں اور کوئی ایک قسم کی علامت غالب نہ ہو تو ایسا خنثیٰ مشکل ہوتا ہے، شہادت کے سلسلے میں اس کا حکم احتیاطاً عورت کا ہے لہٰذا صرف دو خنثیٰ مشکل کی گواہی سے نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ ان کے ساتھ ایک مرد کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

(۳) تیسری بات یہ ملحوظ رہے کہ آج کل ہمارے شہروں میں معروف ہیجڑے دراصل خنثیٰ نہیں۔ ان کے خلقۃً دونوں قسم کے آلات نہیں ہوتے بلکہ یہ حقیقتاً مرد ہی ہوتے ہیں اور ان کے پاس صرف مرد کا آلہ ہوتا ہے البتہ مصنوعی عمل سے گزر کر یہ اپنے آپ کو ہجڑا بناتے ہیں، اس مصنوعی عمل کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی بڑے آپریشن کے ذریعے مصنوعی طور پر مرد کو عورت بنا دیا جائے یا اس میں عورت کی شرمگاہ کا اضافہ کر دیا جائے اگر کسی شخص پر ایسا عمل ہو جائے تو پھر اس کی جو صلاحیت غالب ہوگی اس کے مطابق اس پر مرد یا عورت ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

مصنوعی ہجڑا بننے کی دوسری صورت (جو کہ آج کل عام ہے وہ) یہ ہے کہ اپنی مردانہ صلاحیت کو ختم کرا لیا جاتا ہے مثلاً خصی بن گیا یا آلہ تناسل کٹوا لیا اور چہرے پر ہجڑوں والی ہیئت بنالی، ایسا شخص ہجڑا نہیں بلکہ مرد ہے اور اس پر مرد کے احکام ہی جاری ہوں گے کیونکہ اپنی مردانہ صلاحیت ختم کرانے سے اس پر عورت کے احکام جاری نہیں کئے جا سکتے۔

نیز ان معروف ہجڑوں میں بعض مخنث (بتکلف عورت کی حرکات کرنے والے) بھی ہوتے ہیں یعنی وہ کسی بھی مصنوعی عمل سے نہیں گزرتے بلکہ صرف عورتوں جیسی حرکتیں اور عادات اختیار کر لیتے ہیں ایسا شخص تو ظاہر ہے مرد ہی ہے لہٰذا اس پر مرد کے احکام ہی جاری ہوں گے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر فطرتاً ہی کسی کو عورت جیسی حرکات وسکنات کی عادت ہو تو حرج نہیں لیکن اپنے اختیار سے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا حرام اور گناہ ہے چنانچہ اس سے احتراز لازم ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بوقتِ نکاح ایک گواہ مرد ہو، اور دوسرا خنثیٰ تو دیکھ لیا جائے کہ وہ خنثیٰ حقیقی یعنی خلقۃً خنثیٰ ہے اور اس پر کون سی علامات غالب ہیں، اگر مرد والی غالب ہیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر عورت والی غالب ہیں تو پھر نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور اگر وہ خنثیٰ مصنوعی ہجڑا ہے تو اگر آپریشن سے اسے باقاعدہ خنثیٰ بنایا گیا ہو تو اس میں بھی علامات کا لحاظ کر لیا جائے جو علامات غالب ہوں وہ احکام جاری ہوں گے اور اگر اس خنثیٰ کو صرف مردانہ صلاحیت ختم کر کے ہجڑا بنایا گیا ہو تو وہ حقیقتاً مرد ہی ہے اور اس کی موجودگی میں [جبکہ ایک اور مرد اس کے ساتھ موجود ہو] نکاح منعقد ہو جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی مخنث (بتکلف عورتوں جیسی حرکات کرنے والے) یا مصنوعی ہجڑے کی موجودگی میں نکاح کا انعقاد فقط صحتِ نکاح کی حد تک ہے، یہ لوگ درحقیقت فاسق اور دیانت وعدالت کے درجے سے ساقط ہیں لیکن عدالت گواہ بننے کے لئے شرط نہیں بلکہ گواہ بننے کی جو تین شرائط تھیں وہ ذکر کر دی گئیں، بہتر بہر حال یہی ہے کہ گواہ عادل اور باشرع انسان کو بنایا جائے کیونکہ فاسق قضاءً اداء شہادت کا اہل نہیں اس لئے اگر کبھی عدالت میں نکاح کے بارے میں گواہی دینی پڑ گئی تو ان مخنث اور مصنوعی

ہجڑوں کی گواہی سے نکاح کا ثبوت نہ ہو سکے گا۔

لمافی الهداية (۳/۱۶۹): قال ولا تقبل شهادة مخنث ومراده المخنث في الرديء من الأفعال لأنه فاسق فأما الذي في كلامه لين وفي أعضائه تكسر فهو مقبول الشهادة۔

وفی بدائع الصنائع (۹/۵):فصل وأما الشرائط في الأصل فنوعان نوع هو شرط تحمل الشهادة ونوع هو شرط أداء الشهادة أما الأول فثلاثة أحدها أن يكون عاقلا وقت التحمل فلا يصح التحمل من المجنون والصبي الذي لا يعقل لأن تحمل الشهادة عبارة عن فهم الحادثة وضبطها ولا يحصل ذلك إلا بآلة الفهم والضبط وهي العقل،والثاني أن يكون بصيرا وقت التحمل ۔۔۔ وأما البلوغ والحرية والإسلام والعدالة فليست من شرائط التحمل بل من شرائط الأداء حتى لو كان وقت التحمل صبيا عاقلا أو عبدا أو كافرا أو فاسقا ثم بلغ الصبي وعتق العبد وأسلم الكافر وتاب الفاسق فشهدوا عند القاضي تقبل شهادتهم ۔۔۔ الثالث أن يكون التحمل بمعاينة المشهود به بنفسه لا بغيره إلا في أشياء مخصوصة يصح التحمل فيها بالتسامع من الناس۔

وفی الدرالمختار(۵/۴۷۴): (وخنثى) كأنثى لو مشكلا وإلا فلا إشكال۔

وفی الرد تحته: (قوله: كانثى) فيقبل فی رجل وامرأة فی غير حدوقود۔

وفی الموسوعةالفقهية(۲۰/۲۸):الخنثى:ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الخنثى كالأنثى فی الشهادة فتقبل شهادته مع رجل وامرأة فی غير حدو قود و يعد فی شهادته امرأة۔

(۱۰۸) گواہ عیسائی ہونے کی صورت میں نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف کورٹ میں شادی کی تھی اور رخصتی سے پہلے ہی مجھ پر گھر والوں کی طرف سے بہت دباؤ ڈالا گیا اور مجھے طلاق دینے پر مجبور کر دیا گیا، اب جب کہ وکیل کو نکاح نامہ دکھایا گیا تو اس نے واضح کیا کہ چونکہ نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حیثیت !!! نکاح نامہ میں گواہ نمبر ۲ غیر مسلم عیسائی ہے اور کوئی وکیل بھی نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو کیا میں دوبارہ سے دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر سکتا ہوں؟ برائے مہربانی شریعت کی رو سے مجھے اس مسئلے کے متعلق فتویٰ عنایت فرما کر اس الجھن سے نجات دلائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

طلاق کے وقوع کیلئے نکاح کا ہونا ضروری ہے کہ نکاح شرعاً منعقد ہو چکا ہو، اس کے بعد طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ نکاح شرعی کے انعقاد کیلئے دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے ان کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ مجلس میں موجود ہر مسلمان شخص از خود ہی گواہ بن جاتا ہے، نکاح نامے پر اس کا نام وغیرہ لکھنا ضروری نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً ایجاب وقبول کے وقت ان دو گواہوں کے علاوہ کوئی اور مسلمان وہاں موجود نہیں تھا تو اس میں ایک گواہ چونکہ عیسائی ہے، اس کی شہادت کا مسلمانوں کے نکاح میں اعتبار نہیں تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، لہٰذا اس کے بعد دی جانے والی طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اس صورت میں اب آپ شرعی طریقے کے مطابق دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کی موجودگی میں اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن اگر وہاں کوئی اور مسلمان موجود تھا اور آپ اس لڑکی کے کفوء (دین، مال، نسب، پیشہ وغیرہ کے اعتبار سے برابر) ہوں تو پھر آپ کا نکاح منعقد ہو گیا اور اس کے بعد یکبارگی تین طلاق دینے سے وہ مغلظہ ہو گئی اس صورت میں بغیر حلالہ شرعی کے آپ کیلئے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:٢٨٢):وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى...الآية۔

وفی اعلاء السنن (١١/٢٥): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ :"لانكاح الا بولی وشاهدی عدل وما كان من نكاح علی غير ذلك فهو باطل"

وقال فی شرحه: ولو حملنا المطلق علی المقيد فالمراد بالعدالة الإسلام فلا يجوز نكاح المسلمة

بشهادة الكفار۔

وفي الدر المختار (۴۰۹/۳):(لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذكما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما في المشكلات باطل أو مؤول كما مر (حتى يطأها غيره)۔

وفي الرد تحته: قوله (من نكاح صحيح نافذ) احترز بالصحيح عن الفاسد وهو ما عدم بعض شروط الصحة ككونه بغير شهود فإنه لا حكم قبل الوطء وبعده يجب مهر المثل والطلاق فيه لا ينقص عددا لأنه متاركة فلو طلقها ثلاثا لا يقع شيء وله تزوجها بلا محلل۔

(۱۰۹) کیا اہل کتاب سے نکاح کیلئے گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک بزرگ دوست کو سیر وسیاحت کا بڑا شوق ہے، وہ پورے پاکستان کے دورے پر نکلے پنجاب کے آخری علاقوں میں سیاحت کر رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا، وہاں ان کا ایک عیسائی دوست رہتا تھا جس کے گھر ہمارے دوست ہاشم صاحب مقیم تھے۔ رات کو وہ عیسائی بہت زیادہ بیمار ہوگیا قریب تھا کہ مرجائے اس نے ہاشم کو بلا کر کہا کہ میری زندگی کے دن ختم ہورہے ہیں معلوم نہیں صبح کا سورج دیکھوں۔ میری ایک بیٹی ہے، میرے بعد اس کا کوئی پرسان حال نہیں، آپ اس سے نکاح کرلیں تاکہ میں مطمئن ہوکر مروں اور اس نے اپنی بیٹی کو بلایا اور فی الفور نکاح ہوگیا لیکن مسئلہ یہ بن گیا کہ ہاشم صاحب تو عاقد تھے ایک اور مسلمان دوست ان کا سیاحت پر ساتھ تھا وہ ایک گواہ اور دوسرا گواہ وہ مرگ الموت میں عیسائی باپ تھا ہاشم صاحب نے تو لڑکی کو اپنی بیوی تسلیم کرلیا لیکن جب مجھے بتایا تو میں نے کہا نکاح تو مسلمان گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا یہ تو آپ نے غلط کیا۔ اس پر وہ نادم ہوئے نیز وہ بڈھا تو تھا بھی مرگ الموت میں، مفتی صاحب دونوں باتوں کا جواب دے دیں کہ ایک گواہ عیسائی ہو یا مرگ الموت میں ہو تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں زوجین مسلمان ہوں تو گواہوں کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ کفار، مسلمانوں کے خلاف نہ گواہی دے سکتے ہیں اور نہ ان کو مسلمانوں پر ولایت حاصل ہے اگرچہ مسلمان، کافر کے فروع میں سے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ مسلمان بیٹی پر کافر باپ کو ولایت حاصل نہیں ہے۔

نکاح میں زوج مسلمان ہو اور زوجہ ذمی (یعنی اہل کتاب میں سے جو مسلمانوں کے ملک میں جزیہ دے کر رہتے ہیں) ہو تو

دونوں گواہ ذمی ہی کیوں نہ ہوں نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ انکار نکاح کے وقت قضاء مسلمان مرد کے خلاف ذمی گواہوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔

تحمل شہادت کے لئے گواہ کا صحتمند ہونا ضروری نہیں ہے، اگر گواہ عاقل ہو (یعنی سمجھ بوجھ رکھتا ہو) بصیر ہو (یعنی اندھا نہ ہو) تو عقد نکاح میں اس کی گواہی معتبر ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح منعقد ہو گیا ہے۔

لما فی البحرالرائق (۱۶۰/۳) کتاب النکاح (رشیدیه): قوله (وصح تزوج مسلم ذمية عند ذميين) بيان لكون اشتراط إسلام الشاهد إنما هو إذا كانا مسلمين أما إذا كانت ذمية فلا عندهما ـــ ولهما أن الشهادة شرطت في النكاح على اعتبار إثبات الملك لوروده على محل ذي خطر لا على اعتبار وجوب المهر۔

(۱۱۰) فاسق کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک لڑکے کی شادی ہوئی لڑکے کی طرف سے جن دو گواہوں نے گواہی دی ان میں سے ایک تو کچھ اچھا آدمی ہے لیکن دوسرا عادی مجرم ہے اور ضمانت پر جیل سے رہا ہو کر آیا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات یاد رہے کہ نکاح ایک طرح سے عبادت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ نیک وصالح گواہ بنائے جائیں اور مجمعِ عام مسجد وغیرہ میں صلحاء اور اتقیاء کے درمیان کیا جائے البتہ اگر کسی مجرم یا فاسق وفاجر انسان کو گواہ بنالیا گیا تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا ہے۔

لما فی الهندية (۲۶۷/۱): ويصح بشهادة الفاسقين والأعمين كذا في فتاوى قاضيخان وكذا بشهادة المحدودين في القذف وإن لم يتوبا كذا في البحر الرائق۔

وفی الشامية (۲۳/۳): قوله (ولو فاسقين الخ) اعلم أن النكاح له حكمان حكم الانعقاد وحكم الإظهار فالأول ما ذكره والثاني إنما يكون عند التجاحد فلا يقبل في الإظهار إلا شهادة من تقبل شهادته في سائر الأحكام كما في شرح الطحاوي فلذا انعقد بحضور الفاسقين والأعمين والمحدودين في قذف وإن لم يتوبا وابني العاقدين وإن لم يقبل أداؤهم عند

القاضي كانعقاده بحضرة العدوين۔

(۱۱۱) بغیر گواہوں کے ہونے والے نکاح کا بعد میں مشہور ہونا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ دوعورتوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ گواہ شرعی اعتبار سے معتبر نہیں تھے البتہ اب سب لوگوں کو پتہ چل گیا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ کیا ایسی صورت میں یہ نکاح درست نہیں ہوگا؟ دونوں کو الگ کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں دوعورتوں کی موجودگی میں کیا گیا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اگرچہ بعد میں لوگوں کی بڑی تعداد کو اس کا علم بھی ہوگیا ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ انعقاد نکاح کیلئے شرعی شہادت یعنی دومردوں یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی شرط ہے جو کہ یہاں مفقود ہے اس لئے جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ شرعی اعتبار سے نکاح درست نہیں تو دوبارہ عقد نکاح ضروری ہے۔ اسی عقد پر میاں بیوی کو برقرار رکھنا جائز نہیں، لہٰذا شرعی گواہوں کی موجودگی مین دوبارہ عقد نکاح کیا جائے۔

لمافی الهندية (۲۶۷/۳، ۲۶۸): ولا ينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل وكذا الخنثيين إذا لم يكن معهما رجل هكذا في فتاوى قاضي خان ومنها سماع الشاهدين كلامهما معا هكذا في فتح القدير۔

وفی الدرالمختار (۲۱/۳، ۲۲): (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح۔

وفی الرد تحته :وخرج بقوله معا ما لو سمعا متفرقين بأن حضر أحدهما العقد ثم غاب وأعيد بحضرة الآخر أو سمع أحدهما فقط العقد فأعيد فسمعه الآخر دون الأول أو سمع أحدهما الإيجاب والآخر القبول ثم أعيد فسمع كل وحده ما لم يسمعه أولا لأن في هذه الصورة وجد عقدان لم يحضر كل واحد منهما شاهدان كما في شرح النقاية قوله (على الأصح) راجع لقوله سامعين وقوله معا ومقابل الأول القول بالاكتفاء بمجرد حضورهما ومقابل الثاني ما عن أبي يوسف من أنه إن اتحد المجلس جاز استحسانا كما في الفتح۔

(۱۱۲) وکیل کا پردے کے پیچھے سے قبول کرانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل لڑکی کا وکیل دلہن کو دیکھے بغیر اور بلا تحقیق صرف پردے کے پیچھے سے قبول کی آواز سن کر قاضی نکاح خواں کے پاس آ کر شہادت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دلہن سے قبول کرا کے آواز سن کے آ رہا ہوں قاضی اس شخص پر اعتماد کرتے ہوئے لڑکے سے نکاح پڑھا دیتا ہے کیا یہ وکالت معتبر ہے اور نکاح منعقد شمار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اولا لڑکی کے وکیل کو چاہیئے کہ اجازت لیتے وقت دلہن کے کمرے میں غیر عورت کو نہ چھوڑے بلکہ تحقیقی طور پر دلہن کا کمرے میں تن تنہا ہونے کا علم ضروری ہے۔ بعض جگہ دلہن کے ساتھ ایک عورت موجود رہتی ہے اور اس کو ہدایت دیتی رہتی ہے جبکہ وکیل بار بار قبول کرواتا ہے اور دلہن شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہے اس وقت یہ عورت لڑکی کو "قبول ہے" کہنے کی ہدایت دیتی ہے۔ اس صورت میں عین ممکن ہے کہ وکیل نے اس غیر عورت کی آواز سن کر اسے دلہن کی آواز سمجھ لیا ہو لہٰذا یہ انتہائی قابل لحاظ امر ہے کہ غیر عورت دلہن کے پاس ہرگز موجود نہ رہے اگر لڑکی اکیلے ہو تو اس صورت میں وکالت درست ہوگی اور نکاح بھی درست ہو جائے گا اور اگر وکیل نے بلا تحقیق قبول کرایا ہے اس کو دلہن کی غیر دلہن سے پہچان نہ ہو اور یہ یقین بھی نہ ہو کہ میری سنی آواز دلہن کی ہے بلکہ حالت مشتبہ ہو تو یہ وکالت معتبر نہ ہوگی اور نہ ہی نکاح منعقد ہوگا۔

لما فی البحر الرائق (۳/۸۴): وفي الخانية لو وكلت امرأة رجلا بأن يزوجها فزوجها وغلط في اسم أبيها لا ينعقد النكاح إذا كانت غائبة۔

وفی الشامیة (۳/۲۱): أشار بقوله فيما مر ولا المنكوحة مجهولة إلى ما ذكره في البحر هنا بقوله ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة فإن كانت حاضرة منتقبة كفى الإشارة إليها والاحتياط كشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت إن كانت وحدها فيه جاز ولو معها أخرى فلا لعدم زوال الجهالة وكذا إذا وكلت بالتزويج فهو على هذا ۔۔۔ لاحتمال أن الموكل المرأة الأخرى۔

(۱۱۳) اگر دو مرد کسی ایک عورت سے نکاح پر گواہ پیش کر دیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید دعویٰ کر رہا ہے کہ حفصہ کا نکاح اس کے والد نے نابالغی کی حالت میں میرے ساتھ کر دیا تھا اور وہ گواہ بھی پیش کر رہا ہے اور حامد دعویٰ کر رہا ہے کہ حفصہ کے والد نے اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا تھا حامد بھی گواہ پیش کر رہا ہے اب حفصہ کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور حفصہ بھی لاعلمی کا اظہار کر رہی ہے تو کس کا دعویٰ صحیح ہوگا اور حفصہ کس کی منکوحہ شمار ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب دو مرد کسی عورت سے نکاح کے دعویدار ہوں اور دونوں کے پاس گواہ بھی موجود ہوں تو کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ محل (عورت) اشتراک کے قابل نہیں، مگر یہ کہ خود عورت ہی کسی ایک کی بیوی ہونے کا اقرار کرے البتہ اگر مدعیان نے گواہی سمیت تاریخ کی نشاندہی بھی کی ہو تو جس مدعی کی تاریخ پہلے کی ہو اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا اور اگر دونوں کی تاریخ بھی ایک ہی ہو تو عورت کسی کی بھی بیوی شمار نہ ہوگی الا یہ کہ وہ ان میں سے ایک کے پاس رہتی ہو تو اسی کی بیوی شمار ہوگی لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مدعیان میں سے کوئی ایک پرانی تاریخ کی نشاندہی کر دے یا عورت کا اپنے پاس ہونا ثابت کر دے تو مذکورہ عورت (حفصہ) اس کی بیوی سمجھی جائے گی، ورنہ بصورت دیگر دونوں میں سے کسی ایک کی بھی بیوی شمار نہ ہوگی۔

لما فی القدوری ،کتاب الدعویٰ (ص۲۲۷): وان ادعی کل واحد منهما نکاح امرءة واقاما البینة لم يقض بواحدة من البينتين، ويرجع الى تصديق المرأة لاحدهما۔

وفی البحر الرائق(۲۳۵/۷): رجلان ادعيا نكاح امرأة واقاما البينة لايقضى لواحد منها، الا اذا أقرت المرأة لاحدهما وهذا اذا لم يؤرخا أوأرخاتاريخا واحدا وإن أرخا وتاريخ أحدهما أسبق فهو أولى وان كان تاريخهما سواء ولأحدهما يد فهى له۔

وفی الشامية (۵۷۱/۵): قوله (إذا لم تكن الخ) أما إذا كانت في يد من كذبته أو دخل بها فهو أولى ولا يعتبر قولها لأن تمكنه من نقلها أو من الدخول بها دليل على سبق عقده إلا أن يقيم الآخر البينة أنه تزوجها قبل فيكون أولى لأن الصريح يفوق الدلالة۔

(۱۱۴) غیر کی بیوی کو زبردستی گواہوں کے ذریعہ اپنی بیوی ثابت کرنے کا حکم

سؤال

ہمارے گاؤں کے ظالم زمیندار نے ایک غریب ہاری (کسان) کی بیوی پر دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور دو گواہوں سے ثابت کر کے زبردستی اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ تمام گاؤں والوں کو حقیقت معلوم ہے لیکن کوئی بھی اس غریب کے حق میں گواہی دینے کو تیار نہیں۔ آیا اب یہ عورت اُس زمیندار کی بیوی بن گئی یا نہیں؟ نیز اس غریب کسان کو اپنی بیوی کو طلاق دے دینی چاہیئے یا کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ظالم زمیندار کا ایک غریب کسان کی بیوی پر جھوٹے گواہوں سے نکاح کا دعویٰ ثابت کرنا صحیح نہیں، یہ انتہائی قبیح فعل ہے، یہ عورت کسان کی بیوی اور اسی کے نکاح میں رہے گی۔ اگر زمیندار زبردستی لے گیا اور اس کے ساتھ ہمبستری کی تو اس صورت میں ساتھ رہنا حرام ہے اور ہمبستری زنا کے حکم میں ہے نیز اس عورت کے تمام تصرفات مثلاً طلاق وغیرہ بھی کسان کے ہاتھ میں ہوں گے لیکن اگر بیوی کی واپسی ناممکن ہو تو کسان کیلئے بہتر یہ ہے کہ اپنے اختیار سے ایک طلاق بائن دیدے تا کہ زمیندار کو فعل حرام سے بچالے اس صورت میں زمیندار پر عدتِ طلاق کے گزر جانے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہوگا اور اگر بیوی دوبارہ واپس ہوجائے (طلاق یا موت کے بعد) تو یہ کسان دوبارہ نکاح جدید کرلے۔

لمافی سنن ابی داؤد(۱۴۸/۲): عن أم سلمة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إنما أنا بشر وإنکم تختصمون إلی ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجته من بعض فأقضی له علی نحو ما أسمع منه فمن قضیت له من حق أخیه بشیء فلا یأخذ منه شیئا فإنما أقطع له قطعة من النار۔

وفی کنز الدقائق (۲۸۱/۱): وینفذ القضاء بشهادة فی العقود والفسوخ ظاهراً وباطناً لافی الاملاك المرسلة۔

وفی الهندية (۳۵۱/۳):وأجمعوا علی أن قضاء القاضي بالنكاح بشهادة الزور في معتدة الغير ومنكوحته أنه لا ينفذ كذا في النهاية۔

و فی الدر المختار(۴۰۵/۵): (وينفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا وباطنا) حيث كان المحل قابلا والقاضي غير عالم بزورهم (في العقود) كبيع ونكاح (والفسوخ) كإقالة وطلاق۔۔۔ (بخلاف

اور مدعی شخص سخت گنہگار اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والے ہیں۔ اس فعل شنیع پر توبہ واستغفار کریں۔ عدالت چونکہ ظاہر کی پابند ہے اور ظاہراً جب دو عادل گواہ ایک نکاح پر (اگرچہ جھوٹے ہوں) گواہی دے رہے ہیں تو عدالت نکاح کے اثبات کا حکم لگائے گی لیکن یہ حکم فقط ظاہر کی حد تک ہوگا، باطناً نکاح منعقد نہ ہوگا۔ یعنی فیما بینہ وبین اللہ اس نکاح کی کوئی حقیقت نہیں نیز ہمبستری کرنا بھی قطعاً جائز نہیں۔ باطنًا یہ نکاح غیر منعقد اور کالعدم ہے۔ یہی مفتی بہ اور جمہور ائمہ کا اس باب میں مذہب ہے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ نکاح جب ظاہراً منعقد ہے باطناً نہیں [لہذا عورت ہمبستری کیلئے مرد کو قدرت نہیں دے گی] تو پھر عورت کیا کرے گی؟ کیا یہاں طلاق کی طرح "المرأۃ کالقاضی الخ" کا قاعدہ چلے گا؟ (طلاق کے باب میں جب مرد طلاق دینے کے بعد طلاق کا منکر ہو، لیکن عورت نے اپنے کانوں سے سنا ہو تو "المرأۃ کالقاضی الخ" کے قاعدے کے مطابق عورت کیلئے احتیاطاً مرد سے دور رہنے کیلئے کوئی بھی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے نیز عورت کو ہمبستری کی اجازت نہیں دی جاتی) کیا یہاں شہادت زور (جھوٹی گواہی کو شہادت زور کہتے ہیں) میں عورت کو نکاح کے نہ ہونے کا پختہ یقین ہے جبکہ طلاق میں باوجود سننے کے خطاء کا بھی امکان ہے نیز یہاں شہادت زور میں فقہاء وطی پر قدرت نہ دینے کی صراحت بھی کر رہے ہیں، تو کیا یہاں "المرأۃ کالقاضی الخ" کے مطابق علیحدگی کا کوئی بھی حربہ استعمال کرنے کی اجازت دی جائے گی؟

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے طلاق کی طرح حرمت مصاہرت (جس میں سسر وغیرہ کے شہوت سے چھونے کا یقین ہے لیکن شوہر تصدیق نہیں کر رہا ہو تو اس صورت) میں بھی "المرأۃ کالقاضی الخ" کا اثبات فرمایا ہے جیسا کہ حیلہ ناجزہ کے تتمہ میں موجود ہے لہذا حرمت مصاہرت میں جس طرح بوقت یقین "المرأۃ کالقاضی الخ" کے قاعدے کے تحت عورت تمکین سے منع اور علیحدگی کی ہر ممکنہ کوشش کر سکتی ہے اسی طرح یہاں جھوٹی گواہی سے اثباتِ نکاح کی صورت میں (جہاں باطناً نکاح منعقد نہیں ہو رہا اور ہمبستری کرنا بھی جائز نہیں) بدرجہ اولی عورت کیلئے "المرأۃ کالقاضی الخ" کا حکم ہوگا اور عورت خلع یا فسخ کیلئے کوئی بھی طریقہ استعمال کر کے اس مرد سے علیحدگی اختیار کرے گی نیز کسی بھی ذریعے کو استعمال کر کے ایسے مرد سے دور رہنے کی کوشش کرے گی۔ گویا وطی پر قدرت نہ دینے کی صراحت ہی یہاں "المرأۃ کالقاضی الخ" کا اجراء ہے۔

لما فی الدر المنتقی (المطبوع مع مجمع الانهر) (۲۳۷/۳): وعندهما لا ینفذ باطنا بشهادة الزور وبه قال الزفر والثلاثة وعليه الفتوى لظهور ادلتهما بالنسبة لدليله۔

وفی شرح الوقایة (۱۳۳/۳) فان اقامت بينة زور أنه تزوجها وحكم به حل لها تمكينه هذا عند ابی حنيفة وعندهما ينفذ ظاهرا أی يسلم القاضی الزوجة الی الزوج ويأمرها بالتمكين لا باطنا أی لا يثبت الحل فيما بينه وبين الله تعالی وقولهما ظاهر وأما مذهب ابی حنيفة فمشكل جدا فان الحرام المحض كيف يكون سببا للحل فيما بينه وبين الله تعالی۔

وفی الدر المختار (۵۲/۳): (و) يحل (له وطء امرأة ادعت عليه) عند قاض (أنه تزوجها) بنكاح

صحيح (وهي) أي والحال أنها (محل للإنشاء) أي لإنشاء النكاح خالية عن الموانع (وقضى القاضي بنكاحها ببينة) أقامتها (ولم يكن في (نفس الأمر تزوجها وكذا) تحل له (لو ادعى هو نكاحها) خلافا لهما وفي الشرنبلالية عن المواهب وبقولهما يفتي۔

وفيه أيضا (٤٠٦/٥): وقالا وزفر والثلاثة ظاهرا فقط وعليه الفتوى، شرنبلالية عن البرهان۔

وفی الحیلۃ الناجزۃ (ص ٩١): مسئلہ اول: اگر خاوند کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے جس سے حرمت مصاہرت متحقق ہو گئی تو اس کو انکار کرنا حرام ہے۔ اگر اس نے جھوٹا حلف کر لیا اور اس پر قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اس کی تفصیل عنقریب مسئلہ دوم میں آتی ہے۔

مسئلہ دوم: اگر عورت کا دعوی صحیح تھا مگر شہادت معتبرہ پیش نہ ہو سکی اور خاوند نے حلف کر لیا قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا اور یہ حکم بھی کر دیا کہ بدستور اس خاوند کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں، اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا اور خوب غور و تلاش کے بعد جب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند سے مکالمہ پر بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو حضرت حکیم الامت دامت برکاتھم سے مراجعت کی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قواعد سے صاف واضح ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں، مجھ کو اس میں شرح صدر ہے کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب موصوف نے بھی اس میں موافقت فرمائی۔

(١١٧) عورت کا مرد پر جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے مرد پر جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کیا لیکن مرد اس سے انکار کرتا رہا، جج نے نکاح صحیح ہونے کا فیصلہ کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ از روئے شریعت نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اگر منعقد ہے تو مرد کا انکار بمنزلہ طلاق ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح ظاہرا منعقد ہو جائے گا چاہے پہلے سے نکاح تھا یا نہیں۔ جج کے فیصلہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ نیز جھوٹی گواہی دینے والوں نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو کل بروزِ قیامت شدید پکڑ کا باعث بنے گا۔ مرد کے انکار نکاح سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا البتہ شوہر کیلئے وطی کرنا جائز نہیں، اس کیلئے آسان حل یہ ہے کہ طلاق کے الفاظ استعمال کر کے عورت کو علیحدہ کر دے۔

لمافی الهداية (٢٩٣/٢) كتاب النكاح: ومن ادعت عليه امرأة انه تزوجها وأقامت بينة فجعلها

القاضی امرأته ولم یکن تزوجها وسعها المقام معه۔

وفی الخانية (۱/۱۵۴): وان ادعت المرأة علی رجل نکاحاً فجحد فاقامت شاهدین یقضی بالنکاح وجحوده لایکون طلاقاً۔

فصل فی خطبة النکاح

(خطبہ نکاح کا بیان)

(۱۱۸) خطبہ نکاح کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نکاح خواں نکاح کا خطبہ نہیں پڑھتا بلکہ ویسے ہی ایجاب وقبول کروالیتا ہے گواہوں کی موجودگی میں تو کیا نکاح منعقد ہوجائے گا یا خطبہ نکاح پڑھنا ضروری ہے؟ اور نکاح کے خطبہ کی کیا حیثیت ہے اگر کوئی چھوڑ دیتا ہے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے البتہ مجلس نکاح میں خطبہ پڑھنا مستحب ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کل خطبة لیس فیها تشهد فهی كالید الجذماء" (مشکوۃ، ۲/۲۷۲) یعنی بغیر خطبہ کے شادی نامکمل اور ادھوری شادی ہے لیکن اگر کسی نے مجلس نکاح میں خطبہ نہیں پڑھا تو نکاح بہرحال منعقد ہوجائے گا۔

لمافی المصنف لابن ابی شیبه (۴۳۹/۹): عن عبدالله رضی الله عنه قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبة الصلوة وخطبة الحاجة۔

وفی اعلاء السنن (۸/۱۱): عن رجل من بنی سلیم، قال: خطبت الی النبی صلى الله عليه وسلم امامة بنت عبد المطلب فأنکحنی من غیر أن یتشهد ۔۔۔ فدل ذلك علی جواز النکاح بغیر خطبة مع عدم الکراهة ، فالخطبة له مستحبة۔

وفی الشامیة (۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة، قبل اجراء العقد من الحمد والتشهد۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۶۱۷/۹): والمستحب خطبة واحدة لما تقدم لا خطبتان اثنتان: إحداهما من العاقد، والأخرى من الزوج قبل قبوله لأن المنقول عنه صلّی الله علیه وسلم وعن

السلف خطبة واحدة، وهو أولى ما اتبع۔

(۱۱۹) خطبہ نکاح کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا بیٹھ کر؟

سؤال

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے یا بیٹھ کر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اثر منقول ہو تو ذکر فرمادیں نیز صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل نقل فرمادیں۔ جمعہ کا خطبہ تو کھڑے ہو کر ہوتا ہے اور عیدین کا بھی پھر نکاح کا بھی کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے، اسے بیٹھ کر کیوں پڑھا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا صراحۃً نظر سے نہیں گزرا عام تعامل بیٹھ کر پڑھنے کا ہے اور عام طور پر عقد نکاح بیٹھ کر ہوتا ہے تو بیٹھ کر خطبہ نکاح پڑھنا بہتر معلوم ہوتا ہے، خطبہ نکاح کو خطبہ عیدین اور جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

لما في الصحيح لمسلم (۳۳٦/۱): عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وجلسنا حوله فقال: إن مما أخاف عليكم بعدي ما يفتح عليكم من زهرة الدنيا و زينتها۔

وفي البحر الرائق (۸۱/۳): يستحب أن يكون النكاح ظاهرا وأن يكون قبله خطبة وأن يكون عقده في يوم الجمعة۔

وفي الدر المختار (۸/۳): ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة۔

(۱۲۰) خطبہ نکاح پہلے پڑھا جائے یا ایجاب وقبول؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت خطبہ نہیں پڑھتے اور بعض ایجاب وقبول سے پہلے پڑھتے ہیں اور بعض بعد میں تو ان میں سے کون صحیح ہے نکاح پڑھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ کو ایجاب اور قبول سے پہلے پڑھا جائے۔ مسنون طریقہ نکاح کا یہی ہے

کہ پہلے خطبہ پڑھا جائے اور پھر بعد میں ایجاب وقبول کیا جائے۔

لمافی اعلاء السنن (۸۲/۱۱): عن رجل من بنی سلیم قال: خطبت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امامة بنت عبدالمطلب، فانکحنی من غیران یتشھد فدل ذلك علی جواز النکاح بغیر خطبة مع عدم الکراھة فالخطبة له مستحبة۔

وفی الدرالمختار (۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشھود عدول۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۶۱۶/۹): یستحب للزواج ما یأتي: أن یخطب الزوج قبل العقد عند التماس التزویج خُطبة مبدوءة بالحمد للہ والشھادتین، والصلاة علی رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلم، مشتملة علی آیة فیھا أمر بالتقوی وذکر المقصود، عملاً بخطبة ابن مسعود۔۔۔ فإن عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غیر واجبة۔

(۱۲۱) کافر کا خطبہ نکاح پڑھانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کافر مسلمان کا خطبہ نکاح پڑھا سکتا ہے، ہم نے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ابو طالب نے پڑھایا تھا، ابو طالب تو کافر تھے انہوں نے ایک پیغمبر کا نکاح کیسے پڑھایا اس سے تو جواز معلوم ہوتا ہے، مسئلہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دو گواہوں کی موجودگی میں محض ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ خطبہ کی حیثیت نکاح میں استحباب کی ہے اسی لئے بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا نکاح بغیر خطبہ کے پڑھایا لہٰذا اگر کافر نے خطبہ پڑھا تب بھی نکاح درست ہوگا اس سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ نکاح خواں کی حیثیت صرف ایک معبر اور سفیر کی ہوتی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ نکاح دیندار اور نیک شخص سے پڑھوایا جائے۔

لمافی عمدة القاری (۱۳۴/۲۰) باب الخطبة: وقال الترمذي وقد قال بعض أھل العلم إن النکاح جائز بغیر خطبة وھو قول سفیان الثوری وغیره من أھل العلم قلت وأوجبھا أھل الظاھر فرضا واحتجوا بأنه خطب عند تزوج فاطمة رضي اللہ تعالی عنھا وأفعاله علی الوجوب واستدل

الفقهاء على عدم وجوبها بقوله في حديث سهل بن سعد قد زوجتها بما معك من القرآن۔

وفی الدر المختار (۸/۳): (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (٦٦١٨/٩): فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة۔

(۱۲۲) خطبہ نکاح کا سننا واجب ہے یا مسنون؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے میں کہ خطبہ جمعہ کا سننا تو واجب ہے لیکن خطبہ نکاح کے سننے کا کیا حکم ہے؟ عموماً خطبہ نکاح کو توجہ سے نہیں سنا جاتا، لوگ موبائل اور دیگر اُمور میں مصروف نظر آتے ہیں۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خطبہ نکاح کا سننا بھی واجب ہے اور خطبہ نکاح کے دوران دیگر مشاغل میں مصروف ہونا جائز نہیں۔

لما فی الدر المختار (۱۵۹/۲): وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد۔

وفی الرّدّ تحته: قوله (وختم) أي ختم القرآن كقولهم الحمد لله رب العالمين حمد الصابرين الخ۔

رسالۃ

حفظ المتاع

فی

رفع التعارض عن الآیات الواردة فی خطبة النکاح

سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث میں
خطبہ نکاح سے متعلق احادیث میں وارد سورۃ النساء اور سورۃ الاحزاب کی آیات کا
مصحف عثمانی کے مقابلے میں تفاوت وتغیر، اس فرق کی وجہ. رواتِ حدیث کی تحقیق،
کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ہی یہ تغیر تھا؟
امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں فرق کیوں؟
کیا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کے قائل تھے؟
حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور آیت کا بھی مختلف الفاظ میں نقل،
الغرض مسئلہ ھذا اور اس سے متعلق ابحاث پر تحقیقی اور دلائل سے مبرھن فتوی

(۱۲۳) خطبہ نکاح میں وارد احادیث میں اختلاف آیات سے متعلق مفصل تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ خطبہ نکاح سے متعلق روایات میں آیت کے الفاظ مضطرب ہیں، ابوداؤد میں روایت ہے:

"عن عبد اللهؓ قال علّمنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- خطبة الحاجة إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ به من شرور أنفسنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا يصلح لكم أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما".

(ابو داؤد ۱/۲۸۹ باب فی خطبة النكاح)

اس روایت میں سورۃ آل عمران کی آیت پر سورۃ النساء کی آیت مقدم ہے نیز سورۃ النساء کی آیت مصحف کے خلاف لکھی ہے۔ مصحف میں آیت یوں ہے:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔

(سورة النساء: ۱)

جبکہ روایت میں آیت میں موجود فرق آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں نیز یہ فرق صرف ابوداؤد میں نہیں مشکوۃ شریف میں بھی یہ دونوں فرق اسی طرح ہیں۔ ترمذی کی روایت میں تو تینوں آیات تبدیل ہیں اور ان میں حذف پایا جاتا ہے جبکہ ابن ماجہ میں سورۃ النساء کی آیت نا تمام اور سورۃ احزاب کی آیت میں "يا أيها الذين آمنوا" نہیں۔ الغرض ان مستند ترین کتب میں موجود روایات میں اتنا شدید تعارض بلکہ آیات میں فرق اور ابوداؤد کی روایت میں موجود تقدیم وتاخیر کس بنا پر ہے؟؟؟

درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) خطبہ نکاح میں سورۃ النساء کی آیت کو سورۃ آل عمران کی آیت پر مقدم کر کے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) سورۃ النساء کی آیت کو "یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله الذی تساءلون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیبا" روایت کے مطابق پڑھنا درست ہے؟؟؟ جبکہ قرآن کریم میں یہ آیت اس طرح نہیں۔

(۳) خطبہ نکاح کے سلسلے میں کون سی روایت درست ہے؟ احناف کی مستدل روایت کون سی اور کس کتاب میں ہے؟ کون سا خطبہ پڑھنا بوقت نکاح مسنون ہے؟ دیگر کتب میں کہیں صحیح الفاظ نقل نہیں؟ ان سوالوں کے مدلل جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

خطبہ نکاح سے متعلق احادیث ان کتب میں منقول ہیں۔

(۱) ابوداؤد [۱/۲۸۸] (۲) نسائی [۲۰۸] (۳) ترمذی [۱/۲۱۰]

(۴) ابن ماجہ [۱۳۶] (۵) مشکوٰۃ [۱/۲۷۲] (۶) مستدرک حاکم [۲/۱۹۹]

(۷) مسند احمد بن حنبل [۱/۴۲۸] (۸) مصنف ابن ابی شیبہ [۹/۴۳۸]

(۹) مصنف عبدالرزاق [۶/۱۸۷] (۱۰) دارمی [۲/۱۹۱] (۱۱) بیہقی [۳/۲۱۴]

ان میں سے نسائی، مستدرک حاکم، مسند احمد اور سنن دارمی میں حدیثِ خطبہ نکاح میں آیات کی ترتیب وغیرہ درست ہے۔

خطبہ نکاح سے متعلق مستدرک حاکم کی حدیث کا متن

مستدرک حاکم کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبد الله رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه علمنا خطبة الحاجة الحمد لله نحمده ونستعینه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا من یهده الله فلا مضل له ومن یضلل فلا هادی له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم یقرأ ثلاث آیات یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون، یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء واتقوا الله الذی تساءلون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیبا، یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظیما، ثم یذکر حاجته". (مستدرک ۲/۱۹۹)

مستدرک حاکم کی طرح سنن نسائی، مسند احمد اور دارمی میں بھی یہ آیات مکمل اور ترتیب وار ذکر ہیں نیز بیہقی میں یہ روایت مختلف طرق سے نقل ہے، ان میں سے ایک طریق میں آیات کے الفاظ اور ترتیب درست ہے۔ گویا پانچ کتب میں یہ روایت صحیح ترتیب اور الفاظ کے ساتھ نقل ہے لہٰذا یہی مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت اصل ہے۔ خطبہ انہی کے مطابق دیا جائے گا۔ حصن حصین میں بھی سنن نسائی اور مستدرک حاکم کی بناء پر آیات اور الفاظ صحیح ترتیب پر درج ہیں البتہ حصن حصین میں سورۃ النساء کی آیت فقط مقدم ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور دیگر کتب احادیث جن میں آیت کے الفاظ میں تغیر ہے

ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں آیات کی ترتیب اور الفاظ میں کچھ تغیر ہے۔ ابوداؤد میں تو ترتیب میں بھی خلل ہے۔ سورۃ النساء کی آیت سورۃ آل عمران سے مقدم ہے اور سورۃ النساء کی آیت میں کچھ تغیر بھی ہے نیز ترمذی میں تینوں آیات میں "یا ایھا الذین آمنوا" خطاب حذف ہے۔ سنن ابن ماجہ کی روایت میں بھی تقدیم وتغیر ہے۔ ان روایات کا جواب اوراس تغیر وتقدیم کی تنقیح بھی لازمی امر ہے۔

بندہ نے اس کے متعلق کافی تحقیق کی اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان تمام روایات کے رواۃ پر تو کوئی کلام نہیں، سب ثقہ ہیں اور یہ روایات صحاح ہیں البتہ ان میں ترمذی کی روایت کو اصل بنایا جاسکتا ہے۔ ترمذی میں صرف "یا ایھا الذین آمنوا" الفاظ خطاب حذف ہیں اور یہ تصریح ہے کہ یہ آیات مرفوع نہیں اور نا صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی ہیں بلکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کو تفسیراً ذکر فرمایا ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث کا متن

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد في الصلاة والتشهد في الحاجة قال التشهد في الصلاة التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله والتشهد في الحاجة إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا فمن يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله قال ويقرأ ثلاث آيات قال عبثر ففسره لنا سفيان الثوري اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون اتقوا الله الذي تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا . الآية. وفي الباب عن عدي

بن حاتم۔

قال أبو عیسی حدیث عبد الله حدیث حسن رواہ الأعمش عن أبی إسحق عن أبی الأحوص عن عبد الله عن النبی صلی الله علیه و سلم ورواہ شعبة عن أبی إسحق عن أبی عبیدة عن عبد الله عن النبی صلی الله علیه و سلم وکلا الحدیثین صحیح لأن إسرائیل جمعهما فقال عن أبی إسحق عن أبی الأحوص و أبی عبیدة عن عبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه و سلم"۔

(جامع الترمذی ۱/۲۱۰)

خطبہ نکاح سے متعلق روایات میں بعض ضروری تنبیہات

خطبہ نکاح سے متعلق روایت تمام کتب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور کسی صحابی سے نقل نہیں۔ترمذی شریف کی اس روایت میں "قال ویقرأ ثلاث آیات" میں قال کا قائل حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور پھر تین آیتیں پڑھے (از تحفہ الاحوذی ۲/۱۷۸) اسکے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود آیات تلاوت نہیں فرمائیں، بلکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تین آیتوں کو بیان فرمایا، کہ ایک سورۃ آل عمران کی، ایک سورۃ النساء کی اور ایک سورۃ احزاب کی ہے اور ان تینوں کو اختصارًا "اتقو اللہ" سے تلاوت فرمادیا تینوں آیات کی ابتداء میں موجود "یا ایها الذین آمنوا۔الآیة" خطاب کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے نیز سورۃ الاحزاب کی آیت چونکہ طویل تھی لہذا "قولوا قولا سدیدا" کے بعد الآیة فرمادیا۔ پوری آیت یصلح لکم الخ تلاوت نہیں فرمائی، گویا کہ یہ اختصار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اور ان کی مراد مکمل آیات کی تلاوت ہی تھی۔

آیت کو بالمعنی تلاوت کرنا اور اس سے متعلق حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے بھی جواز کے قائل تھے مثلاً ان سے آیت "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا" کا "فان لم تجدوا" پڑھنا ثابت ہے، جس پر فتح الباری میں یہ ذکر ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کے قائل تھے۔

لمافی البخاری :باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان... وقال سفیان: " هذا الفقه بعینه، یقول الله تعالی: {فلم تجدوا ماء فتیمموا} وهذا ماء، وفی النفس منه شیء، یتوضأ به ویتیمم" وفی فتح الباری تحت هذا الحدیث(۲۱۹/۱):(باب الماء) أی حکم الماء الذی یغسل به شعر الإنسان : .... تنبیه وقع فی روایة أبی الحسن القابسی عن أبی زید المروزی فی حکایة قول

سفیان یقول اللہ تعالی فإن لم تجدوا ماء و کذا حکاہ أبو نعیم فی المستخرج علی البخاری وفی باقی الروایات فلم تجدوا وھو الموافق للتلاوۃ وقال القابسی وقد ثبت ذلك فی الأحکام لإسماعیل القاضی یعنی بإسنادہ إلی سفیان قال وما أعرف من قرأ بذلك قلت لعل الثوری حکاہ بالمعنی و کان یری جواز ذلك وکأن ھذا ھو الذی جر المصنف أن یأتی بمثل ھذہ العبارۃ فی کتاب التیمم کما سیأتی ان شاء اللہ تعالی.

لہذا یہاں خطبہ نکاح سے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات کو بالمعنی تلاوت کر دیا ہوگا جیسا کہ ان کا مذہب تھا۔ (قلت لعل الثوری حکاہ بالمعنی و کان یری جواز ذلك)۔

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ آیت کو بالمعنی تلاوت کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ حدیث میں بھی روایت بالمعنی سے متعلق طویل ابحاث ہیں لیکن قرآن کریم کو بالمعنی تلاوت کرنا کسی طور پر جائز نہیں۔ قرآن کریم کا نظم محکم ہے اگر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہو بھی جیسا کہ فتح الباری میں "و کان یری جواز ذلك" کے الفاظ ہیں تو یہ ان کا تفرد ہوگا۔ کسی کے لئے اس طرح تغیر یا حذف کرنا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے صحیح بخاری کی جس حدیث کے تحت فتح الباری میں یہ مذہب ذکر ہے اسی حدیث کے تحت صحیح البخاری کے عظیم شارح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں اس پر سخت ردّ فرمایا ہے۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے:

"(باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان): وقال سفیان ھذا الفقہ بعینہ یقول اللہ تعالی فلم تجدوا ماء فتیمموا وھذا ماء وفی النفس منہ شیء یتوضأ بہ ویتیمم..... (فلم تجدوا ماء) ھذا نص القرآن ووقع فی روایۃ ابی الحسن القابسی عن ابی زید المروزی فی حکایۃ قول سفیان یقول اللہ تعالی فان لم تجدوا ماء (النساء ۴۳، المائدۃ ۶) و کذا حکاہ أبو نعیم فی المستخرج علی البخاری وقال القابسی قد ثبت ذلك فی الأحکام لإسماعیل القاضی یعنی باسنادہ الی سفیان قال وما اعرف من قرأ بذلك وقال بعضھم لعل الثوری رواہ بالمعنی، قلت: لایصح ھذا اصلا لأنہ قلب کلام اللہ تعالی والظاھر انہ سھو أو وقع غلطاً..... الخ"

(عمدۃ القاری ۳/۳۶)

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فقط تین آیتیں پڑھنے کا ارشاد فرمایا تھا، لہذا مقصد پوری آیات ہی ہیں۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں اس اختصار سے مکمل آیات ہی مراد لی گئی ہیں۔

چند اہم امور کا بیان

یہاں چند اہم باتیں واضح کرنا ضروری ہیں۔ **پہلی بات** یہ کہ ترمذی کی روایت میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ رواۃ میں

موجود نہیں بلکہ روایت کے ایک راوی عبثر نے ان کے حوالے سے ان آیات کو واضح فرمادیا ہے۔ ترمذی کے رواۃ یہ ہیں:

"حدثنا قتيبة حدثنا عبثر بن القاسم عن الأعمش عن أبي إسحق عن أبي الأحوص عن عبد الله رضی اللہ عنہ"

ان میں عبثر نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا کہ "قال عبثر ففسرها سفيان الثوری"۔

دوسری بات یہ ذہن نشین رہے کہ ابوداؤد کی روایت میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ خود رواۃ میں داخل ہیں۔ ابوداؤد کے رواۃ یہ ہیں:

"حدثنا محمد بن كثير انا سفيان عن ابی اسحاق عن ابی عبيدة عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ"

تیسری بات یہ ملحوظ رہے کہ روایتِ خطبہ کے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد ابوعبیدہ اور پھر ابواسحٰق تقریباً تمام کتب کی روایتوں میں موجود ہیں البتہ ان تین کے بعد رواۃ مختلف ہوجاتے ہیں۔

چوتھی اور انتہائی اہم **بات** یہ ملحوظ رہے کہ ان تین حضرات [سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ اور پھر ابواسحٰق] سے روایت کرنے والے جن روایات میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان میں آیات کے الفاظ اور ترتیب درست ہے لہٰذا وہ تمام کتب جن کا ہم نے ذکر کیا کہ ان میں روایت درست الفاظ میں مروی ہے (یعنی مستدرک حاکم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی) ان میں ابواسحٰق سے روایت کرنے والے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں نیز سنن بیہقی کے جس طریق میں الفاظ درست ہیں اس میں بھی ابو اسحٰق سے پہلے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔ مستدرک حاکم کا طریق یہ ہے:

"أخبرنا أبو العباس محمد بن أحمد المحبوبي بمرو حدثنا الفضل بن عبد الجبار حدثنا النضر بن شميل حدثنا شعبة وأخبرني عبد الرحمن بن الحسن القاضي بهمدان حدثنا إبراهيم بن الحسين حدثنا آدم بن أبي إياس حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحاق يحدث عن أبي عبيدة عن عبد الله رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم الخ"

نسائی کا طریق یہ ہے:

"أخبرنا محمد بن المثنى ومحمد بن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحاق يحدث عن أبي عبيدة عن عبد الله الخ"

دارمی کا طریق یہ ہے:

"حدثنا أبو الوليد وحجاج قالا حدثنا شعبة قال انا أبو إسحاق قال سمعت أبا عبيدة يحدث عن عبد الله الخ"

مسند احمد کا طریق یہ ہے:

"حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا شعبة قال سمعت ابا اسحاق یحدث عن ابی عبیدة عن عبد الله الخ"

الغرض جن کتب میں روایت میں آیات کے الفاظ اور ترتیب درست ہے وہاں ابو اسحق رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بقیہ کتب میں ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے، ابوداؤد میں سفیان رحمۃ اللہ علیہ، جامع ترمذی میں اعمش رحمۃ اللہ علیہ، سنن ابن ماجہ میں یونس رحمۃ اللہ علیہ، مصنف عبد الرزاق میں معمر رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد کے ایک اور طریق میں اسرائیل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جتنے رواۃ چاہے امام اعمش ہوں یا ثوری یا معمر رحمھم اللہ وغیرہ سب کی روایت میں آیات میں کچھ تغیر موجود ہے۔

لہٰذا بندہ از حد تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ تو ابو اسحق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے مکمل آیات بیان فرما دیتے تھے اور ان سے نقل تمام طرق ہر قسم کے تغیر اور تقدیم سے محفوظ رہے لیکن دیگر میں ترمذی کی روایت کو اصل بنالیا جائے، جس میں ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے اگرچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، لیکن عبثر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات مختصر اذکر فرمائی تھیں بعد میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے ان سے سن کر آیات کو مزید مختصر یا اپنے طور پر تاویل کر کے نقل فرمادیا اور کتب میں نقل ہوتی آئیں۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق میں یہ تغیر نہ آیا۔ ان کے علاوہ طرق میں یہ آیات اختصار اور تاویل کے باعث سالم نہ رہ سکیں۔ الغرض حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں آیات ''اتقوا'' سے تلاوت فرمائی تھیں۔ ان سے سننے والوں نے اسے بطور خطبہ اپنے الفاظ میں بالمعنی نقل کر دیا، جیسا کہ فتح الباری کی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آیت کے بالمعنی پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے۔ بعض نے خطاب میں تاویل کر دی البتہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ان تغیرات سے سالم رہا لہٰذا اس باب میں وہی حجت اور اصل ہے۔

"یحتمل أن یکون تأویلا لما فی الإمام فیکون إشارة إلی أن اللام فی یاأیها الناس للعهد والمراد المؤمنون"

(بذل المجهود ۳/۲۴۴)

احادیثِ خطبہ نکاح پر وارد اشکال کے بعض اور جوابات اور ان کے سقم کا بیان

بعض حضرات نے اس اغلاق کے دیگر جوابات بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مرقات میں ہے:

"قال الطیبی رحمه الله ولعله هكذا فی مصحف ابن مسعود رضی الله تعالی عنه فإن المثبت فی أول سورة النساء واتقوا الله الذی بدون یاأیها الذین آمنوا۔" (مرقاۃ المفاتیح ۶/۲۸۳)

یعنی یہ احتمال ہے کہ شاید مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آیت اسی طرح ہو لیکن بندہ عرض کرتا ہے کہ کافی تتبع اور قراءات متواترہ اور شاذہ سے متعلق کتب کے مطالعے کے بعد بھی احقر کو کہیں اتنے بڑے تغیر کا مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہونا معلوم نہ ہوسکا، بلکہ اسی

یت کے آخر میں موجود لفظ ''الارحام'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ''وبالارحام'' باء کی زیادتی کے ساتھ ہے۔اس باء کی زیادتی کا ذکر متعدد جگہ موجود ہے اور جزماً ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہاں باء زیادہ ہے۔ دیکھئے: (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ۴/ ۲۲۲، ابراز المعانی من حرز الامانی ص ۲۸۴، بذل المجهود شرح سنن ابی داؤد ۳/ ۲۴۵)۔

جب اتنا معمولی باء کا فرق تمام کتب میں موجود ہے نیز دیگر قراءات میں پائے جانے والے معمولی فروق بھی قراء ذکر فرماتے ہیں تو اتنا بڑا فرق جہاں آدھی سے زیادہ آیت حذف ہے اور تقدیم وتغیر پایا جاتا ہو وہاں یہ کہنا ''شاید مصحف ابن مسعود میں ایسا ہو'' درست معلوم نہیں ہوتا۔

اس تغیر سے متعلق ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا سہواً، غلطی کی بنا پر ہو گیا ہو اور انہوں نے یہ تقدیم وتغیر کر دیا ہو۔مرقاۃ میں ہے:

"وفی جامع الترمذی فسّر الآیات الثلاث سفیان الثوری اقول فیمکن الغلط سهواً منه فالاولیٰ ان تقرء الآیة علی القراءة المتواترة کما فی نسخة من الحصن"۔(مرقاة المفاتیح ۶/۲۸۴)

بندہ عرض کرتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ مسئلہ سہو سے متعلق ہو۔حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے سہواً آیات کو متغیر تلاوت فرما دیا ہو جیسا کہ آیت "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا" سے متعلق ابھی گزرا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے **"فان لم تجدوا"** بھی پڑھا ہے اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سہو قرار دیا تھا:

"قول سفیان یقول الله تعالی فان لم تجدوا ماء (النساء ۴۳ المائدة ۶)....وقال بعضهم لعل الثوری رواه بالمعنی ،قلت :لایصح هذا اصلا لأنه قلب کلام الله تعالی والظاهر انه سهو أو وقع غلطاً.....الخ" (عمدة القاری ۳/۳۶)

نیز حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا سہو ہوا ہے کہ انہوں نے آیت کو "فان لم تجدوا" پڑھ دیا۔عمدۃ القاری میں اسے بھی حماد رحمۃ اللہ علیہ کا وہم قرار دیا گیا ہے:

لما فی المصنف ابن ابی شیبة:من قال لا یتیمم حتی یجد الماء:عن شقیق ،قال : کنت جالسا مع عبد الله، وأبی موسی ،فقال أبو موسی : یا أبا عبد الرحمن، أرأیت لو أن رجلا أجنب فلم یجد الماء شهرا ، کیف یصنع بالصلاة ؟ فقال عبد الله : لا یتیمم وإن لم یجد الماء شهرا ، فقال أبو موسی : فکیف بهذه الآیة فی سورة المائدة : {فإن لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا} فقال عبد الله: لو رخص لهم فی هذا لأوشکوا إذا برد علیهم الماء أن یتیمموا بالصعید.

وفی عمدة القاری۔ کتاب التیمم (۴/۲) "قوله فلم تجدوا ماء" القرآن هکذا فی سورة النساء والمائدة ورواية الأکثرین علی هذا وهو الصواب وفی رواية النسفی وعبدوس، والحموی

والمستملی فإن لم تجدوا ووقع التصریح به فی روایة حماد بن سلمة عن هشام عن أبیه عن عائشة رضی الله تعالی عنها فی قصتها المذکورة قال فأنزل الله آیة التیمم فإن لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا (النساء۴۳ والمائدة۶) الحدیث والظاهر أن هذا وهم من حماد أو غیره أو قراءة شاذة لحماد.

وفی عمدة القاری أیضا۔باب التیمم ضربة(۳۶/۴)قوله فی سورة المائدة وفی روایة الکشمیهنی فکیف تصنعون بهذه الآیة فی سورة المائدة ولیس فی روایة الأصیلی لفظ الآیة وقوله فلم تجدوا هو بیان للمراد من الآیة ووقع فی روایة الأصیلی فإن لم تجدوا وهو مغایر للتلاوة وقیل إنه کان کذلك فی روایة أبی ذر ثم أصلحها علی وفق الآیة۔

لہذا یہاں خطبہ نکاح میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے وہم ہو گیا ہو، اور یہ کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے آیات کو سہواً متغیر تلاوت فرما دیا ہو۔ باقی امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریق بالکل سالم ہے۔ مستدرک حاکم، نسائی، بیہقی، مسند احمد اور دارمی میں ان ہی کے طریق سے مکمل آیات مع الترتیب ذکر ہیں۔ ''حصن حصین'' میں اور حصن سے نقل کر کے ''طحطاوی علی الدر'' میں جو خطبہ نقل ہے اس میں آیات میں تو کوئی تغیر نہیں، البتہ سورۃ النساء کی آیت سورۃ آل عمران کی آیت پر مقدم ہے۔

خلاصہ کلام

بہر حال زیادہ واضح بات یہ ہے کہ آیت میں تغیر صرف اختصاراً کیا گیا تھا جبکہ اس سے مراد مکمل آیات تھیں جیسا کہ شراح حدیث نے وضاحت فرمائی ہے لہذا مختصر یا حذف شدہ آیات کا پڑھنا جائز نہیں البتہ جن روایات اور حصن حصین وغیرہ میں آیات مقدم و مؤخر ہیں ان کا پڑھنا درست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ آیات کو ترتیب وار صحیح اور مکمل حالت میں پڑھا جائے۔ پہلے سورۃ آل عمران پھر سورۃ النساء اور پھر سورۃ احزاب کی آیت پڑھے۔ مستدرک حاکم کی حدیث کا متن لفظ بلفظ ذکر کیا جا رہا ہے اسی کو بطور خطبہ پڑھا جائے۔

عن عبد الله رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه علمنا خطبة الحاجة الحمد لله نحمده ونستعینه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا من یهده الله فلا مضل له ومن یضلل فلا هادی له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم یقرأ ثلاث آیات یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون، یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء واتقوا الله الذی تساءلون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیبا، یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظیما. ثم

یذکر حاجته۔ (مستدرک حاکم ۱۹۹/۲)

کتب حدیث میں موجود روایت خطبہ نکاح میں بندے کے نزدیک مستدرک حاکم اور سنن نسائی وغیرہ کی صحیح روایت ہی اصل ہیں بقیہ مختصر اور مقدم ومؤخر روایات میں اولاً تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مرفوعاً آیات نقل ہی نہیں بعد میں انہیں بیان کیا گیا ہے، ان میں جامع ترمذی کی روایت اصل ہے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اختصاراً بیان فرمایا تھا اور ان کا مذہب آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کا تھا۔ ان کے شاگردوں نے مزید اختصار اور خلاصہ بیان فرمادیا، مراد مکمل اور معہود آیات ہی تھیں جبکہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق میں ایسا کوئی اختصار یا تقدیم وتاخیر نہیں لہذا خطبہ نکاح میں حمد وصلاۃ کے بعد سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ احزاب کی آیات کو علی الترتیب مکمل پڑھا جائے جیسا کہ مستدرک حاکم سے نقل کردی گئی ہیں۔ یہی خطبہ نکاح کے وقت سے ہم آہنگ اور قریب تر ہے۔

لما فی جامع الترمذی باب ما جاء فی خطبة النکاح ۲۱۰/۱ قدیمی):عن عبد الله رضی الله عنه قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد فى الصلاة والتشهد فى الحاجة قال : التشهد فى الصلاة التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله والتشهد فى الحاجة إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا فمن يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. ويقرأ ثلاث آيات. قال عبثر ففسره لنا سفيان الثورى (اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون) (واتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا) (اتقوا الله وقولوا قولا سديدا). قال وفى الباب عن عدى بن حاتم. قال أبو عيسى حديث عبد الله حديث حسن رواه الأعمش عن أبي إسحاق عن أبي الأحوص عن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم. ورواه شعبة عن أبي إسحاق عن أبي عبيدة عن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم .

و فى سنن النسائى ابواب الجمعه باب كيفية الخطبة (۲۰۸/۱):أخبرنا محمد بن المثنى ومحمد بن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحاق يحدث عن أبي عبيدة عن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال علمنا خطبة الحاجة الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم يقرأ ثلاث آيات (يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون) (يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى

خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا) (يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا). قال أبو عبد الرحمن أبو عبيدة لم يسمع من أبيه شيئا ولا عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود ولا عبد الجبار بن وائل بن حجر.

وفی مرقاة المفاتيح(۶/۲۸۳۔ رشيدية): يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله الذي هكذا في نسخ المشكاة والاذكار وتيسير الوصول إلى جامع الأصول وبعض نسخ الحصن قال الطيبي رحمه الله ولعله هكذا في مصحف ابن مسعود رضي الله تعالى عنه فإن المثبت في أول سورة النساء واتقوا الله الذي بدون يا أيها الذين آمنوا قيل يحتمل أن يكون تأويلا لما في الإمام فيكون إشارة إلى أن اللام في يا أيها الناس للعهد والمراد المؤمنون قلت لا يصح هذا الاحتمال لأنه لو كان كذلك لقال يا أيها الذين آمنوا اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة الآية مع أن الموصولين لا يلائمان التخصيص۔

وفی بذل المجهود کتا ب النکاح(۳/۲۴۴۔۲۴۵):ويقرء النبى ﷺ ثلاث آيات"يا ايها الذين آمنو اتقو ا الله الذى تسا ءلون به والأرحام ان الله كان عليكم رقيبا" قال القارى هكذا فى نسخ المشكوة والا ذكار وتيسير الوصول الى جامع الا صول وبعض نسخ الحصن قال الطيبى رحمه الله ولعله هكذا فى مصحف ابن مسعو درضى الله عنه فا ن المثبت فى اول سورة النساء واتقو الله الذى بدون يا ايها الذين آمنو قيل يحتمل ان يكون تاويلا لما فى الا مام فيكون اشارة الى ان اللام فى يا ايها الناس للعهد والمراد المؤ منون قلت لا يصح هذاالاحتمال لأنه لو كان كذلك لقال"يايها الذين آمنو ااتقو ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة" الآية مع ان المو صولين لايلا ئمان التخصيص وتساءلون بحذف احد التائين و بتشديد السين قراءتان متوا ترتان والا رحام بالنصب عند عامة القراء أى واتقو الارحام ان تقطعو ها وقراءة همزة بالخفض أى به والا رحامِ كما فى قراءة شاذة عن ابن مسعود رضى الله عنه قال الترمذى فى جامعه ففسرها أى ثلاث آيات سفيان الثورى اقول فيمكن الغلط فى الآية الأولى سهوًا منه فالأ ولى أن تقرءالآ ية على القراءة المتواترة كما فى نسخة من الحصن وهو ياايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحد ة و خلق منها زوجها و بث منهما رجالا كثيراو نساء واتقواالله الآية وهو فى غاية المناسبة لحال النكاح وغيرها من كل حاجة۔

(۱۲۴)اردو میں نکاح کا خطبہ پڑھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلے کے بارے میں کہ خطبہ نکاح اردو میں دینا کیسا ہے؟ ہمارے علاقے میں ایک قاضی صاحب اردو میں دس منٹ کا بیان کرتے ہیں پھر مختصر عربی خطبہ پڑھ کر ایجاب کردیتے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟ اگر صرف اردو میں ہی خطبہ دے دیا جائے تو درست ہے؟ ازراہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خطبہ نکاح مستحب ہے نکاح کی شرائط یا واجبات میں سے نہیں نکاح، خطبہ کے بغیر بھی منعقد ہوسکتا ہے البتہ خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے اور خطبہ جمعہ کا عربی میں پڑھنا علی التحقیق واجب ہے[1] البتہ خطبہ نکاح چونکہ مستحب ہے اس لئے غیر عربی میں بھی یہ خطبہ دینا جائز ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اولاً اردو زبان میں خطبہ نکاح کا ترجمہ اور کچھ تشریح ہوجائے اور پھر عربی خطبہ بھی پڑھ لیا جائے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے علاقے کے قاضی صاحب کا عمل درست ہے۔

(۱۲۵)نکاح کا خطبہ کیسے پڑھا جائے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے یا بیٹھ کر؟ برائے کرم مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے یا بیٹھ کر اس کے بارے میں فقہاء کرام کی عبارات سے صراحت تو نہیں مل سکی البتہ اکابرین کا معمول بیٹھ کر پڑھنے کا ہے۔

لمافی جامع الترمذی (۲۱۰/۱):عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التشہد

---

[1] خطبہ جمعہ، قراءات اور تکبیرات وادعیہ صلوۃ وغیرہ کے غیر عربی میں پڑھنے کے حکم اور اس میں امام صاحبؒ کے مذہب اور دیگر ضروری تفصیلات کی تنقیح اور وضاحت کیلئے نجم الفتاوی جلد ثانی میں موجود فتوی **"الکلمات الھندیۃ فی الاجابۃ عن الدعاء بغیر العربیۃ"** دیکھئے۔ازمرتب ابوعزام فرحان حسن عفی عنہ

فی الصلاة والتشهد فی الحاجة قال: التشهد فی الصلاة التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیك۔۔۔ الخ۔

وفی الدرالمختار، کتاب النکاح (۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم الجمعة بعاقد رشید وشهود عدول۔

(۱۲۶) جمعہ یا ظہر کی نماز میں دعا کے فوراً بعد ہی نکاح پڑھانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مسجد کا امام ہوں مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں جب نکاح پڑھایا جائے تو لوگ سنتوں کے بعد رکتے نہیں، اہل محلہ کے مشورے سے یہ بات سامنے آئی کہ جمعہ کی نماز یا ظہر کی نماز کے بعد جب نکاح ہو تو وہ سنتوں سے پہلے ہی پڑھا دیا جائے جس سے مجمع زیادہ شریک ہو کر اس مسنون عمل سے ماجور ہو جائے، اب ہم اسی پر عمل شروع کر رہے ہیں آپ سے دریافت کرنا تھا کہ کیا یہ طرز عمل شرعاً درست ہے یا کوئی مسئلہ تو نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں کو فوراً اداء کرنا بھی ایک مستقل سنت ہے بلکہ فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی کے بعد سنتوں سے پہلے کلام (بات) کرے تو اس سے سنتوں کے ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، بہت زیادہ مجمع کو اکٹھا کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن ضروری نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے فرائض کے بعد والی سنتوں کو اداء کیا جائے اس کے بعد عقدِ نکاح پڑھایا جائے اگرچہ لوگوں کی تعداد کم کیوں نہ ہو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ عقدِ نکاح کے بعد لوگ مبارکباد وغیرہ میں مشغول ہو کر سنتوں کو بھول بیٹھیں اور ان کی سنتیں قضاء ہو جائیں۔

لما فی البحرالرائق (۸٦/۲): القیام إلى السنة متصلا بالفرض مسنون وفي الشافي كان علیه الصلاة والسلام إذا سلم يمكث قدر ما يقول اللهم أنت السلام ومنك السلام وإليك يعود السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام۔۔۔ لو تكلم بعد الفريضة هل تسقط السنة قيل تسقط وقيل لا تسقط ولكن ثوابه أنقص من ثوابه قبل التكلم اھ وفي القنية الكلام بعد الفرض لا يسقط السنة ولكن ينقص ثوابه وكل عمل ينافي التحريمة أيضا وهو الأصح اھ۔

وفی الهندیة (۱۱۲/۱): ولو تكلم بعد الفريضة هل تسقط السنة قيل تسقط وقيل لا ولكن ثوابه أنقص من ثوابه قبل التكلم كذا في النهاية۔

(۱۲۷) خطبہ نکاح کے سننے کا وجوب کہاں سے ثابت ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ نکاح کا سننا واجب ہے یا مستحب؟ ہر خطبہ کا سننا واجب ہے یا مستحب؟ عید کے خطبے کا سننا مسنون ہے یا مستحب؟ قرآن وحدیث سے ذکر فرمادیں۔ فقہاء نے تمام خطبوں کے سننے کا وجوب کہاں سے ذکر کیا ہے؟ آیت سورہ جمعہ عام ہے تو کس مفسر نے عام کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں جن میں جمعہ کے خطبہ کے علاوہ کے نہ سننے پر وعید منقول ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب

تمام خطبوں کا سننا واجب ہے کیونکہ جتنے خطبے بھی ہیں وہ سب قرآن پاک کی آیات پر مشتمل ہوتے ہیں اور سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "جب قرآن پاک پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگادیا کرو اور خاموش رہا کرو" یہ آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے اور یہ آیت قراءۃ فی الصلوۃ کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی خطبہ چاہے جمعہ کا ہو یا عید اور نکاح کا وہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا ہے جب یہ آیت نماز اور خطبہ دونوں سے متعلق ہے تو قرآن پاک کے نص قطعی سے خطبہ کا استماع اور اس کے لئے خاموش رہنا واجب ہوا اور فقہاء نے تمام خطبوں کے سننے کے وجوب کی صراحت کی ہے۔

لمافی عمدة القاری باب الاستماع الی الخطبة (۲۲۹/۶): ذكر ما يستفاد منه فيه الإنصات إلى الخطبة وهو مطلوب بالاتفاق ـــ وروي عن مجاهد أنه قال لا يجب الإنصات للقرآن إلا في موضعين في الصلاة والخطبة ثم نقل عن أكثر العلماء أن الإنصات واجب على من سمعها ومن لم يسمعها ـــ وكان عروة لا يرى بأسا بالكلام إذا لم يسمع الخطبة وقال أحمد لا بأس أن يذكر الله ويقرأ من لم يسمع الخطبة ـــ فروي عن الشعبي وسعيد ابن جبير والنخعي وابن بردة أنهم كانوا لا يتكلمون والإمام يخطب إلا في قراءة القرآن في الخطبة خاصة لقوله تعالى فاستمعوا له وأنصتوا ـــ وقال أصحابنا إذا اشتغل الإمام بالخطبة ينبغي للمستمع أن يجتنب ما يجتنبه في الصلاة لقوله عز وجل فاستمعوا إليه وأنصتوا ـــ وقوله إذا قلت لصاحبك أنصت الحديث ـــ قيل وجوب الاستماع مخصوص بزمن الوحي وقيل في الخطبة الأولى دون الثانية۔

وفی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح كتاب الصلاة (ص۵۱۹) قديمی: وفي السيد استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب وإن كان فيها ذكر الولاة وهو الأصح نهر وكذا استماع سائر

الخطب کخطبۃ النکاح والختم۔

وفی الدرالمختار باب الجمعة (۲/۱۵۹): وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح وخطبة عید وختم علی المعتمد۔

(۱۲۸) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج مطہرات سے نکاح میں خطبہ وغیرہ کی تفصیلات

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور بنات کا نکاح کن کن اشخاص نے پڑھایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد نکاح فرمائے ان نکاح کے پڑھانے والوں کے کیا نام ہیں؟ نیز بنات طیبات اور دیگر صحابیات میں سے تمام کے نہیں لیکن خاص خاص صحابیات کے نکاح اوران کی کیفیت کو ذکر کردیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صحیح اور مشہور مذہب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے نہ توکسی ولی کی ضرورت تھی اور نہ گواہوں کی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

البتہ تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے بعض ازواج مطہرات کے نکاح پڑھانے والوں کے بارے میں صراحت ملتی ہے۔

(۱) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوطالب نے پڑھایا تھا۔

(۲) مستدرک حاکم اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت نجاشی نے پڑھایا تھا۔

(۳) زرقانی میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے پڑھایا تھا۔

(۴) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

(۵) تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں پڑھایا تھا۔

باقی ازواج مطہرات کے نکاح پڑھانے والوں کے بارے میں صراحت نہیں ملی البتہ ولی نکاح کی صراحت ملتی ہے۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات کے نکاح کی بات ہے تو تاریخ کی کتابوں میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بنات کا نکاح خود ہی کرایا تھا۔ حضرت زینب بنت عثمان رضی اللہ عنہا صحابیہ کا نکاح ان کے چچا حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کرایا تھا اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

لمافی السیرة النبویة لابن ھشام (۴/۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲) (ط داراحیا التراث):

"زواجه بخدیجة": خدیجة بنت خویلد وھی اول من تزوج زوجه إیاھا ابوھا خویلد بن اسد...... الخ.

"زواجه بعائشة": وتزوج رسول الله عائشة بنت ابی بکر الصدیق بمکة ... زوجه إیاها ابوها أبو بکر... الخ

"زواجه بسودة": وتزوج رسول الله سودة بنت زمعة...... زوجه إیاها سلیط بن عمر۔

"زواجه بزینب بنت جحش": زوجه إیاها اخوها ابو احمد۔

"زواجه بام سلمة": زوجه إیاها سلمة بن ابی سلمة ابنها۔

"زواجه بحفصة": زوجه إیاها أبوها عمر بن الخطاب۔

"زواجه بأم حبیبة": زوجه إیاها خالد بن سعید بن العاص۔

"زواجه بجویریة": وخطبها رسول الله الی ابیها فزوجه ایاها۔

"زواجه بصفیة": وتزوج رسول الله صفیة بنت حی بن اخطب سباها من خیبر فأصطفاها لنفسه۔

"زواجه بمیمونة": زوجه ایاها العباس بن عبد المطلب۔

"زواجه زینب بنت خزیمة": زوجه إیاها قبیصة بن عمرو۔

وفی البدایة والنهایة (١٣٥/٣)(دارالفکر): فصل فی تزوج النبی بأم حبیبه: امر النجاشی جعفر بن ابی طالب ومن کان هناك من المسلمین ان یحضروا وخطب النجاشی۔الخ۔

وفی الاصابة (١٥٠/٨) (ط دارالکتب العلمیه): زینب بنت سید ولد آدم --- هی اکبر بناته واول من تزوج منهن۔

وفی اسد الغابة (٣٢١/٧) (ط داراحیاء التراث): فزوج النبی ﷺ رقیة عن عثمان رضی اللہ عنہ فلما توفیت زوجه أم کلثوم۔

وفیه أیضاً(٢٣٩/٧): فاطمة بنت رسول الله سیدة نساء العالمین ---وکانت احب الناس الی رسول الله وزوجها عن علی بعد احد۔

وفی الاصابة (١٦١/٨) (ط دارالکتب العلمیه): زینب بنت عثمان بن مظعون: قال: تزوج ابن عمر زینب بنت عثمان بعد وفاة ابیها زوجه ایاها عمها قدامة۔

وفی اسد الغابة (٢٥/٧) (ط داراحیاء التراث): "أمامة بنت ابی العاص" أمها زینب بنت رسول الله وکانت فاطمة وصت علیا ان یتزوجها فلما توفیت فاطمة تزوجها زوجها منه الزبیر بن العوام لأن اباها قد أوصاه بها۔

فصل فی وعد النکاح

(منگنی کے مسائل کا بیان)

(۱۲۹) منگنی کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل عموماً شادی سے پہلے منگنی کی رسم اداء کی جاتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے اور جو شخص اس کو ضروری سمجھے اس کا کیا حکم ہے؟ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی سے قبل دونوں خاندان والوں کا جمع ہوکر کچھ اشیاء کا طے کرنا ضروری ہوتا ہے یہ چیزیں عین شادی کے موقع پر طے کرنا مشکل ہوتی ہیں لہٰذا اگر دونوں خاندان والے کسی مجلس میں جمع ہوجائیں (جسے ہمارے عرف میں منگنی کہتے ہیں) اور منکرات، لہو ولعب سے بچتے ہوئے یہ چیزیں طے کرلی جائیں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے البتہ اس میں حد سے زیادہ تکلفات یا بے پردگی وغیرہ امور سے اجتناب بے حد ضروری ہے۔

لمافی الدرالمختار(۱۲/۳): هل أعطيتنيها ان المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

وفی الرد تحته: قال في شرح الطحاوي لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

(۱۳۰) منگنی کیا ہے اور کیا دورِ نبوی میں اس کا رواج تھا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کی رسم کا ثبوت دورِ نبوی سے ملتا ہے؟ منگنی کیا ہے؟

الفقہ الاسلامی اور المفصل فی احکام المرأۃ والبیت المسلم میں "الخطبۃ مجرد وعد بالزواج لازواجا" کہا گیا ہے جس سے لگتا ہے خطبہ یعنی پیغام نکاح ہی منگنی وعد بالزواج ہے اگر یہ بات لے لی جائے تو پھر منگنی کے ثبوت کے دلائل بہت زیادہ ہوں گے جتنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغام بھیجے وہ سب دلیل بن جائیں گے لیکن اگر یہ بات درست نہیں تو منگنی کا خیر القرون میں مروج معنی میں رواج تھا یا نہیں؟ بیٹھ کر نکاح کی تاریخ طے کی گئی ہو تو تحقیق فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عربی زبان میں خِطبہ کے حقیقی معنی پیغام نکاح اور نکاح کی بات چیت کے ہیں البتہ عرف عام میں خطبہ کا اطلاق منگنی پر انتہاء اور مآل کے اعتبار سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اولا پیغام دیا جاتا ہے پھر طرفین ایک دوسرے سے متعلق اطمینان کر لیتے ہیں اگر بات بن جائے تو وعدہ کر لیا جاتا ہے، یہی پیغام نکاح نتیجۃً اور انتہاء وعدہ نکاح یعنی منگنی ہے البتہ ابتداء اس کی حیثیت وعدہ نکاح کی نہیں۔

الفقہ الاسلامی اور المفصل کے مصنفین نے بھی خطبہ کے معنی پیغام نکاح کے کئے ہیں اور ان کا خطبہ کو "مجرد وعد بالزواج لازواجا" کہنے سے دو باتوں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ایک یہ کہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو خطبہ کو فسخ بھی کر سکتے ہیں کہ خطبہ نتیجۃً محض وعدہ ہے نکاح نہیں، دوسرا یہ کہ خطبہ کی بنیاد پر جانبین ایک دوسرے کے حق میں محرم نہیں بنتے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔

رہی بات خیر القرون میں مروجہ منگنی کا رواج تو تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی صراحت نہ ملی جس میں بیٹھ کر تاریخ وغیرہ طے ہوئی ہو، ہاں پیغام نکاح کے بعد آپس میں مشورہ کرنا، مہر وغیرہ متعین کرنا ملتا ہے، لیکن تاریخ کی تعیین کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان حضرات کے ہاں تاریخ طے نہ ہوتی ہو کیونکہ یہ تاریخی واقعات ہیں جن کا من وعن ہم تک پہنچنا لازمی اور ضروری نہیں۔

لمافی القاموس المحیط (۶۵/۱) الخطبۃ بکسر الخاء مصدر خطب، یقال خطب المرأۃ خطبۃ وخطبا، واختطبها، اذا طلب ان یتزوجها، واختطب القوم فلانا اذا دعوہ الی تزویج صاحبتهم۔

وفی المعجم الوسیط (۲۴۳): خطب الناس خطبا وخطبۃ: طلبها للزواج ویقال خطبها الی اهلها: طلبها منهم للزواج۔ الخطبۃ طلب المرأۃ للزواج والمرأۃ المخطوبۃ۔

وفی لغات القرآن (۳۱۳/۱): خِطبۃ پیغام نکاح، منگنی، نکاح کی بات چیت کو خطبہ کہتے ہیں۔

وفی المرقاۃ (۲۷۸/۶) کتاب النکاح: الخطبۃ منهیۃ اذاکانا راضیین وتعین الصداق۔

وفی المفصل فی احکام المرأۃ (۵۸/۶) الخطبۃ: حکمۃ تشریعها: اما حکمۃ تشریعها فهی اعطاء فرصۃ کافیۃ للمرأۃ واهلها واولیائها للسؤال عن الخاطب والتعرف علی ما یهم المرأۃ واهلها واولیائهم معرفتہ من خصال الخاطب مثل تدینہ واخلاقہ وسیرتہ ونحو ذلک --- وفی الخطبۃ

أيضا فرصة للخاطب ليعرف عن المرأة مالم يعرفه عنها قبل الخطبة۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۴۹۲/۹): معنى الخطبة هي اظهار الرغبة في الزواج بامرأة معينة ... فان وافقت المخطوبة او اهلها فقد تمت الخطبة بينهما وترتبت عليها احكامها وآثارها الشرعية ... الخطبة والوعد بالزواج، وقراءة الفاتحه، وقبض المهر، وقبول الهدية لا تكون زواجا۔

وفی الشامية (۸/۳) كتاب النكاح: وتقديم خطبة ... واما بكسرها فی طلب التزوج۔

(۱۳۱) منگنی اور اس کے بعد کی رسوم و نیوتہ کی شرعی حیثیت

سؤال

آجکل ہمارے ہاں جو منگنی کا رواج ہے کہ لڑکے والے خود لڑکے کو ساتھ لے کر لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور انگوٹھی وغیرہ کی رسم ہوتی ہے اور بعض علاقوں میں صرف والدین ایسا کرتے ہیں اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ کیا منگنی کی رسم شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو شرعی طریقہ کیا ہے؟ نیز جب منگنی ہو جاتی ہے تو اس کے بعد دوسری رسومات مثلاً اگر اس کے بعد عید وغیرہ آجائے تو منگیتر کے لئے کپڑے وغیرہ بھیجنا، اسی طرح شادی سے پہلے لہنگا وغیرہ کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ لازم کیا جانا کیا یہ شرعی لحاظ سے درست ہے یا نہیں؟ پھر بسا اوقات بہترین جہیز وغیرہ کے لئے والدین قرضہ لیتے ہیں تاکہ برادری میں ہماری عزت باقی رہے کیا اس کے لئے قرض لینا درست ہے؟ شادی کے دن کھانے کے بعد عام طور پر جو نیوتہ کی رسم ہوتی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے یا نہیں؟ از راہِ کرم شریعت محمدیہ کے مطابق راہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

منگنی شرعی طور پر صرف وعدۂ نکاح کا نام ہے اور اس موقع پر جو رسومات ہوتی ہیں اگر وہ قرآن وحدیث اور نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہوں تب تو جائز ہیں، لیکن اگر وہاں محظورات شرعیہ کا ارتکاب کیا جاتا ہو تو پھر جائز نہیں لہذا منگنی کے موقع پر لڑکے والے لڑکے کو لے کر لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور لڑکی کو انگوٹھی پہناتے ہیں تو اگر وہاں دیگر مفاسد نہ ہوں (مثلاً لڑکا خود لڑکی کو انگوٹھی نہ پہنائے وغیرہ) تو یہ جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ منگنی کے بعد جو دیگر رسومات (مثلاً منگیتر کیلئے کپڑے اور ہدایا بھیجنا) کی جاتی ہیں اگر اس میں ریاء و نمود مقصود نہ ہو اور شوہر کے ذمہ لازمی بھی نہ ہو، اور اپنے اوپر قرض کا بوجھ نہ لادیں تو جائز ہے ورنہ صحیح نہیں۔ نیز جہیز اگر والدین اپنی رضامندی سے اور اپنی مالی استطاعت سے بیٹی کو دیں تو کوئی حرج نہیں لیکن عموماً چونکہ اس کا التزام اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ برادری میں عزت باقی رہے اور ریاء و دکھلاوا مقصود ہوتا ہے اور اس کیلئے بغیر ضرورت کے قرضہ لیتے ہیں لہذا یہ جائز نہیں ہے۔ نیوتہ کے جواز کیلئے چند

شرائط ہیں:

(۱) اگر کوئی غریب آدمی اپنی اولاد کی خوشی کرنا چاہتا ہو، اور اسکے پاس آمدن نہ ہوتو اس کو بطور قرض کے دے سکتے ہیں۔

(۲) مذکورہ لین دین کی صورت میں ایک دوسرے پر اکراہ وجبر نہ ہو۔

(۳) اگر کوئی نہ دے تو اس پر طعن وتشنیع بھی نہ ہو۔

(۴) فخر ونمود کا سلسلہ بھی نہ ہو لہٰذا اگر ان شرائط کا لحاظ کیا جائے تو یہ لین دین صحیح ہے،

لیکن جن علاقوں میں یہ رواج ہے وہاں ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس لئے یہ لین دین بھی صحیح نہیں ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۱۸۸): وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ...الآية

وفی مشکوۃ المصابیح (۱/۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "ألا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه"

وفی الشامية (۳/۱۵۳): قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

وفيه أيضاً(۳/۱۵۵): وعلى هذا فما يقع في قرى دمشق من أن الرجل يخطب امرأة ويصير يكسوها ويهدي إليها في الأعياد ويعطيها دراهم للنفقة والمهر إلى أن يكمل لها المهر فيعقد عليها ليلة الزفاف فإذا أبت أن تتزوجه ينبغي أن يرجع عليها بغير الهدية الهالكة على الأقوال الأربعة المارة لأن ذلك مشروط بالتزوج كما حققه قاضيخان فيما مر۔

(۱۳۲) منگیتر سے ملاقات اور فون پر بات چیت کرنے کا حکم

سؤال

آجکل یہ رواج ہے کہ جب کسی لڑکے اور لڑکی کی منگنی ہوجاتی ہے تو آپس میں ملاقات اور فون وغیرہ پر بات، چیت شروع ہوجاتی ہے کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ نیز اگر کسی کا نکاح ہوا ہو اور رخصتی ہونا باقی ہے تو وہ اپنی بیوی سے ملاقات یا فون وغیرہ پر بات کرسکتا ہے براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں اجنبیہ عورت کو دیکھنا اور اس کے ساتھ بات چیت کرنا حرام ہے اور منگنی ہوجانے کے باوجود لڑکی اجنبیہ عورت کے حکم میں داخل ہوتی ہے لہٰذا آپس میں ملاقات اور فون وغیرہ پر بات چیت کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے نیز اگر کسی عورت کا نکاح ہوجائے اور رخصتی نہ ہوئی ہو تو اس عورت سے ملاقات اور فون وغیرہ پر بات چیت کرنا جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ ملاقات اور بات چیت رخصتی کے بعد ہی کی جائے۔

لمافی سنن النسائی (۶۰/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال خطب رجل امرأة من الأنصار فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل نظرت إليها؟ قال لا، فأمره أن ينظر إليها۔

وفی مرقاة المفاتیح (۲۵۱/۶): وفيه استحباب النظر إليها قبل الخطبة حتى إن كرهها تركها من غير إيذاء--- وإنما يباح له النظر إلى وجهها وكفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة في حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة اهـ۔

وفی الهندية (۳۲۹/۵): وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية كذا في الذخيرة وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام كذا في الينابيع النظر إلى وجه الأجنبية إذا لم يكن عن شهوة ليس بحرام لكنه مكروه كذا في السراجية --- ولا يحل له أن يمس وجهها ولا كفها وإن كان يأمن الشهوة وهذا إذا كانت شابة تشتهى۔

وفی الدر المختار (۳۶۷/۶): (إلا من أجنبية) فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة لأنه أغلظ۔ وفی (ص۳۶۹): ولا يكلم الأجنبية إلا عجوزا عطست أو سلمت فيشمتها ويرد السلام عليها وإلا لا انتهى۔

وفی الرد تحته: قوله (وإلا لا) أي وإلا تكن عجوزا بل شابة لا يشمتها ولا يرد السلام بلسانه۔

(۱۳۳) منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عنقریب میرے بڑے بھائی کی شادی ہونے والی ہے اگلے ہفتے منگنی کی تقریب ہے۔ میرا بھائی کہہ رہا ہے کہ میں منگنی میں لڑکی کو انگوٹھی پہناؤں گا جیسے سب پہناتے ہیں۔ والد صاحب زمیندار

ہیں، وہ منع کررہے ہیں۔ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا منگنی میں میرا بھائی لڑکی کو انگوٹھی پہنا سکتا ہے شرعی حکم کیا ہے میں بھی دینی مدرسے کا طالب ہوں میں نے اپنی مشکوۃ شریف کی شرح مرقاۃ شریف میں اس حدیث کی تشریح پڑھی جو مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کے بارے میں ہے وہاں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

"وظاهره جواز مساستها فإن به تبين اللين وضده" (مرقاۃ، ۶/۲۵۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ نرمی اور سختی معلوم ہو جائے جو کہ بظاہر چھو کر زیادہ بہتر معلوم ہوسکتی ہے یہ بات ذکر کی ہے۔ بظاہر اس عبارت سے انگوٹھی پہنانا ثابت ہوتا ہے لیکن میں نے بھائی کو نہیں بتایا پہلے آپ سے فتویٰ لینا ضروری تھا لہٰذا آپ بتادیں کہ نظر الی المخطوبة والی حدیث میں کسی نے مس کا جواز ذکر کیا ہے نیز فتویٰ کیا ہے۔ اور خوف شہوت کے باوجود دیکھنے کی اجازت ہے تو انگوٹھی پہنا دینے میں کیا حرج ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن وحدیث میں عورتوں کیلئے غیر محرموں سے پردہ کرنے کے احکام مفصلاً بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان آیات واحادیث کو سامنے رکھتے ہوئے غیر محرم سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی غیر محرم سے پردہ نہیں کرتا تو سخت گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور غیر محرم کو چھونا تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(۱) صورت مسئولہ میں لڑکے کا از خود لڑکی کو انگوٹھی پہنانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اجنبیہ کو جو کہ غیر محرم ہے چھونا لازم آرہا ہے اور یہ سخت گناہ ہے۔

(۲) قرآن وحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجنبیہ عورت کو چھونا جائز نہیں مخطوبہ بھی چونکہ اجنبیہ ہی ہوتی ہے لہٰذا اس کو بھی چھونا جائز نہیں۔ جہاں تک بات ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شریف میں یہ لکھا ہے، کہ مخطوبہ کو چھونا جائز ہے۔ اس سے متعلق ہم نصوص، فقہاء کرام کے اقوال اور مفتی بہ قول کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہیں گے کہ یہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے، فتویٰ اسی پر ہے کہ مخطوبہ کو مس کرنا (چھونا) جائز نہیں نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس بات کو "وظاہر الخ" سے تعبیر فرمایا ہے یعنی "بظاہر مسئلے کی علت سے چھونے کا جواز معلوم ہوتا ہے" جو کہ خود بتا رہا ہے کہ یہ حکم شرعی نہیں بلکہ صرف ظاہر کا تقاضہ ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اس کے قائل نہیں۔

(۳) حدیث نبوی میں مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرات فقہاء کرام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ شہوت کے باوجود آدمی مخطوبہ کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں خلوت لازم نہیں آتی اور نہ اس میں شہوت پورا کرنا مقصود ہوتا ہے بلکہ اقامت سنت مقصود ہوتی ہے اور انگوٹھی پہنانے میں چونکہ ایسی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا انگوٹھی پہنانا مطلقاً درست نہیں چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا بدونِ شہوت بہر صورت حرام ہے۔

لمافی المشکوۃ (۲۶۸/۲) کتاب النکاح (ط قدیمی): عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " إذا خطب أحدکم المرأة فإن استطاع أن ینظر إلی ما یدعوہ إلی نکاحها فلیفعل۔"

وفی الهندیة (۳۳۰/۵): ولو أراد أن یتزوج امرأة فلا بأس بأن ینظر إلیها وإن خاف أن یشتهیها کذا فی التبیین۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۵۰۸/۹): تحریم الخلوة بالمخطوبة: بینا أن الخطبة لیست زواجاً، وإنما هی مجرد وعد بالزواج، فلا یترتب علیها شیء من أحکام الزواج، ولا الخلوة بالمرأة أو معاشرتها بانفراد لأنها ماتزال أجنبیة عن الخاطب۔ وأما المعاشرة قبل الزواج والذهاب معاً إلی الأماکن العامة وغیرها، فهو کله ممنوع شرعاً۔

(۱۳۴) منگیتر سے ملنا اور بات چیت کرنا

سؤال

جناب والا میں آپ کی توجہ معاشرے میں پھیلتے ہوئے ایک ایسے زہر کی طرف کرانا چاہتا ہوں جو ہر گھر میں سرایت کرتا جارہا ہے اور لوگ معلوم نہیں اس پر توجہ کیوں نہیں دیتے۔ مسئلہ یہ ہے کہ منگنی میری معلومات کے مطابق بے معنی چیز ہے اس سے شرعاً لڑکی نامحرم ہی رہتی ہے اگر میری یہ معلومات درست ہیں اور منگنی کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں تو پھر یہ جو عام رواج ہے کہ لڑکا لڑکی منگنی کے بعد گھومتے پھرتے ہیں گھر میں بغیر پردے کے ملتے ہیں کبھی تو خلوت بھی ہوجاتی ہے۔ مفتی صاحب کیا یہ غلط نہیں یا میں غلط سمجھا ہوں، منگیتر کو شریعت کیا درجہ دیتی ہے؟ کیا بندہ والدین کے ساتھ اس سے مل سکتا ہے۔ تفصیلی جواب عنایت فرمادیں تاکہ جو حق ہو میں خود بھی اتباع کروں اور اپنے خاندان کی حد تک اسے پھیلاؤں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

منگنی وعدہ نکاح کا نام ہے، منگنی کرنے سے عورت نامحرم اور اجنبی ہی رہتی ہے جب تک کہ نکاح نہ ہوجائے لہٰذا منگنی کرنے کے بعد لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لئے اجنبی (نامحرم) کے حکم میں ہیں اور نامحرم اجنبی عورت کو دیکھنا بلاضرورت باتیں کرنا، خلوت یعنی تنہائی اختیار کرنا یہ سب ناجائز ہے اور والدین کی موجودگی میں بھی منگیتر سے ملنا صحیح نہیں کیونکہ ملنے کے وقت ایک دوسرے پر نظر پڑے گی اور بغیر ضرورت (اجنبی عورت) نامحرم کو دیکھنا جائز نہیں۔

لمافی الدر المختار (۳۶۸/۶۔ ۳۷۱): الخلوة بالأجنبیة حرام ـــ ولا یکلم الأجنبیة ـــ (و) ینظر

(من الأجنبية) ولو كافرة مجتبى (إلى وجهها وكفيها فقط) للضرورة ۔۔۔ (فإن خاف الشهوة) أو شك (امتنع نظره إلى وجهها) فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام وهذا في زمانهم وأما في زماننا فمنع من الشابة ۔

وفی الرد تحته(۶/۳۷۰): ذكر محمد في الأصل فقد ذكر الاستحباب في نظر المرأة إلى الرجل الأجنبي وفي عكسه قال فليتجنب ۔

(۱۳۵) منگنی کے وقت ایجاب وقبول نکاح ہی شمار ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض جگہ یہ رواج ہے کہ رشتہ طے کرنے کے بعد منگنی میں نکاح کیا جاتا ہے اس کے بعد دونوں رشتہ دار ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے ہیں۔ لڑکا لڑکی کو فون بھی کرتا رہتا ہے اور بسا اوقات ایک دوسرے سے ملاقات بھی کرتے ہیں۔ اس لڑکے کا ایک دوست ہے وہ کہتا ہے کہ لڑکے کا لڑکی کے ساتھ ملنا حرام ہے۔ کیونکہ منگنی میں نکاح جو کیا جاتا ہے وہ رسمی نکاح ہوتا ہے اصل نکاح وہی ہوتا ہے جو شادی کے دوران کیا جاتا ہے۔ کیا اس کی یہ بات درست ہے؟ اگر درست ہو تو لڑکا بجائے اس کے کہ کسی اور لڑکی کے ساتھ فون پر بات کرے اسی لڑکی کے ساتھ ملاقات اور بات کیوں نہ کرے جبکہ عنقریب دونوں کی شادی بھی ہونے والی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ منگنی کی مجلس عموماً نکاح کے وعدے کیلئے منعقد کی جاتی ہے نکاح کرنا مقصود نہیں ہوتا، اسی طرح نکاح کے صریح الفاظ "نکاح" یا "تزویج" وغیرہ بھی استعمال نہیں کئے جاتے نیز اصل نکاح کی مجلس بعد میں منعقد بھی کی جاتی ہے لہٰذا اگر منگنی کی مجلس میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو نکاح کے لئے کنایہ ہوں (مثلاً میں نے لڑکی دیدی یا میں اپنی لڑکی کا رشتہ دیتا ہوں) تو ان کنایہ الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ کنایہ الفاظ سے نکاح اس وقت منعقد ہوتا ہے، جب کہنے والا نکاح کی نیت بھی کرے اور گواہ بھی اس سے نکاح سمجھتے ہوں جبکہ یہاں ایسا نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں منگنی کی مجلس میں کئے گئے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہ ہوگا لیکن اگر کہیں صریح الفاظ سے (مثلاً میں اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہوں وغیرہ) گواہوں کی موجودگی میں منگنی کی مجلس میں نکاح کر دیا گیا تو ظاہر ہے کہ نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ صریح نکاح کا لفظ نیت وغیرہ کا محتاج نہیں ہوتا البتہ عموماً ایسا نہیں کیا جاتا لہٰذا صورت مسئولہ میں منگنی کی مجلس میں کئے گئے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوا اس کے بعد لڑکی سے ملاقات اور فون پر بات چیت کرنا جائز نہیں وہ لڑکی (منگیتر) نامحرم کے حکم میں ہے۔

لمافی البخاری (۲/۷۸۷): عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم۔

وفی فتح القدير (۳/۱۸۷): حكمه حل استمتاع كل منهما بالآخر على الوجه المأذون فيه شرعا۔

وفی (ص ۱۹۱): لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۹/۶۴۹۲): الخطبة مجرد وعد بالزواج، وليست زواجاً فإن الزواج لا يتم إلا بانعقاد العقد المعروف، فيظل كل من الخاطبين أجنبياً عن الآخر، ولا يحل له الاطلاع إلا على المقدار المباح شرعاً وهو الوجه والكفان۔

وفی (ص ۶۵۸۹): أحكام الزواج عند الفقهاء: حكم الزواج الصحيح اللازم: للزواج اللازم أو التام الذي استوفى أركانه وشروطه كلها آثار هي:

۱۔ حل استمتاع كل من الزوجين بالآخر على النحو المأذون فيه شرعاً۔

(۱۳۶) ’’کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی؟‘‘ منگنی ہے یا نکاح؟

سؤال

ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی اس کے جواب میں وہ شخص کہتا ہے ہاں میں نے تجھے دی۔ اس مسئلے میں شامیہ وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ منگنی کی مجلس میں یہ کلمات منگنی شمار ہوں گے اور نکاح کے عقد میں نکاح شمار ہوں گے۔ مفتی صاحب یہ الفاظ تو نکاح میں کنائی ہیں اس میں اصل مدار تو نیت پر ہونا چاہیئے جبکہ بظاہر یہاں مجلس کا اعتبار کیا جارہا ہے یہ خلافِ اصول نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

’’کیا تو نے مجھے اپنی بیٹی دی‘‘ یہ الفاظ نکاح کے باب میں کنائی ہیں، اس میں مدار تو نیت پر ہونا چاہیئے لیکن نیت پر مدار کنائی الفاظ میں فردِ واحد سے متعلق ہوتا ہے یہاں کیونکہ مجلس کے اعتبار سے یہ الفاظ منگنی اور نکاح دونوں مجالس میں استعمال ہوسکتے ہیں لہٰذا یہاں نیت پر مدار گواہوں کیلئے نکاح کے معاملے کو مشتبہ کرسکتا ہے اور بعد میں اختلاف کا سبب بھی بن سکتا ہے لہٰذا فقہاء نے یہاں نیت کے بجائے مجلس کا اعتبار کیا ہے تاکہ منگنی میں اگر موجب (ایجاب کرنے والا شخص) یہ لفظ استعمال کرے اور سامنے والا منگنی سمجھ کر قبول کرلے تو بعد میں موجب اسے نکاح قرار نہ دے دے جبکہ فریقِ ثانی نے منگنی سمجھ کر قبول کیا ہو۔

لہٰذا ان الفاظ "کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی؟" میں مجلس کا اعتبار ہے مجلس منگنی کیلئے منعقد ہو تو ان الفاظ سے منگنی اور مجلس اگر نکاح ہے تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوگا۔

وفی الشامیة (۱۱/۳): لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح اه قال الرحمتي فعلمنا أن العبرة لما يظهر من كلامهما لا لنيتهما ألا ترى أنه ينعقد مع الهزل والهازل لم ينو النكاح۔

(۱۳۷) "فلاں کے بیٹے کو اپنی بیٹی دے دی" منگنی شمار ہوگا یا نکاح؟

سوال

ایک صاحب نے چار اشخاص کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ فلاں نے اپنے بیٹے کیلئے میری بیٹی مانگی تھی میں نے اس کے بیٹے کو اپنی بیٹی دے دی، ان الفاظ سے منگنی ہوئی یا نکاح؟ اب اگر وہ شخص اپنی بیٹی کا نکاح کہیں اور کرنا چاہے تو طلاق ضروری ہے یا صرف منگنی توڑنے کا گناہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپس میں جو بات چیت ہوئی اگر وہ منگنی کی ہو تو یہ منگنی یعنی نکاح کا وعدہ شمار کیا جائے گا اس صورت میں دونوں آپس میں اجنبی ہیں، کسی دوسرے سے نکاح کرادیا جائے تو جائز ہے البتہ اس طرح کرنے سے وعدہ خلافی لازم آتی ہے اور اگر عقد نکاح کا ہو تو آپس میں میاں بیوی شمار کئے جائیں گے اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کرانا جائز نہیں جب تک کہ وہ شخص طلاق نہ دے۔

لما فی القرآن الکریم (سورة المائدة:۱): يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ...الآية۔

(الإسراء:۳۴) وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا۔

وفی المرقاة (۱۲۶/۱): ما يدل على وجوب الوفاء بالوعد لأن ذم الإخلاف إنما هو من حيث تضمينه الكذب المذموم إن عزم على الإخلاف حال الوعد لا إن طرأ له۔

وفی (۲۱۱/۶): (قوله: أو يترك) أي نكاحها قيل الخطبة منهية إذا كانا راضيين وتعين الصداق لكن إن تزوج الثاني تلك المرأة بغير إذن الأول صح النكاح ولكن يأثم۔

وفی الدر المختار (۱۲/۳): هل اعطيتنيها ان المجلس للنكاح وان للوعد فوعد۔

وفی الشامیة (۱۱/۳): لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن

كان للعقد فنكاح اه قال الرحمتي فعلمنا أن العبرة لما يظهر من كلامهما لا لنيتهما ألا ترى أنه ينعقد مع الهزل والهازل لم ينو النكاح وإنما صحت نية الاستقبال في المبدوء بالتاء لأن تقدير حرف الاستفهام فيه شائع كثير في العربية اه وبه علم أن المبدوء بالهمزة كما لا يصح فيه الاستيعاد لا يصح فيه الوعد بالتزوج في المستقبل عند قيام القرينة على قصد التحقيق و الرضا۔

(۱۳۸) منگنی توڑنا وعدہ خلافی ہے

سؤال

میرا ایک دوست ہے جو آجکل مدینہ منورہ میں مقیم ہے ان کے گھر والوں نے یہاں پاکستان میں ان کے لئے ایک رشتہ طے کر منگنی وغیرہ تمام رسومات ادا کر دی گئیں۔ ان سب کچھ کے بعد لڑکے سے بذریعہ ٹیلیفون پوچھا تو اس نے قبول کیا البتہ بعد میں یہ ہوا کہ جس لڑکی کا رشتہ میرے دوست کے ساتھ ہو گیا تھا ان کے والدین نے اس لڑکی کا رشتہ کسی اور جگہ کروادیا۔ اس صورت میں کیا کیا جائے کیونکہ میرا دوست کافی پریشان ہے اور کہہ رہا ہے کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ وہ دوسرا لڑکا بھی فی الحال دوسرے ملک میں مقیم ہے یعنی اس کو بھی بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی گئی تھی اور انہوں نے بھی ہاں کی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اصطلاحِ شریعت میں منگنی کی حیثیت وعدہ کی طرح ہے جس سے نکاح لازم نہیں ہوتا البتہ اگر منگنی کے وقت آپ کے دوست کا با قاعدہ شرعی طور پر نکاح بھی ہو گیا تھا تو دوسرے لڑکے والوں سے رشتہ طے کرنا درست نہیں بلکہ وہ آپ کے دوست کی منکوحہ ہے لیکن اگر صرف منگنی ہوئی تھی اور لڑکی والوں نے لڑکی کا رشتہ کسی اور جگہ طے کر لیا ہے تو یہ وعدہ خلافی ہوگی جو حرام اور ناجائز ہے احادیثِ مبارکہ میں ایسا کرنے والوں پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں لیکن دوسری جگہ عقد بہر حال منعقد ہو جائے گا، نیز جس لڑکے کے ساتھ یہ رشتہ طے ہوا ہے اگر ان کو پہلے سے معلوم ہو کہ آپ کے دوست کا رشتہ اس لڑکی کے ساتھ طے ہو چکا ہے پھر بھی وہ پیغامِ نکاح بھیجتے ہیں تو ان کیلئے بھی جائز نہیں، متعدد احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ آپ کے دوست کو چاہیئے کہ کسی اور جگہ پیغامِ نکاح بھیج کر شادی کر لیں۔

دلائل المسئلة مرت فی المسئلة السابقة۔

(۱۳۹) بے دینی کی وجہ سے منگنی توڑنا جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ہمشیرہ کا رشتہ ایک سال پہلے ایک لڑکے سے ہوا لڑکا اس وقت تبلیغی جماعت میں کچھ وقت لگا کر آیا تھا ہم نے دیکھا کہ لڑکا بڑا نیک ہے پابندی سے نماز وغیرہ پڑھتا ہے، یہ دیکھ کر رشتہ طے کر دیا مگر چھ سات مہینے بعد لڑکے نے داڑھی صاف کر لی نماز پڑھنی چھوڑ دی اب ہم بہت پریشان ہیں کیا ہم اپنی ہمشیرہ کا رشتہ ختم کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی محض ایک وعدہ نکاح ہے اور وعدہ پورا کرنے میں اگر کوئی جائز مانع پایا جائے تو اسے ختم کرنے کی گنجائش ہے صورت مسئولہ میں رشتہ دینداری کی بناء پر طے کیا گیا تھا، چونکہ لڑکے نے داڑھی صاف کر لی اور نماز پڑھنا بھی چھوڑ دی تو بوجہ فسق کے منگنی توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (المائدۃ:۱): يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

وفی البخاری (۲/۷۶۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك"

وفی عمدة القاری (۱/۲۲۱): إذا وعد أخلف نبه على فساد النية لأن خلف الوعد لا يقدح إلا إذا عزم عليه مقارنا بوعده أما إذا كان عازما ثم عرض له مانع أو بدا له رأي فهذا لم توجد فيه صفة النفاق ويشهد لذلك ما رواه الطبراني بإسناد لا بأس به في حديث طويل من حديث، سلمان رضي الله عنه إذا وعد وهو يحدث نفسه أنه يخلف۔

وفی الهندية (۱/۲۹۱): فلا يكون الفاسق كفؤا للصالحة كذا فی المجمع سواء كان معلن الفسق او لم يكن كذا فی المحيط۔

وفی الشامية (۳/۹): والمرأة تختار الزوج الدين الحسن الخلق الجواد الموسر ولا تتزوج فاسقا ولا يزوج ابنته الشابة شيخا كبيرا ولا رجلا دميما ويزوجها كفؤا۔

وفی الفتاویٰ اللجنة الدائمة (۱۸/۶۴): س:: هل إذا تركت خطيبي بعد خطبة استمرت عاما كاملا يكون في ذلك ظلم له، وإن الله سوف ينتقم مني ، وسبب فسخي الخطبة هو عدم اقتناعه

ببعض أمور الدين.

ج: لا حرج عليك في فسخ الخطبة إذا كان الخاطب غير مرضي الخلق والدين ونحوهما۔

(۱۴۰) پسند بدل جانے کی وجہ سے منگنی توڑنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کی ایک تقریب میں اریبہ شیخ کا نکاح تین سال بعد عبید سے ہونا طے پایا لیکن اریبہ شیخ اور ان کے والد عنیز شیخ کی پسند بدل گئی اور ایک اور لڑکا دبیل نامی پسند آ گیا مالداری اور دینداری دونوں اعتبار سے دبیل بہتر تھا لہٰذا وہ عبید سے منگنی توڑنا چاہتے ہیں کیا اریبہ لوگوں کیلئے یہ جائز ہے کیا اس طرح پسند بدل جانے سے منگنی توڑ سکتے ہیں؟ اسی طرح اگر عبید کی پسند بدل جائے تو وہ منگنی توڑ سکتا ہے؟ لڑکے، لڑکی کی پسند بدل جانے کے بعد نکاح نہ کر کے منگنی توڑنا کیسا ہے؟ آیا دونوں میں فرق ہے یا یکساں حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ منگنی ایک وعدہ ہے جس میں نکاح اور شادی سے متعلق دیگر تفصیلات کو مل بیٹھ کر طے کر لیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو اس معاملے کی انتہاء تک پہنچانے کی یقین دہانی کرادی جاتی ہے۔ منگنی کر کے نکاح کا وعدہ کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر لڑکے سے متعلق کوئی غلط بات یا لڑکی سے متعلق کوئی ایسی بات سامنے آئے جس کی وجہ سے بعد میں مسائل پیدا ہو سکتے ہوں تو اسی وقت اس تعلق کو ختم کر دیا جائے اور نکاح کے بعد پیدا ہونے والے جھگڑوں اور فسادات کے وجود کی نوبت ہی نہ آئے۔

منگنی چونکہ درحقیقت محض وعدہ نکاح ہے وعدہ ہونے کے اعتبار سے اس کی پاسداری ضروری ہے وعدہ خلافی کرنے کو حدیث میں منافق کی علامت بتایا گیا ہے ایک مسلمان کو حتی الامکان اپنے کئے وعدہ کو پورا کرنا چاہیئے ایسے ہی منگنی کو بھی بغیر معقول عذر کے نہیں توڑنا چاہیئے اور اس نیت سے منگنی کرنا کہ بعد میں توڑ دیں گے اور سامنے والے فریق کو معاشرے میں بدنام اور ہتک عزت مقصود ہو تو یہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے ایک مسلمان ایسے شنیع اقدام کا سوچ بھی نہیں سکتا البتہ اگر بوقت منگنی مثبت ارادے ہوں اور معاملات کو انجام تک پہنچانے کا مکمل عزم ہو بعد میں کسی وجہ سے ارادہ بدل جائے تو ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ کسی کی عزت پر آنچ نہ آئے اور معاشرے میں ایک تماشہ نہ بنے، افہام تفہیم کے ساتھ اس منگنی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اریبہ شیخ اور اس کے والدین نے عبید سے جو منگنی کی یا عبید نے منگنی کی ہو یہ صرف وعدہ نکاح تھا، نکاح نہیں اس منگنی کو بغیر کسی معقول عذر کے نہیں توڑنا چاہیئے البتہ اریبہ شیخ اور اس کے والدین عبید میں یا عبید اریبہ میں اخلاق و عادات کے متعلق

ایسی بات دیکھے جوانہیں پسند نہ آئے یا پہلے سے معلوم نہ ہوتو اس پر مطلع کرتے ہوئے منگنی کوتوڑا جاسکتا ہے مذکورہ صورت میں اریبہ شیخ یا اس کے والدین کو دین ودنیا کے اعتبار سے بہتری میں دبیل نامی شخص پسند آجاتا ہے اور وہ عبید کو ناپسند کرتی ہیں یا معاملہ اس کے برعکس ہوجائے کہ عبید کوکوئی اورلڑکی پسند آجائے اوراس کے گھروالوں کا ارادہ بدل جائے تو بجائے اس کے کہ نکاح کے بعد اختلافات پیدا ہوں اور معاملہ طلاق اور جھگڑوں تک پہنچ جائے ،عبید کو جائز ہے کہ وہ منگنی توڑدے یا معاملہ برعکس ہوتو اریبہ شیخ اوراس کے والدین کے لئے منگنی توڑنے کی گنجائش ہے۔

لمافی التفسير المنير (١٣٢/١٦) سورة مريم: إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ مشهورا بالوفاء ، مبالغا بإنجاز ما وعد ، فما وعد وعدا مع الله أو مع الناس إلا وفّى به ـ ـ ـ وصدق الوعد من الصفات الحميدة في كل زمان ومكان، وخلفه من الصفات الذميمة ، قال الله تعالى : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ، وقال رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم فيما رواه الشيخان والترمذي والنسائي عن أبي هريرة رضي الله عنه :آية المنافق ثلاث : إذا حدّث كذب ، وإذا وعد أخلف ، وإذا ائتمن خان وإذا كانت هذه صفات المنافقين فضدها صفات المؤمنين ، ومما يؤسف له أن خلف الوعد شائع بين المسلمين ، وبخاصة التجار والعمال وأصحاب الحرف۔

وفي عمدة القارى (٢٢١/١): رواه الطبراني بإسناد لا بأس به في حديث طويل من حديث سلمان رضي الله عنه إذا وعد وهو يحدث نفسه أنه يخلف وكذا قال في باقي الخصال وقال العلماء يستحب الوفاء بالوعد بالهبة وغيرها استحبابا مؤكدا ويكره إخلافه كراهة تنزيه لا تحريم ويستحب أن يعقب الوعد بالمشيئة ليخرج عن صورة الكذب ويستحب إخلاف الوعيد إذا كان التوعد به جائزا ولا يترتب على تركه مفسدة۔

وفي الحيلة الناجزة (٢٢٦): اتفق الأئمة على أن المرأة إذا كرهت زوجها لقبح منظر أو سوء عشرة جازلها أن تخالعه على عوض۔

وفي الفقه الاسلامى (٦٤٩٢/٩): معنى الخطبة الخطبة هى اظهار الرغبة فى الزواج بامرأة معينة و اعلام المرأة وليها بذلك وقد يتم هذا الإعلام مباشرة من الخاطب او بواسطة اهله ـ ـ ـ فإن وافقت المخطوبة أو اهلها فقد تمت الخطبة بينهما وترتبت عليها احكامها وآثارها الشرعية التى سا ذكر۔

وفي الفتاوىٰ اللجنة الدائمة (٦٤/١٨):س:: هل إذا تركت خطيبي بعد خطبة استمرت عاما كاملا

يكون في ذلك ظلم له، وإن الله سوف ينتقم مني وسبب فسخي الخطبة هو عدم اقتناعه ببعض أمور الدين.

ج: لا حرج عليك في فسخ الخطبة إذا كان الخاطب غير مرضي الخلق والدين ونحوهما۔

(۱۴۱) لڑکے کی معذوری کی وجہ سے منگنی توڑنا کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے متعلق کہ زید کی منگنی ہوئی۔ منگنی کے بعد اس کو معذوری لاحق ہوگئی یعنی کام اور کسب کے قابل نہیں رہا تو آیا ایسی صورت میں لڑکی کی شادی دوسری جگہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شوہر کا قادر علی النفقہ ہونا ضروری ہے لہٰذا جب وہ کام اور کسب کے قابل نہیں رہا تو وہ اس لڑکی کا کفؤ نہیں ہے لہٰذا اولیاء کو چاہیئے کہ اس کا نکاح ایسے آدمی سے کرادیں جو نان، نفقہ دینے پر قادر ہو لیکن اگر لڑکا نان نفقہ دینے پر قادر ہو تو محض معذوری کا بہانہ بنا کر منگنی توڑ دینا اخلاقی تقاضوں کے منافی ہے۔

لمافی البحرالرائق (۱۳۳/۳): وظاهر كلامهم أن القدرة على المهر والنفقة لا بد منه في كل زوج عربيا كان أو عجميا لكل امرأة ولو كانت فقيرة بنت فقراء كما صرح به في الواقعات معللا بأن المهر والنفقة عليه فيعتبر هذا الوصف في حقه۔الخ۔

وفی الدرالمختار (۹۰/۳): (ومالا) بأن يقدر على المعجل ونفقة شهر لو غير محترف۔

وفی الشامية (۹۳/۳):قوله (ولا بعيوب الخ) أي ولا يعتبر في الكفاءة السلامة من العيوب التي يفسخ بها البيع كالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر، بحر۔

(۱۴۲) لڑکا آوارہ گرد نکلے تو منگنی توڑنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری ایک عزیزہ کی منگنی ہوئی منگنی کے کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا برسرروزگار نہیں ہے اور کوئی کام کاج نہیں کرتا صرف آوارہ گردی کرتا رہتا ہے، کیا اس بنا پر یہ منگنی توڑی جاسکتی ہے یا

نہیں؟ یہ وعدہ خلافی کے زمرے میں تو نہیں آئے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ منگنی کے وقت یہ بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکا برسرروزگار ہے اور اچھا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ کام کاج نہیں کرتا ہے اور آوارہ گرد بھی ہے چونکہ یہ وعدہ خلافی لڑکے والوں کی طرف سے ہوئی ہے لہٰذا یہ منگنی توڑی جاسکتی ہے اور یہ منگنی توڑنا وعدہ خلافی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

لما فی القرآن الكريم (النور:۳۲): وَأَنكِحُوا الأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِن فَضْلِهِ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ.

وفی جامع الترمذی (۹۱/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان۔

وفی الشامية (۶/۳): قوله (وهذا إن ملك المهر والنفقة) هذا الشرط راجع إلى القسمين أعني الواجب والفرض وزاد في البحر شرطا آخر فيهما وهو عدم خوف الجور أي الظلم قال فإن تعارض خوف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج وخوف الجور لو تزوج قدم الثاني فلا افتراض بل يكره أفاده الكمال في الفتح ولعله لأن الجور معصية متعلقة بالعباد والمنع من الزنا من حقوق الله تعالى وحق العبد مقدم عند التعارض لاحتياجه وغنى المولى تعالى اھ۔

(۱۴۳) لڑکے کے ڈاڑھی رکھ لینے کی وجہ سے منگنی توڑنے کا حکم

سوال

میرا ایک دوست عاقب ہے وہ راولپنڈی میں رہتا ہے انجینئر ہے اس کی منگنی ایک اچھے گھرانے میں سال پہلے ہوگئی تھی تقریباً دو سال کا دورانیہ تھا لیکن اتفاق یہ پیش آیا کہ اس کا پیر عزیز الرحمن صاحب مدظلہ کی مجلس میں آنا جانا شروع ہوگیا۔ صالح متقی اور باشرع ڈاڑھی وغیرہ رکھ لی لیکن اب لڑکی کے گھر والے رشتہ توڑنے کی بات کر رہے ہیں کچھ تو صراحۃً ڈاڑھی وغیرہ پر طنز کر رہے ہیں کچھ کہتے ہیں مولوی بن گیا الغرض ہر ایک ماڈرن ہے تو اپنی بات کر رہا ہے۔

مفتی صاحب اب لڑکے کو کیا کرنا چاہیے وہ سخت پریشان ہے اب تک لڑکا چرسی، موالی نکلنے کی صورت میں رشتہ ختم کرنا سمجھ آتا تھا لیکن یہاں تو برعکس معاملہ ہے مجھے آپ حضرات کے بارے میں علم تھا لہٰذا میں نے کہا یاسین القرآن کے دارالافتاء سے معلوم کیا جائے، ازراہِ کرم تفصیلاً بتادیں کہ (۱) لڑکی والوں کے لئے منگنی توڑنا جائز ہے؟ (۲) نیز لڑکی والے اس فعل پر گنہگار ہوں گے؟ اور

(۳) جولوگ صراحۃً ڈاڑھی عمامہ کونشانہ بنائیں وہ دائرہ اسلام میں رہیں گے؟ کیالڑکی والوں کا یہ طرزِ عمل اور دلیل درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی ایک وعدۂ نکاح ہے اور وعدہ کا حکم یہ ہے کہ جب تک کسی معصیت کا ارتکاب لازم نہ آئے اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور وعدہ خلافی پر کئی مذمتیں اور وعیدیں احادیث میں آئی ہیں حتیٰ کہ اس کو منافقین کی عادت بتلایا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جبکہ لڑکا صالح، دیندار بن گیا ہے اور شریعت میں مطلوب بھی یہی ہے کہ عورت کسی متقی، صالح لڑکے سے شادی کرے تو لڑکی والوں کو منگنی نہ توڑنا چاہیئے منگنی توڑنے کی صورت میں وعدہ خلافی کرنے والوں کے زمرے میں آئیں گے ہاں البتہ کوئی اور دینی یا دنیوی مصلحت ہو تو منگنی توڑنا جائز ہے۔ جن لوگوں نے ڈاڑھی پر طنز کیا ہے اگر یہ طنز کرنا اس لئے تھا کہ یہ نبی کی سنت ہے تو طنز کرنے والا کافر ہو جائے گا اور اگر نبی کی سنت پر طنز کرنا مقصود نہیں تو دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوں گے۔

لما فی البخاری، كتاب الايمان (ط قديمی كتب خانه): عن أبي هريرة ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان"

وفی الاشباه والنظائر (۲۸۸) كتاب الحظر والاباحة: الخلف فی الوعد حرام وفی القنية وعده ان ياتيه فلم ياته لا ياثم۔

وفی الخلاصة (۳۸٦/۴) كتاب الفاظ الكفر (ط رشيديه): ولو قال لآخر اقلم الاظفار لأنه سنة النبی عليه الصلوة والسلام فقال الرجل لا أفعل ذلك وان كان سنة يكفر۔

وفی الشامية (۱۱/۳) :لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الموسوعة الفقهية (۷۵/۴۴) الوعد(ط حقانيه): قال الحنفية الخلف فی الوعد حرام اذا وعد وفی نيته أن لا يفی بما وعد أما اذا وعد وفی نيته أن يفی بما وعد فلم يف فلا إثم عليه۔

وفی اللجنة الدائمة (٦۴۸/۱۸) كتاب النكاح : ج: إذا كان الخاطب مرضيا في دينه وخلقه بأن كان متمسكا بدينه متحليا بآداب الإسلام وأخلاقه فينبغي إتمام الخطوبة، وإن كان غير ذلك فلا يجوز إتمام الخطوبة ويجب فسخها. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

(۱۴۴) حلفیہ وعدہ نکاح کے بعد پتہ چلا کہ لڑکی شیعہ ہے

سوال

زید نے ایک لڑکی سے قسم کھا کر کہا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے شادی کریں گے اور دونوں نے قرآن پاک کی قسم کھا کر یہ اقرار بھی کیا کہ ہم دونوں شادی کریں گے۔لڑکے کو بعد میں پتہ چلا کہ وہ لڑکی شیعہ ہے، اس وجہ سے لڑکا پیچھے ہٹ گیا۔لڑکا پریشان ہے کہ اس نے قسم کھائی ہے اس کا کیا ہوگا۔آیا ان کے اقرار یا وعدہ کرنے سے "جو کہ بغیر گواہوں کے ہے" ان کا نکاح ہوا ہے کہ نہیں اور پھر ان کی قسم کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

محض اقرار اور وعدہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا جب تک شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول نہ ہو نیز سنی کا شیعہ سے مفاسدہ کثیرہ کی بنا پر نکاح ہی جائز نہیں لہٰذا اس وعدے کو پورا کرنا بھی جائز نہیں البتہ اس شخص کو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر تین دن متواتر روزے رکھے۔

لما فی مرقاة المفاتيح (۵۶/۹)الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل البدع لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماع بلا نزاع۔

وفی البحر الرائق (۱۲۶/۵): الثانية الردة بسب الشيخين أبي بكر وعمر رضي الله عنهما وقد صرح في الخلاصة والبزازية بأن الرافضي إذا سب الشيخين وطعن فيهما كفر وإن فضل عليا عليهما فمبتدع ولم يتكلما على عدم قبول توبته وفي الجوهرة من سب الشيخين أو طعن فيهما كفر ويجب قتله۔

وفی الدر المختار (۷۲۵/۳): (وكفارته) هذه إضافة للشرط لأن السبب عندنا الحنث (تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين)۔

(۱۴۵) منگنی کے تحائف اور خرچہ کا تقاضا کرنا

سوال

ہمارے ایک عزیز کی منگنی ہوئی اور کچھ عرصہ بعد منگنی ٹوٹ گئی۔لڑکی والے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس دوران جو تحائف لڑکے

یا اس کے گھر والوں کو دیئے گئے وہ واپس کئے جائیں اور کچھ اسی قسم کا مطالبہ لڑکے والے بھی کرتے ہیں۔حتیٰ کہ منگنی کی تقریبات پر جو رقوم خرچ ہوئیں اُن پر بھی تنازعہ پیدا ہوگیا ہے۔آپ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ فریقین پر ان تحائف کا واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور کون کون سی اشیاء واپس کی جائیں گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

۱۔منگنی سے پہلے یا بعد میں جو اشیاء جانبین سے ایک دوسرے کو بطور تحفہ یا ہدیہ کے دی گئیں اب منگنی ٹوٹ جانے کے بعد وہ اشیاء اگر موجود ہیں تو ایک دوسرے سے واپس لی جا سکتی ہیں،ہاں اگر وہ اشیاء ٹوٹ گئیں تو ان کے متبادل دیگر اشیاء نہیں لی جا سکتیں۔

۲۔وہ رقوم جو کہ فریقین نے اپنی طرف سے منگنی کی تقریبات پر خرچ کی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

لمافی الهندية (۳۲۳/۱): تزوج امرأة وبعث إليها هدايا وعوضت المرأة على ذلك عوضا ثم زفت إليه ثم فارقها وقال إنما بعثت إليك عارية وأراد أن يسترد ذلك وأرادت المرأة أن تسترد العوض فالقول له في الحكم وإذا استرد ذلك من المرأة كان للمرأة أن تسترد منه ما عوضته عليه كذا في المحيط۔

وفی الدرالمختار (۱۵۳/۳):(خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما) فقط وإن تغير بالاستعمال (أو قيمته هالكا) لأنه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد (وكذا) يسترد (ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك) لأنه في معنى الهبة۔

وفی الردالمحتار:قوله (لأنه في معنى الهبة) أي والهلاك والاستهلاك مانع من الرجوع بها وعبارة البزازية لأنه هبة اه ومقتضاه أنه يشترط في استرداد القائم القضاء أو الرضا وكذا يشترط عدم ما يمنع من الرجوع۔

(۱۴۶)باپ کی منگیتر کے ساتھ نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے والد کی ایک لڑکی کے ساتھ منگنی ہوگئی،اب تک نکاح نہیں ہوا تھا کہ ان کا کسی حادثے میں انتقال ہوگیا،زید کا ارادہ ہے کہ میں اس عورت سے خود نکاح کر لوں لیکن کچھ لوگ اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے اب آپ حضرات مسئلہ بتائیں کہ زید کا نکاح باپ کی منگیتر کے ساتھ جائز ہے یا نہیں اور جو لوگ اس

نکاح پر اعتراض کرر ہے ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی وعدہ نکاح ہے نکاح نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا نکاح باپ کی منگیتر کے ساتھ جائز ہے اس نکاح پر اعتراض کرنا درست نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک عورت جب دو سال باپ سے منسوب رہی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ عمر میں بھی لڑکے سے بڑی ہوگی اور باپ کی منگیتر ہونے کی حیثیت سے ایک تکلف دونوں کے درمیان پیدا ہو چکا ہوگا جو کہ مستقبل میں نکاح سے مقصود شرعی مصالح کے حصول میں رکاوٹ بن سکتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ باپ کی منگیتر سے ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح نہ کیا جائے۔

لما في مشكوة المصابيح (۲/۲۷۱): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا يخطب الرجل على خطبة أخيه حتى ينكح أو يترك"

وفي الهداية (۳/۶۹):لا يستام الرجل على سوم أخيه ولا يخطب على خطبة أخيه ولأن في ذلك ايحاشا وإضرارا وهذا إذا تراضى المتعاقدان على مبلغ ثمن في المساومة أما إذا لم يركن أحدهما إلى الآخر فهو بيع من يزيد ولا بأس به على ما نذكره وما ذكرناه محمل النهي في النكاح أيضا۔

وفي الفقه الاسلامي (۷/۱۱۷):وأما الخطبة على خطبة الغير: فعند الجمهور يعد الزواج حينئذ صحيحاً، ولا يفرق بين الزوجين لأن النهي ليس متوجهاً إلى نفس العقد، بل إلى أمر خارج عن حقيقته، فلا يقتضي بطلان العقد، كالتوضؤ بماء مغصوب، وعند مالك على المعتمد، يجب الفسخ قبل الدخول بطلقة بائنة۔

(۱۴۷) منگنی کی تقریب میں ہی نکاح بھی ہو جائے تو رخصتی سے قبل ہمبستری کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز عدنان بھائی کا کچھ عرصے پہلے نکاح ہوا جو کہ منگنی کی تقریب میں ہی کر دیا گیا۔ ۸ ماہ کا وقفہ رخصتی میں تھا عدنان بھائی نے موبائل پر بات چیت کرتے کرتے ایک دن ہمبستری تک کر دی خیر اس کے بعد رخصتی بھی ہو گئی لیکن پوچھنا یہ ہے کہ یہ فعل شرعاً درست ہے؟ کیا شریعت رخصتی سے قبل اس کی اجازت دیتی ہے؟ اگر صحابہ یا تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اس کی نظیر مل جائے تو بات بن جائے گی ورنہ عدنان بھائی سخت تنقید کا نشانہ بننے والے ہیں کیونکہ حرکت تو عجیب کی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر کا بیوی کے ساتھ نکاح کے بعد ہر قسم کے ازدواجی تعلقات قائم کرنا شرعاً درست ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب موصوف کا نکاح ہوا ہے تو پھر اس کام پر ان کو ملامت کرنا مناسب نہیں اگرچہ رخصتی سے قبل عرف میں ایسا کرنا اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے اور ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسا عمل صادر نہ ہونا چاہیئے لیکن اگر عدنان بھائی نے ایسا کرلیا ہے تو انہیں تنقید کا نشانہ بنانا درست نہیں۔

لمافی القرآن المجید (البقرة: ۲۲۳): نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

وفی مرقاة المفاتیح(۲۵۶/۶) (ط: رشیدیة): [وعن ابن مسعود قال رأى رسول الله امرأة فأعجبته فأتى سودة] أي بيتها [وهي تصنع طيبا وعندها نساء] جملتان حاليتان [فاخلينه] أي انفردن عنه [فقضى حاجته] أي من الجماع [ثم قال أيما رجل رأى امرأة تعجبه فليقم إلى أهله] أي فليجامع امرأته ليكسر شهوته ويذهب وسوسته [فإن معها] أي مع امرأته [مثل الذي معها] أي فرجا مثل فرجها يسد مسدها۔

وفی الهندية كتاب النكاح (۲۶۷/۱) (ط:حقانیه): فهو عقد يرد على ملك المتعة قصدا۔

وفيه أيضاً (۳۱۷/۱): ولو دخل الزوج بها أو خلا بها برضاها فلها أن تمنع نفسها عن السفر بها حتى تستوفي جميع المهر۔

وفی شرح عقود رسم المفتی (۸۶)(ط: عثمانیة): العرف ملحوظ فی الافتاء: فهذا كله صريح فيما قلنا من العمل بالعرف ما لم يخالف الشريعة كالمكس والرباء ونحو ذلك۔

(۱۴۸) منگیتر کی پسند ناپسند معلوم کرنے کے لئے ۳، ۴ گھنٹے ساتھ رہنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص شادی سے پہلے اپنی منگیتر کے ساتھ تین چار گھنٹے رہنا چاہتا ہے تاکہ اس کی پسند وناپسند وغیرہ اور دوسری چیزوں کا بغور مشاہدہ کرسکے اور یہ فیصلہ کرسکے کہ اس کا نباہ اس کے ساتھ ہوسکے گا یا نہیں؟ دلیل وہ یہ بیان کرتا ہے کہ مخطوبہ کو شادی سے پہلے دیکھنے کی اجازت ہے لہٰذا ایک ہی مجلس میں تین چار گھنٹے رہنے میں کیا حرج ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی منگیتر کے ساتھ تین چار گھنٹے رہنا کہ اس کی پسند وناپسند اور دوسری چیزوں کا بغور مشاہدہ کرے اور فیصلہ کرے کہ اس کا نباہ اس کے ساتھ ہو سکے گا، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ نکاح سے قبل اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت کرنا شریعت میں حرام ہے البتہ ایک نظر اس کے چہرے وغیرہ کو دیکھنا اس کی اجازت شریعت نے ضرورتاً دی ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۶۸): عن أبي هريرة قال : جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال : إني تزوجت امرأة من الأنصار قال : " فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا "

وفی المرقاۃ (۶/۱۹۴): قال فانظر إليها قال ابن الملك فيه جواز النظر إلى المخطوبة إلى وجهها وكفيها ظاهرهما وباطنهما۔

وفی الهندية (۵/۳۳۰): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس بأن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها كذا في التبيين۔

وفی المفصل فی احکام المرأۃ: (۳/۴۲۲): قلنا ان الاصل فی الاختلاط هو الحظر --- الی قوله --- ونذكر فيمايلي بعض هذه الادلة روى الامام البخاری رحمه الله فی صحیحه أن النبی ﷺ قال لا يخلون رجل بامرءة الا مع ذی محرم وقد قال العلماء فی معنی الحديث وفيه منع الخلوة بالاجنبية وهو اجماع لاخلاف فيه۔

(۱۴۹) منگنی میں کھانے کا اہتمام لڑکی والے کریں یا لڑکے والے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کے وقت مہمانوں کیلئے کھانے کا انتظام لڑکی کے گھر والوں کے لئے مناسب ہے یا لڑکے کے گھر سے سارا سامان لے جاکر مہمانوں کو کھلانا مناسب ہے برائے کرم احادیث ونصوص کی روشنی میں جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آج کل منگنی میں جو مختلف رسومات قوموں اور علاقوں کے لحاظ سے کی جاتی ہیں شریعت میں ان کا ثبوت نہیں ملتا البتہ شادی سے پہلے شادی سے متعلق امور طے کرنے کی خاطر مجلس منعقد کی جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ منگنی کے وقت مہمانوں کیلئے کھانے کا انتظام کون کرے گا، اس بارے میں افہام وتفہیم سے دونوں فریق یہ انتظام کر سکتے ہیں، بہرحال شرعی طور پر یہ

خرچہ فقط لڑکے والوں پر لازم نہیں، اپنی مرضی سے اگر خرچہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

لمافی البحرالرائق (۳/۳۲۴) : لو خطب امرأة فی بیت أخیها وأبي الأخ إلا أن یدفع إلیه دراهم فدفع ثم تزوجها کان للزوج ان یسترده مادفع له۔

وفی حاشیة الطحطاوی(۲/۶۶): باب المهر :(قوله لو قوعه هدیة الخ) ای هبة ولیس له الرجوع فیها لان الزوجیة من موانع الرجوع اما اذا کان ذلک قبل العقد فله الرجوع بعینه لعدم المانع۔

(۱۵۰) منگنی میں دعاء وغیرہ کرنا نکاح شمار نہ ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی جس میں نکاح نہ کیا گیا ہو بلکہ صرف دعاوغیرہ ہوئی ہو تو آیا یہ نکاح کے قائم مقام ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صرف دعا کرنا نکاح کے قائم مقام نہیں بلکہ نکاح کیلئے ایجاب وقبول ضروری ہے۔

لمافی الهندیة (۱/۲۶۷): وأما رکنه فالإیجاب والقبول کذا في الکافي۔

وفی الدر المختار (۳/۹): (وینعقد) ملتبسا (بإیجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر۔

وفی الرد تحته: قوله (وینعقد) قال في شرح الوقایة العقد ربط أجزاء التصرف أي الإیجاب والقبول شرعا لکن هنا أرید بالعقد الحاصل بالمصدر وهو الارتباط لکن النکاح الإیجاب والقبول مع ذلک الارتباط إنما قلنا هذا لأن الشرع یعتبر الإیجاب والقبول أرکان عقد النکاح لا أمورا خارجیة کالشرائط ۔۔۔ فقوله وینعقد أي النکاح أي یثبت ویحصل انعقاده بالإیجاب والقبول۔

(۱۵۱) منگنی کو اپنی اغراضِ فاسدہ کی وجہ سے نکاح کہنے والوں کا حکم

سؤال

میرے بھائی رحیم بخش ولد اللہ بخش کا نکاح آج سے ۲۳ سال قبل عاشو بنت عبدالکریم سے ہوا۔ ۲۰۰ روپے اس وقت کے

مطابق مہر مقرر ہوا (نکاح نامہ ساتھ منسلک ہے) اس نکاح نامے میں یہ شرط بھی لکھی ہوئی ہے کہ عاشو بنت عبدالکریم کے عوض میں میری بہن شمیم بنت اللہ بخش کا رشتہ دیا جائے گا اس وقت شمیم بنت اللہ بخش ۵ سال کی تھی اور اگر جوان ہونے پر شمیم بنت اللہ بخش کا رشتہ نہ دیا تو مبلغ ۳۰ ہزار روپے دے گا جو کہ نکاح نامہ میں واضح ہے۔

اس واقعہ (یعنی اس شادی کے بعد) تقریباً ایک سال بعد عاشو کے والد عبدالکریم فوت ہو گئے اور شادی کے پانچ سال بعد دولہا رحیم بخش کے والد جو کہ میرے والد بھی تھے بھی (۱۹۹۳ء میں) فوت ہو گئے۔

رفتہ رفتہ رحیم بخش کی بہن شمیم (جس کا رشتہ ادا کرنا طے ہوا تھا) وہ جوان ہو گئی اور اس نے (جہاں باپ نے عوض میں طے کی تھی) وہاں شادی سے انکار کر دیا تو ہم نے شمیم کا رشتہ ایک اور عزیز شوکت ولد عبدالغفور سے طے کر دیا (چونکہ رحیم بخش کے نکاح نامہ میں یہ شرط تھی کہ رشتہ نہ دو گے تو ۳۰ ہزار روپے دو گے) اور رخصتی نہ ہوئی تھی اور رخصتی سے پہلے ہی خاندانوں کے اختلافات کی وجہ سے شمیم کو وہاں سے طلاق ہو گئی (یہ نکاح ۴ سال تک قائم رہا ہے نکاح ۱۹۹۷ء میں اور طلاق ۲۰۰۱ء میں ہوئی) اس میں طلاق نامہ منسلک ہے جو شوکت نے شمیم کو دی تھی۔

اب شمیم کے بھائی اور دیگر افراد شمیم کا نکاح ایک دوسرے عزیز انعام الحق سے کرنا چاہتے ہیں لڑکی بھی راضی ہے اور سب گھر والے بھی، بات بھی طے ہوئے کافی عرصہ تقریباً تین سے چار سال ہو گئے ہیں، نکاح میں تقریباً ۱۵ دن رہ گئے ہیں لیکن اب انعام الحق کے بعض اقارب جن کو انعام الحق کا یہ شمیم سے رشتہ منظور نہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ یہ شادی ہو وہ لوگ یہ ایشو اٹھا رہے ہیں کہ لڑکی شمیم کا رشتہ ۱۹۸۸ء میں عبدالکریم کے خاندان میں طے ہوا تھا اس وقت شمیم کے والد سے عبدالکریم نے ایجاب وقبول بھی کیا تھا یعنی لڑکی ۵ سال کی تھی اور ان کے والد نے عاشو کے والد عبدالکریم کو زبانی ایجاب وقبول دیا تھا یعنی شمیم کا نکاح دیا تھا اس نکاح کی کوئی دستاویز نہیں ہے صرف نکاح نامہ میں موجود شرط ہے اور کچھ نہیں۔

جو لوگ اب شرعی نکاح کا ایشو اٹھا رہے ہیں وہ شمیم اور شوکت علی کے نکاح میں بھی موجود تھے اور جب وہاں سے طلاق ہوئی تب بھی موجود تھے اس وقت کوئی کچھ نہ بولا تھا۔ عرصہ اور گذر گیا لیکن اب تک کسی نے ایسا کوئی ایشو نہیں اٹھایا تھا لیکن اب جب شمیم کی شادی انعام الحق سے ہو رہی ہے اور انعام الحق اور شمیم دونوں راضی ہیں تو (انعام الحق کے) چند اقارب یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس لڑکی کا شرعی نکاح ہے جو اس کے والد نے عبدالکریم کو دیا تھا اور عاشو کے نکاح نامہ میں ذکر ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم وہاں موجود تھے اب عاشو کے گھر والوں کے اور شمیم کے گھر والوں کے تعلقات بھی اچھے نہیں ہیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں درج ذیل امور کا جواب دیا جائے۔

(۱) شمیم کا وہ نکاح جس کا یہ لوگ صرف زبانی دعویٰ کر رہے ہیں نہ اس کے کوئی مستند گواہ ہیں نہ کوئی تحریر صرف زبانی دعویٰ ہے کیا اس کا شرعی اعتبار ہے جبکہ شوکت سے نکاح کے وقت یہ لوگ موجود تھے۔

(۲) عاشو کے نکاح نامہ پر جو الفاظ لکھیں ہیں (کہ جوان ہونے پر رشتہ ادا کرے گا اگر رشتہ ادا نہ کیا گیا تو اس کے

بدلے......) وہ صرف ایک معاہدہ تھا کیا شرعاً وہ معاہدہ بھی نکاح نامے میں معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مقدسہ میں انعقاد نکاح کیلئے مجلس عقد میں ایجاب وقبول ضروری ہے۔ وعدہ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ شمیم بنت اللہ بخش کا نکاح عبدالکریم کے لڑکے سے ثابت نہیں۔ اس لئے کہ رحیم بخش بن اللہ بخش کے عقد نکاح میں شمیم کے نکاح کا زمانہ مستقبل میں ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے جو کہ نکاح نامہ میں خاص شرائط کے خانہ میں درج ہے (عوض عاشو بنت عبدالکریم بعوض رشتہ شمیم بنت اللہ بخش ولد قادر بخش جوان ہونے پر ادا کرے گا اگر رشتہ ادا نہ کیا گیا تو اس کے بدلے مبلغ -/30000 تیس ہزار ادا کرے گا) اور شریعت مطہرہ میں وعدہ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

لہٰذا عرصہ دراز کے بعد اگر سوال میں مذکورہ افراد (یعنی انعام الحق کے بعض اقارب) اس وعدہ نکاح کے بارے میں یہ دعویٰ کریں کہ یہ عقد نکاح تھا تو شریعت مقدسہ میں ایسے افراد کے دعوے کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ بالفرض اللہ بخش اور عبدالکریم نے ولی ہونے کی حیثیت سے شمیم اور عبدالکریم کے لڑکے کا ایجاب وقبول کرلیا تھا (جیسا کہ عقد نکاح کا دعویٰ کرنے والے کہتے ہیں) تو شمیم کے جوان ہونے کے بعد جب شمیم نے اس رشتہ سے انکار کیا اور بعد میں اس کا رشتہ شوکت کے ساتھ طے ہوا اور شوکت کے ساتھ نکاح کے وقت (۱۹۹۷ء) میں عقد نکاح کا دعویٰ کرنے والے افراد بھی موجود تھے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لیکن ان افراد نے اس وقت اس سابقہ عقد نکاح کے بارے میں کچھ نہیں کہا حتیٰ کہ شمیم کو ان افراد کی موجودگی میں ۲۰۰۱ء میں طلاق ہوگئی، اب اگر وہی افراد جو شمیم اور شوکت کے درمیان ہونے والے عقد نکاح کے وقت موجود تھے (جو کہ ۱۹۹۷ء میں ہوا) یہ دعویٰ کریں کہ شمیم کا ۱۹۸۸ء میں اس کے والد نے عبدالکریم کے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا تھا، شریعت مطہرہ میں ایسے افراد کے دعوے کا بوجہ فاسق اور متہم ہونے کے کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ اگر بالفرض شمیم کا نکاح عبدالکریم کے لڑکے سے ہو چکا تھا تو انہوں نے ایک ایسے معاملے کے بارے میں گواہی کا چھپایا جس کا تعلق حلت وحرمت سے ہے، اس کتمان شہادت کی وجہ سے مرتکب کبیرہ ہو کر فاسق ٹھہرے نیز عرصہ دراز کے بعد نکاح سابق (ان لوگوں کے دعویٰ کے مطابق) کی گواہی دینے کی وجہ سے متہم ہوئے کہ انہوں نے ایسا کسی مفاد کیلئے کیا ہے نہ کہ اللہ جل شانہ کی رضا کیلئے اور فاسق اور متہم شخص کی شہادت قبول نہ ہونے کی فقہاء نے تصریح کی ہے لہٰذا از روئے شریعت شمیم کا عبدالکریم کے لڑکے کے ساتھ نکاح ثابت نہیں اس لئے شمیم کا نکاح اس کی رضامندی سے انعام الحق کے ساتھ کرنا آپ لوگوں کیلئے شرعاً درست ہے۔

لمافی المصنف عبدالرزاق (۳۵۲/۸): كتاب الشهادات باب الرجل يشهد بشهادة ثم يشهد بخلافها:

عن ابن المسيب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا شهد الرجل بشهادتين قبلت الأولى وتركت الآخرة وأنزل منزلة الغلام۔

وفيه أيضاً: عن أبي حصين أن شريحا شهد عنده رجل بشهادة فأمضى الحكم فيها فرجع الرجل بعد

فلم يصدق قوله۔

وفيه أيضاً كتاب الشهادات باب لايقبل متهم ولا جارٌّ الى نفسه ولا ظنين (۳۲۰/۸): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم مناديا في السوق أنه لا تجوز شهادة خصم ولا ظنين قيل وما الظنين؟ قال المتهم في دينه۔

وفي البحر الرائق كتاب الشهادات (۹۷/۷): وإنما قيدنا بحقوق العباد لما في القنية أجاب المشايخ في شهود شهدوا بالحرمة المغلظة بعدما أخروا شهادتهم خمسة أيام من غير عذر أنها لا تقبل إن كانوا عالمين بأنهما يعيشان عيش الأزواج۔۔۔ مات عن امرأة وورثة فشهد الشهود أنه كان أقر بحرمتها حال صحته ولم يشهدوا بذلك حال حياته لا تقبل إذا كانت هذه المرأة مع هذا الرجل وسكتوا لأنهم فسقوا ۔۔۔ وأشار المؤلف رحمه الله إلى أن الشاهد إذا لزمه الأداء بالشروط المذكورة فيه فلم يؤد بلا عذر ظاهر ثم أدى فإنها لا تقبل ذكره شيخ الإسلام لتمكن التهمة فيه إذ يمكن أن تأخيره لعذر ويمكن أنه لاستجلاب الأجرة۔

وفي الدرالمختار (۱۲/۳): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها أن المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

وفي الرد تحته: وبه علم أن المبدوء بالهمزة كما لا يصح فيه الاستيعاد لا يصح فيه الوعد بالتزوج في المستقبل عند قيام القرينة على قصد التحقيق والرضا۔

وفي الشامية (۳۱/۴): كتاب الحدود باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: قوله (للتهمة) لأن الشاهد مخير بين أداء الشهادة والستر فالتأخير إن كان لاختيار الستر فالإقدام على الأداء بعده لعداوة حركته فيتهم فيها وإن كان لا للستر يصير فاسقا آثما فتيقنا بالمانع۔

(۱۵۲) منگیتر کو طلاق دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی منگنی ہوئی اور وہ اس لڑکی سے بات چیت کرتا رہا بعد میں کسی بات پر وہ اس سے رنجیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں آیا اس کی منگیتر پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور منگنی برقرار رہے گی یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی شرعاً نکاح نہیں ہے بلکہ وعدہ نکاح ہے نیز کسی عورت کو طلاق دینے کیلئے اس کا نکاح میں ہونا ضروری ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا اپنی منگیتر کو یہ کہنا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس کا یہ کلام لغو ہوگا نیز منگیتر غیر محرم ہوتی ہے اور غیر محرم سے بلا ضرورت بات کرنا درست نہیں۔

لمافی الدر المختار (۳/۱۱-۱۲):کتزوجيني نفسك إذا لم ينو الاستقبال وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا۔الخ۔

وفی الشامیة تحته:قوله (إذا لم ينو الاستقبال) أي الاستيعاد أي طلب الوعد وهذا قيد في الأخير فقط كمافي البحر وغيره ---- لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الموسوعة الفقهية (۱۹/۱۹۰):والخطبة مقدمة للنكاح ، ولا يترتب عليها ما يترتب على النكاح۔ وسيأتي تفصيل ذلك۔

الحكم التكليفي:الخطبة في الغالب وسيلة للنكاح ، إذ لا يخلو عنها في معظم الصور، وليست شرطا لصحة النكاح فلو تم بدونها كان صحيحا ، وحكمها الإباحة عند الجمهور۔

(۱۵۳) منگنی کے بعد پسند بدل جانے کی وجہ سے منگنی توڑنا

سؤال

عبدالقیوم کی منگنی اس کی چچازاد سے پانچ ماہ قبل ہوئی تھی، بعد میں عبدالقیوم کی والدہ کو ایک اور لڑکی پسند آ گئی اب وہ چاہتی ہیں کہ عبدالقیوم کی منگنی توڑ کر اس کا نکاح دوسری لڑکی سے کر دیا جائے۔سوال یہ ہے کہ اس طرح منگنی کر کے توڑ دینا درست ہے یا نہیں اور منگنی توڑنے پر کیا گناہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر منگنی میں صرف وعدہ کیا گیا ہو تو منگنی کسی عذر کی وجہ سے توڑنا جائز ہے بغیر کسی عذر کے منگنی توڑنا وعدہ خلافی ہے اور وعدہ کا گناہ اس کے اوپر لازم آئے گا اور اگر منگنی میں ایجاب وقبول کیا گیا ہو تو طلاق کے بغیر نکاح کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔

لمافی القرآن الكريم (الاسراء:۳۴):وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا۔

وفی جامع الترمذی (۲/۹۱):عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: آية

المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان۔

وفي الشامية (۱۲/۳): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها ان المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

(۱۵۴) لڑکا شرابی نکلنے کی صورت میں منگنی توڑنے کیلئے استخارہ کرنا

سؤال

میں نے اپنی بہن کے بیٹے سے اپنی بیٹی کی منگنی کردی۔ لڑکا دبئی میں رہتا ہے وہیں کاروبار ہے اور لڑکے کی والدہ میری بہن لاہور میں رہتی ہیں۔ کبھی کبھار میری بیٹی سے لڑکے کا رابطہ فون پر ہو جاتا تھا۔ اس کا رویہ بھی ٹھیک تھا مگر کچھ ماہ پہلے سے اس کا رویہ ٹھیک نہیں، میری بیٹی نے بتایا کہ بد اخلاقی سے بات کرنے لگا ہے اور برا بھلا کہتا ہے۔ ایک بار جب وہ یہاں کراچی ہمارے گھر آیا تو مجھے شک ہوا کہ جیسے نشے وغیرہ میں ملوث ہو میں نے اپنے بھائیوں سے رابطہ کیا اور اپنے احباب سے پوچھا تو تصدیق ہوگئی کہ وہ شراب اور بہت سے نشے کرتا ہے۔

آپ مجھے اس کا حل بتایئے میں استخارہ کروانا چاہتی ہوں اگر استخارہ خود کرنا بہتر ہے تو اس کا طریقہ بتادیں ورنہ آپ استخارہ نکال کر ہمیں بتادیجئے۔ یہ بھی بتادیں کہ ہم یہ رشتہ برقرار رکھیں یا نہیں اگر ہم ختم کریں تو شرعی لحاظ سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوهاب

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ اگر لڑکا شراب اور دوسرے نشوں میں ملوث ہے تو آپ اپنی بیٹی کی منگنی ختم کردیں، آگے جا کر اس کے مفاسد بڑھ جائیں گے اور ایسے امور کیلئے استخارہ درست نہیں ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:٤٠): وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۔

وفي عمدة القاري (۱/۲۲۰):(بيان استنباط الاحكام): وبقوله إذا وعد أخلف نبه على فساد النية لأن خلف الوعد لا يقدح إلا إذا عزم عليه مقارنا بوعده أما إذا كان عازما ثم عرض له مانع أو بدا له رأي فهذا لم توجد فيه صفة النفاق۔

وفي الجوهرة النيرة، مطلب في الكفاءة (۲/۱۲۵): واما الكفاءة في الدين يعنى الديانة فيعتبر أيضاً هو الصحيح وقال محمد لاتعتبر لأنها من أمور الآخرة الا اذا كان يصفع ويسخر أو يخرج الى الأسواق سكران وتلعب به الصبيان۔

وفي الدرالمختار، كتاب النكاح (۳/۱۰): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان

المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها ان المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

(۱۵۵) نکاح سے قبل منگیتر سے انٹرنیٹ یا فون پر بات کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ منگیتر کے ساتھ تنہائی میں لوگوں کے سامنے ملاقات کرنا یا ٹیلی فون پر اس کے ساتھ گفتگو یا انٹرنیٹ پر اس کے ساتھ چیٹنگ (گفتگو) کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شادی سے قبل ذہنی ہم آہنگی کیلئے کم از کم ٹیلی فون پر یا انٹرنیٹ کے ذریعے گفتگو کی اجازت ہونی چاہیئے۔ کیا شرعاً اس کی کوئی گنجائش ہے اور اس میں کیا قباحت ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

فقہائے کرام کی تصریح میں منگنی نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں اور جب تک نکاح نہیں ہوجاتا دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں اور پردہ ضروری ہے اس لئے نکاح سے پہلے کسی قسم کی ملاقات وگفتگو کرنا جائز نہیں البتہ جس سے نکاح کرنا ہو شریعت نے اسے صرف ایک نظر دیکھ لینے کی اجازت دی ہے۔

لمافى القرآن الكريم (البقرة: ۲۳۵):وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ۔۔۔الآية۔

وفى عمدة القارى (۱۱۹/۲۰):(باب النظر إلى المرأة قبل التزويج)أي هذا باب في بيان جواز النظر إلى المرأة قبل أن يتزوجها وكان ينبغي أن يقال قبل التزوج لأن النظر فيه لا في التزويج ۔۔۔ (قوله: أن يؤدم بينكما) أي أحرى أن تدوم المودة بينكما وأجابوا عن حديث علي رضي الله عنه بأن النظر فيه لغير الخطبة فذلك حرام وأما إذا كان للخطبة فلا يمنع منه لأنه للحاجة ألا يرى كيف جوز به في الإشهاد عليها ولها فكذلك النظر للخطبة والله أعلم۔

وفى الشامية (۳۷۰/۶):فظاهر تخصيص النظر إليها أنه لا يحل للخاطب النظر إلى ابنها إذا خاف الشهوة ومثله بنتها وتقييد الاستثناء بما كان لحاجة أنه لو اكتفى بالنظر إليها بمرة حرم الزائد لأنه أبيح للضرورة فيتقيد بها۔

وفى اللجنة الدائمة(۱۸/۷۵-۷۹): لا تجوز الخلوة بالمرأة المذكورة للأدلة الدالة على تحريم خلوة الرجل بامرأة ليس لها بزوج أو بمحرم۔

فصل فی رؤیۃ المرأۃ قبل النکاح

(نکاح سے قبل مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا بیان)

(۱۵۶) پیغام نکاح دینے سے قبل لڑکے کا لڑکی کو دیکھنا

سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) کیا شریعت میں پیغام نکاح دینے سے قبل لڑکے لڑکی کو آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت ہے کہ نہیں؟

(۲) لڑکے کی رضامندی کے بغیر جبراً اس کا نکاح کرنا درست ہے؟ اور یہ جبر کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) شریعت مطہرہ میں پیغام نکاح دینے سے قبل لڑکے کا لڑکی کو دیکھنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس سے مقصود تلذذ حاصل کرنا یا نفسانی خواہشات پوری کرنا نہ ہو، اور نہ ہی اس کے لئے باقاعدہ طور پر کوئی انتظامات ہوں، مثلاً لڑکی کو تیار کر کے لڑکے کے سامنے بٹھانا، لوگوں کو بلانا اور غیر محرم مرد عورت کا اختلاط وغیرہ نہ ہو، بہرحال بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکا اپنے گھر کی کسی سمجھدار عورت کے ذریعے لڑکی کے اوصاف وغیرہ معلوم کرلے۔

(۲) نابالغ لڑکا ہو، یا لڑکی والدین اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی کر سکتے ہیں البتہ اولاد اگر بالغ ہو جائے تو پھر اس کی رضامندی ضروری ہے والدین ان کو شادی کیلئے مجبور نہیں کر سکتے لیکن اولاد کیلئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے والدین ہی کی رائے اور منشاء کے مطابق شادی کریں۔

لمافی المشكوة (ص۲٦۸): عن جابر رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إذا خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل"

وعن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه قال خطبت امرأة فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : " هل نظرت إليها ؟ " قلت : لا قال : " فانظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما "

وفی الدرالمختار (٣/٥٥):(والولاية تنفيذ القول على الغير) تثبت بأربع قرابة وملك وولاء وإمامة (شاء أو أبى) وهي هنا نوعان ولاية ندب على المكلفة ولو بكرا وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيبا ومعتوهة ومرقوقة۔

وفی الشامية تحته: قوله (ولاية ندب) أي يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كي لا تنسب إلى الوقاحة۔

(۱۵۷) نکاح سے قبل اندیشہ شہوت کے باوجود لڑکی کو دیکھنا جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک غیر شادی شدہ آدمی ہے وہ صفیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا شادی سے پہلے وہ صفیہ کو دیکھ سکتا ہے اسے شہوت کا اندیشہ بھی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جبکہ زید صفیہ سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ اسے حسب ضرورت دیکھ سکتا ہے، اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۶۸): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال : إني تزوجت امرأة من الأنصار قال : " فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا "

وفی الدر المختار (٦/٣٧٠):(وكذا مريد نكاحها) ولو عن شهوة بنية السنة لا قضاء الشهوة۔

وفی الرد تحته:(قوله بنية السنة)۔۔۔ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما رواه الترمذي والنسائي وغيرهما۔

رسالة

الإجابة فی رؤية المرأة قبل النکاح والإراءة

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا یا دیکھنے پر اصرار کرنا

اور لڑکی کے اولیاء کیلئے اسے دکھانا، مسئلہ ھذا پر تفصیلی اور تحقیقی کلام

(۱۵۸) نکاح سے پہلے لڑکے کا لڑکی کو دیکھنے پر اصرار کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی کے رشتے کی بات چلتی ہے تو لڑکا اصرار کرتا ہے کہ میں خود لڑکی کو دیکھوں گا محلے کے امام صاحب سے جب مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ لڑکے کا یہ مطالبہ درست نہیں اور تائید میں یہ حوالہ پیش کیا:

حوالہ:۔ مفتی ابراہیم صادق آبادی صاحب، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسلامی شادی" (صفحہ ۹۵) کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث سے رؤیت (لڑکے کا دیکھنا) ثابت ہے نہ کہ اراءت (لڑکی کا دکھلانا) انتہی کلامہ۔ ہاں کبھی اتفاقاً سامنا ہوجائے تو ایک نظر دیکھ سکتا ہے مگر یہ جائز نہیں کہ لڑکی اس کے سامنے پیش کی جائے۔ (خواتین کے دینی مسائل، ۲/ ۴۲۲)

لیکن ایک اور مولوی صاحب جماعت میں آئے ہوئے تھے ان کے سامنے بات آئی تو انہوں نے کہا کہ فقہاء ومحدثین نے لڑکی کو نکاح سے پہلے دیکھنے کی اجازت دی ہے بلکہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے تو چھونے تک کا جواز معلوم ہوتا ہے لہٰذا لڑکے کا لڑکی کو دیکھنا جائز ہے۔ مفتی صاحب آپ سے درج ذیل مسائل کی مفصل تنقیح مطلوب ہے:

۱۔ نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ لڑکی والوں کا اپنی لڑکی کو دکھانا شرعاً کیسا ہے؟ اس پر لڑکے کا اصرار کرنا درست ہے؟

۳۔ نکاح سے قبل لڑکی کا چھونا بھی جائز ہے یا نہیں؟

۴۔صرف ایک نظر دیکھنے کی گنجائش ہے یا مکرر دیکھ سکتا ہے؟

ازراہِ کرم درج بالا سوالات کے شافی جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جس شخص کا کسی عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کے لئے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ شادی کے بعد زندگی میں الفت ومحبت اور مزاجوں میں موافقت کا ذریعہ ہے۔حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بابرکت ارشاد ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال كنت عند النبي صلى الله عليه وسلم فأتاه رجل فأخبره أنه تزوج امرأة من الأنصار فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم أنظرت إليها قال لا. قال فاذهب فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا"۔ (مسلم، ۴۵۶/۱)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور بتایا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کرلی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ کہا: نہیں۔فرمایا: جاؤ اور جا کر دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه أنه خطب امرأة فقال النبي صلى الله عليه وسلم انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما۔ (جامع الترمذی، ۲۰۷/۱)

"حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خاتون کو پیغام نکاح بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے دیکھ لو اس (دیکھنے کے ذریعے) سے تمہارے درمیان زیادہ موافقت پیدا ہوگی۔"

شادی سے قبل مخطوبہ عورت کو دیکھنا ایک مباح امر ہے لیکن دوسری طرف ایک اجنبی عورت کو دیکھنا یا اس کے ساتھ خلوت اختیار کرنا حرام ہے لہذا مخطوبہ عورت بھی چونکہ اجنبیہ ہے چنانچہ جو تفصیل لکھی جارہی ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے وغیرہ کا حکم

(۱) شادی سے قبل مخطوبہ عورت کو دیکھنا بھی جائز ہے اور لڑکی والوں کا لڑکی کو دکھلانا بھی جائز ہے لیکن حدیث سے صرف دیکھنے کا جواز ثابت ہے دکھلانے کا جواز بطور التزام ہے البتہ یہ ایک مباح امر ہے کوئی واجب یا ضروری نہیں اس لئے لڑکے کا اصرار کرنا تو جائز ہے لیکن اگر لڑکا اصرار بھی کرے تب بھی لڑکی والوں پر دکھلانا ضروری نہیں یہ ان کی صوابدید اور مرضی پر منحصر ہے کہ لڑکی کو کسی جگہ پر دونوں طرفین کے سرپرستوں کی موجودگی میں دکھانا چاہیں تو دکھادیں اور نہ دکھانا چاہیں تو نہ دکھائیں البتہ خلوت میں دیکھنا بہرحال ناجائز اور

حرام ہے۔حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب معلوم ہوتا ہے حضرت والا کی مکمل عبارت ان کی کتاب "اسلامی شادی" (کا جو نسخہ ہمارے پاس میسر ہے) کے صفحہ نمبر ۹۸ پر یہ ہے:

"حدیث پاک سے رؤیت (لڑکے کا دیکھنا) ثابت ہے نہ کہ ارائت (لڑکی کا دکھلانا) یعنی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکی والے اس خاطب (یعنی لڑکے) کو خود لڑکی دکھادیں بلکہ (حدیث کا مطلب یہ ہے) خاطب (لڑکے) کو اجازت ہے کہ اگر تمہارا موقع لگ جائے تو تم دیکھ لو حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لڑکی والے اہل خاطب (لڑکے والوں) کو دکھلایا کریں۔حدیث اس سے محض ساکت ہے۔" (اسلامی شادی ص ۹۸)

لہٰذا اصل تو یہ ہے کہ اگر لڑکی رشتہ دار وغیرہ ہے یا اسے کسی جگہ بغیر خلوت کے دیکھنا ممکن ہو تو دیکھ لے لیکن اگر لڑکی باحیاء اور مکمل شرعی پردے والی ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ لڑکی کے سرپرست اپنی لڑکی کو دکھانے کا بندوبست کرلیں لڑکی کو دکھلانے کا اگرچہ حدیث سے ثبوت نہیں لیکن باپردہ لڑکی کیلئے بطورِ التزام اسے ثابت کرنا پڑے گا لیکن لڑکی کے سرپرستوں پر شرعاً یہ لازم نہیں اگر وہ منع کردیں تو یہ ان کی صوابدید پر ہے الغرض دکھانے کا ثبوت بطور التزام حدیث سے ہے البتہ لڑکی والے منع کرسکتے ہیں بظاہر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب معلوم ہوتا ہے۔

مخطوبہ لڑکی کو چھونا جائز نہیں

(۲) جہاں تک تعلق ہے لڑکی کو چھونے کا تو اس کا کوئی جواز کتب میں موجود نہیں ،ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"وإنما يباح له النظر إلى وجهها و كفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة في حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة وظاهره جواز مساسها فإن به يتبين اللين وضده وهو لا يستفاد من الحديث". (مرقاة المفاتيح على المشكوة ۲۵۱/۶)

"لڑکے کیلئے مخطوبہ کے فقط چہرے اور ہتھیلیوں کا دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ دونوں اس کے لئے ستر کے درجے میں نہیں، چہرے سے خوبصورتی اور ہتھیلیوں سے باقی اعضاء کی نرمی وسختی کا پتہ لگ جائے گا اور یہ بظاہرا سے چھونے کے جواز پر دال ہے کیونکہ نرمی اور سختی کا (صحیح) پتہ چھو کر ہی چلے گا لیکن حدیث سے یہ بات مستفاد نہیں ہو رہی"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح کردی کہ چھونے کا جواز ایک احتمالی صورت ہے جس کا حدیث سے کوئی ثبوت نہیں لہٰذا چھونا بہر صورت حرام اور ناجائز رہے گا۔علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے "شامیۃ" میں تصریح کی ہے:

"ولا يجوز له أن يمس وجهها ولا كفيها وإن أمنوا الشهوة لوجوب الحرمة وانعدام الضرورة والبلوى... وفي درر البحار وشرحه لا يحل المس للقاضي والشاهد والخاطب وإن أمنوا الشهوة لعدم الحاجة" (رد المحتار على الدر المختار، ۳۷۰/۶)

"لڑکے کیلئے جائز نہیں کہ (مخطوبہ کے) چہرے یا ہتھیلیوں کو چھوئے اگرچہ شہوت کا نہ ہونا یقینی ہو کیونکہ یہ ایک حرام امر ہے اور ایسی کوئی ضرورت ہے اور نہ ابتلاء...... درر البحار اور اسکی شرح میں ہے کہ قاضی، گواہ اور پیغام نکاح بھیجنے والے مرد کیلئے لڑکی کا چھونا جائز نہیں اگرچہ شہوت سے مامون ہو کیونکہ ضرورت (جواز کی) نہیں ہے۔"

مخطوبہ لڑکی کو ایک سے زائد مرتبہ دیکھنے کا حکم

(۳) آخری مسئلہ یہ رہ گیا کہ لڑکی کو ایک نظر ہی دیکھ سکتا ہے یا ایک سے زائد مرتبہ دیکھنا بھی جائز ہے تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جس محفل میں لڑکی سامنے آئے اگر ایک نظر دیکھنے سے کفایت ہو جائے تو مکرر نظر نہ ڈالے جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ المحتار میں تصریح کی ہے:

"لو اکتفی بالنظر الیھا بمرۃ حرم الزائد لانہ ابیح لضرورۃ فیتقید بھا"

"اگر ایک دفعہ لڑکی کی طرف دیکھنا کافی ہو جائے تو ایک سے زائد مرتبہ دیکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ (نظر الی المخطوبہ) ضرورتاً جائز کیا گیا ہے تو بقدرِ ضرورت ہی جائز ہوگا"

البتہ اگر ایک بار دیکھنا کافی نہ ہو تو اسی مجلس میں مکرر دیکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ علامہ وہبہ زحیلی اپنی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ففی اثناء الخطبۃ یجوز النظر للوجہ والکفین فقط دون ماعداھما وللخاطب تکریر نظرہ ولا ینظر غیر الوجہ والکفین بلا مس شیئ منھما" (الفقہ الاسلامی، ۴/۲۶۵۳)

"پیغام نکاح (کے معاملات) کے دوران لڑکی کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنا جائز ہے ان کے علاوہ اعضاء کا دیکھنا جائز نہیں اور لڑکے کیلئے مکرر دیکھنے کی بھی گنجائش ہے لیکن چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ کسی عضو کو نہ دیکھے اور چھونا تو کسی ایک عضو کا بھی جائز نہیں۔"

"المفصل فی احکام المرءۃ والبیت المسلم" میں عبارت ہے:

"ولہ تکریر النظر الی من یرید نکاحھا...... ولان المقصود من النکاح قد لا یتحصل بمرۃ واحدۃ ولا مرتین فکانت الثلاثۃ حدًّا وسطا مقبولا" (المفصل ۳/۲۲۳)

"لڑکے کیلئے مخطوبہ کو مکرر دیکھنا جائز ہے...... کیونکہ بسا اوقات نکاح کا مقصود ایک یا دو بار سے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا تین مرتبہ نظر کرنے کو معتدل حد قرار دیا جا سکتا ہے۔"

فتاویٰ لجنہ دائمہ للبحوث العلمیہ والافتاء میں ہے:

"یجوز لمن أراد أن یتزوج امرأۃ أن ینظر عند خطبتھا إلی وجھھا بلا تلذذ ولا شھوۃ ودون خلوۃ

بها باتفاق العلماء." (الفتاوی اللجنة الدائمة ۱۸/۷۵)
"جو شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو پیغامِ نکاح کے وقت اس کے لئے اس کے چہرے کو بغیر تلذذ اور شہوت کے دیکھنا جائز ہے اور اس کے ساتھ خلوت نہ ہو اس (جواز) پر علماء کا اتفاق ہے۔"

خلاصہ کلام

لہٰذا بقدرِ ضرورت ایک سے زائد مرتبہ بھی لڑکی پر نظر ڈال لینے کی گنجائش ہے لیکن یہ نیت مدِ نظر ہے کہ سنت کا احیاء یا شادی کے بعد موافقت ملحوظ ہو بنیت شہوت یا لطف اندوزی کے دیکھنا جائز نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں لڑکے کا اصرار کرنا جائز تو ہے البتہ لڑکی والے اگر نہ دکھانا چاہیں تو لڑکی والوں کو اختیار ہے البتہ لڑکے کو چاہیئے کہ اگر لڑکی والے راضی نہ ہو رہے ہوں تو اپنے گھر کی عورتوں کو بھیج کر لڑکی کی صفاتِ مطلوبہ معلوم کرلے کیونکہ شرفاء کا طریق یہی ہے اور مقصود کا حصول اس میں بھی ممکن ہے البتہ اگر لڑکی والے راضی ہوں تو سرپرستوں کی موجودگی میں (نہ کہ تنہائی میں) لڑکی کو دیکھنا (چاہے ایک نظر سے زائد ہو) جائز ہے البتہ چھونا جائز نہیں۔

(۱۵۹) نکاح سے قبل سسر کا بہو کو دیکھنے نیز لڑکی والوں کیلئے اپنی لڑکی کو دکھانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنوری میں میرے کزن افضال کی شادی ہے رشتہ تقریباً طے ہو چکا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لڑکا افضل کہتا ہے کہ میں لڑکی کو دیکھوں گا اور افضال کے اباجی بھی اپنی بہو کو دیکھنے کے خواہشمند ہیں اب مسئلہ پیچیدہ ہو رہا ہے لڑکی والے تیار نہیں۔ وہ صرف لڑکے کو لڑکی دکھانے پر راضی ہو سکتے ہیں لہٰذا آپ درج ذیل سوالوں کے الگ الگ جواب تحریر فرمادیں۔

(۱)۔افضال اکیلے جا کر لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟

(۲) لڑکی والے اہتمام کر کے لڑکے کو لڑکی دکھا سکتے ہیں یعنی قصداً دکھانا گناہ، دقیانوسیت یا بے غیرتی تو شمار نہ ہوگا؟

(۳) اگر لڑکی والے منع کر دیں تو یہ کیسا ہے؟ یعنی لڑکی کو دیکھنا لڑکے کا حق ہے یا نہیں؟ حدیث میں امر وجوبی ہے یا استحبابی یا مباح ہے؟ تفصیل کردیں۔

(۴) افضال کے اباجی کا مطالبہ کیسا ہے؟ سسر اپنی بہو کو دیکھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟

(۵) اگر افضال کے گھر کی خواتین ساتھ ہوں تو اس طرح گھر بلا کر دکھانا کیسا ہے؟

(٦) اگر افضال کو خفیۃً بلا کر لڑکی والے اکیلے میں لڑکی دکھادیں تو کیا یہ جائز ہے آیا اس طرح خلوت میں لڑکی کو دکھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

ازراہ کرم ان چھ سوالات کا شافی جواب مرحمت فرمائیں اور ساتھ ہی کوئی اور تحقیقی یا دقیق بات اس مسئلے سے متعلق آپ کے سامنے آئے تو ذکر کردیں تا کہ رؤیت اور اراءت یا والد کی رؤیت وغیرہ کے تمام مسائل منقح ہو کر سامنے آجائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں ذہن نشین رہے کہ لڑکے کا مخطوبہ لڑکی کو دیکھنا مباح ہے، فرض، واجب یا مستحب نہیں۔ مخطوبہ لڑکی اگرچہ اجنبیہ ہے لیکن بوجہ ورودِ نص اسے دیکھنے کی گنجائش ہے البتہ یہ دیکھنا فرض یا واجب نہیں صرف مباح ہے نیز لڑکی کے سرپرستوں کیلئے لڑکی کو دکھانا بھی جائز ہے البتہ ضروری نہیں اگر وہ اسے معیوب سمجھتے ہیں اور یہ اجازت نہیں دیتے تو لڑکا انہیں اس پر مجبور نہیں کر سکتا لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) لڑکا اکیلے جا کر لڑکی کے سرپرستوں کی موجودگی میں لڑکی کو دیکھ سکتا ہے۔

(۲) اس عمل کیلئے ضرورت سے زیادہ اہتمام اور بناؤ سنوار کرانا خلاف مروت ہے لہٰذا سادگی کے ساتھ سرپرستوں کی موجودگی

میں دکھادیا جائے اسے دقیانوسیت وغیرہ کہنا درست نہیں۔
(۳) اگر لڑکی والے منع کردیں تو وہ منع کرسکتے ہیں حدیث میں امر صرف اباحت کیلئے ہے ضروری نہیں۔
(۴) افضال کے ابا جی کا مطالبہ غلط اور خلافِ شرع ہے اس کے لئے وہ لڑکی اب تک اجنبیہ اور نامحرم ہے، اور اسے دیکھنا حرام ہے۔
(۵) افضال کے گھر والوں کی موجودگی میں یہ عمل انجام دیا جاسکتا ہے۔
(۶) لڑکے کو اکیلے بلاکرتنِ تنہا لڑکی کے ساتھ چھوڑ دینا ناجائز ہے اس کی شریعت میں گنجائش نہیں یہ خلوت محرمہ ہے۔
الغرض یہ بات ملحوظ رہے کہ شادی کیلئے لڑکی کو دیکھنا کوئی ضروری امر نہیں بلکہ اس میں بہتر تو یہ ہے کہ لڑکے کے گھر کی خواتین جا کر لڑکی کو دیکھ لیں اور اس سے متعلق ضروری باتیں لڑکے کو بتادیں اس معاملے میں زیادہ اصرار بے جا ہے۔

لما فی المشکوۃ (ص۲۶۸): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال : إني تزوجت امرأة من الأنصار قال : " فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا "
وفی حاشیۃ المشکوۃ تحت هذا الحديث: ويجوز النظر إلى المرأة التي يريد أن يتزوجها عندنا۔
وفی المشکوۃ (ص۲۶۹): وعن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه قال خطبت امرأة فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : " هل نظرت إليها ؟ " قلت : لا قال : " فانظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما "
وكذا فيه (ص۲۶۸): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إياكم والدخول على النساء ـ
وفی عمدۃ القاری (۱۱۹/۲۰): يباح النظر إلى المرأة التي يريد نكاحها ـ ـ ـ وأجابوا عن حديث علي بأن النظر فيه لغير الخطبة فذلك حرام أما إذا كان للخطبة فلا يمنع منه لأنه للحاجة ألا يرى كيف جوز به فی الاشهاد عليها ولها فكذلك النظر للخطبة۔
وفی الشامیۃ (۳۷۰/۶): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما رواه الترمذي والنسائي وغيرهما ـ ـ ـ وتقييد الاستثناء بما كان لحاجة أنه لو اكتفى بالنظر إليها بمرة حرم الزائد لأنه أبيح للضرورة فيتقيد بها وظاهر ما في غرر الأفكار النظر إلى الكفين أيضا ويظهر من كلامهم أنه إذا لم يمكنه النظر يجوز إرسال نحو امرأة تصف له حلاها بالطريق الأولى۔

(۱۶۰) پیغام کے وقت لڑکی کا لڑکے کو دیکھنے کا مطالبہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے وقت لڑکا تو لڑکی کو دیکھ سکتا ہے لیکن اگر لڑکی یہ اصرار کرے تو کیا حکم ہے؟ کیا لڑکی کو اختیار ہے کہ لڑکے کو دیکھنے پر اصرار کرے احادیث تو مرد کے بارے میں وارد ہیں کیا عورت کو اختیار ملے گا؟ نص عام ہوگا خلافِ قیاس تو نہیں؟ صریح فقہی جزئی بھی تحریر کردیں تا کہ مسئلہ آسان ہوجائے نیز اگر دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو کیا کیا جائے؟ چھوڑ سکتا ہے کہ نہیں؟ اور پسند آجائے پھر کیا حکم ہے؟ پسند آنے کے باوجود شادی نہیں کر رہا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جس عورت سے ایک شخص شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے دیکھنا حضراتِ فقہاء کرام نے مباح اور بعض نے مستحب لکھا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مختلف احادیث اس پر دال ہیں کہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو پہلے ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے البتہ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ عام اوقات میں ایک مرد اجنبیہ عورت کو نہیں دیکھ سکتا صرف مخطوبہ کو دیکھنے کی شریعت نے گنجائش دی ہے، اس گنجائش دینے کی کیا وجہ ہے؟ کس حکمت کی بناء پر یہ توسیع کی گئی ہے؟ جب ہم احادیث واردہ فی ھذا الباب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دو طرح کی حکمتیں نظر آتی ہیں۔ پہلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إني تزوجت امرأة من الأنصار قال: "فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا". رواه مسلم

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا ایک شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور کہا میں نے ایک انصاریہ سے شادی (کرنے کا ارادہ) کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھ لینا کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔"

(مشکوٰۃ ص ۲۶۸)

اس حدیث سے لڑکی کو شادی سے قبل دیکھنے کی حکمت "عیوب سے خالی ہونا" معلوم ہوتی ہے، البتہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی ایک الگ حکمت بیان کی گئی ہے۔

"وعن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه قال خطبت امرأة فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هل نظرت إليها؟" قلت: لا قال: "فانظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما". رواه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجة والدارمي."

"حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک عورت کو پیغامِ نکاح بھیجا تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ تو نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا دیکھ لے کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت والفت کو رکھے گا" (مشکوۃ ص ۲۶۹)

اس حدیث میں اتفاق ومحبت کے پیدا ہونے کو نظر الی المخطوبہ کے جواز کی وجہ بتایا گیا ہے۔ گویا ان دو حکمتوں کی بناء پر شادی قبل مخطوبہ کو دیکھنا جائز ہے:

۱) عیب نہ ہو۔

۲) محبت واتفاق بڑھے۔

مذکورہ بالا دونوں حکمتوں کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جس طرح لڑکے کے لڑکی کو دیکھنے میں یہ فوائد ہیں اسی طرح لڑکی کے لڑکے کو شادی قبل دیکھنے میں بھی یہ دونوں باتیں ملحوظ رکھی جانی چاہئیں کیونکہ نکاح دونوں کا ہو رہا ہے پھر وجہ فرق کوئی نہیں!!!...... البتہ جہاں تک وبہ کو دیکھنے والی احادیث کا تعلق ہے ان میں کہیں بھی لڑکی کے لڑکے کو دیکھنے کا ذکر نہیں جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرد کو گنجائش ینے کی وجہ اس کے اوپر پہلے سے موجود حرمت ہے کیونکہ ایک مرد اجنبیہ عورت کو (چاہے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو) نہیں دیکھ سکتا اس لئے مرد کو جائش دی گئی لیکن ایک عورت مرد کو اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو دیکھ سکتی ہے، جب پہلے ہی دیکھنے کا جواز ہے تو پھر خصوصاً موقعِ زواج پر بدرجہ لی جواز ہوگا جس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ ایک عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہو اس کا جواز کتبِ فقہ میں مصرح ہے ک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا واقعہ یوں ذکر کرتی ہیں:

عن عائشة رضی الله عنها قالت رأيت النبی صلی الله عليه وسلم يسترنی وأنا انظر إلى الحبشة وهم يلعبون فی المسجد الخ (صحیح البخاری ۱۳۵/۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے چھپایا ہوا تھا اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی وہ حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے"۔

نیز دور نبوی میں عورتیں فتنے کے خوف کے نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے آتی تھیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں اس سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"والأصح أنه يجوز نظر المرأة إلى الرجل فيما فوق السرة وتحت الركبة بلا شهوة وهذا الحديث محمول على الورع والتقوى قال السيوطي رحمه الله كان النظر إلى الحبشة عام قدومهم سنة سبع ولعائشة يومئذ ست عشرة سنة وذلك بعد الحجاب فيستدل به على جواز نظر المرأة إلى الرجل وبدليل أنهن كن يحضرن الصلاة مع رسول الله ﷺ في المسجد ولا بد أن يقع نظرهن إلى الرجال فلو لم يجز لم يؤمرن بحضور المسجد والمصلى ولأنه أمرت النساء بالحجاب عن الرجال ولم يؤمر الرجال بالحجاب"

"اصح یہ ہے کہ عورت کیلئے مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے دیکھنا جائز ہے اگر شہوت نہ ہو، اور یہ حدیث (ابن ام مکتوم سے حجاب کی) ورع اور تقویٰ پر محمول ہوگی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کو دیکھنا ساتویں صدی ہجری کے سن جس سال وہ آئے تھے واقع ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت سولہ سال کی تھیں اور حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا لہٰذا اس واقعہ سے عورت کے مرد کو دیکھنے کے جواز پر استدلال کیا جائے گا اھ، اور ایک دلیل جواز کی یہ بھی ہے کہ عورتیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتی تھیں لہٰذا لامحالہ ان کی نظر مردوں پر پڑتی ہوگی اگر یہ (عورتوں کا مردوں کو دیکھنا) جائز نہ ہوتا تو انہیں مسجد میں آنے کا نہ کہا جاتا اور نہ عیدگاہ آنے کا حکم جاری ہوتا اور یہ بات بھی ہے کہ عورتوں کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے مردوں کو تو پردے کا حکم نہیں۔"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ۶/ ۲۰۰)

یعنی عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا اس بات پر دال ہے کہ عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے کیونکہ لامحالہ عورت کی نظر مرد پر پڑے اب اگر یہ دیکھنا جائز نہ ہوتا تو مردوں کو بھی پردے کا حکم دیا جاتا جبکہ ایسا نہیں، لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ ایک عورت مرد کا چہرہ وغیرہ اوقات میں اگر شہوت کا ڈر نہ ہو تو دیکھ سکتی ہے تو پھر بوقتِ ازدواج جب ضرورت ہے اور جن دو حکمتوں کی بناء پر مرد کو بھی گنجائش دی ہے تو عورت کو بدرجہ اولیٰ دیکھنا جائز ہوگا۔

جہاں تک تعلق ہے سوال میں موجود اس بات کا کہ دیکھنے کے بعد پسند آئے یا نہ آئے تو کیا کیا جائے؟ تو دیکھیں شریعت اگرچہ وعدہ نکاح (منگنی وغیرہ) کو بھی بوقتِ عذر توڑنے کی گنجائش دی ہے البتہ بغیر عذر کے توڑنا درست نہیں لیکن یہاں نظر الی المخطو ظاہر ہے منگنی وغیرہ سے پہلے ہوتا ہے لہٰذا اس کے بعد اگر لڑکی پسند نہ آئے تو منع کیا جاسکتا ہے البتہ اگر پسند آجائے تو شادی کر لینی چاہئے اور یہی حکم لڑکی کے لڑکے کو دیکھنے سے متعلق ہے البتہ لڑکی کے لڑکے کو دیکھنے سے متعلق جو تفصیلات تحریر کی گئی ہیں وہ اصولوں اور دلالت روشنی میں تحریر کی گئی ہیں لہٰذا اس کا جواز تو ثابت ہوتا ہے لیکن اگر اسے معیوب سمجھا جاتا ہو یا طرفین ان معاملات پر راضی نہ ہو رہے ہو تو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔

(۱۶۱) بیوہ سے نکاح کیلئے اس کے بچوں کو دیکھنے پر اصرار کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست سیفی صاحب کا عنقریب ایک سے نکاح کا ارادہ ہے انہوں نے ایک نظر بیوہ کو دیکھ بھی لیا ہے لیکن اب سیفی صاحب کا کہنا ہے کہ میں بیوہ کے بچوں کو بھی دیکھوں گا تا مجھے اور تسلی ہو جائے کہ اس عورت کے بچے کیسے ہوتے ہیں چھوٹے لڑکے کو تو دکھا دیا لیکن ایک لڑکی بالغہ ہے اسے دکھانے کا مسئلہ بن

سیفی صاحب بھی بضد ہیں کیا شرعی نقطہ نظر سے بیوہ کے بچوں کو اس نیت سے دیکھنا جائز ہے؟ مدلل جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ اجنبی نامحرم عورت کو دیکھنا شریعتِ مطہرہ میں ناجائز اور حرام ہے مخطوبہ عورت کو دیکھنے کا جواز فقط اباحت کے درجے میں ہے اسے بھی اگر لڑکی کے اولیاء منع کر دیں تو وہ منع کر سکتے ہیں کیونکہ مخطوبہ عورت بھی حقیقتاً نامحرم ہی ہے البتہ اس کے ساتھ چونکہ پوری زندگی گزارنی ہے لہٰذا شریعت نے اسے دیکھنے کی گنجائش دی ہے لیکن اس کے بچوں کو دیکھنا اور یہ اندازہ لگانا کہ اس عورت کی اولاد کیسی ہوتی ہے یہ بے معنی اور لغو حرکت ہے بالخصوص بالغہ لڑکی کو دیکھنا تو اس کے لئے قطعاً جائز نہیں کیونکہ وہ اس کے حق میں بالکل اجنبیہ اور نامحرم ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النور: ۳۰): قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۶۸): وعن جرير بن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نظر الفجاءة فأمرني أن أصرف بصري. رواه مسلم۔

وفی مرقاۃ المفاتیح (۱۹۷/۶): فأمرني أن أصرف بصري أي لا أنظر مرة ثانية لأن الأولى إذا لم تكن بالاختيار فهو معفو عنها فإن أدام النظر أثم وعليه قوله تعالى قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم۔

وفی الشامیۃ (۳۷۰/۶): فظاهر تخصيص النظر إليها أنه لا يحل للخاطب النظر إلى ابنها إذا خاف الشهوة ومثله بنتها وتقييد الاستثناء بما كان لحاجة أنه لو اكتفى بالنظر إليها بمرة حرم الزائد لأنه أبيح للضرورة فيتقيد بها۔

(۱۶۲) لڑکے کے گھر کی خواتین کا لڑکی کو دیکھ کر اس کی صفات بیان کر دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی آدمی شادی کرنا چاہے لوگ اسے کسی لڑکی کے متعلق بتائیں کہ وہ مناسب ہے آیا وہ آدمی خود اس لڑکی کو دیکھ سکتا ہے یا اپنی گھر کی خواتین کو بھیج کر دکھوالے پھر ان سے لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرے تو یہ جائز ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

وہ آدمی خود جا کر اس لڑکی کو دیکھ سکتا ہے جس سے وہ شخص شادی کرنا چاہتا ہے ہاں اگر خود نہیں دیکھنا چاہتا تو گھر کی خواتین کو بھیج دے جو جا کر اس لڑکی کو دیکھیں اور واپس آ کر اس شخص کو لڑکی کی صفات بیان کر دیں، ایسا کرنا جائز ہے۔

لما في المرقاة (۱۹۵/۶): وإذا لم يمكنه النظر استحب أن يبعث امرأة تصفها له وإنما يباح له النظر إلى وجهها وكفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة في حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة۔

وفي الشامية (۳۷۰/۶): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما رواه الترمذي والنسائي وغيرهما ولأن المقصود إقامة السنة لا قضاء الشهوة۔

وبعد اسطر: ويظهر من كلامهم أنه إذا لم يمكنه النظر يجوز إرسال نحو امرأة تصف له حلاها بالطريق الأولى۔

(۱۶۳) شادی سے قبل لڑکی کی تصویر دیکھنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے اہل علاقہ کا یہ رواج ہے کہ شادی سے پہلے جب نکاح کے بارے میں بات ہوتی ہے تو وہ لڑکی یا لڑکے کی تصویر کو دکھاتے ہیں اور یہ ضروری سمجھا جاتا ہے اگر کوئی نہ دکھائے تو نکاح میں رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں آیا لڑکے یا لڑکی کی تصویر ایک دوسرے کو دکھانا جائز ہے۔ عند الشرع اس کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

جہاں پیغام نکاح بھیجا جا رہا ہو وہاں لڑکے یا لڑکی کی تصویر دکھانا صحیح نہیں ہے اور نہ اس غرض سے تصویر سازی (جو کہ شرعاً حرام ہے) کی شریعت میں اجازت ہے اس کے لئے دوسرے وہ ذرائع استعمال کئے جائیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہے یا گھر کی عورتوں وغیرہ کو بھیج کر معلومات حاصل کر لی جائیں۔

لما في المشكوة (ص۲۸۵): وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه

وسلم يقول: "أشد الناس عذابا عند الله المصورون"

وفي المرقاة شرح مشكوة (٦/١٩٥): استحباب النظر اليها قبل الخطبة وان لم يمكنه النظر استحب ان يبعث امرأة تصفها له۔الخ۔

وفي الفقه الاسلامي وادلته (٧/٢٢): والشرع أباح التعرف على المخطوبة من ناحيتين فقط: الأولى: عن طريق إرسال امرأة يثق الخاطب بها تنظر إليها وتخبره بصفتها۔۔۔ وللمرأة أن تفعل مثل ذلك بإرسال رجل، فلها أن تنظر إلى خاطبها، فإنه يعجبها منه ما يعجبه منها۔الثانية: النظر مباشرة من الخاطب للمخطوبة للتعرف على حالة الجمال وخصوبة البدن، فينظر إلى الوجه والكفين والقامة، إذ يدل الوجه على الجمال، والكفان على الخصوبة والنحافة، والقامة على الطول والقصر۔الخ۔

وفي الفتاوى اللجنة الدائمة (١/٤٥٨): لايجوز تصوير ذوات الارواح بالكاميرا أو غيرها من آلات التصوير۔

(۱۶۴) براہ راست انٹرنیٹ پر مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا حکم

سؤال

میں عنقریب اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان وکرم ہے لیکن لڑکا باہر ملک رہتا ہے اور اس کا شادی سے قبل واپس آنا کافی مشکل ہے (لڑکا کنیڈا میں ہے) وہ کہتا ہے لڑکی کی فوٹو بھیجو میں لڑکی کو دیکھے بغیر حتمی جواب نہیں دے سکتا لڑکے کے گھر والے بھی مجبور کر رہے ہیں اب کچھ سمجھ نہیں آرہا، مفتی صاحب میں اور میری بیٹی فوٹو نہیں کھنچوانا چاہتے (ظاہر ہے حرام فعل ہے) لیکن آپ پریشر سمجھ رہے ہوں گے تو اب کیا کیا جائے؟ ایک صورت یہ ذہن میں آرہی تھی کہ انٹرنیٹ پر لڑکی کو سامنے کر دیا جائے اور شاید اس مسئلے میں کچھ تخفیف ہے۔

مفتی صاحب آپ ہماری صحیح راہنمائی فرمائیں کہ مسئلہ کیسے حل ہو، لڑکا تو نہیں مانے گا کیا کیا جائے؟ کیا رشتہ ختم کر دیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کوئی آدمی نکاح کرنے کی غرض سے کسی عورت کو دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے اگر ممکن ہو اور اگر ممکن نہ ہو تو اولیاء کے مشورہ سے کوئی ایسی صورت دیکھنے دکھانے کی کی جائے جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔ مذکورہ صورت میں آپ ایک جھلک انٹرنیٹ پر دکھا سکتے ہیں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ تصویر وغیرہ نہ بنائی جائے بلکہ براہ راست دکھایا جائے۔

وفي الهندية (۵/۳۴۲): وإذا أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس بأن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها كذا في التبيين.

وفي الدر المختار (۶/۳۷۰): وكذا مريد نكاحها ولو عن شهوة بنية السنة لا قضاء الشهوة.

وفي الرد تحته: وإذا أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما رواه الترمذي والنسائي وغيرهما ولأن المقصود إقامة السنة لا قضاء الشهوة اهـ

(۵۰) [illegible] متعلق حدیث کا حکم

سوال

[illegible]

الجواب بعون الملک الوهاب

[illegible]

[illegible]

وفي سنن الترمذي (۱/۲۰۷): عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه أنه خطب امرأة فقال النبي صلى الله عليه وسلم انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما.

وفي الباب عن محمد بن مسلمة وجابر وأنس وأبي حميد وأبي هريرة قال أبو عيسى هذا حديث

حسن۔

وفي مرقاة المفاتيح (٦/٢٥١): وللعلماء خلاف في جواز النظر إلى المرأة التي يريد أن يتزوجها فجوزه الأوزاعي والثوري وأبو حنيفة والشافعي وأحمد وإسحاق رحمهم الله مطلقا أذنت المرأة أم لم تأذن لحديثي جابر والمغيرة ـ ـ ـ وإنما يباح له النظر إلى وجهها وكفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة في حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة۔

وفي الشامية (٦/٣٧٠): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما۔

فصل فی ألفاظ النكاح

(الفاظِ نکاح کا بیان)

(١٦٦) میں نکاح کرتا ہوں کے الفاظ سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ''میں نکاح کرتا ہوں'' ان الفاظ سے نکاح ہوجائیگا یا ماضی کالفظ ''میں نے نکاح کیا'' یہ بولنا ضروری ہے؟ یا یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''میں قبول کرتا ہوں'' اس پر بھی روشنی ڈال دیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جاننا چاہیئے کہ دوقسم کے الفاظ (صیغوں) سے نکاح منعقد ہوتا ہے:

(۱) لفظ ماضی: متعاقدین میں سے ہر ایک ایجاب وقبول لفظ ماضی کے ساتھ کرے جیسا کہ آدمی کہے ''میں نے تجھ سے نکاح کیا'' اور عورت جواب میں کہے ''میں نے قبول کیا''۔

(۲) لفظ حال یا مستقبل (امر): متعاقدین میں سے ایک لفظ حال یا مستقبل (امر) سے ایجاب کرلے اور دوسرا لفظ ماضی استعمال کرکے قبول کرے جیسا کہ کوئی شخص کہے ''میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں'' یا ''مجھ سے نکاح کرلو'' اور عورت قبول کرتے ہوئے کہے کہ ''میں نے قبول کرلیا'' تو اس سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور اگر قبول کرنے میں، وعدہ یا استقبال کا مطلب لئے بغیر یہ الفاظ استعمال کر لئے جائیں ''میں قبول کرتا ہوں'' تو حال کا معنی مراد لیتے ہوئے اس سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے البتہ اگر وعدہ یا استقبال مراد ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

نکاح کے انعقاد کے لئے صرف لفظ ماضی کے ذریعے ایجاب وقبول کرنا ضروری نہیں بلکہ مندرجہ بالا الفاظ میں سے جس سے بھی ایجاب وقبول کیا جائے، نکاح منعقد ہوجائے گا نیز استقبالِ محض (یعنی میں تجھ سے نکاح کروں گا وغیرہ) کا صیغہ اگر ایجاب یا قبول میں استعمال ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لما فی الدر المختار(٩/٣): (وينعقد) متلبسا(بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا

للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك (و) يقول الآخر (تزوجت و) ينعقد أيضا (بما) أي بلفظين (وضع أحدهما له) للمضي (والآخر للاستقبال) أو للحال فالأول الأمر (كزوجني) أو زوجيني نفسك أو كوني امرأتي فإنه ليس بإيجاب بل هو توكيل ضمني (فإذا قال) في المجلس (زوجت) أو قبلت أو بالسمع والطاعة، بزازية قام مقام الطرفين وقيل هو إيجاب ورجحه في البحر والثاني المضارع المبدوء بهمزة أو نون أو تاء كتزوجيني نفسك إذا لم ينو الاستقبال۔

(۱۶۷) الفاظِ کنائی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی لڑکی سے کہا کہ میں خدا کو حاضر ناظر مان کر کہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنی زندگی میں مانتا ہوں کیا تم بھی مجھے مانتی ہو، لڑکی نے کہا "ہاں" پھر لڑکے نے کہا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کیلئے قبول کرتا ہوں کیا تم تسلیم کرتی ہو؟ لڑکی نے کہا "ہاں کرتی ہوں۔" یہ باتیں دو عاقل بالغ گواہوں کی موجودگی میں ہوئی ہیں تو کیا اس کلام سے ان کے درمیان نکاح ہوگیا یا نہیں؟ اور اگر نکاح ہوگیا ہے تو مذکورہ دو جملوں میں سے کس جملے کی وجہ سے ہوا ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح الفاظ کنائی کے ساتھ اس شرط پر درست ہوتا ہے جب ان دونوں کی نیت بھی نکاح کی ہو، اور گواہوں نے بھی ان کے مذکورہ الفاظ کے مقصود کو سمجھا ہو کہ ان دونوں کی مراد اس سے عقدِ نکاح ہے، صورتِ مسئولہ میں اگر واقعتاً مذکورہ شخص نے یہی الفاظ کہے ہوں کہ "میں تمہیں اپنی زندگی کے لئے قبول کرتا ہوں کیا تم تسلیم کرتی ہو" تو لڑکی نے جواب دیا ہو "ہاں کرتی ہوں" اور ان دونوں کی نیت نکاح کی ہو، اور دو گواہوں نے ان الفاظ کے مقصود کو سمجھا بھی ہو تو اس سے نکاح منعقد ہوگیا ورنہ نہیں۔

لما فی الدر المختار (۱۸/۳): وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة وفهم الشهود المقصود۔

وفی الرد تحته: وملخصه أنه لا بد في كنايات النكاح من النية مع قرينة أو تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أو إعلامهم به۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته كتاب النكاح (۶۵۲۳/۹): وأما الألفاظ التي اختلفوا في انعقاد الزواج بها: فهي لفظ البيع، ولفظ الهبة، ولفظ الصدقة، أو العطية ونحوها مما يدل على تمليك العين في الحال،

وفيه أيضا صفحة [illegible]:

فقال: [illegible] ينعقد التزويج بهذه [illegible] وقرينة تدل على التزويج [illegible] وحضور الشهود [illegible] لأن [illegible] على إرادة العقد [illegible] على التزويج [illegible] النية والتسمية

(۱-۳) [illegible] کا حکم

سوال

[illegible]

الجواب بعون الملک الوهاب

[illegible]

ففي الهندية: الباب الأول فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به: ينعقد بالإيجاب والقبول وضعا للمضي أو وضع أحدهما للمضي والآخر لغيره مستقبلا كان كالأمر أو حالا كالمضارع كذا في النهر الفائق فإذا قال لها: أتزوجك بكذا فقالت قد قبلت يتم النكاح وإن لم يقل الزوج قبلت كذا في الذخيرة

وفي الدر المختار [illegible] كتاب النكاح: (وينعقد) متلبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك (و) يقول الآخر (تزوجت، و) ينعقد أيضا (بما) أي بلفظين (وضع أحدهما له) للمضي (والآخر للاستقبال) أو للحال

وفي الشامية تحت قوله: (لأن الماضي إلخ) قال في البحر: وإنما اختير لفظ الماضي لأن واضع

اللغة لم يضع للإنشاء لفظا خاصا وإنما عرف الإنشاء بالشرع واختيار لفظ الماضي لدلالته على التحقيق والثبوت دون المستقبل اهـ.

(۱۶۹) گونگا شخص ایجاب وقبول کیسے کرے گا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکا ہے جو بہرا ہے اور گونگا ہے اور بالغ بھی ہے، اس کا نکاح کس طرح ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر لڑکا گونگا اور بہرا ہے تو [اس کا نکاح اگر وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو] کتابت کے ذریعے منعقد کیا جاسکتا ہے۔ نکاح کا ایجاب لکھ کر اس کے سامنے کردیا جائے اور وہ لکھ دے کہ "مجھے قبول ہے" تو اس کا نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن اگر لکھنا پڑھنا نہیں آتا تو پھر اشارے سے اس کا نکاح منعقد کیا جائے گا۔ اشارہ کے ذریعے بتادے کہ مجھے قبول ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لمافی الهندية (۲۷۰/۱):وكما ينعقد بالعبارة ينعقد بالإشارة من الأخرس إن كانت إشارته معلومة كذا في البدائع۔

وفی الشامية (۲۱/۳): وفي الفتح ينعقد النكاح من الأخرس إذا كانت له إشارة معلومة ۔

وفيه أيضاً(۲۴۱/۳):قلت بل هذا القول تصريح بما هو المفهوم من ظاهر الرواية ففي كافي الحاكم الشهيد ما نصه فإن كان الأخرس لا يكتب وكان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه وشرائه وبيعه فهو جائز وإن كان لم يعرف ذلك منه أو شك فيه فهو باطل اه فقد رتب جواز الإشارة على عجزه عن الكتابة فيفيد أنه إن كان يحسن الكتابة لا تجوز إشارته ۔الخ۔

(۱۷۰) گونگا لکھنا جانتا ہو تو اس کے اشارے کا حکم

سؤال

عبید ایک گونگا لڑکا ہے عنقریب اس کی شادی کی تقریب منعقد ہونے والی ہے گھر والے پریشان تھے کہ عبید ایجاب وقبول کیسے کرے گا میں خود بھی متردد ہوا میرے پاس جو کتابیں تھیں میں نے انہیں دیکھا تو مجھے فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ حقانیہ اور احسن الفتاویٰ وغیرہ

میں مسئلہ یہی ملا کہ اشارے سے سمجھائے گا اور گونگے کا اشارہ ہی کلام ہے حقانیہ میں اشباہ اور فتح القدیر کے حوالے سے یہی درج ہے لیکن اتفاق یہ ہے کہ خیر الفتاویٰ میں مسئلہ کچھ تبدیل ہے وہ یہ کہ اگر لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو تو اشارہ کرے گا وہاں شامی وغیرہ کا حوالہ موجود ہے، جتنی عربی مجھے آتی ہے تو میں یہی سمجھا کہ حوالے میں پہلے کتابت شرط ہے اور لکھنا نہ جانتا ہو تو اشارہ قائم مقام ہوگا اس کا ذکر ہے لہٰذا آپ مسئلہ کا منقح و مفصل جواب تحریر کردیں کس کی بات درست ہے؟ فقہ حنفی میں کیا مفتیٰ بہ ہے گونگا لکھنا جانتا ہو تو کیا اشارے سے اس کا نکاح ہوگا یا نہیں اس پر دیگر حضرات کی رائے بھی درج کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب۔

عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ گونگا لکھنے پر قدرت نہیں رکھتا، لیکن اگر کہیں ایسا ہو کہ گونگا لکھنے کی بھی قدرت رکھتا ہو تو پھر اسے نکاح وغیرہ میں صرف اشارہ پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تحریری طور پر بھی اپنی مراد واضح کردینی چاہیئے تاکہ کسی قسم کا شبہ اور ابہام باقی نہ رہے لیکن بالفرض کتابت پر قدرت کے باوجود وہ صرف اشارہ سے ایجاب یا قبول کرلیتا ہے اور اشارہ بھی ایسا معروف اور مشہور ہے کہ نکاح کے گواہوں کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اس گونگے کی مراد بالکل صحیح سمجھ جاتے ہیں تو اس کا وہ اشارہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق معتبر ہوگا اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لمافی الأشباہ والنظائر(ص۳۴۳)الفن الثالث الجمع والفروق،احکام الاشارۃ: الاشارۃ من الاخرس معتبرۃ وقائمۃ مقام العبارۃ فی کل شیء من بیع و اجارۃ وھبۃ ورھن ونکاح وطلاق، و عتاق وابراءو اقرار وقصاص الا فی الحدود ۔۔۔ واختلفوا فی ان عدم القدرۃ علی الکتابۃ شرط للعمل بالاشارۃ اولا، والمعتمد لا، ولذا ذکرہ فی ’’الکنز‘‘ بأو، ولا بد فی إشارۃ الأخرس من أن تکون معھودۃ وإلا لا تعتبر۔

وفی فتح القدیر(۲۹۲/۳):قولہ وطلاق الأخرس واقع بالإشارۃ لأنھا صارت مفھومۃ فکانت کالعبارۃ في الدلالۃ استحسانا فیصح بھا نکاحہ وطلاقہ وعتاقہ وبیعہ وشراءہ سواء قدر علی الکتابۃ أو لا وھذا استحسان بالضرورۃ فإنہ لو لم یعتبر منہ ذلک أدی إلی موتہ جوعا وعطشا وعریا ۔۔۔ وقال بعض الشافعیۃ إن کان یحسن الکتابۃ لایقع طلاقہ بالإشارۃ لاندفاع الضرورۃ بما ھو أدل علی المراد من الإشارۃ وھو قول حسن وبہ قال بعض مشایخنا۔

وفی الدرالمختار (۷۳۷/۶) مسائل شتی : (إیماء الأخرس وکتابتہ کالبیان) باللسان (بخلاف معتقل اللسان)۔

وفی الرد تحتہ: قولہ (إیماء الأخرس) أي إشارتہ بحاجب أو ید أو غیر ذلک۔۔۔وإطلاقہ یفید

اعتبار الإيماء مع قدرته على الكتابة وهو المعتمد لأن كلا منهما حجة ضرورية كما في القهستاني وغيره۔

(۱۷۱)"میں نے اسے بیوی قبول کیا" کے الفاظ سے نکاح کا حکم

سؤال

بالغ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے اقرار کریں،لڑکا کہے میں نے اسے بیوی قبول کیا۔لڑکی کہے میں نے اسے شوہر قبول کیا یا لڑکا دو گواہوں کے سامنے کہے میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا،لڑکی کہے میں نے قبول کیا۔اقرار کے کون سے الفاظ صحیح ہیں کیا لڑکا لڑکی کا ایک دوسرے کا نام لے کر اقرار کرنا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے،ایجاب اور قبول میں وہ الفاظ صحیح ہیں جو عقد نکاح کے معاملہ میں صالح ہوں مثلاً مرد کہے:میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا۔عورت کہے:میں نے قبول کیا۔جب لڑکا اور لڑکی روبرو ہوں،تو بغیر نام لئے نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

لما فی فتح القدير (۱۹۱/۳): في شرح الطحاوي لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الدرالمختار (۱۷/۳): (وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح) لأنهما صريح (وما) عداهما كناية هو كل لفظ (وضع لتمليك عين) كاملة فلا يصح بالشركة (في الحال) خرج الوصية غير المقيدة بالحال(كهبة وتمليك وصدقة) وعطية۔الخ۔

وفی الشامية (۲۱/۳): فان كانت حاضرة منتقبة كفى الاشارة اليها۔

(۱۷۲)قبول میں"ان شاءاللہ" کہہ دینے سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عقد نکاح میں کہا کہ میں نے ہندہ سے نکاح کیا تو ہندہ نے جواب میں کہا قبلت ان شاءاللہ،اس صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کو تام کرنے کیلئے ایسے الفاظ کا استعمال ضروری ہے جو عقد کے یقینی اور قطعی ہونے پر دلالت کریں صورتِ مسئولہ

میں جب ہندہ نے قبلت کے بعد ان شاء اللہ بھی کہا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کا پتہ لگانا مشکل ہے اس لئے انشاء اللہ سے پہلے ہندہ کا قول "قبلت" باطل ہوجائے گا اور نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

لما في الشامية (۳/۳۷۱): مطلب مهم لفظ إن شاء الله هل هو إبطال أو تعليق قوله (فإنه تطليق الخ) اعلم أن التعليق بمشيئة الله تعالى إبطال عندهما أي رفع لحكم الإيجاب السابق وعند أبي يوسف تعليق ولهذا شرط كونه متصلا كسائر الشروط ولهما أنه لا طريق للوصول إلى معرفة مشيئته تعالى كان إبطالا ـ ـ ـ ومثله في متن مواهب الرحمن حيث قال ويجعل أي أبو يوسف إن شاء الله للتعليق وهما للإبطال وبه يفتى ـ

وفيه أيضا(۳/۳۶۶): وعن الحلواني كل ما يختص باللسان يبطله الاستثناء كالطلاق والبيع بخلاف ما يختص به كالصوم لا يرفعه لو قال نويت صوم غد إن شاء الله تعالى له أداؤه بتلك النية ـ

(۱۷۳) لڑکے کے باپ نے کہا "قبول ہے" تو نکاح کس کا ہوا؟ خیر الفتاویٰ کا تسامح

سؤال

مفتی صاحب! ایک انتہائی عجیب وغریب مسئلہ پیش آگیا ہے میرے عزیز ناصر اللہ کا نکاح اس کی چچازاد بہن سے ہونا تھا ہم ملتان کے رہائشی ہیں تمام انتظامات ہوچکے تھے منگنی، مایوں مہندی سب کچھ انجام دیئے جاچکے تھے ان میں سے بہت سی ہندوانہ رسموں کا منع بھی کیا گیا لیکن صحرا میں چیخ سے زیادہ فائدہ نہ ہوا، اتوار کو ولیمہ تھا اور ہفتہ کو نکاح۔ بروز ہفتہ بعد نمازِ عصر نکاح کے وقت عجیب واقعہ پیش آیا لڑکا نکاح کی مجلس میں نہ تھا مسجد سے باہر تھا اور باپ اس کا وکیل بن کر عاقد تھا قاضی نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ آپ کی بیٹی کا ناصر اللہ سے نکاح کرنے کی اجازت ہے؟ کہا اجازت ہے...... قاضی نے کہا میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح کیا، کیا تجھے قبول ہے؟ لڑکے کے باپ نے کہا: قبول ہے.......... ظاہر ہے مراد معین لڑکی کا نکاح معین لڑکے (ناصر اللہ) سے نکاح تھا لیکن دعاء کے بعد ایک کہرام مچ گیا کہ نکاح ناصر کا نہیں ناصر کے باپ کا ہوگیا۔

ایک مولوی صاحب ملتان کے ہی مدرسے خیر المدارس کی کتاب ''خیر الفتاویٰ'' اٹھا کر لے آئے اس کے ۴/۲۷۸ پر مسئلہ ایسے ہی تھا بلکہ اس میں تو یہ بھی لکھا تھا کہ اب بیٹے کا نکاح کبھی بھی اس لڑکی سے نہیں ہوسکتا چاہے باپ طلاق دے دے۔

مفتی صاحب! مسئلہ کیا ہے؟ لڑکی تو ابھی نابالغہ ہے اس کی تو رضا کا اعتبار نہیں لیکن کیا لڑکی کے باپ کی رضا کا بھی اعتبار نہ ہوگا اور اس نے تو یہ کہہ کر ایجاب کا وکیل بنایا تھا کہ لڑکے ناصر اللہ کا نکاح ہو نیز کوئی بھی ذہنا تیار نہیں تو یہ نکاح صرف الفاظ کے ہیر پھیر سے کیسے واقع ہوسکتا ہے؟ پورا گھر کہرام کا شکار ہے برائے مہربانی مسئلہ حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ قاضی ولی کی طرف سے وکیل تھا اور ولی نے اس کو ناصر اللہ کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنایا تھا نہ کہ اس کے والد کے ساتھ لہٰذا جب قاضی نے اس کے والد سے نکاح کروادیا تو اس نے مؤکل کی مخالفت کی اور جب نکاح کا وکیل مؤکل کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نکاح مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے منعقد نہیں ہوتا، نکاح کی بہتر صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والے اگر عاقدین نہ ہوں بلکہ ان کے وکیل ہوں تو صراحت کے ساتھ اصل عاقد کا نام اور اس سے رشتہ کا ذکر کرکے ایجاب وقبول کریں مثلاً ''میں اپنے بیٹے زید کا نکاح کرتا ہوں'' وغیرہ تاکہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

بہر حال خیر الفتاویٰ کے مسئلہ میں تسامح ہوا ہے اور اس میں شامیہ کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے، وہ عبارت اور مسئلہ ولی کا ہے کہ جب عورت کا ولی عاقد ہو اور وہ خود ایجاب کرے جبکہ یہاں ایجاب کرنے والا قاضی (وکیل) ہے اور ولی اور وکیل میں فرق ہوتا ہے ولی مطلق نابالغہ لڑکی کا نکاح کرواسکتا ہے جبکہ وکیل صرف اس کے ساتھ نکاح کرواسکتا ہے جس کے ساتھ مؤکل نے اس کو مقید کیا ہے یا وہ عرف اور دلالت کی وجہ سے مقید ہو لہٰذا شامی کی اس عبارت سے پیش آمدہ مسئلہ پر استدلال درست نہیں ہے۔

لما فی التاتارخانیة (۱۴۷/۴) کتاب النکاح ط فاروقیه: وکله أن یزوجه امرأة من قبیلة فزوجها من قبیلة أخری لم یجز وهذا ظاهر۔

وفی الهندیة (۲۹۵/۱): أمره أن یزوجه بیضاء فزوجه سوداء أو علی العکس لا یصح ۔

وفی الشامیة (۲۶/۳): لو قال أبو الصغیرة لأبي الصغیر زوجت ابنتي ولم یزدْ علیه شیئا فقال أبو الصغیر قبلت یقع النکاح للأب هو الصحیح ویجب أن یحتاط فیه فیقول قبلت لابنی اه وقال في الفتح بعد أن ذکر المسألة بالفارسیة یجوز النکاح علی الأب وإن جری بینهما مقدمات النکاح للابن هو المختار لأن الأب أضافه إلی نفسه۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۷۲۹/۹): الوکالة المطلقة: بأن لم یعین الموکل امرأة معینة ولا وصفاً معیناً ولا مهراً اختلف أئمة الحنفیة فیها: رأی أبو حنیفة: أن للوکیل أن یزوجه بأیة امرأة ولو غیر کفء له، وبأي مهر ۔۔۔ فأبو حنیفة یراعي عبارة الموکل ولفظه ورأی الصاحبان وباقي المذاهب: أنه یتقید الوکیل بالمتعارف استحساناً لأن الإطلاق مقید عرفاً وعادة بالکفء وبالمهر المألوف، والمعروف عرفاً کالمشروط شرطاً ۔۔۔ وهذا هو الرأي الراجح، وینبغي أن تکون علیه الفتوی عند الحنفیة، وهو المعمول به في محاکم مصر. وبه یتبین أن الصاحبین یحکمان العرف والعادة۔

(۱۷۴) "میں نے اپنی لڑکی تمہیں دیدی" کے الفاظ سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو دیدی، اس نے قبول کیا۔تو یہ نکاح ہو گیا یا نہیں، ہمارے اطراف میں عموماً پہلے اس قسم کے الفاظ بلا ذکر مہر وغیرہ کے کہے جاتے ہیں اور بعد میں مستقلاً نکاح رسوم مروجہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔نکاح پہلے الفاظ سے منعقد ہو گیا یا دوسرے عقد سے منعقد ہوگا؟ اور اس عورت کا نکاح کیا دوسری جگہ کر دینا صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

جب ایک شخص نے کہا میں نے تم کو اپنی لڑکی دے دی اور دوسرے نے قبول کر لیا تو اگر لڑکی بالغہ ہو اور اس کی رضامندی سے دو گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے گئے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ یہ مجلس نکاح کے لئے منعقد کی گئی ہے یا منگنی کے لئے۔اگر مجلس کا انعقاد بغرض نکاح ہے تو ان الفاظ سے نکاح ہو جائے گا اور اگر مجلس منگنی کی ہو تو منگنی ہوگی۔سوال سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ منگنی کے لئے کہے جاتے ہیں اور نکاح بعد میں مستقلاً ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں ان الفاظ سے نکاح منعقد نہ ہوگا اور اس صورت میں لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرایا جا سکتا ہے۔

لما في الدر المختار (۱۰/۳): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها أن المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

وفي الشامية (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة۔

باب فی الأنكحة الصحيحة

(انکحہ صحیحہ کا بیان)

(۱۷۵) باپ کا کسی عورت سے اور بیٹے کا اس عورت کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اشرف کا ایک حقیقی بیٹا اکرم ہے جبکہ ایک بیوہ عورت شمیم اور اس کی حقیقی بیٹی نسیمہ ہے۔ کیا بیک وقت اشرف بیوہ شمیم سے اور اکرم بیوہ کی بیٹی نسیمہ سے نکاح کر سکتے ہیں؟ شرعی مسئلہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

چونکہ نکاح کے حرام ہونے کی شرعاً کوئی وجہ نہیں اس لئے بیک وقت اشرف کا بیوہ شمیم سے اور اشرف کے بیٹے اکرم کا شمیم کی بیٹی نسیمہ سے نکاح جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۴): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔

وأيضاً فی مقام آخر: فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔

وفی الهندية (۱/۲۷۷): لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا فی محيط السرخسی۔

وفی الدرالمختار (۳/۳۱): وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال۔

وفی الرد تحته: (وأما بنت زوجة ابيه الخ) ولا تحرم بنت زوج الأم ـ ـ ـ ولا أم زوجة الأب ولا بنتها۔

(۱۷۶) منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد نے ہمارے چچا کے بیٹے کی پرورش کی اور بڑے ہونے تک اس کو اپنے پاس رکھا پھر اس کی شادی بھی کرادی شادی کے کچھ عرصہ کے بعد ہمارے چچازاد بھائی کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی بے سہارا ہوگئی تو اس پر ہمارے والد صاحب نے ترس کھاتے ہوئے اس سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر خاندان کے لوگ شور کرنے لگے کہ کچھ عرصہ پہلے اس لڑکی کو گھر میں بہو کی طرح رکھا ہوا تھا اور اب اس کو بیوی بنا کر رکھتے ہو بہت شرم کی بات ہے اس پر میرے والد صاحب نے ان کو سمجھایا کہ یہ میرے منہ بولے بیٹے کی بیوی ہے حقیقی بیٹے کی نہیں ہے اس سے نکاح کرنے میں کچھ حرج نہیں بہرحال آپ حضرات سے یہ معلوم کرنا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں جبکہ ہمارے والد صاحب نکاح کی بات سے پہلے اس کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے تھے اس سے کوئی فرق تو نہیں پڑتا؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنّٰی تھے جب انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو عدت گزرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے والد عدت گزرجانے کے بعد اس عورت سے نکاح کرسکتے ہیں لیکن اس میں اس بات کا خیال رہے کہ نکاح کے دیگر مصالح پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو کیونکہ بہرحال وہ لڑکی چھوٹی بھی ہوگی اور اب تک اسے بیٹی کی طرح رکھا گیا تھا، اب بیوی بنانے میں نکاح کے مقاصدِ اصلیہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے جبکہ اس شخص کی اولاد بھی موجود ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کا نکاح اس عورت سے کردے اور خود اس عمل سے اجتناب کرے۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب:۳۷):فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

وفی الهندية (۱/۲۷۴): والثالثة حليلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الأب المتبني هكذا في محيط السرخسي۔

وفی الشامية (۳/۳۱): { وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم } والحليلة الزوجة وأما حرمة الموطوءة بغير عقد فبدليل آخر وذكر الأصلاب لإسقاط حليلة الابن المتبنى لا لإحلال حليلة الابن رضاعا فإنها تحرم كالنسب بحر وغيره۔

(۱۷۷) چوتھی بیوی کے غائب ہو جانے کی صورت میں نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی چار بیویاں تھیں ان میں سے ایک لاپتہ ہوگئی اب شوہر مزید نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ شخص اپنی گم شدہ بیوی کو طلاق دے کر اس کی عدت پورا ہونے کا انتظار کرے جب اس گم شدہ بیوی کی عدت پوری ہوجائے تب اس کیلئے دوسری شادی کرنا جائز ہوگا۔

لمافی البحر الرائق (۱۰۲/۳): أن من طلق الأربع لا یجوز له أن یتزوج امرأة قبل انقضاء عدتھن فإن انقضت عدة الکل معا جاز له تزوج أربع وإن واحدة فواحدة۔

وفی ردالمحتار (۳۸/۳): وأشار إلى أن من طلق الأربع لا یجوز له أن یتزوج امرأة قبل انقضاء عدتھن فإن انقضت عدة الکل معا جاز له تزوج أربع وإن واحدة فواحدة، بحر۔

(۱۷۸) حلالہ کی نیت سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حلالہ کی غرض سے اگر زید نے بکر کی مطلقہ سے نکاح کیا اور نیت یہ ہو کہ مباشرت کے بعد طلاق دیدوں گا تو ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً حلالہ کا معنی سمجھنا ضروری ہے حلالہ کہتے ہیں طلاقِ مغلظہ سے حرام شدہ بیوی، جہاں چاہے اپنی مرضی سے نکاح کرے اور پھر وہ شوہرِ ثانی ہمبستری کے بعد از خود طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہوجائے تو بعد از عدت کے یہ عورت شوہرِ اوّل کے لئے حلال ہوجاتی ہے اب وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے لہٰذا دوسرا شوہر اگر خود اپنی مرضی سے طلاق دیدے اور اس کی نیت اصلاح کی ہو (کہ اس عورت کے بچوں کا مستقبل وغیرہ بہتر بن جائے) تو امید ہے کہ اس پر شوہر ثانی کا مؤاخذہ نہ ہو، لیکن اس کے علاوہ جو بھی صورت ہو مثلاً طلاق کی شرط پر نکاح ہو، یا اجرت لے کر نکاح کرے وغیرہ تو یہ ساری صورتیں مکروہِ تحریمی ہوں گی اور اس کے مرتکب

افرادِ حدیث کی وعید میں موجود لعنت کے مستحق ہوں گے البتہ نکاح بہر حال درست ہوگا کیونکہ اگر انعقادِ نکح کی شرائط ایجاب وقبول اور گواہ وغیرہ موجود ہوں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن ایسی شرائط کی موجودگی میں باعث گناہ ہوتا ہے اور شرط لغو ہو جاتی ہے۔

لمافی التاتارخانية (۶۰۶/۳،۶۰۷): وأما اذا نوی التحليل بالقلب ولم يقل باللسان تحل للأول فی قولهم جميعا۔۔۔ اذا تزوج ليحللها للأول فهذا الثانی ماجور فی ذلك ،وفی السراجية اذا لم ينص علی الوقت ولم يأخذ علی ذلك أجرا۔

وفی الدرالمختار(۴۱۵/۳): (أما إذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان) الرجل (مأجورا) لقصد الإصلاح وتأويل اللعن إذا شرط الأجر۔

وفی الرد تحته: قوله (أما إذا أضمرا ذلك) محترز قوله بشرط التحليل (لا يكره) بل يحل له في قولهم جميعا قهستاني عن المضمرات قوله (لقصد الإصلاح) أي إذا كان قصده ذلك لا مجرد قضاء الشهوة ونحوها۔

(۱۷۹) ہیجڑے کے نکاح اور کفاءت کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہیجڑے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اور یہ بھی بتادیں کہ ہیجڑے ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہیجڑے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس کے عضو مخصوص مرد اور عورت دونوں کے پائے جاتے ہوں تو جس عضو سے وہ پیشاب کرے گا اس کا اعتبار ہوگا مثلاً اگر ذکر سے پیشاب کرے تو مرد کے حکم میں ہوگا اور اگر فرج سے کرے تو عورت کے حکم میں ہوگا اور اگر پیشاب دونوں سے خارج ہوتا ہو تو جس سے پہلے نکلتا ہو اس کا اعتبار ہوگا لہٰذا اگر عورت کے حکم میں ہو تو مرد سے شادی کرسکتا ہے اور اگر مرد کے حکم میں ہو تو عورت سے شادی کرسکتا ہے اور اگر مرد وعورت دونوں کی علامات میں سے کوئی بھی ظاہر نہ ہو یا دونوں برابر پائی جائیں تو وہ خنثیٰ مشکل ہے اس کی شادی درست نہیں اسی طرح ایک خنثیٰ مشکل کا دوسرے خنثیٰ مشکل سے شادی کرنا بھی درست نہیں جب تک کہ ان میں سے ایک کا مؤنث اور دوسرے کا مذکر ہونا ثابت نہ ہو جائے اور اگر مرد ہو لیکن خصی ہو یا مجبوب تو اس کو نکاح نہیں کرنا چاہیئے اور اگر ہو جائے تو عورت چاہے تو تفریق کراسکتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کفؤ میں چھ چیزیں معتبر ہیں۔ دین، اسلام، حریت، نسب، مال اور حرفت۔ حنفیہ کے ہاں کفؤ میں جسمانی عیوب سے سالم ہونا معتبر نہیں ہے لہٰذا ایک ہیجڑا مذکر اور دوسرا مؤنث کے حکم

میں ہوتو ایک دوسرے کے کفو ہوں گے۔

لمافی الشامية (۴/۳):قوله (فخرج الذكر والخنثى المشكل) أي أن إيراد العقد عليهما لا يفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له وكذا على الخنثى لامرأة أو لمثله ففي البحر عن الزيلعي في كتاب الخنثى لو زوجه أبوه أو مولاه امرأة أو رجلا لا يحكم بصحته حتى يتبين حاله أنه رجل أو امرأة فإذا ظهر أنه خلاف ما زوج به تبين أن العقد كان صحيحا وإلا فباطل لعدم مصادفة المحل وكذا إذا زوج خنثى من خنثى آخر لا يحكم بصحة النكاح حتى يظهر أن أحدهما ذكر والآخر أنثى اهـ

وفى الفقه الاسلامى وادلته (۶۷۴۷/۲): اختلف الفقهاء في خصال الكفاءة ـــ عند الحنفية ستة: هي الدين والإسلام والحرية والنسب والمال والحرفة ولا تكون الكفاءة عندهم في السلامة من العيوب التي يفسخ بها البيع كالجذام والجنون والبرص، والبخَر والدفَر إلا عند محمد في الثلاثة الأولى۔

(۱۸۰) ہیجڑے اور خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم

سؤال

ہیجڑے سے نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے سنا ہے کہ غلبے کا اعتبار ہے لیکن مفتی صاحب اگر کسی عام لڑکی سے اسے مرد سمجھ کر شادی کردی لیکن سال بعد اس پر عورتوں کی علامات غالب آگئیں کہ عورت والے عضو سے حیض آنے لگا تو حکم کیا ہوگا؟ دونوں لڑکیاں بن جائیں گی نیز خنثیٰ مشکل کسے کہتے ہیں؟ فقہاء کی عبارات کی روشنی میں تفصیل فرمائیں آج کل اسٹاپوں پر پھرنے والے کون سے خنثیٰ ہیں، علامات دیکھ کر کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ سنا ہے علامہ طوسی خنثیٰ تھے یہ کون ہیں ان کی کتابوں کا تذکرہ کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خنثیٰ میں علامات کے غلبے کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر مرد والا آلہ پیشاب وغیرہ کے لئے استعمال کرتا ہو تو یہ خنثیٰ مرد ہے اور اگر عورت والی شرمگاہ سے حیض وغیرہ آتا ہو تو یہ خنثیٰ عورت ہے اور اگر بیک وقت دونوں علامات مستعمل ہوں تو یہ خنثیٰ مشکل ہے۔ خنثیٰ اگر مرد یا عورت ہو تو خلافِ جنس سے اس کی شادی جائز ہے یعنی اگر مرد ہو تو کسی عورت سے اور عورت ہو تو کسی مرد سے اس کی شادی کی جاسکتی ہے البتہ خنثیٰ مشکل کی شادی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کا مرد یا عورت ہونا معلوم نہیں۔

آج کل اسٹاپ وغیرہ پر موجود ہیجڑے عموماً خلقۃً خنثیٰ نہیں ہوتے بلکہ یہ درحقیقت مرد ہی ہیں مگر اپنی مردانہ صلاحیت ختم

[illegible]

[illegible]

تمام عبارات ... فقہاء ... سے متعلق تفصیلات درج ذیل ہیں۔

وفي مبسوط السرخسي (...) كتاب الخنثى: وإنما لا يبقى الإشكال فيه بعد البلوغ فلا بد أن يزول الإشكال بظهور علامة فيه قبله إذا جامع بذكره أو خرجت له لحية أو احتلم كما يحتلم الرجال فهو رجل وقوله في ذلك مقبول لأنه أمر في باطنه لا يعلمه غيره وقول الإنسان شرعا مقبول فيما يخبر عنه في باطنه مما لا يعلمه غيره وإن كان له ثديان مثل ثديي المرأة أو نزل له لبن في ثدييه أو كان يجامع كما تجامع المرأة أو حاض كما تحيض أو ... في ثدييه لبن فهو امرأة فإذا ظهرت بعض هذه العلامات لا يبقى الإشكال فيه بعد البلوغ.

وفي الهندية (...) وخنثى مشكل تزوج أخته خنثى مشكلة على أن أحدهما رجل والآخر امرأة قال إذا لم يعلم أن كل واحد منهما مشكل فإن النكاح يكون موقوفا إلى أن يتبين حالهما فإن ظهر أنهما ذكران فيكون هذا ذكرا تزوج بذكر فيكون النكاح باطلا وكذلك يجوز أن يكونا أنثيين فيكون النكاح باطلا.

وفي الدر المختار (...) هو عند الفقهاء (عقد يفيد ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي فخرج الذكر والخنثى المشكل والوثنية.

(٦١) دو بھائیوں کا سگی ماں بیٹی سے نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو بھائیوں میں سے بڑے بھائی نے شادی کی ایک لڑکی

سے اور چھوٹے بھائی نے شادی کی ہے اس لڑکی کی ماں سے، ان کے ساتھ بچے بھی ہیں، کیا یہ شادی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں دونوں بھائیوں کا نکاح درست ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النسآء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ -الآیة۔

(البقرة:۱۸۴): فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔

وفی الشامیة (۳/۳۱): قوله (وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه فحلال) وکذا بنت ابنها، بحر. قال الخیر الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربیب ولا زوجة الراب اھ۔

(۱۸۲) بیوہ عورت کا بعد از عدت نکاح کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں ایک لڑکی کا شوہر فوت ہوگیا عدت کے بعد وہ لڑکی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے لیکن لڑکی کے والدین اور دوسرے تمام خاندان والے لڑکی کے دوسرے نکاح کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیا لڑکی کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے اور تمام خاندان والوں کو چھوڑ دے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کیلئے عدت پوری کرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے اور والدین کیلئے روکنا جائز نہیں بلکہ والدین کو چاہیئے کہ جہاں اس کا نکاح ہو رہا ہے باخوشی نکاح کردیں۔ اگر خاندان والے نہیں مان رہے تو ان کی مخالفت بے جا ہے بشرطیکہ کفو میں نکاح کرے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۴): وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔

وفي الخانية (۱/۸۶): وفي ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه يجوز النكاح بكراً كانت أو ثيباً زوجت نفسها كفوا أو غير كفء الا انه إذا لم يكن كفأ كان للأولياء حق الاعتراض وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه يجوز النكاح ان كان كفأ وان لم يكن كفأ لا يجوز النكاح أصلاً واختلفت الروايات عن أبي يوسف رحمه الله تعالى والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن رحمه الله تعالى قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط إذ ليس كل ولي يحسن المرافعة إلى القاضي ولا كل قاض يعدل فكان الأحوط سد باب التزويج عليها من غير كفء.

وفي الدر المختار (۳/۵۱۰): (و) العدة (للموت أربعة أشهر) بالأهلة لو في الغرة كما مر (وعشرة) من الأيام بشرط بقاء النكاح صحيحا إلى الموت (مطلقا).

وفي الرد تحته: مطلب في عدة الموت قوله (والعدة للموت) أي موت زوج الحرة أما الأمة فيأتي حكمها بعده الخ.

(۱۸۳) لڑکی کا ماں کی ناراضگی کے باوجود کفو میں نکاح منعقد ہو جائے گا

سوال

ایک باروزگار لڑکا ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے دونوں آپس میں راضی ہیں لڑکے کے گھر والے بھی راضی ہیں لیکن لڑکی کی ماں سخت ناراض ہے لڑکی کا کوئی اور سرپرست بھی نہیں ان حالات میں کیا لڑکی ماں کی رضامندی کے بغیر اپنی شادی کرسکتی ہے؟ لڑکی عاقلہ اور بالغہ ہے ماں چاہتی ہے کہ لڑکی فیکٹری میں ملازمت کے ذریعے پیسے کمائے اور لڑکی اپنا گھر آباد کرنا چاہ رہی ہے اس لئے اس نے لڑکے کو کہا ہے کہ اپنی والدہ وغیرہ کو گھر بھیجو، شاید ماں راضی ہو جائے۔ پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ صورت میں جب لڑکی اور لڑکا بالغ عاقل ہیں اور لڑکا دیندار ہے، پیشہ کے اعتبار سے گرا ہوا نہیں کہ لڑکی کے اولیاء کیلئے باعث عار ہو تو والدین رضامند ہوں یا ناراض دونوں کا نکاح درست ہے اور بلا وجہ شرعی والدین کو ناراض نہ ہونا چاہیئے اور نکاح کر دینا چاہیئے ورنہ گنہگار ہوں گے اور اگر یہ نکاح لڑکی غیر کفوء میں کر رہی ہو تو یہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا اس صورت میں ماں کو راضی کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی الشامیة (۳/۸۴): فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من کفء لزم علی الأولیاء
وإن زوجت من غیر کفء لا یلزم أو لا یصح۔
وفیه أیضاً(۳/۵۷): قوله (بعدم جوازه أصلا) هذه روایة الحسن عن أبي حنیفة وهذا إذا کان لها
ولي لم یرض به قبل العقد فلا یفید الرضا بعده،بحر وأما إذا لم یکن لها ولي فهو صحیح نافذ
مطلقا اتفاقا کما یأتي ۔۔۔ قوله (وهو المختار للفتوی)۔

رسالة

الإجابة

عن

تحذير بعض الناس من نكاح القرابة

بعض ڈاکٹروں کا قرابت داروں (بالخصوص فرسٹ کزن)

میں نکاح سے منع کرنے پر مدلل اور تفصیلی رد

قرآن وسنت اور خیر القرون کے تعامل سے [illegible]

اور آج کل میں پائی جانے والی بعض بے تکی باتوں سے [illegible]

ایک مدلل و مفصل [illegible]

(۱۸۴) فرسٹ کزن (قرابت داری) میں نکاح پر مفصل تحقیق

سؤال

میں ایک دینی مدرسے کا فاضل ہوں اور سلیم سینٹر کے قریب واقع ایک مسجد کا پیش امام ہوں مسائل دریافت کرنے کے لئے عموماً آپ سے مراجعت کرتا ہوں۔ پیش امام کا عہدہ ایسا ہے جسے اہل علاقہ اپنا مرجع اور مسائل پوچھنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میرے سے بھی مختلف نوعیت کے مسائل دریافت کئے جاتے ہیں ایک مسئلہ گزشتہ دنوں پوچھا گیا جس کا باوجود تحقیق کرنے کے کوئی شافی جواب نہ دے سکا مسئلہ تھوڑا پیچیدہ ہے بلکہ جتنا میں نے زیادہ تحقیق کی کوشش کی اتنا زیادہ پیچیدہ ہوتا گیا۔

مختصراً مسئلہ یہ ہے:

کچھ دن قبل اہل علاقہ میں سے ایک باوقار شخص آئے اور فرمانے لگے کہ آجکل ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ "خدا کے واسطے فرسٹ کزن شادی سسٹم ختم کرو اس وجہ سے موروثی بیماریاں آگے منتقل ہوتی ہیں" کیا یہ درست ہے؟ اور کیا شریعت کے مزاج کے موافق ہے۔

مفتی صاحب! میں نے اس سلسلے میں کتب کی طرف مراجعت کی تو مجھے کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ دیگر فقہاء اسی کو مستحب قرار دیتے ہیں کہ فرسٹ کزن میں شادی نہ کی جائے جب میں نے کتب کی طرف مراجعت کی تو میں نے دیکھا کہ امام شافعیؒ، امام حمدؒ، امام غزالیؒ اور بہت سے حضرات فرسٹ کزن کے مقابلے میں اجنبیہ سے نکاح کے استحباب کے قائل ہیں، وہ یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں:

"لا تنكحوا القرابة القريبة فإن الولد يخلق ضاويا"

یعنی قریبی رشتہ داروں سے نکاح نہ کرو کیونکہ اس سے بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے اور بھی دیگر وجوہات ان حضرات نے تحریر کی ہیں نیز ہمارے شیخ المشائخ مجدد ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ تجربہ کار لوگوں کا کہنا ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے سے بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے۔

مفتی صاحب! ایک طرف تو وہ احادیث ہیں جن میں کسی بھی بیماری کے منتقل ہونے کی نفی ہے مثلاً "لا عدوی ولا طیرۃ" وغیرہ دوسری طرف چند احادیث میں کوڑھ کے مریض وغیرہ سے بھاگنے اور دور رہنے کی تلقین بھی موجود ہے تو کیا ان احادیث کو لے کر یہ کہنا کہ "موروثی بیماریاں بھی منتقل ہوسکتی ہیں لہٰذا قریبی رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو" کیا یہ درست ہے؟ بظاہر تو یہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن میرا دل معلوم نہیں کیوں مان نہیں رہا تھا لہٰذا میں نے ان صاحب کو اور بھی حضرات جو اس جیسے مسائل پوچھتے ہیں جواب نہیں دیا بلکہ کچھ دنوں

انتظار کا کہا ہے۔

مفتی صاحب اب آپ بتائیں کہ کیا درست ہے؟ کیا ان باتوں کو لے کر کسی شخص کا ڈاکٹروں کی بات پر یقین کر لینا درست ہے؟ کیا اس طرح فرسٹ کزن سے شادی کرنا نامناسب قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا بیماریاں نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شادیاں کس طرح ہوتی تھیں کیا ان کے ہاں فرسٹ کزن میں شادیاں کرنے کا رواج تھا یا نہیں؟ نیز بہتر طریقہ کیا ہے فرسٹ کزن میں شادی کرنا یا اجنبیہ سے؟ نیز اگر ڈاکٹروں کی بات پر یقین کرنا درست نہ ہو تو ان سب باتوں کا کیا جواب ہوگا اور جب رشتہ داروں میں نکاح شرعاً جائز ہے تو پھر ان باتوں کا کیا فائدہ؟

مفتی صاحب از راہِ کرم مسئلے کے تمام پہلوؤں پر نظر فرماتے ہوئے فتویٰ جاری فرمائیں تا کہ مسئلہ کی تنقیح ہوجائے اور تمام مبہم باتیں واضح ہوجائیں نیز کیا مستحب ہے رشتہ داروں میں نکاح کرنا یا اجانب میں اس کی تعیین فرمادیں اور ہماری پریشانی کو دور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جواب سے قبل چند باتیں ملحوظ رہیں:

شریعت مطہرہ میں نکاح کیلئے محرم عورتوں کا بیان

شریعت مطہرہ میں درج ذیل عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے:

(۱) مرد کا نکاح اپنے اصول سے حرام ہے یعنی مرد کا اپنی ماں، دادی، نانی وغیرہ اوپر تک سے نکاح حرام ہے۔

(۲) مرد کا اپنے فروع سے نکاح حرام ہے یعنی مرد کا اپنی بیٹی، پوتی، نواسی اسی طرح نیچے تک سب سے نکاح حرام ہے۔

(۳) مرد کا اپنے والدین کے فروع سے بھی نکاح حرام ہے یعنی مرد کا اپنی بہنوں، بھتیجیوں، بھانجیوں وغیرہ سے نکاح حرام ہے۔

(۴) دادا، دادی اور نانا، نانی کی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے یعنی مرد کا اپنی پھوپھی اور خالہ سے بھی نکاح حرام ہے۔ (البتہ دادا، دادی اور نانا، نانی کی اولاد کی اولاد یعنی کزنز سے نکاح حرام نہیں لہٰذا پھوپھی یا خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے)۔

شریعت کی رو سے خاندان میں فقط درج بالا عورتوں سے نکاح ناجائز ہے ان کے علاوہ سے نکاح جائز ہے۔

بیماری کا ایک فرد سے دوسرے کی طرف انتقال اور اس میں شریعت کا نقطہ نظر

دوسری بات یہاں یہ ہے کہ ایک بیماری ایک انسان سے دوسرے انسان میں اللہ کے حکم اور ارادے کے بغیر منتقل نہیں ہوسکتی

بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بیماری منتقل ہوتی ہے ورنہ پہلے شخص کو بھی اللہ کے حکم سے ابتداءً لگی تھی تو دوسرے شخص کو بھی اللہ کے حکم سے لگتی ہے اللہ کا حکم نہ ہو تو بیماری کا ذرہ بھی دوسرے شخص تک نہیں پہنچ سکتا۔ باقی کسی بھی بیماری میں ذاتی طور پر یہ تاثیر نہیں کہ وہ دوسروں میں منتقل ہو۔

بخاری شریف میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ: لا عدوی ولا طیرۃ"

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امراض متعدیہ (ایک سے دوسرے کو لگنے والے) نہیں اور بدشگونی کچھ بھی نہیں"۔

(بخاری مع فتح الباری، ۱۰/ ۱۹۹)

اس حدیث میں صراحۃً کسی بھی بیماری کے متعدی ہونے کی نفی ہے اسی طرح بعض احادیث میں آپ ﷺ کا کوڑھ کے مریض کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا ذکر ہے کیونکہ آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بیماریوں کا اللہ کے حکم سے لگنے پر یقین کامل تھا۔

اس باب میں وارد احادیث میں تعارض اور تطبیقات کا بیان

البتہ بعض لوگ کمزور اعتقاد کے ہوتے ہیں وہ اگر کسی مریض کے ساتھ بیٹھ جائیں اور پھر انہیں وہ مرض لگ جائے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے مرض ہمیں لگ گیا ان کمزور عقیدے والوں کا اعتقاد مزید خراب ہونے سے بچانے کیلئے بعض احادیث میں چند امراض والوں سے دور رہنے کا حکم ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ: فر من المجذوم کما تفر من الأسد"

"آپ ﷺ نے فرمایا: کوڑھ کے مریض سے ایسے بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے"۔ (فتح الباری، ۱۰/ ۱۲۹)

ایک اور حدیث میں ہے:

"لا یورد ممرض علی مصح"

"بیماری کو صحیح آدمی کے قریب نہ لایا جائے"۔ (نووی علی مسلم، ۲/ ۲۳۰)

ان احادیث میں جو بعض بیماریوں سے دور رہنے کی تلقین ہے وہ کمزور اعتقاد والوں کیلئے ہے اس لئے ان دونوں طرح کی احادیث (ایک وہ جن میں مطلق متعدی ہونے کی نفی ہے اور ایک وہ جن میں بعض بیماریوں سے دور رہنے کا ذکر ہے) ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے:

"ثانیہا حمل الخطاب بالنفی والإثبات علی حالتین مختلفتین فحیث جاء لا عدوی کان المخاطب بذلک من قوی یقینہ وصح توکلہ بحیث یستطیع أن یدفع عن نفسہ اعتقاد العدوی

کما یستطیع أن یدفع التطیر الذی یقع فی نفس کل أحد لکن القوی الیقین لا یتأثر به وهذا مثل ما تدفع قوة الطبیعة العلة فتبطلها وعلی هذا یحمل حدیث جابر فی أکل المجذوم من القصعة وسائر ما ورد من جلسه وحیث جاء فر من المجذوم کان المخاطب بذلك من ضعف یقینه ولم یتمکن من تمام التوکل فلا یکون له قوة علی دفع اعتقاد العدوی فأرید بذلك سد باب اعتقاد العدوی عنه بأن لا یباشر ما یکون سببا لاثباتها... السادس العمل بنفی العدوی أصلا ورأسا وحمل الأمر بالمجانبة علی حسم المادة وسد الذریعة لئلا یحدث للمخالط شیء من ذلك فیظن أنه بسبب المخالطة فیثبت العدوی التی نفاها الشارع وإلی هذا القول ذهب أبو عبید وتبعه جماعة فقال أبو عبید لیس فی قوله لا یورد ممرض علی مصح إثبات العدوی بل لأن الصحاح لو مرضت بتقدیر الله تعالی ربما وقع فی نفس صاحبها أن ذلك من العدوی فیفتتن ویتشکك فی ذلك فأمر باجتنابه۔ الخ۔"

"ایک تطبیق ان احادیث میں یہ ہے کہ نفی اور اثبات کو دو مختلف حالتوں پر محمول کرلیا جائے جس حدیث میں امراض متعدیہ کی نفی ہے اس میں مضبوط اعتقاد والوں کو خطاب ہے اور ان کا بھروسہ (اللہ پر) ہو اس طور پر کہ (اگر بیماری لگ بھی جائے) تو وہ اسے متعدی ہونے کی وجہ سے نہ سمجھیں جیسا کہ اس شخص میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ بدشگونی سے دور رہے وہ بدشگونی جو ہر دوسرے شخص کے دل میں واقع ہوتی ہے لیکن مضبوط یقین والے اس سے متاثر نہیں ہوتے (بلکہ ہر امر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں) یہ اسی طرح ہے جیسا کہ انسان کی قوت مدافعت بیماریوں کا مقابلہ کرتی ہے اور انہیں ختم کر دیتی ہے۔ حضرت جابر کی کوڑھ کے مریض کے ساتھ ایک برتن میں کھانے والی حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا اور دیگر بھی اس طرح کی جتنی احادیث ہیں۔ نیز جن احادیث میں کوڑھ وغیرہ کے مریض سے بھاگنے کا حکم آیا ہے وہاں مخاطب کمزور اعتقاد والے لوگ ہیں جن کا اللہ پر بھروسہ کامل نہیں ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ متعدی ہونے کے خیال کو دل سے نکالیں تو ان احادیث کے ذریعے متعدی ہونے کے خیال کا دروازہ اور اصل ہی جڑ سے اکھاڑ دی گئی کہ اس کے سبب کے بھی قریب نہ جاؤ (جس کی وجہ سے یہ مرض لگنے کا خیال دل میں آئے)......... ایک اور تطبیق ان احادیث میں یہ ہے کہ اصلاً ہی بیماریوں کے متعدی ہونے کی نفی مراد لی جائے اور جن احادیث میں بعض بیماریوں سے دور رہنے کا ذکر ہے انہیں سد الذرائع اور اصل کو جڑ سے اکھاڑنے پر محمول کرلیا جائے تاکہ بیمار کے ساتھ رہنے والے کے دل میں بھی ایسا کوئی خیال نہ آئے اور پھر وہ یہ گمان کر بیٹھے کہ بیمار کے ساتھ بیٹھنے سے ایسا ہوا اور اس طرح وہ تعدیہ جس کی شریعت بالکلیہ نفی کر رہی ہے یہ اس کا اثبات دل میں لے آئے۔ ابوعبید نے (ان احادیث کے بارے میں) یہی رائے اختیار کی ہے اور ایک جماعت نے ابوعبید کی اس سلسلے میں پیروی کی ہے ابوعبید کہتے ہیں: آپ ﷺ کے قول "مریض کو صحیح شخص کے پاس نہ لاؤ" میں تعدیہ کا اثبات نہیں بلکہ صحیح شخص اگر

اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر سے بیمار ہو جائے تو اس کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ یہ بیماری متعدی ہونے کی وجہ سے لگی ہے تو وہ اس طرح فتنے میں پڑ جائے گا اور شکوک کا شکار ہو جائے گا لہٰذا اسے اجتناب کا کہا گیا ہے الخ"۔
(فتح الباری، ۱۰/۱۳۰، باب الجذام)

لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ امراض کے متعدی ہونے کی کوئی حقیقت نہیں اور جن احادیث میں بعض امراض سے دور رہنے کا ذکر ہے وہ اعتقاد کے اعتبار سے کمزور لوگوں کا ایمان محفوظ رکھنے کیلئے ہے۔

البتہ بعض حضرات نے ان احادیث میں یہ تطبیق بھی دی ہے کہ بعض امراض میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعدی ہونے کی صلاحیت ہے لہٰذا جن احادیث میں نفی ہے وہ اللہ کے حکم کے بغیر متعدی ہونے کی ہے اور جن میں اثبات ہے وہ اللہ کے حکم سے متعدی ہونے کا اثبات ہے مثلاً امام نووی مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

" وطريق الجمع أن حديث لاعدوى المراد به نفي ما كانت الجاهليه تزعمه وتعتقده أن المرض والعاهة تعدى بطبعها لابفعل الله تعالى وأما حديث لايورد ممرض على مصح فأرشد فيه إلى مجانبة ما يحصل الضرر عنده في العادة بفعل الله تعالى وقدره فنفى في الحديث الأول العدوى بطبعها ولم ينف حصول الضرر عند ذلك بقدر الله تعالى وفعله وأرشد في الثاني إلى الاحتراز مما يحصل عنده الضرر بفعل الله وارادته وقدره"

"ان احادیث میں جمع کا طریقہ یہ ہے کہ "لاعدوی" امراض متعدیہ نہ پائے جانے والی حدیث سے مراد جاہلیت کے اس زعم اور اعتقاد کی نفی کرنا ہے کہ مرض اور آفات خود ہی متعدی ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے محتاج نہیں اور حدیث "لایورد ممرض علی مصح" میں یہ راہنمائی کی گئی ہے کہ عادۃً اللہ کے حکم اور اسی کی قدرت سے جو بعض بیماریاں متعدی ہو جاتی ہیں ان سے علیحدگی اختیار کرو لہٰذا پہلی حدیث میں کسی بھی بیماری کے خود ہی منتقل ہو جانے کی نفی کی گئی ہے لیکن اس میں اللہ کی قدرت اور حکم سے کسی ضرر کے لاحق ہو جانے کی نفی نہیں اور دوسری حدیث میں یہ راہنمائی کی گئی کہ ایسی بیماریاں جن میں اللہ کے ارادے اور قدرت سے ضرر لاحق ہو جاتا ہے ان سے اجتناب کیا جائے"
(نووی علی مسلم، ۲/۲۳۰)

مذکورہ بالا احادیث میں اصل تطبیق تو پہلی والی ہے کہ امراض کا متعدی ہونا کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا لیکن اگر اس دوسری تطبیق کو بھی لے لیا جائے تو اس میں اللہ کے حکم سے ان امراض کے متعدی ہو جانے کا ذکر ہے جو متحقق موجود ہیں اور ایک شخص کو لگے ہوئے ہیں اور اس کی مصاحبت سے دوسرے شخص کو لگ سکتے ہیں نہ کہ موروثی امراض جو نسل در نسل منتقل ہو رہے ہوں جن کا نہ تو ظاہری وجود ہے اور نہ ان کا منتقل ہونا یقینی ہے۔ یہ ایک تو ہماتی اور غیر تحقیقی بات ہے ڈاکٹروں کی طرف سے لوگوں کو شبہ میں ڈالا جا رہا ہے ایک شخص کے نطفہ سے بیماریاں دوسرے بچے میں منتقل ہونا اس کا ان احادیث سے کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی درجے میں اس کا اثبات ممکن ہے۔

لہٰذا فرسٹ کزن سے نکاح جب شرعاً جائز ہے اور بیماریوں کا متعدی ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا لہٰذا ڈاکٹروں کا اصل متدل ہی

مخدوش ہوگیا تو پھر اس نکاح کے جواز میں کوئی شک نہیں رہ جاتا اور یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ فرسٹ کزن سے شادی کرنے کی صورت میں موروثی بیماریاں منتقل ہوتی ہیں تو پھر غیر میں نکاح میں بھی تو یہ احتمال ہے **فما هو وجه الفرق بینهما؟؟** اور یہ کہنا کہ مخصوص ذرات کا ملاپ خاندانی لڑکی میں بچے کی کمزوری کا باعث بنے گا ایک غیر تحقیقی امر ہے بالخصوص دورِ نبوی میں قرابت داری میں نکاح کے جو حوالہ جات ہم آگے ذکر کر رہے ہیں اس کے بعد یہ بات ناقابل التفات اور بے معنی ہے۔

اس لئے ڈاکٹروں کا یہ کہنا کہ "فرسٹ کزن شادی سسٹم کو ختم کرو اس سے موروثی بیماریاں منتقل ہوجاتی ہیں" درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ خاکم بدہن دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کفر کی سازش کا حصہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ آج مغرب اپنا خاندانی سسٹم تباہ کر چکا ہے اور وہ مشرق سے بھی یہ مایۂ افتخار چھیننا چاہتا ہے لہٰذا جب خاندان میں رشتے نہ ہوں گے اور لڑکے، لڑکیاں غیر میں رشتے ڈھونڈیں گے تو دو خرابیاں لازم آئیں گی۔

(۱) رشتہ دار لڑکیاں بن بیاہی رہ جائیں گی۔

(۲) دوسری خرابی یہ کہ جب لڑکے، لڑکیاں خاندان میں شادی کی قید سے آزاد ہوں گے تو وہ خود ہی اپنے لئے باہر رشتہ پسند کریں گے جو معاشرے میں فساد پھیلائے گا۔ آج کا ماحول آپ کے سامنے ہے رشتہ داروں میں شادی ہی وہ چیز ہے جس نے آج کی نوجوان نسل کو بہت سے غلط اقدامات سے باز رکھا ہوا ہے۔

دورِ نبوی میں قرابت داری میں کئے گئے نکاح

خاندان میں تو خود آپ ﷺ نے نکاح فرمائے تھے آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے آسمان پر اللہ تعالیٰ نے پڑھایا حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرایا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتہائی قریبی رشتہ دار تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت علیؓ کی صاحبزدی سے نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بہن عاتکہ رضی اللہ عنہا (جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن تھیں) سے نکاح فرمایا۔ حضرت عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے چچا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام حکیم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ نیز حضرت حسن (بن حسن بن علی) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دو چچا زاد بہنوں سے نکاح فرمایا تھا۔ ان نکاحوں کے حوالے درج ذیل ہیں۔

لما فی البدایة والنهایة (۲۵۷/۵): وتزوج زینب بنت جحش بن رئاب بن اسد بن خزیمة وامها بنت عبدالمطلب عمة رسول الله ﷺ۔

"آپ ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح فرمایا اور ان کی والدہ عبدالمطلب کی صاجزادی آپ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔"

وفی البخاری (۷۶۵/۲): جمع عبدالله بن جعفر بین ابنة علی وامرأة علی ...... وجمع الحسن بن الحسن

بن علی بین ابنتی عم فی لیلة.

عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ کی صاجزادی اوران کی بیوہ سے نکاح فرمایا...... حسن بن حسن بن علی نے اپنی دو چچازادکوایک رات میں اپنے نکاح میں لیا"۔

وفی أسد الغابة (۲/۴۵۵): سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ...... وهو ابن عم عمر بن الخطاب یجتمعان فی نفیل أمه فاطمة بنت بعجة وکان صهر عمر زوج اخته فاطمة بنت الخطاب وکانت اخته عاتکة بنت زید تحت عمر بن الخطاب تزوجها بعد ان قتل عنها عبداللہ بن ابی بکر الصدیق۔

"سعید بن زید بن عمرو بن نفیل .... یہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے نفیل میں دونوں کا نسب مل جاتا ہے ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سسرالی رشتے دار تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ فاطمہ بنت خطاب کے شوہر تھے اوران کی بہن عاتکہ بنت زید حضرت عمر کے نکاح میں تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن ابی بکر کے انتقال کے بعد ان سے نکاح فرمایا"۔

و کذا فی اسد الغابة (۴/۷۸): قیل ان زوجته ام حکیم بنت عمه الحارث بن هشام سارت الیه...

ان (عکرمہ) کی اہلیہ ام حکیم ان کے چچا حارث بن ہشام کی صاجزادی تھیں۔

ان حوالجات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام، اہل بیت اورصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے چچازاداور پھوپھی زاد رشتہ داروں وغیرہ میں نکاح فرمایا ہے۔

قرابت داری میں نکاح سے منع میں وارد ایک روایت اوراس کی تخریج وتنقیح

البتہ ایک روایت ایسی نقل کی جاتی ہے جس میں قرابت داروں میں نکاح سے منع ذکر ہے، وہ یہ ہے۔

"لاتنکحوا القرابة القریبة فان الولد یخلق ضاویا" (الحدیث)

قریبی رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو کیونکہ کمزور بچہ پیدا ہوتا ہے (احیاء علوم الدین ۲/۵۷)

لیکن یہ حدیث بے اصل ہے اس سے استدلال درست نہیں علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء کے حاشیہ پر علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اسکی وضاحت فرمائی ہے "قال ابن صلاح رحمه الله لم اجد له اصلا"۔ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے متعلق ارشادفرماتے ہیں مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید سید مرتضی بن محمد الزبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) تاج الدین سبکی (المتوفی ۷۷۱ھ) سراج الدین ابوحفص عمر بن علی المعروف بابن الملقن (المتوفی ۸۰۴ھ) ناصرالدین البانی

وغیرہ محدثین نے کی ہے[1]۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں اس حدیث کو ذکر کرکے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع قرار دیا ہے لیکن ملک المحدثین علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۸۶ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں "لیس بمرفوع" دیکھئے تذکرۃ الموضوعات للفتنی (ص ۱۲۷)۔محمد بن علی الشوکانی نے بھی اس حدیث کے مرفوع ہونے کی نفی کی ہے۔

جن احادیث کی سند نہ ہو اور نہ ہی کوئی اصل ہو اور نہ معتبر کتب احادیث میں اس کا ذکر ہو وہ احادیث قابل قبول اور جدیر استدلال نہیں ہوتیں۔علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الموضوعات (ص ۶) پر اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے نیز احیاء علوم الدین سے متعلق علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں احادیث باطلہ تک موجود ہیں علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء کو باطل حدیثوں سے بھر دیا ہے اور ان کا بطلان معلوم نہ تھا تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الشافعیہ الکبری میں احیاء کی بے اصل احادیث سے متعلق ایک فصل باندھی ہے اس میں اس زیر بحث حدیث کا بھی ذکر ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ایک اثر کی تحقیق

مسئلہ زیر بحث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اثر بھی نقل کیا جاتا ہے جس کے رواۃ پر سخت کلام اور "غریب الحدیث" میں اس اثر کا ذکر ہے[2] لہذا جب یہ حدیث انتہائی درجہ میں ضعیف اور بے اصل و بے سند ہے [اس کی سند کا کہیں کسی کتاب میں ذکر نہیں] تو ایک ایسے مسئلے میں جو قرآن وسنت سے ثابت اور قرون اولی میں رائج تھا اس کے خلاف استدلال محل نظر ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق فقہاء کے مذاہب اور ان کی تفصیلات

باقی جہاں تک تعلق ہے فقہاء کا تو امام شافعی اور امام احمد سے اس سلسلے میں غیر اقارب میں نکاح کی ترجیح منقول ہے۔مغنی المحتاج ۳/۱۲۷ پر شوافع کا مذہب غیر قرابت داروں میں نکاح کے استحباب کا نقل کیا گیا ہے نیز مغنی لابن قدامہ ۷/۴۶۹ پر غیر قرابت داروں میں نکاح کو اختیار کرنے کا ذکر ہے ان دونوں کتب کی عبارت آگے "المفصل" کے حوالے سے آرہی ہیں۔

البتہ یہاں اتنی بات تو اولا ملحوظ رہے کہ فقہاء میں سے جو بھی جس بھی درجے میں غیر اقارب میں نکاح کا قائل ہے اس کی وجہ موروثی بیماریوں کی منتقلی نہیں اور نہ ہی کسی حدیث (چاہے موضوع ہی کیوں نہ ہو) میں موروثی بیماریوں کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے غیر

---

[1] دیکھئے اتحاف السادات ۵/۳۴۹ (ط۔المیمنیہ) اور طبقات الشافعیہ الکبری ۶/۳۱۰ (ط۔دار الاحیاء مصر) اور البدر المنیر لابن الملقن الشافعی ۷/۵۰۰ (ط۔دار الھجرۃ۔ریاض)

[2] ان تمام تفصیلات نیز حدیث اور اس اثر کی مکمل تحقیق سے متعلق مدلل فتوی نجم الفتاوی جلد اول میں "فصل فی ما یتعلق بتحقیق الروایات" کی ذیل میں طبع ہے، اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

اقارب میں نکاح کی ترغیب موجود ہے لہٰذا کسی شخص کا موروثی بیماریوں کی منتقلی کی وجہ سے اقارب میں رشتے کو منع کرنے کا ان فقہاء کے منع سے کوئی جوڑ نہیں۔

مغنی المحتاج میں شوافع کا غیر قرابت دار میں نکاح کے استحباب کی دلیل اسے قرار دیا ہے کہ اس سے روابط اور اجتماعی ماحول میں زیادتی ہوگی، پرائے قریب آجائیں گے۔ اس دلیل میں اولاً تو موروثی بیماریوں کی وجہ سے منع کا ذکر نہیں ثانیاً یہ دلیل قاعدہ کلیہ نہیں ایک عقلی اختراع ہے جو کبھی اجانب میں نکاح کی صورت میں ہے تو کبھی اقارب میں نکاح بھی بہت سے رشتوں کو جنم دے دیتا ہے بسا اوقات غیروں میں نکاح کرنے سے اپنے بھی ناراض ہوجاتے ہیں اور اپنوں میں نکاح سالوں کی دشمنی ختم کر کے محبتوں کو جنم دے دیتا ہے۔ مثلاً قیام پاکستان کے وقت جو حضرات ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے ان کا پہلے سے پاکستان میں بسنے والی اقوام سے کوئی خاص ربط نہ تھا تو اس وقت بڑوں نے دیگر اقوام میں اپنی لڑکیاں دیں بھی اور ان سے لڑکیاں لیں بھی اور یہ اس وقت کا تقاضہ تھا اس طرح رشتہ داریاں بڑھیں اور اجانب اقارب بن گئے تو اس وقت مصلحت اجانب میں نکاح میں تھی لیکن بسا اوقات یہی مصلحت اقارب سے نکاح میں بھی ہوتی ہے لہٰذا رشتہ داریوں کا بڑھنا کوئی ایسی کلی دلیل نہیں جس پر اجانب کے نکاح کے مطلقاً استحباب کا قول کر دیا جائے۔

مغنی لابن قدامہ میں حنابلہ کے نزدیک اجانب میں نکاح کو اختیار کرنے کی دو علتیں ذکر ہیں ایک تو یہ کہ اقارب سے نکاح میں بچہ کمزور اور اجانب سے نکاح میں بچہ سمجھدار ہوگا۔ یہ علت ظاہر ہے مذکورہ بالا احادیث سے مقتبس ہے جس کا ضعف بیان کر دیا گیا نیز یہ بھی کوئی کلی قاعدہ نہیں مشاہدہ دلیل ہے رشتہ داروں میں نکاح سے ہونے والے بچے بھی بہت زیادہ صحت منداور سمجھدار بھی ہوتے ہیں اور اجانب سے ہونے والے خاندانی سلیقوں سے ناآشنا پیدا ہوجاتے ہیں بہر حال اقارب سے نکاح میں یہ لازم نہیں کہ بچہ کمزور یا کم عقل ہی پیدا ہو ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔

مغنی لابن قدامہ میں اجانب سے نکاح کو اختیار کرنے کی دوسری دلیل یہ تحریر ہے کہ جب نکاح ہوتا ہے تو طلاق اور جھگڑوں تک بھی نوبت آتی ہے اب اگر یہ نکاح اقارب میں ہو تو نکاح کے ساتھ ساتھ قرابت داری بھی ختم ہوجاتی ہے جبکہ صلہ رحمی ایک مستقل حکم شرعی ہے۔ مغنی کی اس دلیل کو اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں کافی وزن معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہی چیز اقارب میں نکاح کی دلیل بن جاتی ہے کیونکہ جب نکاح اقارب میں ہو تو بہت سے ازدواجی جھگڑے بڑے بیٹھ کر سلجھا لیتے ہیں اور نوبت طلاق تک نہیں آپاتی۔ اس کے برعکس اجانب میں مل بیٹھ کر بات کرنے سے پہلے ہی نوبت طلاق تک آجاتی ہے اور نکاح کا یہ بندھن ختم ہوجاتا ہے۔ مشاہدہ دلیل ہے کہ قرابت داروں میں طلاق کی نسبت وہ نہیں جو اجانب میں ہے لہٰذا اس بات کو بھی مطلقاً اجانب سے نکاح کے مختار ہونے پر دلیل بنانا محل نظر ہے۔ اگر اس وجہ سے اقارب میں نکاح پر اجانب سے نکاح کو ترجیح دی جائے تو پھر اقارب کے ساتھ کوئی عقد بھی نہیں کرنا چاہیئے چاہے وہ کاروبار ہو یا ملازمت کیونکہ جھگڑا تو ہو ہی جاتا ہے اور پھر کاروبار کے ساتھ ساتھ رشتہ داری بھی ختم ہوجائے گی، لہٰذا اس دلیل کا مدار ہی منفی سوچ پر ہے۔

مسئلہ زیر بحث سے متعلق احیاء علوم الدین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

احیاء علوم الدین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اجانب سے نکاح سے متعلق جو تفصیلات تحریر کی ہیں وہ یہ ہیں:

"الثامنة أن لا تكون من القرابة القريبة فإن ذلك يقلل الشهوة قال ﷺ: لا تنكحوا القرابة القريبة فإن الولد يخلق ضاويا أی نحيفا وذلك لتأثيره فی تضعيف الشهوة فإن الشهوة انما تنبعث بقوة الإحساس بالنظر واللمس وإنما يقوى الاحساس بالأمر الغريب الجديد فأما المعهود الذی دام النظر اليه مدة فإنه يضعف الحسّ عن تمام ادراكه والتأثر به ولا تنبعث به الشهوة فهذه هی الخصال المرغبة فی النساء."

"آٹھواں: یہ کہ قریبی عزیزوں میں نکاح نہ کیا جائے کیونکہ اس سے شہوت کم ہوتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: قریبی رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو کیونکہ بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے یعنی لاغر یہ اس لئے کہ (قریبی عزیز میں نکاح) شہوت پر اثر انداز ہو کر اسے کم کر دیتا ہے کیونکہ شہوت تو چھونے اور دیکھنے کے احساس سے جنم لیتی ہے اور یہ احساس ایک ان دیکھی اور نئی چیز میں مضبوط ہوتا ہے اور جہاں تک تعلق ہے پہلے سے جان پہچان والی لڑکی کا جسے ایک عرصہ دیکھ چکا ہے تو یہ (پہلے سے جان پہچان) حس کیلئے اس کے صحیح ادراک اور تاثر سے مانع بن جاتا ہے اور شہوت پیدا نہیں ہو پاتی جبکہ یہ تو وہ خصلتیں ہیں جو عورت میں مطلوب ہوتی ہیں"۔ (احیاء علوم الدین، ۲/۵۷)

احیاء کی اس عبارت میں قرابت داروں میں رشتہ نہ کرنے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے [وہ یہ ہے کہ قرابت دار میں شہوت کم ہوتی ہے کیونکہ شہوت ان دیکھی چیز میں زیادہ ہوتی ہے جبکہ قرابت دار کو یہ پہلے سے دیکھتا رہا ہے لہذا اس میں شہوت کی حس کم ہوگی نیز یہ تو عورت میں اصل مطلوبہ چیز ہے۔] اس سے متعلق بندہ ناچیز یہ عرض کرتا ہے کہ اولاً تو قرابت داروں سے بلوغت کے بعد پردہ فرض ہے، لہذا قرابت دار لڑکی سے متعلق "دام النظر اليها" کی بات کرنا ہی محل نظر ہے لہذا اجنبیہ اور قرابت دار دونوں اس معاملے میں برابر ہوئے۔ ثانیاً یہ کہ یہ تو کوئی ایسی وجہ نہیں جس سے اجنبیہ سے نکاح کا استحباب ثابت ہو کیونکہ یہ چیز تو شادی کے کچھ عرصے بعد اجنبیہ میں بھی آہی جائیگی۔

فقہاء کے مذاہب کا خلاصہ اور نتیجہ کلام

نیز ان عبارات سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ چاہے وہ ضعیف حدیث ہو یا مغنی المحتاج میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یا مغنی لابن قدامہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کسی میں بھی اقارب میں نکاح سے منع کی وجہ موروثی بیماریاں نہیں بلکہ عقلی بنیادوں پر اجانب میں نکاح کو ترجیح دی گئی ہے اور ان عقلی دلائل کا جواب ہم دے چکے ہیں۔ بہر حال یہ سب بیرونی مسائل ہیں جو زمان اور مکان

کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتے ہیں ان پر کلی طور پر اجانب سے نکاح کے استحباب کا قول کردینا محل نظر ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں "المفصل" کی عبارات

شیخ عبدالکریم زیدان نے "المفصل فی أحکام المرأة والبیت المسلم" میں فقہاء کے مذاہب وغیرہ بیان کرکے یہ ہی نتیجہ نکالا ہے کہ اس مسئلے کا حتمی فیصلہ ممکن نہیں دونوں طرح کے نکاح درست ہیں البتہ حالات وواقعات کسی ایک جانب کو اس مخصوص شخص کیلئے ترجیح دے دیتے ہیں۔ علامہؒ کی کتاب سے اقتباس نقل کیا جارہا ہے جس میں اُولاً شوافع اور حنابلہ کے مذہب کا ذکر ہے علامہؒ کی عبارت یہ ہے:

۵٦١۔ اختیار المرأة البعیدة لا القریبة:

قال الشافعیة فی ضوابطهم فی ما یستحب فی اختیار المرأة المراد تزوجها: أن لا تکون ذات قرابة قریبة وعللو ذلك بقولهم لخبر فیه النهی عن ذلك وهو الحدیث المنسوب إلی النبی ﷺ: لا تنکحوا القرابة القریبة فإن الولد یخلق ضاویا أی نحیفا ثم قالوا قال ابن صلاح ولم أجد لهذا الحدیث أصلا معتمدا۔"

قال السبکی: فینبغی أن لا یثبت هذا الحکم لعدم الدلیل وقد زوّج النبی علیا بفاطمة۔ رضی الله عنهما۔ وهی قرابة قریبة۔

وفی "مغنی المحتاج" فی فقه الشافعیة ((أن الشافعی نص علی أنه یستحب للرجل أن لا یتزوج من عشیرته، وعلله الزنجانی بأن من مقاصد النکاح اتصال القبائل لأجل التعاضد والمعاونة باجتماع الکلمة)) ویبدو لی أن التعلیل المقبول فی استحباب الزواج من النساء البعیدات لا القریبات فی النسب هو ما علل به الزنجانی لاجل توسع دائرة الروابط الاجتماعیة المؤثرة فی تحقیق التعاضد والتعاون بین اطراف هذه الروابط۔ وعلی هذا فلیس الاستحباب فی زواج البعیدات وتفضیلهن علی القریبات لمعنی مرغوب فیه فی القریبات۔

۵٦٢۔ اغتربوا لا تضووا:

وفی المغنی لابن قدامة الحنبلی: ((ویختار الأجنبیة فإن ولدها انجب ولهذا یقال اغتربوا لا تضووا یعنی انکحوا الغرائب کیلا تضعف اولادکم ولأنه لاتؤمن العداوة فی النکاح وافضاءه الی الطلاق فإذا کان فی قرابة افضی إلی قطیعة الرحم المأمور بصلتها)) وهذا القول یصلح أیضا تعلیلا مقبولا لترجیح نکاح البعیدات۔

۵۰۶۱۔آٹھواں: دور کی عورت کو قریبی کے مقابلے میں ترجیح دینا

شوافع نے اپنے ضوابط میں کہا ہے کہ عورت کو اختیار کرنے یعنی اس سے شادی کے معاملے میں مستحب یہ ہے کہ وہ عورت قریبی رشتہ دار نہ ہو، اور اس کی علت یوں بیان کی ہے کہ ((ایک خبر ہے جس میں اس سے نہی وارد ہوئی ہے اور اس خبر کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیث بھی کہا جاتا ہے (وہ یہ ہے کہ:) "قریبی رشتہ داروں سے نکاح نہ کرو کیونکہ بچہ کمزور یعنی لاغر پیدا ہوتا ہے")). پھر انہوں نے خود کہا کہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے اس حدیث کی کوئی قابل اعتماد اصل نہیں ملی۔ علامہ بکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مناسب تو یہ ہے کہ یہ (استحباب کا) حکم ثابت ہی نہ ہو کیونکہ دلیل ہی نہیں (اور جو حدیث بیان کی جاتی ہے اس کی کوئی اصل نہیں) جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا (جو کہ قریبی عزیز تھے) اور مغنی المحتاج جو کہ شوافع کی کتاب ہے میں تحریر ہے کہ: ((شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مستحب آدمی کا خاندان میں شادی نہ کرنا ہے۔ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت یہ بیان کی کہ نکاح کا ایک مقصد یہ ہے کہ مختلف قبائل یکجا ہوں اور ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک فرد کی طرح بن جائیں (اور یہ بات رشتے داروں اور اپنے قبیلے والوں میں نکاح کرنے میں نہیں)۔

مجھ پر یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ اجانب سے نکاح کرنے اور اقارب سے نکاح نہ کرنے میں مقبول ترین علت، یہی ہے جو زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی کہ اجتماعی روابط کا دائرہ کار اگر وسیع ہوگا تو یہ آپس میں مدد اور تعاون کا سبب بنے گا اس علت کے مطابق اتنا فرق ضرور آئے گا کہ پھر اجانب سے نکاح نہ کرنے کے استحباب کی وجہ کوئی ایسی چیز (یا خرابی) نہ ہوگی جو قریبی رشتہ داروں کے اندر پائی جاتی ہو (بلکہ فقط بیرونی روابط کا بڑھانا اجانب سے نکاح کرنے کی علت ہوگی)۔

۵۰۶۲۔غیر اقارب میں نکاح کرو اور (اقارب میں نکاح کر کے) اپنے بچوں کو کمزور نہ کرو:

ابن قدامہ حنبلی کی کتاب مغنی میں ہے ((اور مرد اجنبیہ سے نکاح کو اختیار کرے کیونکہ اجنبیہ کا بچہ عقلمند اور سمجھدار ہوگا اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ غیر اقارب میں نکاح کرو اور (اقارب میں نکاح کر کے) اپنے بچوں کو کمزور نہ بناؤ۔ یعنی اجنبیات سے نکاح کرو تاکہ تمہارے بچے کمزور نہ ہوں اور اس لئے بھی کہ نکاح میں عداوت کا پیدا ہونا بعید نہیں اور پھر بعد میں یہ عداوت طلاق تک جاتی ہے پس اگر یہ نکاح قرابت میں ہو تو یہ طلاق قطع رحمی کا سبب بنتی ہے جبکہ ہمیں تو صلہ رحمی کا حکم ہے)) یہ علت بھی اجانب میں نکاح کے راجح ہونے کی تعلیل مقبول بن سکتی ہے۔" (المفصل ۲/ ۵۳، ۵۴)

مذکورہ بالا عبارت میں ذکر امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے مذاہب اور ان کی طرف سے بیان کردہ مسئلہ کی علل کا تفصیلی جواب ہم گزشتہ صفحات پر دے چکے ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک مختلف مذاہب کا ذکر کیا تھا آخر میں راجح اور حتمی فیصلہ تحریر فرماتے ہیں۔

۵۰۶۳۔الراجح فی اختیار البعیدة او القریبة:

والراجح فی مسئلة اختیار القریبة أو البعیدة هو أن تنظر کل مسئلة علی حدة لأن هذا

الاختيار يرادبه تحقيق المصلحة الشرعية الراجحة، سواء جاءت هذه المصلحة بزواج البعيدة او القريبة، وهذا يختلف باختلاف الظروف والاحوال، فلو كانت القريبة يتيمة لا كافل لها وهي متدينة فالزواج بها أولى وارجح من الزواج بالأجنبية، لأن الاقربين أولى بالمعروف والزواج بهذه اليتيمة القريبة معروف لاشك فيه ويحقق مصلحة شرعية مؤكدة ترجح على ما يظن من المصلحة بزواج الأجنبية وكذلك لو كانت القريبة لها اقارب طامعون فی الزواج بها فمن المصلحة الراجحة ان يتخلى بعضهم عن خطبتها والتحول إلى الزواج بالأجنبية۔

وكذلك إذا روى أن الزواج بامراة اجنبية يؤدى إلى توثيق الروابط بين عائلتين او بين عشيرتين مما يؤدى إلى دفن عداوات قديمة لا يؤمن ظهورها فإن مثل هذا الزواج ارجح من الزواج بالقريبة وهكذا توزن كل مسئلة بميزان الشرع ليعرف مقدار المصلحة الشرعية الراجحة فيتقدم المسلم لتحقيقها سواء بتزوجه بامرأة قريبة أو بعيدة۔

۵۰۶۳۔ اجنبیہ یا رشتہ دار لڑکی میں سے اختیار کرنے میں راجح بات

اس مسئلے میں راجح یہ ہے کہ ہر مسئلہ کو علیحدہ جانچا جائے کیونکہ یہ ایک ایسا اختیار ہے جس میں شرعاً راجح مصلحت کا تحقق مطلوب ہوتا ہے۔ چاہے وہ مصلحت اجنبیہ سے نکاح کی صورت میں ہو یا رشتے دار سے، یہ چیز احوال و واقعات کے مختلف ہونے سے بدل جاتی ہے اگر قریبی لڑکی یتیم ہے اور اس کا کوئی ذمہ دار بھی نہیں اور وہ لڑکی دیندار ہے تو اس سے شادی کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اور اجنبیہ کے مقابلے میں بلاشبہ یہ لڑکی راجح ہے کیونکہ قرابت دار تو نیکی اور بھلائی کے زیادہ مستحق ہیں اور اس یتیم لڑکی سے نکاح بلاشبہ اس کے ساتھ ایک بھلائی ہے تو یہاں ایک ایسی مؤکد شرعی مصلحت یقینی طور پر پائی جارہی ہے جو اجنبیہ سے نکاح کی صورت میں گمان کی حد تک پائی جانے والی مصالح سے زیادہ قوی ہے (لہٰذا اس صورت میں رشتہ دار میں نکاح راجح ہوگا)۔

اسی طرح ایک لڑکی رشتہ دار میں ہے لیکن بہت سے قرابت دار اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو یہاں راجح مصلحت یہ ہے کہ بعض اس لڑکی کو پیغام نکاح بھیجنے کے بجائے اجنبیہ سے نکاح کرلیں (تاکہ آپس میں عداوت پیدا نہ ہو) یا اسی طرح اگر ایسا لگے کہ اجنبی لڑکی سے شادی کرنے میں دو خاندانوں یا دو قبیلوں میں موجود پرانی عداوتیں اور دشمنیاں دفن ہوجائیں گی تو یہ نکاح بلاشبہ رشتہ دار لڑکی سے نکاح سے زیادہ راجح ہوگا۔ ہر مسئلے کو اسی طرح شریعت کے ترازو میں تولنا چاہیئے تاکہ اس مسئلے میں جو بھی شرعی مصلحت ہو وہ معلوم ہوجائے اور پھر ایک مسلمان اسے ہی مقدم رکھے کیونکہ وہ ایک ایسی یقینی بات ہوگی جو سامنے نظر آرہی ہوگی چاہے وہ اجنبیہ سے نکاح کرنے کی صورت میں ہو یا رشتہ دار میں۔"

(المفصل فی احکام المرأة والبیت المسلم ۲/ ۵۴)

خلاصہ کلام

ان تفصیلی دلائل اور عبارات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ رشتہ دار (فرسٹ کزن وغیرہ) یا اجنبی دونوں میں نکاح جائز ہے۔ موروثی بیماریوں کی منتقلی ایک وہمی اَمر ہے جس کا ہم نے شروع میں ذکر کردیا شرعاً وعقلاً ایک توہماتی امر پر اتنے اہم مسئلے کی بنیاد رکھنا درست نہیں۔ ایک قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ محقق بیماریاں مثلاً کوڑھ، چیچک وغیرہ اللہ کے حکم سے منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن ان کا موروثی بیماریوں سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز فقہاء میں سے بھی کوئی موروثی بیماریوں کی منتقلی کی وجہ سے اقارب سے نکاح کے منع کا قائل نہیں بلکہ ان کے بعض اور عقلی دلائل ہیں نیز ان عقلی دلائل کی وجہ سے بھی مطلقاً اجانب کے نکاح کے استحباب کا قول بعید از قیاس ہے جس کا تفصیلی ذکر ہم نے کردیا ہے۔

بہر حال دونوں صورتوں میں الگ مصالح ہیں اگر خاندان میں لڑکیاں زیادہ ہوں اور انہیں خاندان کی طرف سے رشتے نہ آئیں تو یہ ان پر زیادتی ہے ایسی جگہ رشتہ داروں میں نکاح کرنا اولیٰ ہوگا اور اگر اجانب سے نکاح میں دشمنیاں ختم ہوسکتی ہیں یا دیگر کوئی خاص مصلحت ہوتو اجانب میں نکاح اولی ہوگا۔ الغرض یہ کوئی لگی بندھی چیز نہیں کہ اس کا حتمی فیصلہ کردیا جائے بلکہ حالات اور واقعات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ میرے لئے خاندان میں نکاح بہتر ہے یا خاندان سے باہر، البتہ اقارب سے اس وجہ سے نکاح نہ کرنا کہ اس سے موروثی بیماریاں وغیرہ منتقل ہوں گی ایک فضول اور لغو خیال ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کو بھی دھیان میں رہنا چاہیئے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں!!! جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مبارک کلام میں فرمارہے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔ الآية۔

"اے نبی ہم نے آپ کے لئے حلال کردیں آپ کی وہ بیویاں جن کا مہر آپ دے چکے ہیں...... اور آپ کی چچازاد بہن اور آپ کی پھوپھی زاد، ماموں زاد، اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (آپ کیلئے حلال کردی ہیں)"۔

(احزاب: ۵۰)

اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا، صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل، ان سب کے پائے جانے کے بعد کسی شخص کا یہ کہنا:

"خدارا فرسٹ کزن شادی سسٹم کو ختم کرو کہ اس سے موروثی بیماریاں آئندہ نسلوں میں منتقل ہوجاتی ہیں"

یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ایک موقف ہے جسے اختیار کرنا انتہائی خطرناک امر ہے اس لئے ان ڈاکٹروں کو اس پروپیگنڈے سے باز رہنا چاہیئے اور عامۃ المسلمین کو بھی ایسے لوگوں کی باتوں میں آنے کے بجائے اپنے رب اور پیغمبر کی بات ماننی چاہیئے۔

(۱۸۵) زانی کے زانیہ سے نکاح کا حکم

سؤال

میں نے اور ایک لڑکی نے گناہ کرلیا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنے پر اصرار کررہی ہے۔ میرے گھروالے اس شادی کے مخالف ہیں۔ میرے اور اس لڑکی کے تعلقات کو چار سال کا عرصہ ہوگیا ہے۔ کیا میں اس لڑکی سے شادی کروں یا اپنے گھروالوں کی پسند کی لڑکی سے شادی کروں؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زنا کی حرمت انتہائی شدید ہے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں واضح ارشادات اس بارے میں وارد ہوئے ہیں اور گناہ کبیرہ میں سے ایک گناہ اس زنا کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ حاکم کو شرعاً حکم ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انہیں سو کوڑے سرعام لگائے جائیں۔ اگر یہ فعل شادی شدہ مرد اور عورت سے صادر ہو تو چونکہ اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے لہذا شریعت انہیں سنگسار کرنے کا حکم دیتی ہے۔ سرعام انہیں پتھر مار مار کر سنگسار کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا حکم ہے:

"الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" (النور:۲)

زانیہ اور زانی ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن عمر رضي الله عنه قال: إن الله بعث محمدا وأنزل عليه الكتاب فكان مما أنزل الله تعالى آية الرجم رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده والرجم في كتاب الله حق على من زنى إذا أحصن من الرجال والنساء إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف (متفق عليه)۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اور اللہ تعالی نے ان پر کتاب نازل فرمائی ہے پس اللہ تعالی نے جو آیتیں نازل فرمائی تھیں ان میں رجم کی آیت بھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے بعد ہم نے بھی رجم کئے ہیں اور کتاب اللہ میں محصن مرد اور عورت کا زنا اگر گواہ یا حمل یا اقرار سے ثابت ہو جائے تو کتاب اللہ میں اس کو رجم کرنا حق ہے اور ثابت ہے۔"

(مشکوۃ، کتاب الحدود-الفصل الأول)

اسی طرح ایک اور حدیث میں زنا سے متعلق انتہائی پرخطر وعید وارد ہوئی ہے جو اس فعل کی قباحت انتہائی درجہ تک پہنچا دیتی ہے:

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا زنى العبد خرج منه الإيمان فكان فوق

رأسه كالظلة فإذا خرج من ذلك العمل عاد إليه الإيمان "۔

"حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اسکے اندر سے نکل جاتا ہے پھر اس کے سر پر سائبان بن کر سایہ کئے رہتا ہے۔جب وہ شخص اس زنا کے عمل سے نکلتا ہے تو ایمان اس کے اندر لوٹ جاتا ہے۔" (مشکوۃ، باب الکبائر وعلامات النفاق)

الغرض زنا کرنا شرعاً انتہائی قبیح اور موجب عذاب اللہ عمل ہے۔دور نبوی میں اس پر سزائیں جاری ہوئی ہیں۔اس کے بعد بھی سزائیں معین تھیں۔اسلامی سلطنتوں میں ان سزاؤں کا اجراء ہی ان کی روک تھام کا سبب تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار احادیث میں اس فعل کی قباحت بیان فرمائی ہے۔نصوص قرآنیہ میں بھی اس شناعت سے دور رہنے کا حکم ہے لہذا سائل کو اولاً اس گناہ پر سچے دل سے توبہ واستغفار کرنی چاہیئے۔

جہاں تک تعلق ہے شادی کا تو اس سے متعلق یہ واضح رہے کہ خیر القرون میں ایسی نظائر ملتی ہیں کہ زانی اور زانیہ پر حد کے اجراء کے بعد ان کا آپس میں نکاح کردیا گیا اور فقہاء نے اسے لیا ہے:

"روي أن رجلا زنى بامرأة في زمن أبي بكر رضي الله عنه فجلدهما مائة جلدة، ثم زوج أحدهما من الأخر مكانه ونفاهما سنة وروي مثل ذلك عن عمر وابن مسعود وجابر رضي الله عنهم وقال ابن عباس: أوله سفاح وآخره نكاح ۔ وبهذا أخذ الشافعي وأبو حنيفة، ورأوا أن الماء لا حرمة له۔" (الجامع لاحكام القران ٦۔١٧٠)

"روایت کیا جاتا ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں زنا کیا۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سو سو کوڑے مارے۔پھر دونوں کی ایک دوسرے سے شادی کرادی اور انہیں ایک سال کیلئے جلاوطن کردیا۔اسی طرح حضرت عمر، ابن مسعود اور حضرت جابر رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ان کا مذہب ہے کہ زنا کے پانی کی کوئی حرمت نہیں۔"

لہذا فی الحال مسئلے کا فوری حل یہی ہے کہ دونوں اپنے گناہ پر توبہ اور ندامت کریں۔نیز آپس میں شادی کرلیں۔اس کے لئے لڑکا اپنے گھر والوں کو راضی کرلے، اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح ہی بہتر ہے تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو البتہ آئندہ زندگی میں معاصی اور منکرات سے بچنے کا عزم کیا جائے۔

لما في القرآن الحكيم (المعارج:٢٩): وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ

وفي مشكوة المصابيح(٢/٢٦٧):عن أسامة بن زيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"ماتركت بعدي فتنة أضرعلى الرجال من النساء" متفق عليه۔

وفی الشامية(۶/۳): قوله (عند التوقان) ---- والمراد شدة الاشتياق كما في الزيلعي أي بحيث يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج إذ لا يلزم من الاشتياق إلى الجماع الخوف المذكور بحر۔ قلت وكذا فيمايظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وإن لم يخف الوقوع في الزنا۔

(۱۸۶) نامحرم سے آپریشن کروانا اور پھر اس لڑکی کے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کے جسم پر مرض کی وجہ سے پھوڑا نکل آیا مجبوراً ایک نامحرم مرد سے نشتر لگوانا پڑا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا یہ عمل جائز ہے؟ نیز وہ لڑکی اب کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے؟ اسی طرح آج کل آپریشن وغیرہ کا عمل انجام دیا جاتا ہے اور بھی جدید ذرائع ہیں ان کے احکام بھی بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کیلئے بوقت ضرورت نشتر لگوانا جائز ہے نیز آپریشن کروانا یا عورت کے جسم کے متاثرہ حصے کو بوقت ضرورت دیکھنا جائز ہے لیکن مطلوبہ حصے پر ہی توجہ ہو دیگر اعضاء سے غضِ نظر ہو، لہٰذا آپریشن کرنے والا اور نشتر لگانے والا اور نامحرم ہر ایک کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح درست ہے، علاج کا نکاح کی حرمت سے کوئی تعلق نہیں۔

لمافی ابن كثير(۱/۳۷۴): وأحل لكم ما وراء ذالكم الآية أى ما عدا من ذُكرن من المحارم۔

وفی الهندية (۵/۳۳۰):ويجوز النظر إلى الفرج للخاتن وللقابلة وللطبيب عند المعالجة ويغض بصره ما استطاع كذا في السراجية۔

وفی الدرالمختار (۶/۳۷۰): (ينظر) الطبيب (إلى موضع مرضها بقدر الضرورة) إذ الضرورات تتقدر بقدرها۔

وفی الرد تحته: وإن كان في موضع الفرج فينبغي أن يعلم امرأة تداويها فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلك أو صيبها وجع لا تحتمله يستر منها كل شيء إلا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع إلا عن موضع الجرح اھ۔

(۱۸۷) مطلقہ ہونے کی دعویدار عورت سے نکاح کا حکم

سؤال

ایک عورت کسی جگہ سے آئی ہے اس کا کہنا ہے کہ اسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہے اور عدت بھی ختم ہوگئی ہے، کوئی شادی کرنا چاہے تو وہ تیار ہوں کیونکہ اس کا کوئی بھی رشتہ دار نہیں ہے۔ کیا ایسی عورت کیساتھ صرف اس کے کہنے پر اعتماد کر کے شادی کرنا جائز ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر عورت مذکورہ دیانتدار ہو، یا تحری، سوچ وفکر کے ذریعے اس کے قول پر اعتماد پیدا ہوجائے تو اس کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۴): وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ۔

وفی المظھری (۲/۶۴): وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ عطف علی أمھاتکم یعنی حرمت علیکم المحصنات من النّساء أی ذوات الأزواج لا یحل للغیر نکاحھن ما لم یمت زوجھا أو یطلقھا وتنقضی عدّتھا من الوفاۃ أو الطلاق۔

وفی الدرالمختار (۳/۵۲۹): لو قالت امرأته لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي لا بأس أن ينكحها۔

وفی الرد تحته: قوله (لا بأس أن ينكحها) في الخانية قالت ارتد زوجي بعد النكاح وسعه أن يعتمد على خبرها ويتزوجها وإن أخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ أو نحو ذلك فإن كانت ثقة أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها فلا بأس بأن يتزوجها إلا لو قالت كان نكاحي فاسدا أو كان زوجي على غير الإسلام لأنها أخبرت بأمر مستنكر اھ أي لأن الأصل صحة النكاح، سائحاني۔

(۱۸۸) کیا بھتیجے کی بیوی بھی بہو شمار ہوگی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھتیجے کی چار سال قبل شادی ہوئی تھی اس کی بیوی

ماشاء اللہ بڑی دیندار اور سنجیدہ لڑکی ہے، چھ ماہ قبل میرے بھتیجے کا انتقال ہوگیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی بیوی کو بجائے کسی اور کے حوالے کرنے کے میں خود نکاح کرلوں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے چونکہ یہ آپ کی بہو ہے تو معلوم یہ کرنا ہے کہ واقعی میرا اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں یا شریعت میں کچھ گنجائش موجود ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً آپ کا مذکورہ لڑکی سے نکاح درست ہے، بشرطیکہ کوئی اور مانع موجود نہ ہو اور لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپ کی بہو ہے، کیونکہ شرعاً صرف حقیقی بہو یعنی سگے بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے جبکہ بھتیجے کی بیوی اس حکم میں داخل نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (سورة النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ...... وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی التفسیر المظهری (۲/۶۶) سورة النساء: قوله تعالیٰ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ یعنی ماسوی المحرمات المذکورات فی الآیات السابقة وخص عنه بالسنه والاجماع والقیاس ما ذکرنا من المحرمات فی الشرح وما فوق الاربع من النساء۔

وفی البخاری (۲/۷۶۵):عن ابن عباس رضي الله عنه :حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع ثم قرأ: {حرمت عليكم أمهاتكم} وجمع عبد الله بن جعفر بين ابنة علي وامرأة علي وقال ابن سيرين: لا بأس به وكرهه الحسن مرة، ثم قال:لا بأس به وجمع الحسن بن الحسن بن علي بين ابنتي عم في ليلة، وكرهه جابر بن زيد، للقطيعة وليس فيه تحريم لقوله تعالى: {وأحل لكم ما وراء ذلكم}۔

وفی الهندية (۱/۲۷۳): والثالثة حليلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الأب المتبني هكذا في محيط السرخسي۔

وفی الدر المختار(۳/۲۸): فصل في المحرمات أسباب التحريم أنواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك إدخال أمة على حرة فهي سبعة۔ الخ۔

وفی الرد تحته:قوله (مصاهرة) كفروع نسائه المدخولْ بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات وجداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا۔ الخ۔

(۱۸۹) باپ کا بیوہ سے نکاح کی صورت میں کیا بیوہ کی بیٹی بہن شمار ہوگی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب نے ایک بیوہ سے نکاح کیا اور اس بیوہ کی ایک لڑکی پہلے شوہر سے ہے اب ہمارے والد صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح ہم بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کرادیں۔ جب خاندان میں یہ بات چلی تو خاندان کے لوگوں نے کہا کہ وہ تمہاری بیٹی ہے اور یہ تمہارے بیٹے ہیں لہٰذا یہ آپس میں بہن بھائی ہیں ان کا نکاح نہیں ہوگا، میرے والد صاحب نے کہا کہ یہ تو تمہاری اپنی بات ہے میں کسی مفتی صاحب سے معلوم کرتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے کہا کہ بیٹا آپ کسی مفتی صاحب سے یہ مسئلہ معلوم کرو لہٰذا آپ ہی بتایئے کہ اس لڑکی سے ہم بھائیوں میں سے کسی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر نکاح ہوسکتا ہو تو پھر ہمارا اس سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس بیوہ کی لڑکی سے جو کہ پہلے شوہر سے ہے آپ کے والد صاحب آپ تمام بھائیوں میں سے جس کا بھی نکاح کرانا چاہیں تو یہ نکاح کرانا جائز ہے کیونکہ وہ لڑکی آپ کی نامحرم ہے لہٰذا آپ پر اس سے پردہ کرنا بھی ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ بھائیوں میں سے کوئی بھائی اس بیوہ سے پیدا نہ ہوا ہو کیونکہ جو بھائی اس بیوہ سے پیدا ہوگا وہ اور وہ لڑکی جو کہ اس بیوہ کی پہلے شوہر سے ہے ماں شریک بہن بھائی ہیں جو کہ سبب حرمت ہے۔ لہٰذا یہ لڑکی اس لڑکے کی محرم ہوگی اور اس سے پردہ بھی نہ ہوگا۔

بظاہر آپ کے مسئلے کی جو صورت ہے وہ پہلی ہے آپ لوگ اس بیوہ سے نہیں ہیں لہذا اس بیوہ کی لڑکی آپ کی نامحرم ہے اس سے شادی کرنا جائز ہے البتہ پردہ ضروری ہے۔

لما فی الهندية (۱/۲۷۷): لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي۔

وفی الدر المختار (۳/۳۱): وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال۔

وفی الشامية تحته (۳/۳۱): (قوله وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال) وكذا بنت ابنها، بحر۔

(۱۹۰) لڑکی نے بعداز بلوغ خلع کی ڈگری لے لی تو نکاح کا حکم

سؤال

ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں باپ نے کرادیا تھا بعد میں اس کے والد کا انتقال ہوگیا اور لڑکی نے عدالت سے ڈگری لے لی اور دوسرے لڑکے سے شادی کیلئے تیار ہوگئی لیکن کوئی نکاح پڑھانے کیلئے تیار نہ ہوا، آخر میں ایک بریلوی مسلک کے مولوی صاحب نے نکاح پڑھادیا اس نکاح کا کیا حکم ہے نکاح پڑھنے اور اس میں شریک ہونے والے لوگوں کا کیا حکم ہے آیا ان کا نکاح باقی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد خلع لیتے وقت شوہر بھی بالغ ہو اور وہ خلع دینے پر رضامند ہو تو اس خلع کی ڈگری سے ایک طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے اس لئے لڑکی کا عدت گزارنے کے بعد دوسرے لڑکے سے اگر وہ لڑکا کفؤ بھی ہو تو یہ نکاح کرنا دو گواہوں کی موجودگی میں درست ہے اور اس میں شرکت کرنا بھی صحیح ہے بشرطیکہ وہاں کوئی اور خلافِ شرع یا معصیت کا کام نہ ہو۔

لما فی المسلم (۴۵۵/۱): عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الثیب أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأمر وإذنها سکوتها۔

وفی المحیط البرهانی (۵۹/۵): قال علماؤنا رحمهم الله الخلع طلاق بائن ینتقص به من عدد الطلاق به ورد الأثر عن رسول الله صلی الله علیه وسلّم وعن عمر وعلي وابن مسعود رضي الله عنهم۔

وفی الشامیة (۳۴۸/۶): لو دعي إلى دعوة فالواجب الإجابة إن لم یکن هناك معصیة ولا بدعة والامتناع أسلم في زماننا الا إذا علم یقینا أن لا بدعة ولا معصیة۔

(۱۹۱) نابالغہ چچازاد بہن سے اپنا نکاح کرلینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نابالغ لڑکی کے چچا کے بیٹے کے علاوہ کوئی ولی نہیں اور وہ اس کی پرورش کرتا ہے۔ اگر لڑکی کی نابالغی کی حالت میں وہ اس کا نکاح اپنے ساتھ کرلے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں نکاح درست ہوگا۔

لمافی الھندیة (۲۸۴/۱): ویجوز لابن العم أن یزوج ابنة عمه من نفسه کذا في الحاوي۔

وفی الدر المختار (۹۸/۳): (ولابن العم أن یزوج بنت عمه الصغیرة)۔۔۔ (من نفسه) فیکون أصیلا من جانب وولیا من آخر (کما للوکیل)۔

(۱۹۲) نکاحِ بیوگان کو برا سمجھنے والوں کا حکم

سؤال

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو وہ دوبارہ اس کا نکاح کسی اور سے نہیں کراتے اگر چہ وہ عورت نوجوان ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کو عیب شمار کرتے ہیں اگر کوئی عورت نکاح کر بھی لے تو دوسری عورتیں اس پر طعن وتشنیع کرتی ہیں آیا واقعی بیوہ کا نکاح کرنا عیب ہے؟ اگر عیب نہیں ہے تو جو لوگ اس کو عیب شمار کرتے ہیں اور نکاح کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں شرعاً ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو ایام عدت یعنی (اگر حاملہ ہے تو وضع حمل اور غیر حاملہ ہے تو چار مہینے دس دن) تک وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ جب مذکورہ عدت پوری ہوجائے تو دوسرا نکاح کرنا جائز بلکہ حصول پاکدامنی کے لئے ضروری ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے نکاح ہوئے ان میں سے اکثر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بیوہ تھیں لہٰذا شریعت میں بیوہ عورت کا نکاح کرانا جائز بلکہ مستحسن ہے اور اس کو عیب شمار کرنا، ان لوگوں کی سراسر جہالت اور شریعت کے احکام سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۵): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۳۴) وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ۔۔۔الآیة۔

وفی صحیح البخاری (۷۶۰/۲): عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قلت یا رسول الله، أرأیت لو

نزلت واديا وفيه شجرة قد أكل منها، ووجدت شجرا لم يؤكل منها، في أيها كنت ترتع بعيرك؟ قال: في الذي لم يرتع منها تعني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يتزوج بكرا غيرها۔

وفی الدر المختار (۵۱۰/۳): (و) العدة (للموت أربعة أشهر) بالأهلة لو في الغرة كما مر (وعشرة) من الأيام۔

وفی الرد تحته: مطلب في عدة الموت قوله (والعدة للموت) أي موت زوج الحرة أما الأمة فيأتي حكمها بعيده قوله (كما مر) أي قريبا قوله (من الأيام) أي والليالي أيضا كما في المجتبى۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۷۱۹۸/۹): ثانياً ـ تحريم الزواج: لا يجوز للأجنبي إجماعاً نكاح المعتدة، لقوله تعالى: {ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله} أي لا تعقدوا عقد النكاح حتى تنقضي العدة التي كتبها الله على المعتدة، ولبقاء الزوجية في الطلاق الرجعي، وبعض آثار الزواج في الطلاق الثالث والبائن. وإذا تزوجت فالنكاح باطل، لأنها ممنوعة من الزواج لحق الزوج الأول، فكان نكاحاً باطلاً كما لو تزوجت وهي في نكاحه، ويجب أن يفرق بينه وبينها. ويجوز لصاحب العدة أن يتزوج المعتدة؛ لأن الإلزام بالعدة إنما شرع مراعاة لحق الزوج، فلا يجوز أن يمنع حقه، فالعدة لحفظ مائه وصيانة نسبه، ولا يصان ماؤه عن بعضه، ولا يحفظ نسبه عنه، فإذا انقضت العدة جاز لأي شخص أن يتزوجها.

(۱۹۳) استانی سے نکاح جائز ہے

سؤال

میں ایک کالج میں پڑھتا ہوں ہماری ایک استانی ہیں وہ بہت نیک عورت لگتی ہیں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے مجھے اپنی استانی پر بہت ترس آیا اور اس خیال سے چلوان کا سہارا بن جاؤں گا ان کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن جب ہمارے خاندان میں یہ بات چلی تو سب نے کہا کہ یہ نکاح درست نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی اپنی ماں سے نکاح نہیں کرتا اور اسی طرح استانی بھی ماں کی جگہ ہوتی ہے لہٰذا اس سے بھی نکاح کرنا درست نہیں۔ جناب مفتی صاحب آپ ہی بتائیں کہ آیا میرا استانی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا وہ میری ماں کی طرح ہیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ نے استاذ کو بڑا مقام دیا ہے نیز شریعت میں اساتذہ کا ادب ایسے ہی کرنے کی ترغیب ہے جیسے والدین کا ادب

حرام ہے لیکن ظاہر ہے کہ استاذ ہونا کوئی نسبی رشتہ نہیں اور نہ ہی دیگر اسباب حرمت میں سے ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بلاشبہ آپ کا اپنی استانی سے نکاح کرنا جائز ہے نکاح کے معاملے میں استانی کو ماں کی طرح کہنا درست نہیں۔

لمافی احیاء العلوم الدین، کتاب العلم (۸۳/۱): قال رسول الله ﷺ : انما انا لکم مثل الوالد لولده ۔۔۔ ولذا صار حق المعلم اعظم من حق الوالدین، فان الوالد سبب الوجود الحاضر والحیاة الفانیة والمعلم سبب الحیاة الباقیه۔

وفی الجوهرة النیرة (۶۹/۲): فالشرط ان یتصور التحریم من الجانبین وحاصله ان المانع من النکاح خمسة اوجه النسب والسبب والجمع وحق الغیر والدین۔

وفی الدرالمختار، کتاب النکاح (۳/۳):(هو) عند الفقهاء (عقد یفید ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعي فخرج الذکر والخنثی المشکل والوثنیة لجواز ذکورته والمحارم والجنیة وإنسان الماء۔الخ۔

(۱۹۴) استاذ کا اپنی شاگردہ سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معاشرتی یا شرعی طور پر ایک استاد (مرد) کا اپنی شاگردہ (لڑکی) سے شادی کرنا کیسا ہے؟ جبکہ دونوں کے درمیان نہ پہلے سے محبت ہے نہ میل جول اور دونوں کے گھر والے تیار ہیں لیکن طالبہ کے ذہن میں سوالات ہیں۔ازراہ کرم اخلاقی،شرعی دلائل کی روشنی میں جواب دیدیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں مرد وعورت کیلئے اپنے محرمات کے علاوہ ہر ایک سے نکاح درست ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں صرف "لڑکی کا شاگردہ ہونا" سببِ حرمت نہیں جو نکاح سے مانع ہو۔اس لئے جہاں شاگردہ ہونے کی وجہ سے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہو وہاں بضرور ایسے نکاح منعقد کئے جائیں تاکہ یہ غلط رجحان ختم ہو البتہ اگر کہیں نکاح سے قبل روابط رکھے جاتے ہوں اور استاذ شاگردہ سے بے محابا ملاقاتیں کرتے ہوں تو یہ انتہائی خطرناک امر ہے اور استاذ کے مقام کا تقدس پامال کرنے کے مترادف ہے۔ایسے ماحول میں شاگردہ سے نکاح سے کلی اجتناب لازمی ہوگا نیز اگر استاذ اور شاگردہ کی عمر میں تفاوت زیادہ ہو تو بھی نکاح سے پرہیز کرے کیونکہ مصالح نکاح کا حصول مشکل ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳،۲۴):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَ

عَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ ـــ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ۔

وفی قوله تعالیٰ: فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

وفی الشامیة (٢٨/٣): وقد نظمت السبعة مع الخمسة المزيدة بقولی:[انواع تحريم النكاح سبع][قرابةٌ ملكٌ رضاعٌ جمعٌ][كذاك شركٌ نسبة المصاهره][وامةٌ عن حرة مؤخّره][وزيد خمسةٌ اتتك بالبيان][تطليقه لها ثلاثا واللعان][تعلق بحق غير من نكاح][او عدةٌ خنوثةٌ بلا اتضاح][وآخر الكل اختلاف الجنس][كالجن والمائی لنوع الانس]۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (٦٦٥٥/٩): الاولی مراعاة التقارب بين هذه الاوصاف وبخاصة السن والثقافة لان وجودهما ادعی لتحقيق الوفاق الخ۔

(۱۹۵) زانی کے بیٹے کا مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا۔ پھر اس عورت نے کسی اور آدمی سے نکاح کیا اور اس شخص نے کسی اور عورت سے۔ بعد میں اس شخص نے اپنے بیٹے کا نکاح اس عورت کی بیٹی سے کیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان دونوں کے درمیان جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اس شخص کے بیٹے کا مزنیہ کی بیٹی کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح اور جائز ہے۔

لما فی البحر الرائق (١٧٩/٣): ويحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها۔

وفی الشامية (٣٢/٣):حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطء الحلال ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها اهـ۔

(۱۹۶) مزنیہ سے حالتِ حمل میں نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی اور لڑکے کے ناجائز تعلقات تھے جس کا علم لڑکی کے گھر والوں کو اس وقت ہوا جب لڑکی کا ناجائز حمل تین ماہ کا ہوگیا، اب لڑکی والے اپنی لڑکی کا اس لڑکے سے نکاح کررہے ہیں۔ آپ سے شرعاً معلومات یہ درکار ہیں کہ تین ماہ کے حمل کے دوران کیا یہ نکاح جائز ہوگا؟ دین اسلام میں لڑکی اور لڑکے اور اس ناجائز حمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ناجائز تعلقات کی وجہ سے لڑکا اور لڑکی دونوں ازروئے شرع سخت گناہگار ہیں ان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں البتہ حمل کے دوران نکاح جائز ہے اور حمل کا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح کے کم از کم چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب اسی لڑکے سے ثابت ہوگا اگر نکاح کے بعد چھ ماہ کے اندر پیدا ہوا تو نسب لڑکے سے ثابت نہ ہوگا البتہ اگر لڑکا اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس صورت میں بھی نسب لڑکے سے ثابت ہوگا۔

لمافی الدر المختار (۴۸/۳): (و) صح نکاح (حبلی من زنی)۔

وفی الرد تحتہ: ای عندھما وقال ابو یوسف لایصح والفتوٰی علی قولھما کما فی القھستانی۔

وفیہ أیضا (۴۹/۳): فروع لو نکحھا الزاني حل لہ وطؤھا اتفاقا والولد لہ ولزمہ النفقۃ۔

وفی الرد تحتہ: قولہ (والولد لہ) أي إن جاءت بعد النکاح لستۃ أشھر مختارات النوازل فلو لأقل من ستۃ أشھر من وقت النکاح لا یثبت النسب ولا یرث منہ إلا أن یقول ھذا الولد مني ولا یقول من الزنی خانیۃ۔

(۱۹۷) غیر زانی کا مزنیہ حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سؤال

زید نے ایک لڑکی سے زنا کیا جب لڑکی کے والدین کو علم ہوا تو انہوں نے اس لڑکی کا نکاح نوید سے کردیا تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور نوید کے لئے ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مزنیہ سے نکاح کرنے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نوید کا نکاح اس لڑکی سے درست ہے لیکن اس لڑکی سے ہمبستری کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک وہ لڑکی ایک بار حیض سے پاک نہ ہوجائے۔

لما فی الهندية (۱/۲۸۱): وإذا رأى امرأة تزني فتزوجها حل وطؤها قبل أن يستبرئها عندهما وقال محمد رحمه الله تعالى لا أحب له أن يطأها ما لم يستبرئها كذا في الهداية.

وفی القول الراجح (۱/۲۲۷): هو قول محمد قال العلامة أكمل الدين البابرتي وقال محمد لا أحب له أن يطأها حتى يستبرأها لأنه احتمل الشغل بماء المولى ولو تحقق الاشتغال بماء الغير كان الوطء حراما فإذا احتمل ذلك ثبت التنزه.

(۱۹۸) غیر ثابت النسب لڑکی سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فاطمہ نامی عورت کا نکاح نہیں ہوا تھا اس کے ہاں ایک لڑکی کی ولادت ہوئی بعد میں فاطمہ کا نکاح ہوا اس سے اور اولاد پیدا ہوئی جو لڑکی نکاح سے پہلے پیدا ہوئی تھی اب وہ بالغ ہوچکی ہے میرا نکاح اس کے ساتھ کرانا چاہتے ہیں جبکہ وہ غیر ثابت النسب ہے میں والدین کی بات رد بھی نہیں کرسکتا اور شریعت کو بھی نہیں چھوڑ سکتا اب آپ حضرات شریعت کے مطابق مسئلہ بتائیں کہ میرا اس لڑکی سے نکاح کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپ کا نکاح مذکورہ لڑکی سے کرنا ازروئے شرع جائز ہے۔

لما في القرآن الكريم (النسآء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ.

وفی الشامية (۳/۴۹): البنت من الزنى لا تحرم على عم الزاني وخاله لأنه لم يثبت نسبها من الزاني حتى يظهر فيها حكم القرابة وأما التحريم على آباء الزاني وأولاده فلاعتبار الجزئية ولا جزئية بينها وبين العم والخال.

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۷۵۳): ولا يشترط في المرأة أن تكون مساوية للرجل أو مقاربة له، بل يصح أن تكون أقل منه في أمور الكفاءة؛ لأن الرجل لا يعير بزوجة أدنى حالاً منه.

(۱۹۹) کافر کا بعد از اسلام فوراً نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ۳۰ مارچ ۲۰۰۶ء کو اسلام قبول کیا، کچھ دن میں اپنے والد جارج مسیح کے گھر میں رہتی رہی۔ اس دوران میرے والدین کو پتہ چل گیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو میں گھر سے خود آ گئی اور میں جس شخص محمد شبیر سے شادی کرنا چاہتی ہوں اس کے پاس آ گئی ہوں، آیا میں اب شادی کر سکتی ہوں یا مجھے کچھ وقت مسلمانوں کے درمیان گزارنا ہوگا؟ اسلام کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اسلام نے عورت کی عزت وآبرو، تقدس اور حقوق کی حفاظت کے لئے نکاح کرنے کا حکم فرمایا ہے لہٰذا اسلام قبول کرنے کے بعد اگر آپ پہلے سے شادی شدہ نہیں تو فوراً کسی بھی مسلمان شخص سے نکاح کر سکتی ہیں۔ شریعت کی طرف سے آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:٢٢١): وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ۔

وفي صحيح البخاري (٢/٧٥٨): قال لنا النبي صلى الله عليه وسلم: يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج. ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفي الدر المختار (٣/٥٥،٥٦) (فنفذ نكاح حرة مكلفة)۔

وفي الرد تحته: قوله (فنفذ الخ) أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحكام من طلاق وتوارث وغيرهما۔۔۔ وأما حديث أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل وحسنه الترمذي وحديث لا نكاح إلا بولي رواه أبو داود وغيره فمعارض بقوله الأيم أحق بنفسها من وليها رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي ومالك في الموطأ والأيم من لا زوج لها بكرا أو لا فإنه ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت وقد جعلها أحق منه به ويترجح هذا بقوة السند والاتفاق على صحته بخلاف الحديثين الأولين فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال أو بأن يراد بالولي من يتوقف على إذنه أي لا نكاح إلا بمن له ولاية لينفي نكاح الكافر للمسلمة الخ۔

(۲۰۰) قادیانی لڑکی سے بعد از اسلام نکاح کرنا

سوال

میرا بیٹا ایک لڑکی کے چکر میں پڑ گیا ہے وہ لڑکی قادیانی ہے اس کی ماں قادیانی اور باپ مسلمان ہے لڑکی کہتی ہے کہ میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں اور اپنے ماں باپ کو چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔ مفتی صاحب میرا بیٹا سب سے بڑا ہے اور میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اب میں پریشان ہوں آپ بتائیں کہ میں اپنے بیٹے کی اس لڑکی سے شادی کروں یا نہیں؟ آپ جو کہیں گے وہی میں کروں گی آپ کی بڑی مہربانی ہوگی آپ مجھے اس مشکل سے نکالیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر وہ قادیانی لڑکی قادیانیت سے توبہ تائب ہو جائے اور مکمل طور پر اسلام اختیار کر لے تو اس کے ساتھ آپ کے بیٹے کا نکاح کرنا جائز ہے البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة :۲۲۱): وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔

وفی الهندية(۱/۲۸۱): لا يجوز نكاح المجوسيات ولا الوثنيات ---- ويدخل في عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية وكل مذهب يكفر به معتقده كذا في فتح القدير۔

وفی اللجنة الدائمة (۱۸/۲۱۱): لايجوز ان يتزوج شاب مسلم فتاة تدين بالديانة القاديانية لكونها كافرة۔

وفيه أيضاً: لا يصح للمسلم ان يتزوج المشركة من غير اليهود والنصارى ---- واذا تابت من شركها واسلمت جاز له ان يتزوجها۔

(۲۰۱) جس سنی لڑکے کا باپ شیعہ ہو، اس سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص شیعہ ہے لیکن اس کی بیوی اور اولاد سنی مذہب

ہے گھر کا ماحول سنی طرز پر ہے باپ کا اولاد پر مذہب کے بارے میں کچھ جبر نہیں ہے الٹا اولاد اس کو سمجھاتی رہتی ہے۔کیا اس صورت میں سنی مذہب کی لڑکی کا رشتہ دینا اس کی اولاد کو جائز ہے یا نا جائز ہے؟ تفصیل سے بیان فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔آپ کی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے انعقاد کی شرائط میں سے ایک شرط لڑکے اور لڑکی (میاں بیوی) کا مسلمان ہونا ہے چنانچہ جب لڑکا اور لڑکی مسلمان ہوں تو ان کا آپس میں رشتہ کرنا جائز ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ مذکورہ شخص کی اولاد صحیح العقیدہ سنی ہے تو ان سے رشتہ کرنا یا ان کا رشتہ مسلمانوں کا اپنے ہاں کرانا جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ اس گھرانے میں نکاح کیا جائے جن کا پورا خاندان صحیح العقیدہ سنی ہو۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۴): وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔

وفی الدرالمختار(۸۴/۳): (الكفاءة معتبرة) في ابتداء النكاح للزومه أو لصحته (من جانبه) أي الرجل لأن الشريفة تأبى أن تكون فراشا للدنيء ولذا (لا) تعتبر (من جانبها) لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح كما في الخبازية۔

وفی (ص۸۷): (و) أما في العجم فتعتبر (حرية وإسلاما) ۔۔۔ (و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة) أي تقوى فليس فاسق كفؤا لصالحة أو فاسقة بنت صالح معلنا كان أو لا على الظاهر نهر۔

(۲۰۲) صحیح العقیدہ لڑکی سے دوسرا نکاح اور اس کے بعض احکام

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید جو کہ سنی عقیدے کا حامل ہے اور تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کا باپ ہے، زید کی پہلی بیوی گردوں کی بیماری کی تکلیف کی وجہ سے اکثر حق زوجیت ادا نہ کر سکتی تھی جس پر اس کی بیوی زید کو اکثر دوسری شادی کیلئے کہتی رہی اور زید نے ایک شیعہ لڑکی کو شادی کیلئے تیار کیا جس میں اسکی پہلی بیوی معاونت کرتی رہی اور تقریباً آٹھ ماہ قبل اس لڑکی سے سنی مذہب کے مطابق کورٹ میں نکاح کر لیا اور پہلی بیوی نے زید کے زبردستی کرنے پر تحریری دستخط اسٹامپ پیپر پر کر کے کورٹ میرج کی اجازت زید کی خوشی کیلئے دے دی۔

یہ کہ دوسری بیوی نے محرم الحرام کے دوران بقول اس کے اس ماہ مبارک کا احترام کیا اور صرف ایک مرتبہ اپنے شوہر کی مرضی سے اپنے شوہر کے ساتھ منت اتارنے کیلئے امام بارگاہ گئی اور ادائیگی منت کے فوراً بعد واپس آ گئی۔

یہ کہ لڑکی اور لڑکا حلفیہ قرآن پاک پر بیان دیتے ہیں کہ لڑکی نے شیعہ مذہب ترک کر دیا ہے اور وہ سنی العقیدہ ہے۔ زید کی پہلی بیوی نے دورانِ تلخ کلامی کہا کہ تم شیعہ بیوی کے کہنے پر چلتے ہو کیا تم بھی شیعہ ہو گئے ہو؟ زید نے غصے میں کہا کہ ہاں میں بھی شیعہ ہو گیا ہوں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ:

(۱) کیا یہ نکاح جائز ہے کہ نہیں؟ اور پہلی بیوی کے نکاح پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟

(۲) عزیز و اقارب، رشتہ داروں سے اس کا ملنا جلنا، کھانا پینا جاری رہے یا ختم کیا جائے؟

(۳) پہلی بیوی اور بچے اس کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں یا علیحدگی اختیار کی جائے؟

(۴) کچھ قریبی رشتہ دار جھوٹ پر مبنی، من گھڑت، بغیر تصدیق کے صرف سنی سنائی باتوں پر اپنے پاس سے جھوٹا اضافہ کر کے مختلف علماء کرام سے فتوے حاصل کر کے زید کے گھر کو اپنی مرضی کے مطابق شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے برباد کرنا اور اپنے نفس کی تسکین چاہتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق جو بہتان گھڑیں قرآن اور سنت میں کیا حکم ہے؟

(۵) یہ کہ اہل کتاب سے نکاح کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جو بھی تحریر کیا گیا ہے اللہ عزوجل کو حاضر و ناظر جان کر سچ لکھا گیا ہے۔ برائے مہربانی فقط عاقبت کو مدنظر رکھتے ہوئے تفصیل سے راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

الجواب بعون الملک الوهاب

سوال میں ذکر کردہ مسائل کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ دوسرا نکاح درست ہے اور اس کی وجہ سے پہلی بیوی کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

(۲) عزیز و اقارب سے اس کا ملنا جلنا اور کھانا پینا جاری رہنا چاہیئے، بلا وجہ قطع تعلق درست نہیں ہے۔

(۳) پہلی بیوی اور اس کے بچے، اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں محض شوہر کی دوسری شادی کرنے کی وجہ سے، پہلی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

(۴) جو لوگ محض جھوٹ اور بہتان گھڑ کر زید کے گھر کو برباد کرنا چاہتے ہیں، ایسے لوگ گنہگار ہیں، ان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور توبہ کریں۔

(۵) اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔

لما فی القرآن لکریم (البقرة:۲۲۱): وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ۔

وفيه ايضاً (النساء:۳): فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔

وفی المصنف لابن ابی شیبه (۱۵۷/۱۳) کتاب الادب: عن حفص بن عاصم عن النبی ﷺ قال: کفی

بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع۔

و فی مرقاة المفاتيح (۹/۵۶)الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل البدع لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماع بلا نزاع۔

وفی الدرالمختار(۳/۴۵) فصل فی المحرمات: (وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي مرسل (مقرة بكتاب) منزل وإن اعتقدوا المسيح إلها وكذا حل ذبيحتهم على المذهب بحروفي النهر تجوز مناكحة المعتزلة لأنا لا نكفر أحدا من أهل القبلة إن وقع إلزاما في المباحث۔

وفی الرد تحته: (قوله كتابية) اطلقبه فشمل الحربية والذمية والحرة والامة ح عن البحر۔

وفی التحرير المختار للرافعی(۳/۱۸۳): (قوله ماخوذ من الفتح حيث قال واما المعتزلة الخ) وجعل الرملی فی حاشية المنح المعتزلی والرافضی بمنزلة اهل الكتاب حيث قال قوله وصح نكاح كتابية اقول يدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا يجوز ان تتزوج المسلمة السنية من الرافضی لانها مسلمة وهو كافر فدخل تحت قولهم لايصح تزوج مسلمة بكافر اه وقال الرستغفنی لا تصح المناكحة بين اهل السنة والاعتزال اه فالرافضة مثلهم او اقبح والرملی جعلهم من قبيل اهل الكتاب فيجوز نكاح نسائهم ولا يزوّجون ولعله اعدل الاقوال لانه لايشك فی كفر الرافضة اه سندی۔

(۲۰۳) کافر جوڑا مسلمان ہوجائے تو نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر اور بیوی پہلے ہندو تھے اور کچھ مدت کے بعد دونوں نے اسلام قبول کرلیا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں پہلا نکاح باقی ہے۔

لمافی الهندية(۱/۳۳۷):إذا تزوج الذمي ذمية بغير شهود وهم يدينون ذلك فهو جائز حتى لو أسلما يقران على ذلك عند علمائنا الثلاثة۔

وفى الدرالمختار (١٨٦/٣): (أسلم المتزوجان بلا) سماء (شهود أو في عدة كافر معتقدين ذلك أقرا عليه)۔

وفى الرد تحته: قوله (أسلم المتزوجان الخ) وكذا لو ترافعا إلينا قبل الإسلام أقرا عليه ۔۔۔ قوله (أو في عدة كافر) احترز عن عدة مسلم ۔۔۔ قوله (معتقدين ذلك) فلو لم يكن جائزا عندهم يفرق بينهما اتفاقا لأنه وقع باطلا فيجب التجديد بحر۔

(۲۰۴) حالتِ کفر کے عدت میں کئے گئے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک کافر نے ایک کافرہ عورت کے ساتھ عدت طلاق میں نکاح کرلیا اور اس طرح نکاح اس کے دین میں جائز تھا بعد میں یہ دونوں مسلمان ہوگئے تو کیا ان کا نکاح برقرار رکھا جائے یا ان کے درمیان جدائی کی جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر معتدۃ الغیر کے ساتھ نکاح ان کفار کے ہاں جائز تھا تو بعد اسلام بھی ان کا نکاح برقرار رکھا جائے گا جیسا کہ عبارات ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

لمافی الهندية (٣٣٧/١): إذا تزوج الكافر في عدة كافر وهذا في دينهم جائز ثم أسلما أقرا عليه هذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في الهداية وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لا يقران عليه والصحيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المضمرات۔

وفى الدرالمختار(١٨٤/٣): (كل نكاح حرم بين المسلمين لفقد شرطه)لعدم شهود (يجوز في حقهم إذا اعتقدوه) عند الإمام (ويقرون عليه بعد الإسلام) ۔۔۔ (أسلم المتزوجان بلا) سماء (شهود أو في عدة كافر معتقدين ذلك أقرا عليه) ۔

وفى الرد تحته: قوله (كعدم شهود) وعدة من كافر قوله (عند الإمام) هو الصحيح كما في المضمرات قهستاني۔

فصل فی النکاح بالکتابۃ والھاتف والرسائل

(تحریر، موبائل، خط، میسیج اور جدید آلات وغیرہ کے ذریعے نکاح کا حکم)

(۲۰۵) ٹیلیفون کے ذریعہ نکاح کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! کیا درج ذیل صورتوں میں نکاح منعقد ہوجائے گا؟

(۱) لڑکا سعودی عرب میں ہے اور لڑکی پاکستان میں ہے۔ پاکستان میں مجلسِ نکاح منعقد کی جاتی ہے، اور پھر اسی مجلس میں لڑکے کو فون کیا جاتا ہے لڑکا فون پر اس طرح ایجاب کرتا ہے کہ اس کو دو گواہ سن لیتے ہیں اور آواز بھی پہچانتے ہیں، اور لڑکی قبول کرتی ہے، آیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا؟ کیا نکاح کے منعقد ہونے کیلئے گواہوں کا مجلسِ حقیقی میں موجود ہونا ضروری ہے، مجلسِ معنوی کا وجود کافی نہیں؟ جبکہ خیر الفتاویٰ (۴/۱۷۳، کتاب النکاح) میں مجلس معنوی کو کافی بتایا ہے۔

(۲) ایک لڑکا اور ایک لڑکی اکٹھے بیٹھ کر اس طرح ایجاب وقبول کرتے ہیں کہ ایجاب وقبول کو دو ایسے گواہ فون پر سنتے ہیں جو اس مجلس میں موجود نہیں ہوتے، کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا؟ کیا اس صورت میں بھی مجلسِ معنوی کا وجود کافی سمجھا جائے گا یا نہیں؟ دونوں صورتوں کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ٹیلیفون کے ذریعے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ نکاح کی صحت کیلئے گواہوں کا مجلسِ عقد میں موجود ہونا ضروری ہے جو کہ مذکورہ صورت میں نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول کو سننا بھی شرط ہے اور ٹیلیفون (اور دیگر آلاتِ جدیدہ) کے ذریعے یہ امکان موجود ہے کہ بولنے والا غیر عاقد ہو بلکہ آج کے زمانے میں تو آواز بدلنا، دھوکہ دینا اور دیگر مکروفریب ان ذرائع کے ذریعے عام ہیں جبکہ شریعت عورت کی عصمت کے بارے میں شدید احتیاط کی قائل ہے لہٰذا کسی صورت میں بھی ان آلات کے ذریعے نکاح کے انعقاد کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ نیز جب اس کا متبادل موجود ہے تو پھر خواہ مخواہ اپنے کو شبہات میں ڈالنا کوئی عقلمندی نہیں اور وہ یہ ہے کہ کسی اہل شخص کو اپنا وکیل بنا کر بھیج دے یا بذریعہ خط کسی کو اپنا وکیل بنادے وہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کردے۔

لمافی الدرالمختار (٢١/٣) كتاب النكاح:(وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح(فاهمين) أنه نكاح على المذهب۔

وفی الشامية تحته (ص٢٣): قال في الفتح ومن اشتراط السماع ما قدمناه في التزوج بالكتاب من أنه لا بد من سماع الشهود ما في الكتاب المشتمل على الخطبة بأن تقرأه المرأة عليهم أو سماعهم العبارة عنه بأن تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني ثم تشهدهم أنها زوجته نفسها اه لكن إذا كان الكتاب بلفظ الأمر بأن كتب زوجي نفسك مني لا يشترط سماع الشاهدين لما فيه بناء على أن صيغة الأمر توكيل لأنه لا يشترط الإشهاد على التوكيل۔

وفی الفتاویٰ اللجنه الدائمة للبحوث العلمية والافتاء(٩١/١٨): نظرا إلى ما كثر في هذه الأيام من التغرير والخداع، والمهارة في تقليد بعض الناس بعضا في الكلام وإحكام محاكاة غيرهم في الأصوات حتى إن أحدهم يقوى على أن يمثل جماعة من الذكور والإناث صغارا وكبارا، ويحاكيهم في أصواتهم وفي لغاتهم المختلفة محاكاة تلقي في نفس السامع أن المتكلمين أشخاص، وما هو إلا شخص واحد، ونظرا إلى عناية الشريعة الإسلامية بحفظ الفروج والأعراض، والاحتياط لذلك أكثر من الاحتياط لغيرها من عقود المعاملات رأت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد في عقود النكاح في الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية تحقيقا لمقاصد الشريعة، ومزيد عناية في حفظ الفروج والأعراض حتى لا يعبث أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداع.

(٢٠٦) میسج پر نکاح منعقد نہیں ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص میسج (Message) کرے کسی لڑکی کو اور وہ اس میں نکاح کا ایجاب کرے اور لڑکی اس کے جواب میں "قبول ہے" کا (Rply) کرے اور لڑکی کے پاس جو میسج آیا تھا اور جو اس لڑکی نے جواباً میسج کیا ہے اس کو لڑکی کا بھائی اور اس لڑکی کی سہیلیاں پڑھ لیں اور دوسرے طرف لڑکے کے دوست ان میسج کو پڑھ لیں تو اس طریقہ سے نکاح ہوجاتا ہے؟ اگر نہیں تو میسج پر نکاح کی کوئی ممکنہ جائز صورت ہے؟ اگر ہے تو برائے مہربانی تحریر فرمادیں اور نکاح جائز

نہ ہونے کی وجہ بھی تفصیل سے تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ بغیر اولیاء کے لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح کے معاملات کرنا شرفاء کا طریقہ کارنہیں نیز نکاح سے قبل لڑکے، لڑکی کا آپس میں ایک دوسرے کو میسج بھیجنا، یا فون پر بات کرنا جائز نہیں یہ انتہائی قبیح اور غیر اسلامی حرکت ہے البتہ اگر ایسی صورت پیش آجاتی ہے اور لڑکے کی طرف سے ایجاب کا میسج لڑکی پڑھ کر دو گواہوں کو سنائے اور پھر اسے قبول کرلے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی نے وہ میسج پڑھ کر نہیں سنایا اور گواہوں نے لڑکی کے قبول کے الفاظ نہیں سنے لہٰذا یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لما فی الشامية (۱۲/۳) كتاب النكاح: مطلب التزوج بإرسال كتاب قوله (ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر والأظهر أن يقول فقالت قبلت الخ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبة تأمل ---ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين بخلاف ما إذا انتفيا۔

(۲۰۷) انٹرنیٹ پر نکاح

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست امریکہ میں مقیم ہیں ان کا نکاح ایک پاکستانی لڑکی کے ساتھ (براہ راست) ویڈیو کانفرس کے ذریعے ہوا اور اس کی صورت یہ تھی کہ لڑکا امریکہ میں اور لڑکی پاکستان میں دو دو گواہوں اور دیگر اولیاء کے ساتھ ایک ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔ اب نکاح کی مکمل کارروائی دونوں فریقوں نے کمپیوٹر اسکرین پر براہ راست دیکھی جس کا انٹرنیٹ کے ذریعے براہ راست تبادلہ جاری تھا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس بارے میں کوئی گنجائش دی جاسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح منعقد نہیں ہوا، اس لئے کہ نکاح میں لڑکے اور لڑکی کا یا پھر ان کے وکیل کا گواہوں کے ساتھ ایک مجلس میں ہونا ضروری

ہے، جبکہ صورتِ مسئولہ میں مجلس کا اتحاد نہیں پایا جارہا، رہا کمپیوٹر اسکرین پر تصویر کا دکھائی دینا تو اس میں احتمالِ خدع (دھوکہ) موجود ہے، ممکن ہے کہ سامنے دکھائی دینے والی تصویر حقیقی نہ ہو بلکہ سائنس وکمپیوٹر کا کمال ہو، لہٰذا نکاح منعقد نہیں ہوا اور شریعت نے جب اتنی رخصت دی ہے کہ لڑکا یا لڑکی کسی وجہ سے مجلس عقد میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں تو اپنی طرف سے کوئی وکیل مقرر کردیں تو پھر خواہ مخواہ نکاح میں ان آلات کے استعمال کی ضرورت نہیں۔

لمافي الهندية(۱/۲۶۸): رجل زوج ابنته من رجل في بيت وقوم في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم إن كان من هذا البيت إلى ذلك البيت كوة رأوا الأب منها تقبل شهادتهم وإن لم يروا الأب لا تقبل كذا في الذخيرة۔

وفيه ايضاً(۱/۲۹۴): يصح التوكيل بالنكاح وان لم يحضره الشهود۔

وفي الشامية (۳/۹۵): واعلم أنه لا تشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل على عقد الوكيل وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها۔

(۲۰۸) بذریعہ کانفرنس کال یا کیمرے والے موبائل کے ذریعے نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بذریعہ ٹیلیفون کے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں کہ جب (کانفرنس کال) کے ذریعے یہ عقد دونوں فریقوں کے درمیان ہو رہا ہو اور ان کے علاوہ کم از کم دو مزید افراد (لائن) پر بطور گواہ کے موجود ہیں یا پھر دونوں فریقوں نے اپنے "فونوں" کا لاؤڈ اسپیکر کھول رکھا ہو کہ جس سے دونوں اطراف میں اور بھی کئی لوگ اس گفتگو کو براہ راست سن رہے ہوں۔

(۲)...... یا اسی طرح ہر دو فریق ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس میں آواز کا مشتبہ ہونا ختم ہو جائے مثلاً اپنے فون پر کیمرے کا نصب کرنا کہ جو ان کی تصاویر کو بھی دوسری طرف سے ارسال کر رہا ہو۔

الجواب بعون الملك الوهاب

بذریعہ ٹیلی فون دونوں طرف گواہوں کی موجودگی میں مرد وعورت کا ایجاب وقبول کرنا اگرچہ فون پر تصویر بھی دکھائی دے رہی ہو، مجلس کے شرعاً ایک نہ ہونے اور دوسری وجوہ فاسدہ پر مشتمل ہونے کی بنا پر شرعاً اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا اور وجہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے عورت کی عزت وعصمت کے تحفظ کے بارے میں بڑی احتیاط کی ہے اور نکاح میں بھی عورت کی عزت وعصمت کا مسئلہ ہوتا ہے، اس لئے ہر وہ طریقہ جس میں دھوکہ اور جعل سازی کا امکان ہو، نکاح کے معاملہ میں معتبر نہ ہوگا۔ نیز چونکہ دور حاضر میں ایسے

بہت سے آلات اور طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جس سے ایک آدمی کی تصویر دکھا کر دوسرے کی آواز سنادی جاتی ہے یا اس کے برعکس کیا جاتا ہے اس لئے نکاح کے معاملے میں شرعی احکام کی پاسداری اور عورت کی عزت وعصمت کی حفاظت کی وجہ سے اس قسم کی چیزوں پر اعتماد نہیں کیا جائے گا تاکہ بے دین اور فاسق وفاجر لوگوں کو ایسے معاملات میں دھوکہ دہی اور ان کو کھیل بنالینے کی کھلی چھوٹ نہ مل جائے البتہ اگر یہ صورت اختیار کرلی جائے کہ فریق اوّل کسی کو یہاں اپنا وکیل بنالے اور وہ وکیل اس کی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے تو نکاح منعقد شمار ہوگا۔

لمافی الدر المختار (۱۴/۳):ومن شرائط الإیجاب القبول اتحاد المجلس لو حاضرین وإن طال کمخیرۃ۔

وفی الرد تحته:(قوله: اتحاد المجلس) قال فی البحر فلو اختلف المجلس لم ینعقد۔

وفی الفتاویٰ اللجنه الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء(۹۱/۱۸): رأت اللجنة أنه ینبغي ألا یعتمد في عقود النكاح في الإیجاب والقبول والتوكیل على المحادثات التلیفونیة تحقیقا لمقاصد الشریعة، ومزید عنایة في حفظ الفروج والأعراض حتى لا یعبث أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداع.

(۲۰۹) فیس بک اور ٹیوٹر پر نکاح پڑھانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل فیس بک اور ٹیوٹر کا طریقہ چل رہا ہے لڑکے لڑکی گروپ بنا کر آپس میں ٹیوٹ کرتے ہیں مثلاً ۱۵ بندوں کا ایک گروپ ہے ایک شخص یہاں کراچی سے پیغام چھوڑ دیتا ہے کہ گرمی ہو رہی ہے تو باقی چودہ کراچی یا پاکستان میں جہاں ہوں وہ اپنے اعتبار سے پیغام کا جواب دیتے ہیں اس طرح مشترکہ بات چیت چلتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اگر لڑکا یہ پیغام چھوڑ دے کہ میں انیلہ سے نکاح کرتا ہوں اور انیلہ ٹیوٹر پر ہی قبول کا پیغام چھوڑ دے، باقی ۱۳ بھی مشاہدہ کرلیں تو کیا نکاح ہو جائے گا؟ یا انیلہ کے پاس اس کے دو بہنیں اور ایک بھائی بیٹھا ہو اور انیلہ منہ سے بول دے قبول کیا اور بھائی بہن سن لیں تو نکاح ہوگا؟ ازراہ کرم ٹیوٹر کے تمام احکام بسطِ مشفی کے ساتھ بیان کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

انعقادِ نکاح کیلئے ضروری ہے کہ دو گواہ مجلسِ نکاح میں حاضر ہوں اور ایجاب وقبول سنیں۔صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ گواہ مجلسِ نکاح میں ایجاب اور قبول نہیں سن رہے۔اگر دوسرے شہر یا ملک میں نکاح کرنا ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس شہر میں

کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کردیں وکیل اس کی طرف سے دوسرے فریق کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے اس طرح نکاح صحیح ہوجائے گا یا جب عورت کے پاس مرد کا پیغام جائے تو عورت مرد کے پیغام کو دو گواہوں کے سامنے پڑھے اور پھر اُس کو گواہوں کے سامنے قبول کرے اُس طرح ایجاب اور قبول کو گواہ مجلسِ نکاح میں سن لیں گے اور نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ گواہ مرد کو جانتے ہوں اور پیغام بھی اُسی مرد کا ہو۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۴۸/۲) (ط رشیدیه): لأن سماع الشهود كلام المتعاقدين شرط انعقاد النكاح فالشهود وإن سمعوا كلامها لكن لم يسمعوا كلام الزوج ولو قرأت الكتاب على الشهود أو قالت إن فلانا كتب إلى يخطبني فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه صح النكاح۔

وفی التاتارخانية (۱۲۶/۴) (ط فاروقيه): ويصح النكاح بالوكالة والرسالة والكتابة لأنه عقد ينعقد بالرضا والإنابة۔

وفی الهندية كتاب النكاح (۲۶۷/۱)(ط: ماجديه): وأما شروطه ـــ ومنها سماع الشاهدين كلامهما معاهكذا فی فتح القدير ـــ ولا ارسل اليها رسولا اوكتب اليها بذلك كتابا ـــ جاز لاتحاد المجلس من حيث المعنى ـ

وفی الدرالمختار كتاب النكاح (۱۲/۳): بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب ما لم يكن بلفظ الأمر فيتولى الطرفين ـ

وفيه أيضاً(۲۱/۳): (وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح۔

(۲۱۰) موبائل وغیرہ پر نکاح کے عدم انعقاد پر ایک شبہ کا جواب

سؤال

ایک عالم صاحب بتارہے تھے کہ موبائل پر نکاح منعقد نہیں ہوتا لیکن اگر لڑکی باہر ہے اور وہ اپنا وکیل موبائل کے ذریعے بنا دے تو وکیل نکاح کرادے وجہ یہ بتائی کہ بندہ تبدیل ہونے اور آواز کے اشتباہ کا خوف ہے اس لئے براہ راست موبائل اور انٹرنیٹ پر نکاح منعقد نہیں ہوگا البتہ وکالت درست ہے۔ اشکال یہ ہے کہ وکالت میں اگرچہ اتحاد مجلس اور حضور شاہدین ضروری نہ ہو لیکن لڑکی سے اس کے نکاح کی وکالت کے باب میں بڑی سخت شرائط لگائی جاتی ہے کہ وہاں کمرے میں کوئی اور عورت نہ ہو آواز سمجھتے ہوں الخ وکالتِ نکاح کے مسائل سے آپ زیادہ واقف ہوں گے اب یہاں نیٹ یا موبائل پر وکالت میں بھی تو یہ احتمال موجود ہے، کہ بندہ تبدیل ہو وہ

کی وہاں نہ ہو تو وکالت میں اتنی کھلی اجازت کیوں دی جاتی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ نکاح موقوف علی الاجازت ہوگا تو یہ تو براہِ راست نکاح میں بھی کہا جاسکتا ہے۔بندے کا خیال ہے کہ فتاویٰ لجنہ دائمہ میں بھی موبائل کے ذریعے وکالت کو علماء حرمین نے منع کہا ہے اسے بھی دیکھ لیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

موبائل یا انٹرنیٹ پر ایجاب وقبول کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا البتہ جدید ذرائع کے ذریعے نکاح کا وکیل بنایا جائے تو یہ درست ہے۔بعد ازاں وکیل مؤکل کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

فاضل مستفتی مسئلے کی اصل علت میں خلط کی وجہ سے تردد کا شکار ہوگئے ہیں درحقیقت مسئلے کی علت اشتباہ نہیں کہ موبائل یا انٹرنیٹ یا ٹیلیفون پر بات کرنے والا غیر شخص بھی ہوسکتا ہے بلکہ علت حقیقۃً اتحاد مجلس اور حضور شاہدین ہے یہی ہمارے مسئلے میں نکاح اور توکیل بالنکاح میں فرق کی وجہ بن رہی ہے نکاح کے لئے عاقدین کا ایک مجلس میں ایجاب وقبول کرنا نیز گواہوں کا بیک وقت اس ایجاب وقبول کا سننا شرط ہے اس کے بغیر انعقاد نکاح محال ہے جبکہ وکالت کے لئے نہ مؤکل اور وکیل کی مجلس متحد ہونا ضروری ہے نہ گواہوں کا موجود ہونا صحت وکالت کی شرط ہے اسی وجہ سے اگر انٹرنیٹ کے ذریعے لائیو (Live) کال کرکے جس میں بولنے والے کی تصویر بھی براہ راست آرہی ہو اس میں اشتباہ بہت کم رہ جاتا ہے بلکہ ایک حد تک ختم ہوجاتا ہے لیکن پھر بھی اس کال کے ذریعے نکاح کا ایجاب وقبول کرنا صحیح نہیں کیونکہ اشتباہ اگرچہ نہ ہو لیکن اتحاد مجلس کی شرط موجود نہیں لہٰذا موبائل پر نکاح کے منعقد ہونے کی اصل وجہ اختلاف مجلس اور عدم حضور شاہدین ہے اور وکالت اس لئے درست ہے کہ وکالت میں یہ چیزیں ضروری نہیں۔

البتہ فتاوی لجنہ دائمہ میں علماء حرمین نے نکاح کے ساتھ ساتھ توکیل بالنکاح کو بھی منع لکھا ہے، لجنہ کی عبارت یہ ہے:

"نظرا إلى ما كثر في هذه الأيام من التغرير والخداع، والمهارة في تقليد بعض الناس بعضا في الكلام وإحكام محاكاة غيرهم في الأصوات حتى إن أحدهم يقوى على أن يمثل جماعة من الذكور والإناث صغارا وكبارا، ويحاكيهم في أصواتهم وفي لغاتهم المختلفة محاكاة تلقي في نفس السامع أن المتكلمين أشخاص، وما هو إلا شخص واحد، ونظرا إلى عناية الشريعة الإسلامية بحفظ الفروج والأعراض، والاحتياط لذلك أكثر من الاحتياط لغيرها من عقود المعاملات رأت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد في عقود النكاح في الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية تحقيقا لمقاصد الشريعة، ومزيد عناية في حفظ الفروج والأعراض حتى لا يعبث أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداع."

''دورِ حاضر میں درج ذیل چیزوں کا رواج عام ہوچکا ہے دھوکہ دینا، بعض کا بعض کی طرح گفتگو کرلینا، دوسرے کی آواز کی

نقل اتار لینا، یہاں تک کہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو چھوٹے بڑے مردوں اور عورتوں کی نہ صرف آواز کی نقل کر لیتے ہیں بلکہ ان کے لب ولجہ اور مختلف زبانوں پر بھی عبور رکھنے کی وجہ سے ایسی نقل کرتے ہیں کہ سننے والا سمجھتا ہے کہ بہت سے لوگ بیٹھے بات کر رہے ہیں درحقیقت وہ ایک ہی شخص ہوتا ہے تو لجنہ نے ایک طرف انہیں مدنظر رکھا اور دوسری طرف اس بات کو کہ شریعت نے عورت کی عزت وعصمت کی بہت حفاظت کی ہے اور اس معاملے میں دیگر معاملات کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط برتی ہے۔ اس لئے لجنہ کا خیال ہے کہ نکاح جیسے معاملات میں ایجاب وقبول اور توکیل میں ٹیلیفون جیسے ذرائع پر اعتماد نہ کیا جائے تاکہ شریعت کے مقاصد کا حصول متحقق ہو جائے۔"

(فتاوی لجنہ دائمہ ۱۸/۹۱)

ظاہر ہے کہ یہاں صرف اشتباہ کا احتمال ہے جس کی وجہ سے لجنہ میں اس سے اجتناب کا ذکر ہے لیکن اس اشتباہ کو دور کرنے کی صورت موجود ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص وکیل بنا رہا ہے وہ اگر اپنا نام یا آواز تبدیل کر کے وکیل بنائے تو اس صورت میں وکیل اگر موکل کو جانتا ہے تو وکالت درست ہو جائے گی ورنہ (اگر لائن پر کوئی دوسرا شخص آواز بدل کر بات کر رہا ہو تو) پھر وکیل کا پڑھایا نکاح اصل موکل کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اتحاد مجلس اور حضور شاہدین کے نہ پائے جانے کی وجہ سے موبائل یا انٹرنیٹ وغیرہ پر نکاح منعقد نہ ہوگا البتہ توکیل میں چونکہ یہ چیزیں شرط نہیں لہٰذا وہ درست ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص آواز بدل کر بھی وکیل بنا دیتا ہے تو نکاح اصل شخص کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

لما فی ملتقی الابحر (۲۳۸/۱) وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر و حضور حرین أو حرو حرتین مکلفین مسلمین ان الزوجة مسلمة سامعین معا لفظهما فلایصح ان سمعا متفرقین۔

وفی الهندية (۲۶۸/۱): (ومنها) سماع الشاهدين كلا مهما هكذا فی فتح القدير۔

وفی الدرالمختار (۲۱/۳): (وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح۔

(۲۱۱) خط کے ذریعے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خط کے ذریعے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خط کے ذریعے نکاح منعقد ہوجاتا ہے لیکن اس کیلئے شرط یہ ہے کہ جب عورت کو وہ خط ملے تو دو گواہوں کے سامنے وہ خط پڑھے اور یہ کہے کہ فلاں نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے اور تم گواہ رہو کہ میں نے اپنا نکاح اس سے کر دیا ہے کیونکہ گواہوں کا ایجاب وقبول سنا صحت نکاح کیلئے شرط ہے۔

لمافی الهندية (۲۶۹/۱): ولو قالت إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه صح النكاح لأن الشهود سمعوا كلامهما بإيجاب العقد وسمعوا كلام الخاطب بإسماعها إياهم۔

وفي الشامية (۱۲/۳): قال ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين۔

(۲۱۲) بذریعہ ٹیلیفون کئے گئے نکاح سے پیدا شدہ بچے ثابت النسب ہوں گے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل لوگ ٹیلی فون پر نکاح کر لیتے ہیں۔ کیا اس طرح نکاح درست ہے؟ اور اگر درست نہیں تو جو بچے پیدا ہوں گے وہ ثابت النسب ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ٹیلیفون پر نکاح اگر براہ راست ہوا ہے بایں طور کہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایک فریق کی طرف سے ایجاب ہوا اور پھر ٹیلیفون پر دوسرے فریق سے قبول کرایا گیا تو یہ نکاح فاسد ہوگا کیونکہ یہاں ایجاب وقبول کی مجلس متحد نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ گواہان نے بذریعہ ٹیلیفون قبول ہونے کو اکٹھے نہیں سنا۔ نکاح فاسد کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد نے عورت سے جماع کر لیا تو اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کا نسب اس مرد سے ثابت ہوجائے گا۔

ٹیلیفون پر نکاح کرنے کی اگر نوبت آجائے تو اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک فریق، فریقِ ثانی کو یا کسی اور شخص کو اپنی طرف سے نکاح کے لئے وکیل بنادے اور وہ وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں بحیثیت وکیل ایجاب وقبول کا فریضہ انجام دے۔ مثلاً: زید کسی شخص کو بذریعہ خط کے اپنا وکیل بنادے میں تم کو ہندہ بنت فلاں سے اپنے نکاح کا وکیل بناتا ہوں، اب وہ وکیل یہ

کرے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں ہندہ سے ایجاب کرلے اور خود زید کی طرف سے قبول کرلے تو اس طرح نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لمافی الهندية(۳۳۰/۱):ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد وتعتبر مدة النسب، من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالى وعليه الفتوى قاله أبو الليث كذا في التبيين۔

(۲۱۳)بذریعہ تحریر نکاح اور طلاق کے وقوع میں فرق کی وجہ

سؤال

اگر لڑکا لڑکی (دونوں بالغ) تحریری طور پر ایجاب وقبول کرکے نکاح کریں اور دونوں زبان سے کچھ بھی نہ کہیں تو یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو بذریعہ تحریر یعنی صرف لکھنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور نکاح نہیں دونوں میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کیلئے زبان سے کچھ کہے بغیر صرف تحریری طور پر ایجاب وقبول کیا جائے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا لیکن تحریراً برضاورغبت طلاق لکھ کردینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے ان دونوں کے درمیان فرق بالکل واضح ہے کہ نکاح کے انعقاد کیلئے دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے نیز عاقدین کا ایک دوسرے کے کلام کو سننا اور گواہوں کیلئے بیک وقت عاقدین کے کلام کو سننا بھی شرط ہے جو کہ تحریراً نکاح کی صورت میں نہیں پایا جاتا جبکہ طلاق کے وقوع کیلئے نہ گواہ شرط ہیں نہ کسی شخص کا طلاق کے الفاظ کا سننا شرط ہے لہٰذا برضاورغبت لکھ کر طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

لمافی الجوهرة النيرة (۶۷/۲): ومن شرط الشهادة فی انعقاد النكاح ان يسمع الشهود كلامهما جميعا فی حالة واحدة۔

وفی فتح القدير(۲۰۳/۳):ونص القدوري وغيره على اشتراط السماع ولأنه المقصود بالحضور فلا يجوز بالأصمين على ما هو الأصح وعن اشتراط السماع ما قدمناه في التزوج بالكتابة من أنه لا بد من سماع الشهود ما في الكتاب المشتمل على الخطبة بأن تقرأه المرأة عليهم أو سماعهم العبارة عنه۔

وفی الدرالمختار (۲۱/۳):(وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح۔

وفی الشامية (۲۴۶/۳):مطلب في الطلاق بالكتابة قوله (كتب الطلاق الخ) قال في الهندية

الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔

(۲۱۴) جانبین کے خط سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں لاہور میڈیکل کالج میں تھا تو کراچی سے ایک لڑکی نے مجھے نکاح کے بارے میں خط لکھا اور اپنی تصویر بھی ساتھ بھیج دی میں نے نکاح قبول کر کے خط لکھ دیا اور مہر پچاس ہزار لکھ دیا کچھ دنوں پہلے ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ خط کے ذریعے نکاح نہیں ہوتا تو مجھے تردد ہوا، اب آپ حضرات میرے تردد کو دور کریں اور بتائیں کہ میرا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خط کے ذریعے نکاح میں یہ ضروری ہے کہ خط وصول کرنے والا دو گواہوں کے سامنے اس خط کی عبارت پڑھے اور پھر نکاح کو قبول کر لے۔ دونوں طرف سے خط بھیج دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کا نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لما فی الشامیة(۱۲/۳): مطلب التزوج بإرسال كتاب قوله (ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر ۔۔۔ قوله (فتح) فإنه قال ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين۔

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(نکاح میں اکراہ کا بیان)

(۲۱۵) زبردستی ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے

سؤال

مفتی صاحب مجھے آپ سے ایک اہم مسئلے کے متعلق دریافت کرنا ہے مسئلہ یہ پیش آیا کہ ہمارے علاقے کے ایک شخص کو جمیلہ نامی لڑکی سے محبت ہوگئی اس نے کافی زور لگایا لیکن بات بن نہ پائی کیونکہ جمیلہ ہی شادی پر تیار نہ تھی ایک رات وہ شخص اپنے دوستوں کے ہمراہ جمیلہ کے گھر گیا اور زبردستی نکاح پڑھوالیا جمیلہ قطعاً تیار نہ تھی لیکن اس کے باپ کا منہ پیسوں کے ذریعے خرید لیا گیا اور زدوکوب کرکے جمیلہ سے قبول کرالیا گیا لیکن مفتی صاحب وہ قطعاً راضی نہیں تھی اور پاگل ہونے کے قریب ہے محلے والوں کو پتہ چلا تو اکثریت نے کہا کہ یہ نکاح نہیں ہوا نکاح رضامندی کے بغیر نہیں ہوتا۔ مسئلہ پیچیدہ ہوتا جارہا ہے آپ سے گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص نے انتہائی قبیح فعل کا ارتکاب کیا ہے اور باپ نے بھی اپنے سرپرست ہونے کا حق ادا نہیں کیا لیکن اگر جمیلہ نے زبان سے قبول کے الفاظ کہہ دیئے تو یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے نکاح جیسے عام حالات میں منعقد ہوجاتا ہے اسی طرح زبردستی منہ سے کہلوالیا جائے تب بھی منعقد ہوجاتا ہے لیکن اگر قبول میں زبان سے الفاظ نہ کہے گئے ہوں بلکہ جمیلہ سے فقط دستخط کروائے گئے ہوں یا انگوٹھا لگوایا گیا ہو تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الشامية (۲۱/۳): قوله (ليتحقق رضاهما) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل رحمتي--- إلى قوله--- وأما ما ذكر من أن نكاح المكره صحيح إن كان هو الرجل وإن كان هو المرأة فهو فاسد فلم أر من ذكره وإن أوهم كلام القهستاني السابق ذلك بل عبارتهم مطلقة في أن نكاح المكره صحيح كطلاقه وعتقه مما يصح مع الهزل ولفظ المكره شامل للرجل والمرأة۔

وفیه ایضاً(۲۳۶/۳): قوله (نكاح) يشمل ما إذا أكره الزوج أو الزوجة على عقد النكاح كما هو مقتضى إطلاقهم

وفی الفقه الاسلامی (۴۴۵۲/۶): ويرى جمهور الأئمة غير الحنفية أن الإكراه يؤثر في هذه التصرفات، فيفسدها. فلا يقع طلاق المكره مثلاً، لا يثبت عقد النكاح بالإكراه ونحوهما. وهذا هو الأرجح۔

(۲۱۶)عورت کو اغواء کر کے زبردستی دستخط کروانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کو اغواء کیا جائے پھر اس سے زبردستی نکاح کیا جائے زبردستی دستخط یا انگوٹھا لگوایا جائے تو کیا اس طرح اس کا نکاح منعقد ہو جائے گا جبکہ عورت عاقلہ بالغہ ہے اور بالکل نکاح کیلئے تیار نہیں۔تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کو اغوا کرنا اور پھر اس سے زبردستی نکاح کرنا بہت برا، قبیح اور موجب گناہ فعل ہے ایسا ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہیئے تاہم اگر کسی نے ایسا کر لیا تو نکاح منعقد ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ عورت سے اگر صرف زبردستی نکاح نامے پر دستخط کرائے گئے یا انگوٹھا لگوایا گیا،لیکن زبانی ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوا اور اگر انگوٹھے اور دستخط کے ساتھ ساتھ زبانی ایجاب قبول بھی کرایا گیا، تو اگر مرد عورت کا کفو نہیں تو اس صورت میں بھی نکاح منعقد نہیں ہوا لیکن اگر مرد عورت کا کفوء ہے تو نکاح منعقد ہو گیا۔

لمافی سنن ابی داود (۲۸۵/۱):عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لا تنكح الثيب حتى تستأمر ولا البكر إلا بإذنها ۔۔۔ عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تستأمر اليتيمة فی نفسها فإن سكتت فهو إذنها وإن أبت فلا جواز عليها ۔

وفی الشامیة (۸۴/۳): قوله (الكفاءة معتبرة) قالوا معناه معتبرة في اللزوم على الأولياء حتى أن عند عدمها جاز للولي الفسخ اه فتح وهذا بناء على ظاهر الرواية من أن العقد صحيح وللولي الاعتراض أما على رواية الحسن المختارة للفتوى من أنه لا يصح فالمعنى معتبرة في الصحة وكذا لو كانت الزوجة صغيرة والعاقد غير الأب والجد فقد مر أن العقد لا يصح ۔

(۲۱۷) زبردستی انگوٹھا لگوانے سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا

سؤال

میرا ایک دوست ہے وہ ایک دن مجھے اپنا واقعہ سنا رہا تھا کہ میری ایک بہن ہے جو عاقلہ بالغہ تھی میں اپنے گھر میں بڑا تھا چنانچہ میں نے اس بہن کا رشتہ اپنے ایک جاننے والے کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا نکاح وغیرہ کی تاریخ طے ہوگئی جس دن نکاح تھا تو عین نکاح کے وقت میری بہن نے انکار کرنا شروع کر دیا اس پر مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے اس کو مار پیٹ کر فارم پر اس کا انگوٹھا لگوا دیا اور مزید اس دوست نے یہ کہا کہ نہ ہی میری بہن نے مجھے وکیل بنایا اور نہ ہی ایجاب وقبول ہوا بلکہ اس نے تو انکار کر دیا لیکن میں نے جعلی طور پر فرضی گواہ اور وکیل بنا کر فارم پُر کر دیا، تو اب مفتی صاحب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس مذکورہ صورت میں میرے دوست کی بہن کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت اگر عاقلہ بالغہ ہو تو اس سے نکاح کی اجازت لینا ضروری ہے اور نکاح زبانی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے نیز گواہوں کا ہونا شرط ہے جبکہ صورت مسئولہ میں نہ زبانی ایجاب وقبول ہوا نہ گواہ پائے گئے، زبردستی انگوٹھا لگوانے سے نکاح منعقد نہیں ہوا جبکہ مذکورہ لڑکی کی اجازت بھی نہیں پائی گئی۔

لمافی الهندية (۱/۲۸۷): لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكرا كانت أو ثيبا فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردته بطل كذا في السراج الوهاج۔

وفي الشامية (۳/۲۱): قوله (ليتحقق رضاهما) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل رحمتي۔۔۔ الى قوله ۔۔۔ وأما ما ذكر من أن نكاح المكره صحيح إن كان هو الرجل وإن كان هو المرأة فهو فاسد فلم أر من ذكره وإن أوهم كلام القهستاني السابق ذلك بل عبارتهم مطلقة في أن نكاح المكره صحيح كطلاقه وعتقه مما يصح مع الهزل ولفظ المكره شامل للرجل والمرأة۔

باب من یحل بہ النکاح ومن لا یحل

(نکاح کیلئے حلال اور حرام عورتوں کا بیان)

(۲۱۸) کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے ناجائز؟

سؤال

ہم لوگ پہاڑ میں رہتے ہیں جہاں کوئی عالم، مفتی نہیں ہے جو ہمیں مسائل بتائے اس لئے کافی پریشانی ہوتی ہے خصوصاً نکاح کے موقعہ پر کہ کس عورت سے شادی جائز ہے کس سے جائز نہیں، آپ لوگ ہماری راہنمائی فرمائیں اور تفصیل سے بتائیں کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ اور کن سے جائز نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

درج ذیل اقسام کی عورتوں سے نکاح حرام ہے:

(۱) وہ عورتیں جو مرد کی محرم ہوں ان سے زندگی کے کسی بھی موقع پر نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ ماں، دادی، نانی وغیرہ اوپر تک۔

۲۔ اولاد، اولاد کی اولاد آخر تک۔

۳۔ بہنیں پھر ان کی اولاد نیچے تک۔

۴۔ خالہ، پھوپھی اور اسی طرح باپ کی خالہ، پھوپھی وغیرہ آخر تک۔

(۲) رضاعت سے بھی یہ چاروں قسم کے رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام تھے۔

(۳) مصاھرت کی وجہ سے چار اقسام کے رشتے حرام ہوجاتے ہیں۔

۱۔ خاوند کا باپ، دادا وغیرہ اوپر تک۔

۲۔ بیوی کی ماں، نانی، دادی وغیرہ اوپر تک۔

۳۔ خاوند کے لڑکے جو کسی اور بیوی سے ہوں حرام ہیں چاہے دخول ہو یا نہ ہو۔

۴۔ربیبہ(بیوی کی دوسرے شوہر سے پیدا شدہ لڑکی)مرد پر حرام ہے بشرطیکہ بیوی سے دخول ہو چکا ہو۔

(۴)محرمات بالجمع: یعنی جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں مثلاً خالہ، بھانجی اور دو بہنیں وغیرہ انہیں بیک وقت نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

(۵)آزاد آدمی کا چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے۔

(۶)مطلقہ ثلاثہ سے بھی حلالہ شرعیہ سے قبل نکاح حرام ہے۔

(۷)غیر کی منکوحہ یا معتدہ سے بھی نکاح حرام ہے۔

(۸)کفار و مشرکین وغیرہ سے بھی نکاح حرام ہے۔

ان مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ باقی تمام عورتوں سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے البتہ درپیش نکاح کی حلت یا حرمت میں اگر کوئی ابہام ہو تو اسے تحریراً پوچھ لیا جائے۔

لما في القرآن الكريم (سورة النساء:۲۳) وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلاً۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُم مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّاتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

وفي الشامية (۲۸/۳): قوله (قرابة) كفروعه وهم بناته وبنات أولاده وإن سفلن وأصوله وهم أمهاته وأمهات أمهاته وآبائه وإن علون وفروع أبويه وإن نزلن فتحرم بنات الإخوة والأخوات وبنات أولاد الأخوة والأخوات وإن نزلن وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح قوله (مصاهرة) كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات وجداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح فتح وكذا المقبلات أو الملموسات بشهوة لأصوله أو فروعه أو من قبل أو لمس أصولهن أو فروعهن قوله (رضاع) فيحرم به ما يحرم من النسب إلا ما استثنى

كما سيأتي في بابه وهذه الثلاثة محرمة على التأبيد قوله (جمع) أي بين المحارم كأختين ونحوهما أو بين الأجنبيات زيادة على أربع قوله (ملك) كنكاح السيد أمته والسيدة عبدها۔۔۔أو ملكها لبعضه قوله (شرك) عبارة الفتح عدم الدين السماوي كالمجوسية والمشركة اھ وتشمل أيضا المرتدة ونافية الصانع تعالى۔

(۲۱۹) کسی عورت کو خون دینے سے وہ محرم نہیں بنتی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک جگہ شادی کرلی ہے لیکن بیوی اکثر بیمار رہتی ہے اب میں دوسری جگہ شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں اس لڑکی کی ماں کو میری بہن نے خون دیا تھا تو کیا میں یہ شادی کرسکتا ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت اسلامیہ نے محرمیت کو نسب، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے ان سے تجاوز کرنا صحیح نہیں اور رضاعت سے بھی ثبوت محرمیت کیلئے مدت رضاعت کا اعتبار کیا ہے مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اگر کسی شخص نے بحالت مجبوری کسی کو خون دیا تو اس سے ان کے درمیان کسی قسم کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ایسے شخص سے یا اس کے اصول وفروع سے خون دینے والے یا اس کی اولاد اور بھائی بہن وغیرہ کیلئے نکاح کرنا درست ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ پایا جاتا ہو، البتہ دوسری شادی کرنے کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ آدمی دونوں بیویوں کے درمیان عدل ومساوات سے کام لے اس لئے مذکورہ صورت میں اگرچہ پہلی بیوی بیمار ہے لیکن پھر بھی شوہر کیلئے لازم ہے کہ وہ دوسری شادی کے بعد بھی اس کے حقوق کی پوری پوری رعایت رکھے اور اس کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہ کرے۔

لما في القرآن الحكيم (النساء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفي السنن للامام ابي داود (۱/۲۹۰): عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كانت له امرأتان فمال إلى إحداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل.

وفي الدر المختار (۳/۲۱۱): (ويثبت التحريم) في المدة فقط ۔۔۔ الى قوله۔۔۔ (ولم يبح الإرضاع بعد مدته) لأنه جزء آدمي والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية وفي

البحر لا يجوز التداوي بالمحرم في ظاهر المذهب أصله بول المأكول كما مر۔

وفي الردتحته: قوله (في المدة فقط) أما بعدها فإنه لا يوجب التحريم بحر ۔۔۔ قوله (ولم يبح الإرضاع بعد مدته) ۔۔۔ ولا يخفى أن التداوي بالمحرم لا يجوز في ظاهر المذهب أصله بول ما يؤكل لحمه فإنه لا يشرب أصلا اه قوله (بالمحرم) أي المحرم استعماله طاهرا كان أو نجسا ح۔

وفي الفتاوىٰ اللجنة (۲۱/۱۳۶): انتقال الدم من شخص لآخر لا يسمى رضاعا لغة ولا شرعا ولا عرفا فلهذا لا يثبت له شيء من أحكام الرضاع من نشر الحرمة وثبوت المحرمية وغيرها ، فإن قيل : إن أصل اللبن من الدم فيعطى حكمه ، قلنا : لا نسلم بهذا ؛ لأنه قد تغير بالاستحالة ، وانقلب بقدرة الله من دم إلى لبن فاختص به الحكم دون أصله ، وأيضا فالرضاع مما لا مجال للاجتهاد فيه ؛ لأنه من المقدرات ، فأشبه الأمر التعبدي ، فلهذا لا يصح القياس عليه مما ذكرتم من وجود التغذية بالدم ولأن الأصل فيه قبل الشرع أنه لا يترتب عليه شيء من الأحكام حتى ورد النص بذلك فتقتصر على ما ورد فيه النص ، وهو الرضاع المستجمع للشروط بكونه لبنا من ثدي امرأة ثاب عن حمل، وقد استكمل خمس رضعات فأكثر في الحولين .

(۲۲۰) بیوی مرتدہ ہوجائے تو اس کی بہن سے نکاح کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی بیوی ہندہ زید سے تنگ آ گئی اور کلمۂ کفر کہہ کر مرتدہ ہوگئی۔ آیا زید کیلئے اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہندہ کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا اور مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ اس کا نکاح زید سے کیا جائے گا یہ اس وقت جب زید اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے اگر زید اس سے دوبارہ نکاح نہ کرنا چاہے یا یہ عورت مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے تو زید کیلئے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لما في الهندية (۱/۳۳۹): ولو أجرت كلمة الكفر على لسانها مغايظة لزوجها أو إخراجا لنفسها عن حبالته أو لاستيجاب المهر عليه بنكاح مستأنف تحرم على زوجها فتجبر على الإسلام ولكل قاض

أن یجدد النکاح بأدنی شيء ولو بدینار سخطت أو رضیت ولیس لها أن تتزوج إلا بزوجها قال الهندواني آخذ بهذا قال أبو اللیث وبه نأخذ کذا في التمرتاشي۔

وفی الدرالمختار(۱۹۴/۳): (لو ارتدت)۔۔۔ وصرحوا بتعزیرها خمسة وسبعین وتجبر علی الإسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لها بمهر یسیر کدینار وعلیه الفتوی ولوالجیة۔

وفی الشامیة تحته: قوله (وتجبر) أي بالحبس إلی أن تسلم أو تموت قوله (وعلی تجدید النکاح) فلکل قاض أن یجدده بمهر یسیر ولو بدینار رضیت أم لا وتمنع من التزوج بغیره بعد إسلامها ولا یخفی أن محله ما إذا طلب الزوج ذلك أما لو سکت أو ترکه صریحا فإنها لا تجبر وتزوج من غیره لأنه ترك حقه۔

(۲۲۱) ارتداد سے قتل میں مرد اور عورت میں فرق کی وجہ

سؤال

عورت مرتدہ ہوجائے یا قادیانی بن جائے تو اسے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ ایک عزیز بتارہے تھے کہ قتل صرف مرد ہوگا، عورت کو صرف قید کیا جائے گا یہ کیا بات ہوئی مرد ہی کیوں قتل ہوگا؟ رجم کوڑے وغیرہ تو غالباً یکساں ہیں تو ارتداد تو زیادہ خطرناک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ عورت میں تفریق کی جائے کوئی نص ہے یا خالی اجتہاد ہے فقہاء نے بیان کیا ہے یا اس شخص نے اپنی طرف سے مسئلہ نکالا ہے؟ مفتی صاحب مسئلہ کا مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت اگر مرتدہ ہوجائے یا قادیانی بن جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ دوبارہ اسلام قبول کرلے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا کہ جو کوئی مرد اسلام سے مرتد ہوجائے تو اس کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ توبہ کرلے تو قبول کرلو اور اگر انکار کرنے تو اس کی گردن اڑادو اور جو کوئی عورت اسلام سے مرتد ہوجائے تو اس کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ توبہ کرلے تو قبول کرلو اور اگر انکار کرے تو اس سے توبہ طلب کی جائے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرتدہ عورت سے توبہ طلب کی جائے گی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا لہٰذا ان نصوص کی بنیاد پر مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جاتا البتہ اگر مرتدہ عورت فساد کا باعث بن رہی ہو اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بن رہی ہو تو اسے قتل کردیا جائے گا بالکل اسی طرح جس طرح جنگ میں فسادی کافرہ عورت کو قتل کرنا جائز ہے۔

دوسری بات یہ کہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے اب مرد ہو یا عورت اس کے کفر کی اصل سزا تو اللہ تعالیٰ ہی آخرت

میں دیں گے البتہ مرد اگر مرتد ہوجائے تو اس کو اس وجہ سے قتل کیا جاتا ہے تا کہ اس کے شر کو ختم کیا جاسکے جو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ یہ مرتد ہوکر مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی اور فساد برپا کرے گا اور عورت کے اندر عموماً یہ صفت معدوم ہوتی ہے لہٰذا اس کو قتل نہیں کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ رجم اور کوڑے وغیرہ میں دونوں کا حکم یکساں ہے کیونکہ یہ اس وجہ سے مشروع ہیں کہ ان کے جرم کی وجہ سے جس شر نے جنم لیا ہے اس کو ختم کیا جاسکے مثلاً قصاص اس لئے مشروع ہے تا کہ انسانی نفوس کی حفاظت ہوسکے، رجم اس لئے مشروع ہے تا کہ نسب کی حفاظت ہوسکے، کوڑے اس لئے مشروع ہیں تا کہ لوگوں کی عزتیں محفوظ ہوجائیں اور ان وجوہات میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں لہٰذا کوڑوں کی سزا ہو یا قصاص وغیرہ کے معاملات ان میں دونوں یکساں ہیں نیز شریعت میں مطلقاً عورت کو قتل کرنا ممنوع ہے چاہے وہ کافرہ ہو یا مرتدہ حالتِ جنگ میں بھی اُن کو قتل سے منع کیا گیا ہے۔

لما فی المعجم الکبیر (۲۰/۵۴): عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال له حین بعثه الی الیمن أیما رجل ارتد عن الاسلام فادعه فان تاب فاقبل منه وان لم یتب فاضرب عنقه، و أیما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فان تاب فاقبل منها وان ابت فاستتبها۔

وفی اعلاء السنن (۱۲/۶۱۳) باب لا تقتل المرأة المرتدة (ط ادارة القرآن): عن خلاس بن عمرو عن علی قال المرتدة تستتاب ولا تقتل۔

وفیه أیضاً (۶۱۶): النهی عن قتل النساء مطلق یعم الکافرة أصلیا وعارضا وثبت تعلیله صلی الله علیه وسلم بالعلة المنصوصة فی الحدیث من عدم حرابها بقوله ما کانت هذه لتقاتل فکان مخصصا لعموم ماروواه الشافعی من قوله ﷺ من بدل دینه فاقتلوه بعد أن عمومه مخصص بمن بدل دینه من الاسلام الی الکفر وأیضا فیه فان الأصل تأخیر الأجزیة إلی دارالآخرة وإنما عدل عنه دفعا لشر ناجز لمصالح تعود إلینا فی هذه الدار کالقصاص وحد القذف والشرب والزنا والسرقة شرعت لحفظ النفوس والأعراض والعقول والأنساب والأموال فکذا یجب فی القتل بالردة أن یکون لدفع شر حرابه لاجزاء علی فعل الکفر لأن جزائه أعظم من ذلك عند الله فیختص بمن یتأتی منه الحراب وهو الرجل ولهذا نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن قتل النساء وعلله بأنها لم تکن تقاتل علی ما صح من الحدیث ولهذا قلنا لو کانت المرتدة ذات رأی وتبع تقتل لالردتها بل لأنها حینئذ تسعی فی الأرض بالفساد۔

وفی الدرالمختار (۴/۲۵۳) باب المرتد (ط سعید): (والمرتدة) ولو صغیرة او خنثی بحر (تحبس ابدا ولا تجالس ولا تواکل حقائق (حتی تسلم ولا تقتل)۔

(۲۲۲) ممانی سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک ماموں ہیں جنھوں نے مجھے بچپن سے پالا پوسہ اور اب میں جوان ہو چکا ہوں اچانک کچھ عرصہ پہلے میرے ماموں کا انتقال ہوگیا۔ ان کی بیوی کی عمر تو زیادہ ہوگئی ہے لیکن دیکھنے میں جوان معلوم ہوتی ہیں تو میرے خاندان کے کچھ لوگوں نے کہا کہ تم اس بیوہ کا سہارا بن جاؤ اور ان سے نکاح کرلو۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے انہوں نے تو مجھے بچپن سے پالا پوسہ ہے اور اب میں ان سے نکاح کرلوں بہرحال میں بہت پریشان ہوں۔ یہ یاد رہے کہ میں نے ممانی کا دودھ نہیں پیا۔ اب آپ حضرات بتائیں کہ میں اپنی ممانی سے نکاح کرسکتا ہوں اور شریعت مطہرہ اس کی اجازت دیتی ہے کہ جس کی گود میں آپ جوان ہوں اسی سے نکاح کرلیں اور نکاح کے وقت عمر کا لحاظ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

آپ کی ممانی نے چونکہ آپ کو بچپن سے پالا پوسہ ہے اب آپ کا انہی سے نکاح کرنا ایک گونہ بہتر نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے مصالح نکاح حاصل نہ ہو پائیں گے البتہ شریعت کی نظر میں ممانی سے نکاح درست ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو (رضاعت وغیرہ) لہٰذا اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً فتنہ کا اندیشہ ہو (یعنی ان کے زنا میں مبتلاء ہونے کا خطرہ ہو) اور کوئی ان سے نکاح کرنے والا نہ ہو وغیرہ وغیرہ تو ایسی صورت میں آپ کو ان سے نکاح کرلینا چاہیئے ورنہ احتراز بہتر ہے۔

لمافی المشکوۃ (۲/۲۷۵) کتاب النکاح: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال : حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع ثم قرأ : (حرمت عليكم أمهاتكم) الآية۔

وفی الدرالمختار (۲۸/۳): فصل في المحرمات أسباب التحريم أنواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك إدخال أمة على حرة فهي سبعة ۔۔۔ (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة مذكورة في آية { حرمت عليكم أمهاتكم } ويدخل عمة جده وجدته وخالتهما الأشقاء وغيرهن وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۹/۶۷۵۵) الكفاءة فی النكاح، المبحث الخامس: هذه هي خصال الكفاءة،

أما ماعداها كالجمال والسن والثقافة والبلد والعيوب الأخرى غير المثبتة للخيار في الزواج كالعمى والقطع وتشوه الصورة، فليست معتبرة، فالقبيح كفء للجميل، والكبير كفء للصغير، والجاهل كفء للمثقف أو المتعلم، والقروي كفء للمدني، والمريض كفء للسليم لكن الأولى مراعاة التقارب بين هذه الأوصاف وبخاصة السن والثقافة لأن وجودهما أدعى لتحقيق الوفاق والوئام بين الزوجين، وعدمهما يحدث بلبلة واختلافاً مستعصياً، لاختلاف وجهات النظر، وتقديرات الأمور، وتحقيق هدف الزواج، وإسعاد الطرفين.

(۲۲۳) منہ بولی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اور عمر دونوں دوست ہیں لیکن بھائیوں کی طرح رہتے ہیں ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے ہیں ایک مرتبہ زید نے عمر سے کہا کہ عمر کی ماں میری ماں ہے اور اس کی بہن میری بہن ہے۔ کیا اب زید کی شادی عمر کی بہن سے ہوسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کا عمر کی بہن سے شادی کرنا بالکل جائز ہے کیونکہ منہ بولی بہن، شرعی محرمات کے حکم میں نہیں ہوتی لہٰذا وہ سگی بہن نہیں ہوگی نیز اس سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

لما في القرآن الكريم (الأحزاب:۳۷): فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

وفی حاشية الطحطاوی (۱۴/۲): لقوله تعالیٰ "وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم" وذكر الاصلاب لاسقاط اعتبار التبنی لا لاحلال حليلة الابن من الرضاع والدليل على ذلك ان التبنی انتسخ لقوله تعالیٰ ادعوهم لآبائهم۔

وفی الشامية (۳۱/۳): وذكر الأصلاب لإسقاطه حليلة الابن المتبنی لا لإحلال حليلة الابن رضاعا فإنها تحرم كالنسب بحر وغيره۔

(۲۲۴) چچا کی پوتی سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اپنے سگے چچا کی پوتی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا زید اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے؟ واضح رہے کہ خود یہ لڑکی زید کو چچا جان کہہ کر پکارتی ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

زید کا اپنے سگے چچا کی پوتی سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ کسی کو چچا ماموں وغیرہ کے ناموں سے پکارنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

لما في القرآن المجيد (النساء:۲۳): وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔

وفيه أيضاً: وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔

وفي الدرالمختار (۳/۳۰): وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

(۲۲۵) نانی کی بہن کی بیٹی سے شادی کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام یاسر شیخ ہے۔ میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ پر مسئلہ یہ ہے کہ وہ لڑکی میری رشتہ میں دور کی خالہ لگتی ہے یعنی وہ میری نانی کی سب سے چھوٹی بہن کی بیٹی ہے۔ آیا وہ میرے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

نانی کی بہن کی بیٹی یہ محرمات میں داخل نہیں ہے البتہ نانی کی بہن محرمات میں داخل ہے لہٰذا نانی کی بہن کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لما في القرآن الكريم (الاحزاب:۵۰): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔

وفی ردالمحتار(۲۸/۳): وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۲۶) نانی کی دوسرے شوہر سے ہونے والی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے نانا کی دوسری بیوی (یعنی کہ میری سوتیلی نانی) نے دوسری جگہ شادی کرلی میرے نانا کے انتقال کے بعد اب ان کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے اور کافی بڑی ہوگئی ہے اور اس کا ہمارے گھر بھی آنا جانا رہتا ہے اور مذاق وغیرہ بھی چلتا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرا اس لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے، حالانکہ یہ میری سوتیلی خالہ ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

آپ کی سوتیلی نانی کی لڑکی نہ تو آپ کے نانا کی اولاد ہے اور نہ آپ کا اس سے کوئی خونی رشتہ ہے اس لئے یہ لڑکی آپ کیلئے نامحرم ہے آپ کا اس سے نکاح کرنا جائز ہے چونکہ یہ آپ کیلئے نامحرم ہے اس لئے آپ کا نکاح سے پہلے اس سے ملنا اور مذاق وغیرہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النسآء:۲۴): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی الهندية (۲۷۷/۱): لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي اهـ

(۲۲۷) سابقہ شوہر کے بھانجے اور چچی کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کو طلاق دی گئی اب اس کے سابقہ شوہر کا بھانجا اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا اس کیلئے نکاح کرنا جائز ہے؟ نیز چچی یا چچی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

مذکورہ مطلقہ عورت اپنے سابقہ شوہر کے بھانجے کے محارم میں سے نہیں ہے اسی طرح چچی اور اس کی بہن بھی محارم نہیں لہٰذا ان سے نکاح کرنا جائز ہے البتہ چچی کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ وہ چچا کے عقد میں نہ ہو، اسی طرح حرمت کا کوئی اور سبب موجود نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی صورت ہو تو چچی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

لمافی قوله تعالیٰ (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ. الآية.

وفی صحیح البخاری (۷٦۵/۲): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ حرم من النسب سبع، ومن الصهر سبع ثم قرأ: {حرمت عليكم أمهاتكم} ۔

وفی الهندية (۲۸۰/۱): لایجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا فی السراج۔

وفی الدر المختار (۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة مذكورة في آية {حرمت عليكم أمهاتكم} ۔

(۲۲۸) بیٹی کا نکاح رشتے کے پوتے سے کرنا جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا چچا زاد بھائی ہے اسکا لڑکا رشتہ کے اعتبار سے میرا بھتیجا ہوا میں اس کا چچا، اس لڑکے کا بیٹا رشتہ کے اعتبار سے میرا پوتا ہوا میں اس کا دادا۔ کیا میں اپنی لڑکی کا رشتہ اس لڑکے سے (یعنی جو میرا پوتا بنتا ہے) کرسکتا ہوں کیونکہ رشتہ کے اعتبار سے میری بیٹی اس لڑکے کی پھوپھی ہوئی۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ نیز میری اہلیہ اور میرے بھتیجے کی اہلیہ بھی آپس میں دونوں بہنیں ہیں یعنی جس لڑکے کو میں اپنی بیٹی دینا چاہتا ہوں اس کی ماں میری اہلیہ کی بہن ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں آپ نے جس لڑکے کا ذکر کیا ہے اس کے آپ حقیقی اور صلبی دادا نہیں ہیں بلکہ وہ آپ کے چچا کے بیٹے کا پوتا ہے لہٰذا آپ اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کرسکتے ہیں نکاح کی ممانعت اپنے حقیقی اور صلبی پوتے کے ساتھ خاص ہے۔

لمافی الشامية (۲۸/۳) كتاب النكاح فصل المحرمات: قوله (قرابة) كفروعه وهم بناته وبنات

أولاده وإن سفلن وأصوله وهم أمهاته وأمهات أمهاته وآبائه وإن علون وفروع أبويه وإن نزلن فتحرم بنات الإخوة والأخوات وبنات أولاد الأخوة والأخوات وإن نزلن وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۲۹) پہلی بیوی کی لڑکی سے بیٹے کے نکاح کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے ایک عورت زینب سے نکاح کیا اور شب زفاف بھی ہوا پھر زید نے زینب کو طلاق دے دی زینب نے خالد سے نکاح کرلیا اور خالد سے زینب کو ایک لڑکی ہوئی اور زید نے ہندہ سے نکاح کرلیا اور ہندہ سے زید کو ایک لڑکا ہوا اب زید یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا جو زینب سے نہیں بلکہ ہندہ سے ہے کا نکاح زینب کی لڑکی [جو دوسرے شوہر سے ہے] سے کردے۔ زید کی سابقہ بیوی زینب کی لڑکی کا نکاح زید کی موجودہ بیوی کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کی سابقہ بیوہ زینب کی لڑکی کا نکاح زید کی موجودہ بیوی ہندہ کے لڑکے کیساتھ جائز ہے۔

لمافي الهندية (٢٨٨/١):لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي۔

وفى الشامية كتاب النكاح فصل فى المحرمات (٣١/٣):قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۲۳۰) باپ شریک بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز نہیں

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے شادی کی اور عرصہ آٹھ ماہ میں اس کا انتقال

ہوگیا۔اس کے انتقال کے وقت اس کی بیوی نے اعلان کیا کہ اس سے مجھے حمل ہے اس کے بعد اس نے وضع حمل کے بعد اپنے خاوند کے بھائی سے نکاح کرلیا اس سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ اس کو دودھ پلاتی رہی اب وہ بچی جوان ہوچکی ہے اور اس کے خاوند نے بعد میں دوسری شادی کی اور اس کی دوسری بیوی سے ایک لڑکا ہے۔اب وہ شوہر اس بچی کی شادی اس لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔آیا یہ نکاح ہوجائے گا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگرلڑکی سے مراد وہ ہے جوکہ عورت کے پہلے شوہر سے ہے تو اس صورت میں اس لڑکی کا اس لڑکے سے [جو کہ دوسرے شوہر کی دوسری بیوی سے ہے] نکاح درست ہوگا کیونکہ ان میں حرمت کا کوئی سبب موجود نہیں اور اگر لڑکی سے دوسرے شوہر (میت کے بھائی) کی بیٹی جو کہ اس بیوہ سے ہوئی مراد ہے تو اس صورت میں اس لڑکی اور دوسری بیوی کے لڑکے کا آپس میں نکاح کرنا یا باپ کا ان کا نکاح کرانا ناجائز وحرام ہے کیونکہ یہ دونوں باپ شریک بہن بھائی ہیں اور اخوت کے رشتے کی بنا پر ایک دوسرے کے لئے محرم ہیں۔

لمافی القرآن الكريم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا۔

وفی عمدة القاری (۱۰۰/۲۰) باب مایحل من النساء وما یحرم الخ: الثالثه الاخوات والمراد الشقيقات وغيرهن من الاباء والأمهات الخ)

وفی الدر المختار(۲۸/۳) فصل فی المحرمات: (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة۔

(۲۳۱) دوسگے بہن بھائی اپنے بچوں کا رشتہ آپس میں کراسکتے ہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو سگے بہن بھائی ہیں وہ اپنے بچوں کا رشتہ آپس میں

کروانا چاہتے ہیں یعنی بہن اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے سگے بھائی کے لڑکے کو دینا چاہتی ہے، تو آیا شریعت کی نگاہ میں یہ رشتہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نیز میں نے سنا ہے کہ اس طرح نکاح سے بچے معذور پیدا ہوتے ہیں۔ براہ کرم جواب عنایت فرما کر مشکور و ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

عورت اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے سگے بھائی کے لڑکے کو دے سکتی ہے اور شریعت میں دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے بشرطیکہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان رضاعی رشتہ نہ ہو، باقی یہ کہنا کہ اس طرح کے نکاح سے بچے معذور پیدا ہوتے ہیں درست نہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے نیز اس طرح کے نکاح قرونِ اولیٰ سے ہوتے آئے ہیں لہٰذا انہیں کسی بدشگونی کا باعث سمجھنا درست نہیں۔

لمافي القرآن الكريم (الاحزاب: ٥٠): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ...

وفي الدرالمختار (٣/٣٠) فصل في المحرمات: وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

(۲۳۲) خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ خالہ کے ساتھ جس طرح نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح خالہ کی بیٹی کے ساتھ بھی نکاح کرنا درست نہیں میں نے اس سے کہا کہ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ صرف خالہ کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز وحرام ہے اس کی بیٹی سے کوئی حرج نہیں لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ مہربانی فرما کر تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں تاکہ ہمارا آپس کا تنازعہ ختم ہو جائے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

شریعت مطہرہ نے خالہ کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے البتہ خالہ کی بیٹی سے نکاح کرنا درست ہے جیسا کہ پھوپھی کے ساتھ نکاح حرام ہے لیکن پھوپھی کی بیٹی سے نکاح درست ہے کیونکہ خالہ کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی محرمات میں شامل نہیں۔

لمافي القرآن الكريم (الاحزاب: ٥٠): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ

خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔

وفی الشامية (۲۸/۳) (كتاب النكاح، فصل فی المحرمات): قوله (قرابة) كفروعه وهم بناته وبنات أولاده وإن سفلن۔۔۔وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۳۳) باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے باپ کی چچازاد سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعاً نکاح کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص کیلئے اپنے والد کی چچازاد بہن سے نکاح کرنا جائز ہے ان کے درمیان محرمیت کا کوئی رشتہ نہیں۔

لمافی الدرالمختار(۳۰/۳): وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

وفی الرد تحته: قوله (وأما عمة عمة أمه الخ) قال في النهر وأما عمة العمة وخالة الخالة فإن كانت العمة القربى لأمه لا تحرم۔۔۔ وأخت زوج الأم لا تحرم فأخت زوج الجدة بالأولى۔

(۲۳۴) وٹہ سٹہ کے نکاح سے ہونے والے بچوں کا آپس میں نکاح کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے عمر کی بہن سے نکاح کیا ہے اور عمر نے زید کی بہن سے نکاح کیا ہے، اوران دونوں کی اولاد بھی ہے۔اب زید اور عمرو اپنی اولاد کا ایک دوسرے سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔آیاان کا آپس میں نکاح جائز ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ان دونوں کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے۔

لمافي الدر المختار (۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة مذكورة في آية {حرمت عليكم أمهاتكم}۔

(۲۳۵) دوطلاق والی عورت سے بعد از عدت دوبارہ نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دوطلاق دی تھیں اس عورت کی عدت گزر گئی بلکہ کافی سال گزر چکے ہیں اب یہ دونوں دوبارہ آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوسکتا عدت کے بعد یہ عورت ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی از راہِ کرم مسئلہ کا حکم بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو دوطلاقیں ہی دی ہوں تو عدت گزرنے کے بعد بھی یہ شخص دوبارہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے اس عورت کو حرام کہنا درست نہیں البتہ اب اس شخص کو صرف ایک طلاق دینے کا حق رہے گا اگر ایک طلاق نکاح کے بعد دے دی تو یہ عورت ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی۔

لمافي الهندية (۴۷۲/۱): فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔

(۲۳۶) بھائی کی ربیبہ (سوتیلی بیٹی) سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے ایک بیوہ سے شادی کی اور اس بیوہ کی پہلے شوہر سے ایک لڑکی بھی ہے جو کہ زید ہی کے گھر میں رہتی تھی اب زید کا بھائی اس لڑکی کیساتھ شادی کرنا چاہتا ہے آیا زید کے بھائی کیلئے اس لڑکی کی ساتھ شادی کرنا فقہ حنفی کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں زید کے بھائی کے لئے زید کی ربیبہ کے ساتھ نکاح درست ہے کیونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ ...... إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

(۲۳۷)حق زوجیت ادا کرنے سے پہلے اپنی ربیبہ سے نکاح جائز ہے

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے اس نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی اوراس بیوہ کی ایک لڑکی ہے اب جب میرے دوست نے اس بیوہ سے نکاح کیا تو کچھ عرصہ کے بعد اس بیوہ سے ناچاقی ہوئی اور بات طلاق تک آگئی۔اب میرا دوست چاہتا ہے کہ اس بیوہ کو طلاق دے دے اور اس کا اس بیوہ کی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اب جب مجھ سے اس نے یہ کہا کہ میں اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو میں بہت پریشان ہوا کہ یہ تو اسی کی بھی بیٹی لگتی ہے بہرحال تسلی کرنے کے لئے میں یہ مسئلہ آپ سے پوچھ رہا ہوں برائے مہربانی مفتی صاحب آپ ہی اس مسئلہ کا حل تجویز فرمائیں کہ آیا میرے دوست کا اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر آپ کے دوست نے اس بیوہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد حق زوجیت بھی ادا کیا تو اس صورت میں ربیبہ یعنی اس کی بیٹی (جو پہلے خاوند سے ہے) کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔بصورت دیگر اگر حق زوجیت ادا نہیں کیا تو اس بیوہ کو طلاق دینے کے بعد اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ ...... وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی الشامیة (۳۰/۳): قوله (بنت زوجته الموطوءة) أي سواء كانت في حجره أي كنفه ونفقته أو لا ذكر الحجر في الآية خرج مخرج العادة أو ذكر للتشنيع عليهم كما في البحر واحترز بالموطوءة عن غيرها فلا تحرم بنتها بمجرد العقد وفي ح عن الهندية أن الخلوة بالزوجة لا تقوم مقام الوطء في تحريم بنتها اه قلت لكن في التجنيس عن أجناس الناطفي قال في نوادر أبي يوسف إذا خلا بها في

صوم رمضان أو حال إحرامه لم يحل له أن يتزوج بنتها وقال محمد يحل فإن الزوج لم يجعل واطئا حتى كان لها نصف المهر اه وظاهره أن الخلاف في الخلوة الفاسدة أما الصحيحة فلا خلاف في أنها تحرم البنت تأمل وسيأتي تمام الكلام عليه في باب المهر عند ذكر أحكام الخلوة ويشترط وطؤها في حال كونها مشتهاة۔

وفيه ايضاً (۳۱/۳): قوله(وفي الكشاف الخ) تبع في النقل عنه صاحب البحر ولا يخفى أن المتون طافحة بأن اللمس ونحوه كالوطء في إيجابه حرمة المصاهرة من غير اختصاص بموضع دون موضع لكن لما كانت الآية مصرحة بحرمة الربائب بقيد الدخول وبعدمها عند عدمه كان ذلك مظنة أن يتوهم أن خصوص الدخول هنا لا بد منه وأن تصريحهم بأن اللمس ونحوه يوجب حرمة المصاهرة مخصوص بما عدا الربائب۔

(۲۳۸) سوتیلے باپ کی بہن (سوتیلی پھوپھی) کے ساتھ نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے والد کے انتقال کے بعد زید کی والدہ نے خالد سے نکاح کرلیا، اب زید خالد کی بہن (سوتیلی پھوپھی) کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

زید کی والدہ کا نکاح ہونے کی وجہ سے خالد کی بہن زید کیلئے محرم نہیں بنتی لہٰذا نامحرم ہونے کی وجہ سے زید اپنے سوتیلے والد کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔

لما فی القرآن المجید(النسآء:۲۳): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی التاتارخانية (۲/۳): ولو جاز لواحد منهما ان يتزوج الاخرى فالجمع جائز كالجمع بين المرأة وابنة زوج كان لها من قبل۔

وفی الشامية (۳۱/۳): قوله(وأما بنت زوجة أبيه أوابنه حلال)وكذابنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۲۳۹) سگے اور سوتیلے میں فرق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے سگے اور سوتیلے کا فرق معلوم کرنا ہے ماں کی باپ شریک بہن سوتیلی کہلائے گی یا حقیقی خالہ؟ اور ماں کے بجائے باپ نے دوسری شادی کی ہو تو اس دوسری ماں کی بہن آنٹی کہلائے گی یا سوتیلی خالہ؟ ہم نے کہیں پڑھا کہ یہ دوسری سوتیلی خالہ ہے اور پہلی سوتیلی نہیں وہ حقیقی ہے میں بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہمارے ہاں تو پہلے کو سوتیلی اور دوسری کو آنٹی کہتے ہیں۔ نیز شرعی احکام کے اعتبار سے دونوں قسم کی عورتوں میں کوئی فرق ہو تو اسے بھی تحریر فرمادیں، از راہ کرم عرف اور شرع دونوں کے اعتبار سے مسئلے کی مدلل وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک ہی ماں باپ کی اولاد آپس میں اور والدین کے اعتبار سے سگی اور حقیقی کہلائی جاتی ہے لیکن اگر ماں ایک ہو باپ الگ الگ ہوں یا اس کے برعکس ہو تو ایسی اولاد آپس میں اور والدین کے اعتبار سے سوتیلی کہلائی جاتی ہے۔ یہاں پر "سوتیلے" کا اطلاق سگے اور حقیقی کے مقابلے میں کردیا گیا یعنی وہ سوتیلا مراد ہے جس کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں خونی تعلق قائم ہو۔

اس کے علاوہ "سوتیلے" کا اطلاق عرف کے اعتبار سے بعض دفعہ ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جن کے ساتھ خونی رشتہ داری نہیں ہوتی، لیکن یاد رکھیں! کہ شریعت نے صرف پہلی قسم کے سوتیلوں کا اعتبار کیا ہے، دوسری قسم کے سوتیلوں پر سوتیلے کا اطلاق صرف عرفاً ہے شریعت نے ان سوتیلوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا ہے نیز اردو لغات میں بھی صرف پہلی قسم یعنی خونی رشتے والے سوتیلے کو ہی سوتیلا کہا گیا ہے دوسری قسم کو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نکاح، میراث وغیرہ کے اعتبار سے دونوں قسم کے سوتیلوں میں فرق کیا ہے۔ پہلی قسم کے سوتیلوں [یعنی جو ماں یا باپ شریک ہوں] کے احکام، سگے اور حقیقی رشتہ داروں کے احکام کی طرح ہیں جبکہ دوسری قسم کے سوتیلوں کے احکام، اجنبی اور پرائے لوگوں کے احکام کی طرح ہیں، چنانچہ جس طرح سگی اور حقیقی خالہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، ایسے ہی سوتیلی خالہ (یعنی ماں کی باپ شریک یا ماں شریک بہن) کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں کیونکہ یہاں پر مذکور خالہ کے ساتھ کسی حد تک خونی رشتہ داری قائم ہے اس کے برعکس جس طرح کسی اجنبی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے ایسے ہی اپنے باپ کی دوسری بیوی کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ عرفاً بعض لوگ اس کو بھی سوتیلی خالہ کہہ دیتے ہیں لیکن خونی رشتہ داری نہ ہونے کی وجہ سے درحقیقت یہ سوتیلی ہے ہی نہیں۔ اس لئے شریعت نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دے دیا۔

سوتیلے کی مذکورہ دونوں قسموں میں فرق کی وضاحت "فتاویٰ محمودیہ" میں مذکورہ بعض جزئیات سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں باپ کی دوسری بیوی کی بہن کو خالہ ہونے سے خارج کردیا ہے۔ چنانچہ [۱۱/۲۷۱] پر مذکور ہے "خالہ سے نکاح حرام ہے مگر خالہ وہ ہے جو حقیقی

والدہ کی بہن ہو، سوتیلی والدہ، والد کی دوسری بیوی کی جو بہن ہے وہ خالہ نہیں اس سے نکاح حرام نہیں......"

لہٰذا صورت مسئولہ میں ماں کی باپ شریک بہن لغۃً اور شرعاً سوتیلی خالہ ہے۔ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن باپ کی دوسری بیوی کی بہن لغوی اور شرعی اعتبار سے نہ حقیقی خالہ ہے اور نہ سوتیلی خالہ، اس لئے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگر چہ عرف میں ان کو بھی سوتیلی خالہ کہہ دیتے ہیں لیکن شرعاً یہ معتبر نہیں۔ باقی رہا بعض لوگوں کا باپ کی دوسری بیوی کی بہن کو "آنٹی" کہنا، تو دراصل "آنٹی" انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ انگریزی زبان میں اس کا اطلاق پھوپھی، خالہ، چچی، ممانی سب پر برابر ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی عرف کی وجہ سے ان کو "آنٹی" کہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ اردو زبان میں "خالہ" کا لفظ، کہ بعض دفعہ ان عورتوں کو احتراماً خالہ کہہ دیا جاتا ہے جو ماں کے درجے میں ہوں اگر چہ ان سے دور کا رشتہ بھی نہ ہو۔

لما فی لسان العرب "شقق" (۱۰/۱۸۳): وشقیق الرجل اخوہ لامہ وأبیہ۔ وفیہ الحدیث انتم اخواننا وأشقاءنا۔

وفی المعجم الوسیط فی "شق" (۴۸۹): الشقیق: الأخ من الأب والأم (ج) اشقاء۔

الشقیقة: الاخت من الاب والام...... (ج) شقائق۔

وفی قاموس الاضداد(۲۰۲): العلات: الاخیاف، الاعیان۔

وفی فیروز اللغات الاردو (س۔گ) (۲/۸۰۴): سگا: (س۔گا) ایک ماں باپ کا۔ ایک خون۔ حقیقی۔ بہت قریبی۔ اپنا۔ یگانہ......الخ

وفیه أیضاً (س۔و) (۲/۸۱۸): سوتیلا: (سو۔تے۔لا) سوت یا سوکن سے تعلق رکھنے والا۔ اولاد، بھائی، بہن یا ماں باپ جو اصلی نہ ہوں۔

وفی الهندیة کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات (۱/۲۷۳): القسم الأول المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات وبنات الأخ وبنات الأخت فهن محرمات نکاحا ووطئا ودواعیه علی التأبید۔۔۔ وأما الخالات فخالته لأب وأم وخالته لأب وخالته لأم وخالات آبائه وأمهاته۔

وفی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات (۳/۳۰): وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبیه حلال کبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالی { وأحل لکم ما وراء ذلکم }۔

(۲۴۰) لڑکی کا اپنی سوتیلی دادی کے بیٹے کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لڑکی اپنی سوتیلی دادی کے بیٹے (جو کہ رشتے میں اس لڑکی کا چچا کہلاتا ہے) کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی مفصل ومدلل تحقیق سے بمع دلائل کی نشاندہی کے مطلع فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مستفتی نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ لڑکی کی سوتیلی دادی کا بیٹا (جو کہ رشتہ میں اس لڑکی کا چچا کہلاتا ہے) یہ اپنے سگے دادا سے ہے یعنی اپنے دادا کا بیٹا ہے یا کسی اور کا۔ اس اعتبار سے مسئلے کی دو صورتیں بنیں گی اور دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔

صورت نمبر(۱): لڑکی کی سوتیلی دادی کا بیٹا اس کے اپنے دادا کا بیٹا ہو اس صورت میں حکم یہ ہوگا کہ لڑکی کیلئے اپنے سوتیلی دادی کے بیٹے سے نکاح حرام ہے۔ کیونکہ سوتیلی دادای کا بیٹا اس صورت میں لڑکی کے والد کا (باپ شریک) بھائی ہے اس کو شریعت کی اصطلاح میں علاتی چچا کہا جاتا ہے اور علاتی چچا کے ساتھ نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

صورت نمبر(۲): لڑکی کی سوتیلی دادی کا یہ بیٹا لڑکی کے دادا سے نہ ہو بلکہ کسی اور شخص سے ہو اس طور پر کہ سوتیلی دادی کا نکاح پہلے کسی اور سے تھا اور اس شخص سے اس کا ایک بیٹا ہوا پھر اُس شخص نے اس عورت (یعنی لڑکی کی سوتیلی دادی) کو طلاق دیدی یا وہ شخص فوت ہوگیا پھر اس کے بعد اس عورت نے لڑکی کے دادا سے نکاح کیا تو اب لڑکی کا اس سوتیلی دادی کے بیٹے سے نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ لڑکی کا چچا نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء : ۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ ۔الآیة

وفی البدائع(۲/۲۵۷): وتحرم علیه أخواته وعماته وخالاته بالنص وهوقوله عز وجل { وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم } سواء كن لأب وأم أو لأب أو لأم لإطلاق اسم الأخت والعمة والخالة۔

وفی الشامية (۳/۲۸۔۲۹): (حرم على المتزوج) أي مريد التزوج وقوله ذكرا كان أو أنثى بيان لفائدة إرجاع الضمير إلى المتزوج الشامل لهما لا إلى الرجل فإن ما يحرم على الرجل يحرم على الأنثى إلا ما يختص بأحد الفريقين بدليله فالمراد هنا أن الرجل كما يحرم عليه تزوج أصله أو فرعه كذلك يحرم على المرأة تزوج أصلها أو فرعها وكما يحرم عليه تزوج بنت أخيه يحرم عليها

تزوج ابن أخيها وهكذا فيؤخذ في جانب المرأة نظير ما يؤخذ في جانب الرجل لا عينه۔

(۲۴۱) بہن کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بہن کی شادی ایک شادی شدہ مرد سے ہوئی جس کی ایک بیٹی پہلی بیوی سے ہے۔آیا میرے لئے اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپ کی بہن کا نکاح ہونے کی وجہ سے یہ لڑکی محرم نہیں بنتی لہٰذا غیر محرم ہونے کی وجہ سے اس سے آپ کا نکاح جائز ہے۔

لما فی القرآن المجید (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ ...... وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی الهدایه (۳۰۹/۲): ولا بأس بان يجمع بين امرأة وبنت زوج كان لها من قبل لانه لاقرابة بينهما ولارضاع وقال زفر لا يجوز --- قلنا امرأة الاب لو صورتها ذكرا جاز له التزوج بهذه والشرط ان يصور ذلك من كل جانب۔

وفی الشامية (۳۱/۳): قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۲۴۲) سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے نیز نکاح میں شرطِ فاسد لگانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عمران کا انتقال ہو چکا ہے اس نے دو بیویاں چھوڑیں کیا اب عمران کا داماد اپنی سوتیلی ساس سے نکاح کر سکتا ہے یا حرمت مصاہرت کی بنا پر نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ اپنی

سوتیلی ساس سے نکاح کرسکتا ہے۔نیز نکاح میں جو شرائط رکھی جاتی ہیں مثلاً حق مہر دس ہزار روپے کے علاوہ یہ شرط رکھی کہ اگر تم نے بیوی کو طلاق دے دی تو تین تولے سونا دینا ہوگا ان شرائط کا شرعاً کیا حکم ہے؟

میں نے اپنی بیوی کو ہمبستری سے قبل طلاق دے دی ہے کیا مجھ پر ان شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے۔یعنی جس طرح ہمبستری سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں آدھا مہر دیا جاتا ہے تو کیا شرائط میں جو چیزیں تھیں ان میں سے بھی آدھی چیزیں دینی پڑیں گی اور شرط کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے اگر کوئی نہ کرے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

داماد اور سوتیلی ساس کے درمیان حرمت مصاہرت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں عمران کا داماد اپنی سوتیلی ساس سے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کرسکتا ہے۔نیز عقد نکاح میں شرط فاسد معتبر نہیں لیکن ایسی شرائط سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ وہ شرط لغو ہوجاتی ہے۔جیسا کہ عقد نکاح میں اس بات کی شرط لگانا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو حق مہر دس ہزار کے علاوہ تین تولہ سونا دینا ہوگا یہ شرط فاسد ہے اس کا پورا کرنا لازم نہیں اگر شوہر نے وطی یا خلوت صحیحہ سے پہلے بیوی کو طلاق دی ہے تو بیوی صرف 5000روپے نصف مہر کی حقدار ہوگی اور اگر وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی تو کل مہر مسمی یعنی -/10000 روپے کی حقدار ہوگی اور تین تولہ سونے کی شرط لغو ہوجائے گی۔چنانچہ صورت مسئولہ میں بھی شرط فاسد پائی جاتی ہے لہٰذا آپ کے ذمہ -/5000روپے واجب الاداہوں گے باقی تین تولہ سونے کی شرط لغو ہوجائے گی۔

لمافی جامع الترمذی (۱۸۹/۲):عن عقبة بن عامر الجهنی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحق الشروط أن يوفى بها ما استحللتم به الفروج۔

وفی الدرالمختار (۳۹/۳): فجاز الجمع بين امراة وبنت زوجها... الخ۔

وفی الدر المختار(۱۲۳/۳):(نكحها بألف على أن يخرجها من البلد أو لا يتزوج عليها أو) نكحها (على ألف إن أقام بها وعلى ألفين إن أخرجها فإن وفى) بما شرطه في الصورة الأولى (وأقام) بها في الثانية (فلها الألف) لرضاها به۔

وفی الدرالمختار ایضا (۵۳/۳):(والنكاح لا يصح تعليقه بالشرط)---(ولكن لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) إنما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط۔

وفی الرّدّ تحته:قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل۔

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۶۴۱): لا یجوز الجمع بین امرأتین، لو فرضت کل منهما ذکراً حرمت علیه الأخری، فإن ثبت الحل علی أحد الفرضین، جاز الجمع بینهما۔

(۲۴۳)سوتیلی خالہ سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی پہلی بیوی جس سے ایک لڑکا بھی تھا انتقال کرگئی بعد میں اس شخص نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اب اسی شخص کا بیٹا اپنے والد کی سالی یعنی اپنی سوتیلی ماں کی بہن جو اس لڑکے کی سوتیلی خالہ ہے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ نکاح جائز ہوگا؟ نیز سگی خالہ وغیرہ اور سوتیلی خالہ وغیرہ نکاح کے احکامات میں ایک جیسے ہوتے ہیں یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی حقیقی ماں کی بہن (چاہے وہ بہن حقیقی ہو یاباپ شریک ہو یا ماں شریک ہو) سے تو نکاح کرنا بوجہ نص صریح کہ قطعی حرام ہے البتہ اپنی ماں کے علاوہ باپ کی منکوحہ کی بہن (جسے ہمارے عرف میں سوتیلی خالہ کہتے ہیں) سے چونکہ کوئی نسبی تعلق نہیں اس لئے اس سے نکاح کرنا درست ہے جبکہ کوئی اور مانع شرعی نہ پایا جاتا ہو۔

لمافی القرآن الحکیم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ۔ الآیة

(النساء:۲۴):وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی الهندیة (۱/۲۷۷): لا بأس بأن یتزوج الرجل امرأة ویتزوج ابنه ابنتها أو أمها کذا في محیط السرخسي۔

وفی الشامیة (۳/۳۱):قوله (وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه حلال) وکذا بنت ابنها بحر قال الخیر الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربیب ولا زوجة الراب اه

(۲۴۴) باپ کی سوتیلی بہن سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں محمد سلیم ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں شرعی لحاظ سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ جس کی تفصیل یہ ہے میرے دادا کمال الدین کی والدہ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد میرے دادا کے والد نے دوسری شادی کی اس سے چار بیٹے پیدا ہوئے اس طرح میرے دادا کے سوتیلے بھائی شکور کی بیٹی جس کا نام سعیدہ ہے سعیدہ میری سگی پھوپھی نہیں ہے میرے دادا کے سوتیلے بھائی شکور کی بیٹی ہے اس لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر کوئی اور مانع موجود نہ ہو تو آپ کیلئے یہ نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۳/۱): المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات ---

وأما العمات فثلاث عمة لأب وأم وعمة لأب وعمة لأم وكذا عمات أبيه الخ۔

وفي الدرالمختار (۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة۔

(۲۴۵) لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے یعنی دونوں کو نکاح میں جمع کرنا چاہتا ہے آیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور امہات نسائکم والے نص میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں بیک وقت جمع کرسکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ دونوں میں کوئی نسبی یا رضاعی رشتہ ایسا نہ ہو جو کہ دونوں کو جمع کرنے سے مانع بنتا ہو لیکن بوقت نکاح عمر اور مصالح نکاح کو بھی مدنظر رکھا جائے اگر عمر میں تفاوت ہو اور مصالحِ نکاح کا حصول مشکل ہو تو نکاح نہ کیا جائے نیز یہ قرآنی نص "وأمهات نسائكم" میں داخل نہیں ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳۹/۳): فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها أو أمة ثم سیدتها لأنه لو فرضت المرأة أو امرأة الابن أو السیدة ذکرا لم یحرم بخلاف عکسه۔

(۲۴۶) بیوی کی سوتیلی ماں محرم نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ سوتیلی ساس یعنی اپنی بیوی کی سوتیلی ماں محرم ہے یا نہیں

الجواب بعون الملک الوھاب

سوتیلی ساس (یعنی اپنی بیوی کی سوتیلی ماں) محرم نہیں ہے بلکہ غیر محرم ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بین المحارم (نکاحا) أي عقدا صحیحا۔۔۔(و) حرم الجمع (وطأ بملك یمین بین امرأتین أیتهما فرضت ذکرا لم تحل للأخری)۔۔۔ فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها۔

(۲۴۷) عورت اور اس کی سوتیلی پوتی سے نکاح کا حکم

سوال

شاکر کے ہاں پہلے ایک عورت موجود ہے اب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ جس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ اس عورت کی رشتہ میں سوتیلی پوتی لگتی ہے جو عورت شاکر کے نکاح میں ہے وہ اس کی دوسری بیوی کے رشتے سے سوتیلی دادی کہلاتی ہے شرعی اعتبار سے ان دونوں کا آپس میں جمع کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شاکر کیلئے مذکورہ دونوں عورتوں (سوتیلی دادی منکوحۃ الجد اور سوتیلی پوتی) کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے کیونکہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی اگر مرد فرض کرلیا جائے تو ان دونوں کا نکاح نہ ہو سکے جبکہ زیر بحث صورت میں سوتیلی پوتی کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کے لئے اپنے دادا کی منکوحہ سے نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر سوتیلی دادی کو مرد مانا جائے تو وہ اجنبی بن جائے گا اور کسی شخص کا اجنبی شخص کی پوتی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب النکاح (۲۸۱/۴): باب لاتنکح المرأة علی عمتها۔

والضابطة فيه عندنا انه لا يجوز الجمع بين كل امرأتين لو فرضت احداهما ذكرا لم تحل لها النكاح بالاخرى۔

وفى الدرالمختار (۳۸/۳): فصل فى المحرمات من كتاب النكاح۔ (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى) أبدا ۔۔۔ فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها أو أمة ثم سيدتها لأنه لو فرضت المرأة أو امرأة الابن أو السيدة ذكرا لم يحرم بخلاف عكسه۔

وفى الشامية تحته: (قوله: وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها۔

(۲۴۸) حقیقی سالی محرم نہیں بیوی کے مرنے کے بعد نکاح جائز ہے۔

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک عورت سے تین سال قبل شادی کی تھی جن سے میرے دو بچے ہیں۔ایک مہینہ قبل میری بیوی کا انتقال ہوگیا۔اب میں خود چونکہ دن بھر کام کرتا ہوں اور بچوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے توکیا ایسی صورت میں میں اپنی حقیقی سالی سے نکاح کرسکتا ہوں شرعاً یہ درست ہے؟ اور نکاح کرنے کیلئے کوئی مدت تو متعین نہیں جیسے عورت کیلئے عدت گزارنا ضروری ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کیلئے بیوی کے انتقال کے بعد اپنی حقیقی سالی سے نکاح کرنا جائز ہے اوراس کیلئے کچھ مدت ٹھہرنے کی ضرورت نہیں فوراً بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔

لمافى القرآن الكريم (النساء : ۲۴):وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفى الهندية (۲۷۹/۱): ويجوز لزوج المرتدة إذا لحقت بدار الحرب تزوج أختها قبل انقضاء عدتها كما إذا ماتت ۔

وفى الشامية (۳۸/۳): فرع ماتت امرأته له التزوج بأختها بعد يوم من موتها كما في الخلاصة عن

الأصل وكذا في المبسوط لصدر الإسلام والمحيط والسرخسي والبحر والتاترخانية وغيرها من الكتب المعتمدة وأما ما عزي إلى النتف من وجوب العدة فلا يعتمد عليه وتمامه في كتابنا تنقيح الفتاوى الحامدية۔

(۲۴۹) کیا عورت کی موت پر شوہر عدت گزارے گا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شامیہ میں کہا گیا ہے، کہ نتف میں یہ ہے کہ مرد عورت کے مرنے پر عدت گزارے گا اور علامہ نے فرمایا ہے کہ میں نے تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں اس پر اور بحث کی ہے (شامیہ ۳/ ۳۸) اگرچہ یہ ضعیف اور مرجوح قول ہو لیکن میں بڑا حیران ہوں کہ جنہوں نے کہا ہے تو مرد عدت کیسے گزارے گا؟ ۴ ماہ دس دن یا ۳ ماہ کس حساب سے ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شامیہ اور تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں نتف کی طرف اس قول (مرد اپنی بیوی کے مرنے پر عدت گزارے گا) کی نسبت کی ہے۔ فتاوی النتف میں تلاش کے باوجود یہ قول نہیں ملا اور ساتھ ساتھ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول کے صیغے کے ساتھ نسبت کی ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جس کتاب وغیرہ میں دیکھ کر نتف کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے اس کتاب میں نتف کی طرف نسبت کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

البتہ بالفرض اگر اس قول کو موجود بھی مان لیا جائے تو ہمارے نزدیک یہاں پر عدت سے عدت کا اصطلاحی معنی مراد نہیں کیونکہ عدت کا اصطلاحی معنی عورت ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہاں عدت کا شرعی معنی مراد ہوگا "یعنی مرد اور عورت کا کسی مانع کی وجہ سے نکاح کرنے سے رکے رہنا"۔ اس اعتبار سے مرد پر بھی عدت لازم ہے لیکن یہ قول عقلاً نقلاً دونوں طرح سے مرجوح اور غیر معتمد ہے۔

لما في مجمع الانهر (۱/ ۴۷۸) كتاب النكاح (ط دار الكتب): اما لو ماتت المرأة فتزوج بأختها بعد يوم جاز الخ۔

وفي الشامية (۳/ ۳۸): فرع ماتت امرأته له التزوج بأختها بعد يوم من موتها كما في الخلاصة عن الأصل وكذا في المبسوط لصدر الإسلام والمحيط والسرخسي والبحر والتاترخانية وغيرها من الكتب المعتمدة وأما ما عزي إلى النتف من وجوب العدة فلا يعتمد عليه وتمامه في كتابنا تنقيح الفتاوى الحامدية۔

وفی الدر المختار (۳/۵۰۲) کتاب العدة (ط سعید): (هی) لغة بالکسر الاحصاء وبالضم الا ستعداد للأمر وشرعا تربص یلزم المرأة او الرجل عند وجود سببه ومواضع تربصه عشرون مذکورة فی الخزانة حاصلها یرجع إلى من امتنع نکاحها علیه لمانع لا بد من زواله کنکاح اختها واربع سواها واصطلاحا (تربص یلزم المراة) أو ولی الصغیرة (عند زوال النکاح) الخ۔

وتحته فی الرد: قوله (أو الرجل الخ) قال في الفتح حرمة تزوجه بأختها لا یکون من العدة بل هو حکم عدتها ولا شك أنه معنى کونه هو أیضا في العدة لأن معنى العدة وجوب الانتظار بالتزوج وهو مضي المدة وهو کذلك في العدة غیر أن اسم العدة اصطلاحا خص بتربصها لا بتربصه اهـ

مطلب عشرون موضعا یعتد فیها الرجل قوله (عشرون) وهي نکاح أخت امراته وعمتها۔۔الخ

(۲۵۰)داماد کی بہن سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس عورت کے بھائی کے نکاح میں زید کی بیٹی ہے۔نکاح ہونے کی صورت میں زید کی بیوی، زید کی بیٹی کی سوتیلی ماں ہوگی اور پہلے سے وہ نند بھی ہیں مذکورہ صورت میں شرعی طور پر نکاح ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتوی صادر فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کا نکاح مذکورہ عورت (یعنی اپنے داماد کی بہن) سے جائز ہے اور شرعاً یہ نکاح درست ہوگا۔

لمافی الهندیة (۱/۲۷۳): القسم الأول المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات ۔۔۔ القسم الثاني المحرمات بالصهریة وهي أربع فرق الأولى أمهات الزوجات وجداتهن من قبل الأب والأم وإن علون والثانیة بنات الزوجة وبنات أولادها ۔۔۔ والثالثة حلیلة الابن وابن الابن ۔۔۔والرابعة نساء الآباء والأجداد من جهة الأب أو الأم وإن علوا۔

(۲۵۱) بھابھی سے بھائی کے انتقال کے بعد نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بھائی کا انتقال ہوگیا کیا اس کی بیوی کے ساتھ دوسرا بھائی شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ایسا کرنا جائز ہے تو کتنی مدت تک انتظار کرے گا یا اس کے پیٹ میں بچہ ہو یا نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلے کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں بھائی کے فوت ہونے پر اس کی بیوی سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے۔ اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک انتظار کرنا پڑے گا اور اگر حاملہ نہیں تو چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد اُن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة :٢٣٤): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۔ فَإِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

(الطلاق:٤): وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَن يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَن يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۔

وفی المشكوة (٢٦٨/٢): وعن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "إياكم والدخول على النساء فقال رجل: يا رسول الله أرأيت الحمو؟ قال : " الحمو الموت "۔

وفی الدر المختار (٥١٠/٣، ٥١١): (و) العدة (للموت أربعة أشهر) بالأهلة لو في الغرة كما مر (وعشرة) من الأيام بشرط بقاء النكاح صحيحا إلى الموت (مطلقا) وطئت أو لا ولو صغيرة أو كتابية تحت مسلم ولو عبدا فلم يخرج عنها إلا الحامل --- (و) في حق (الحامل) مطلقا ولو أمة أو كتابية أو من زنا بأن تزوج حبلى من زنا ودخل بها ثم مات أو طلقها تعتد بالوضع جواهر الفتاوی۔

(۲۵۲) بیٹے کی ساس نامحرم ہے پردہ ضروری ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لڑکی کا سسر لڑکی کی ماں، نانی، دادی سے مل سکتا ہے یا نہیں، شرعی طور پر پردہ ہے یا نہیں؟ اسی طرح لڑکا اپنی ساس کی بہنوں سے پردہ کرے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ انسان کے وہ رشتہ دار جن سے بوجہ نسب یا رضاعت یا نکاح کے ہمیشہ کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں وہ رشتہ دار محرم کہلاتے ہیں۔ ان سے پردہ فرض نہیں ہے اور انسان کے وہ رشتہ دار جن سے کسی بھی وقت (فی الحال یا آئندہ) نکاح کرنا درست ہو وہ انسان کے غیر محرم رشتہ دار کہلاتے ہیں ان سے پردہ کرنا فرض ہے جیسے چچازاد، بہن، خالہ زاد بہن، سالی وغیرہ۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بہو کی والدہ، نانی، دادی کا سسر سے پردہ کرنا ضروری ہے اور سسر اُن خواتین سے خلوت میں نہ ملے۔ اسی طرح خالہ کا بھانجی کے شوہر سے پردہ کرنا ضروری ہے اور لڑکا بیوی کی خالہ سے خلوت میں نہ ملے۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب:۵۹): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ الآیة۔

وفی الجوھرة النیرة (۶۸/۲): وکذا یجوز للأب أن یتزوج أم حلیلة ابنه وبنتها۔

وفی الشامیة (۳۱/۳): قال الخیر الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربیب ولا زوجة الراب اھ

وفی الدر المختار(۳۶۷/۶): (ومن محرمه) هي من لا یحل له نکاحها أبدا بنسب أو سبب ولو بزنا۔

وفیه أیضا(۳۶۸/۶): وفي الأشباه الخلوة بالأجنبیة حرام إلا لملازمة مدیونة هربت ودخلت خربة أو کانت عجوزا شوهاء أو بحائل والخلوة بالمحرمة مباحة۔

(۲۵۳) باپ اور بیٹے کا دو سگی بہنوں سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فاروق نے رشیدہ نامی عورت سے شادی کی جس سے

ایک بیٹا سلمان پیدا ہوا پھر رشیدہ حادثہ میں مرگئی تو فاروق نے رضوانہ نام کی خاتون سے شادی کرلی اس وقت تک فاروق کا بیٹا سلمان بھی بالغ ہو چکا تھا سلمان کی شادی رضوانہ کی بہن ڈاکٹر ریحانہ سے کردی گئی اب باپ اور بیٹے کے نکاح میں دو سگی بہنیں ہیں لیکن کچھ لوگ اشکال کررہے ہیں کہ دوسرا نکاح صحیح نہیں کیونکہ سلمان نے اپنی خالہ سے نکاح کرلیا ہے لیکن باپ کہتا ہے کہ یہ سگی خالہ نہیں اور کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ان باپ بیٹے کی اولاد کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ ازراہِ کرم مسئلہ کی مفصل ومدلل تنقیح مع بیان الحرمات الصادرۃ من ھذا النکاح بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خالہ چاہے حقیقی (ماں اور باپ شریک خالہ) ہو یا اخیافی (ماں شریک خالہ) ہو یا علاتی (باپ شریک خالہ) ہو یہ محرمات ابدیہ میں داخل ہیں لہٰذا ان سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہے البتہ سوتیلی ماں کی بہن خالہ نہیں بلکہ یہ اجنبی عورت کے حکم میں ہے اس لئے اگر کوئی دوسری ممانعت نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس عورت کو شرعی احکام میں سوتیلی خالہ سمجھنا درست نہیں بلکہ شرعی احکام میں حقیقی ماں کی باپ شریک یا ماں شریک بہن سوتیلی خالہ ہے اور سوتیلی خالہ کے احکام حقیقی خالہ والے ہوتے ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں باپ (فاروق) اور بیٹے (سلمان) کے نکاح میں دو سگی بہنیں ہیں۔ یہ چونکہ سلمان کی خالہ نہیں اس لئے سلمان کا سوتیلی ماں کی بہن ریحانہ سے نکاح جائز ہے لہٰذا لوگوں کا یہ اشکال کرنا کہ دوسرا نکاح صحیح نہیں (اس لئے کہ سلمان نے اپنی خالہ سے نکاح کرلیا ہے) یہ شرعی امور سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ ان باپ اور بیٹے کی اولاد کا نکاح آپس میں جائز نہیں کیونکہ ان دونوں کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کے ابدی محرم رشتے دار بن جائیں گے مثلاً سلمان بیٹے کا لڑکا ہو اور فاروق باپ کی لڑکی تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ لڑکی اس لڑکے کی پھوپھی بھی ہے (چونکہ وہ لڑکی فاروق کی بیٹی ہے لہٰذا اس لڑکے کے باپ سلمان کی بہن ہے اور باپ کی بہن یعنی پھوپھی سے نکاح نہیں ہوسکتا) اور خالہ بھی ہے۔ (وہ لڑکی اس کی خالہ اس طرح ہے کہ اس لڑکی کی ماں یعنی فاروق کی بیوی اور اس لڑکے کی ماں یعنی سلمان کی بیوی اگرچہ بہنیں ہیں لیکن فاروق کی بیوی چونکہ باپ فاروق کے نکاح میں ہے تو وہ سلمان کی موطوءۃ الاب ہے اور سلمان کی بیوی اس کی بیٹی کے درجے میں ہے لہٰذا فاروق کی بیٹی اس لڑکے کے باپ یعنی سلمان کے موطوءۃ الاب کی بیٹی اور اس کی ماں کی بہن ہے لہٰذا یہ دور کی خالہ بھی ہے) اسی طرح کوئی بھی صورت ہو مثلاً فاروق باپ کا لڑکا اور سلمان بیٹے کی لڑکی ہو تو وہ لڑکا اس لڑکی کا چچا ہو جائیگا اور چچا کا بھتیجی سے نکاح جائز نہیں لہٰذا ان کی اولاد کا آپس میں نکاح نہ ہو پائے گا۔

ولما فی مجمع الانھر کتاب النکاح (۴۸۱/۱) (ط دارالکتب العلمیۃ): ولا بأس بأن یتزوج الرجل امرأۃ، ویتزوج ابنہ امھا او بنتھا الخ۔

وفی الھندیۃ کتاب النکاح (۲۷۷/۱) (ط حقانیۃ): لا بأس بان یتزوج الرجل أمرأۃ ویتزوج ابنہ

ابنتها أو أمها ... الخ۔

(۲۵۴) بھائی کی ساس سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آیا بھائی کی ساس سے شادی کرنا درست ہے یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بھائی کی ساس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ دیگر کوئی مانع نہ ہو۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ ۔الآیۃ۔

وفی الدرالمختار(۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة مذكورة في آية {حرمت عليكم أمهاتكم}۔

(۲۵۵) سوتیلے دادا اور سوتیلی نانی کی بہن سے نکاح کے جواز پر مفصل تحقیقی فتوی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں ہے کہ درمختار میں ہے کہ ماں کی پھوپھی اور باپ کی خالہ کی خالہ حلال ہیں ''واما عمة عمة امه وخالة خالة ابيه حلال'' (درمختا ۳/ ۳۰)مفتی صاحب کیا یہ درست ہے؟ کیونکہ ماں کی پھوپھی تو نانا کی بہن ہے اور اس کی پھوپی پر نانا کی بہن ہوگی تو کیا پر نانا کی بہن حلال ہوگی؟ اسی طرح دوسرا جملہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

درمختار کی عبارت میں کچھ اغلاق اور تسامح ہے جسے ردالمحتار میں واضح کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ "أمه" نہیں بلکہ ''لأم'' ہے، یعنی اصل یوں ہونا چاہیئے تھا "واما عمة العمة لأم وخالة الخالة لأب فحلال" اور اس لام کا تعلق قریبی پھوپھی سے ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا: ماں شریک پھوپھی کی پھوپھی حلال ہے۔

یعنی ایک شخص کی دادی نے دوشادیاں کی ہوں ایک سے اس کا باپ ہو اور دوسرے سے پھوپھی۔ تو یہ پھوپی اس کی ماں شریک پھوپی ہے۔ اب اس پھوپھی کی جو پھوپھی ہے، وہ ظاہر ہے کہ اس کے سوتیلے دادا کی بہن ہے۔ گویا سگے دادا کی بہن سے تو نکاح ناجائز ہے، لیکن سوتیلے دادا کی بہن سے نکاح جائز ہے لہذا "عمة العمة لأم" کا پرنانا کی بہن سے تعلق ہی نہیں بلکہ اس سے مراد سوتیلے دادا کی بہن سے نکاح کی حلت ہے۔

اسی طرح "خالة الخالة لاب" کا مسئلہ ہے۔ یعنی ایک شخص کے نانا نے دوشادیاں کی ہوں ایک سے اس کی ماں اور دوسری سے اس کی خالہ ہوں، تو یہ دونوں باپ شریک بہنیں ہیں، اور وہ عورت اس شخص کی باپ شریک خالہ ہے۔ اب اس عورت (باپ شریک خالہ) کی خالہ اس شخص کیلئے حلال ہے۔ کیونکہ اس عورت کی خالہ اس کی سگی نانی کی بہن نہیں بلکہ سوتیلی نانی کی بہن ہے، اور سوتیلی نانی کی بہن سے نکاح حلال ہے۔

لہذا دو لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ سوتیلے دادا کی بہن اور سوتیلی نانی کی بہن دونوں حلال ہیں۔ اس کی عقلی وجہ بھی واضح ہے، سوتیلے باپ کی بہن حلال ہے تو سوتیلے دادا کی بہن بدرجہ اولی حلال ہوگی۔ اسی طرح سوتیلی ماں کی بہن حلال ہے تو سوتیلی نانی کی بہن تو بدرجہ اولی حلال ہوگی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ درمختار کی اس عبارت کے تحت یہ عقلی وجہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"واخت زوج الام لا تحرم فاخت زوج الجدة بالاولی"

''سوتیلے باپ کی بہن حرام نہیں تو سوتیلے دادا کی بہن تو بدرجہ اولی حرام نہ ہوگی'' (ردالمحتار ۳/۳۰)

یہاں واضح رہے کہ عمة العمة کے ساتھ لام کی قید احترازی ہے۔ اسی طرح خالة الخالة کے ساتھ ''لاب'' کی قید بھی احترازی ہے۔ ''لام'' کی قید احترازی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر پھوپھی ماں شریک کے بجائے باپ شریک یا حقیقی ہو تو اس کی پھوپھی حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ پھوپھی اگر باپ شریک ہو تو اس کا مطلب ہے کہ دادی نہیں بلکہ دادا نے دوشادیاں کی ہیں۔ ایک سے اس کا باپ اور دوسری سے اس کی پھوپی ہیں۔ اب اس شخص کے والد اور پھوپی باپ شریک بہن بھائی ہیں۔ اس پھوپھی کی پھوپھی ظاہر ہے اس کے سگے دادا کی بہن ہے کیونکہ یہاں دادا ایک ہے اور سگے دادا کی بہن حرام ہے لہذا یہ نکاح جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح پھوپھی اگر بالکل حقیقی ہو تو حرمت بالکل ظاہر ہے۔

اسی طرح "خالة الخالة لاب" میں اب کی قید احترازی ہے یعنی باپ شریک خالہ کی خالہ حلال ہے۔ باقی ماں شریک خالہ کی خالہ یا حقیقی خالہ کی خالہ دونوں حرام ہیں۔ کیونکہ ماں شریک خالہ یا حقیقی خالہ کی خالہ اس شخص کی سگی نانی کی بہن بنے گی۔ وہ ایسے کہ ایک شخص کی نانی نے دوشادیاں کی ہوں ایک سے ماں اور ایک سے خالہ ہو تو یہ دونوں ماں شریک بہنیں ہیں۔ اب اس ماں شریک خالہ کی جو خالہ ہوں گی وہ اس شخص کی سگی نانی (کیونکہ اس شخص کی خالہ اور والدہ دونوں کی ماں ایک ہے) کی بہن ہوگی، جو کہ حلال نہیں، اور اگر حقیقی خالہ ہو تب تو حرمت بالکل واضح ہے۔

لہذا درمختار کی عبارت میں تسامح ہے اس کی تاویل بھی ممکن ہے، لیکن وہ بعید ہے، شامیہ کے حوالے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

لمافى الدر المختار(٣/٣٠): واما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال-

وفى الطحطاوى على الدر (٢/١٣): فالأولى للشارح ان يقول واماعمةالعمةلأم ويكون قوله لأم راجع الى المضاف (قوله وخالة خالة ابيه)الصواب ان يقول وخالة الخالة التى لأب قال فى البحر الخالة القربي ان كانت لاب وام او لام فخالتها تحرم عليه وان كانت القربي خالة الخالة لأب فخالتها لا تحرم عليه لأن أم الخالة القربي تكون امرءة الجد أب الأم لا أم أمه فاختها تكون أخت امرأة أب الأم وأخت امرأة الجد لا تحرم عليه- قلت وكذا يفصل مثل هذا التفصيل فيما ذكره الشارح فى العمة والخالة فليتامل-

وفى الهندية(١/٢٧٣): وأما خالة الخالة فإن كانت الخالة القربي خالة لأب وأم أو لأم فخالتها تحرم عليه وإن كانت القربي خالة لأب فخالتها لا تحرم عليه هكذا في محيط السرخسي-

وفى الشامية(٣/٣٠): قوله (وأما عمة عمة أمه الخ) قال في النهر وأما عمة العمة وخالة الخالة فإن كانت العمة القربي لأمه لا تحرم وإلا حرمت وإن كانت الخالة القربي لأبيه لا تحرم وإلا حرمت لأن أبا العمة حينئذ يكون زوج أم أبيه فعمتهما أخت زوج الجدة ثم الأب وأخت زوج الأم لا تحرم فأخت زوج الجدة بالأولى وأم الخالة القربي تكون امرأة الجد أبي الأم فأختها أخت امرأة أبي الأم وأخت امرأة الجد لا تحرم اهـ والمراد من قوله لأمه أن تكون العمة أخت أبيه لأم احترازا عما إذا كانت أخت أبيه لأب أو لأب وأم فإن عمة هذه العمة لا تحل لأنها تكون أخت الجد أبي الأب -

والمراد من قوله وإن كانت الخالة القربي لأبيه أن تكون أخت أمه لأبيها احترازا عما إذا كانت أختها لأمها أو شقيقة فإن خالة هذه الخالة تكون أخت جدته أم أمه فلا تحل وكأن الشارح فهم من قول النهر لأمه وقوله لأبيه إن الضمير فيهما راجع إلى مريد النكاح كما هو المتبادر منه فقال ما قال وليس كذلك لما علمته فكان عليه أن يقول وأما عمة العمة لأم وخالة الخالة لأب -ويمكن تصحيح كلامه بأن تقيد العمة القربي بكونها أخت الجد لأمه والخالة القربي بكونها أخت الجدة لأبيها كما أوضحه المحشي وأما على إطلاقه فغير صحيح -

(۲۵۶) بیوہ سمدھن سے نکاح کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی شادی ایک بیوہ عورت کی بیٹی سے کردی۔اس کے بعد یہ شخص خوداس بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔اس کے لئے یہ شادی کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اس بیوہ کیساتھ اس شخص کا شادی کرنا جائز ہے۔

لمافی الشامية (۳/۳۱): قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۲۵۷) بھائی یا بہن کسی کا دودھ پئیں تو رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکا اپنی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے جبکہ لڑکے کا بڑا بھائی اور لڑکی کی بڑی بہن آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اور لڑکی والے کہہ رہے ہیں کہ یہ شادی جائز نہیں ہے جبکہ لڑکے والے کہہ رہے ہیں کہ شادی جائز ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکے کا اپنی پھوپھی کی لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مذکورہ لڑکے کا اپنی پھوپھی کی لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے لڑکے کے بڑے بھائی اور لڑکی کی بڑی بہن کے رضاعی بہن بھائی ہونے سے ان کے رشتہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی القرآن الكريم (النسآء:۲۴): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفي الهندية (۱/۳۴۳): وتحل أخت أخيه رضاعا كما تحل نسبا مثل الأخ لأب إذا كانت له أخت من أمه يحل لأخيه من أبيه أن يتزوجها كذا في الكافي۔

(۲۵۸) بیٹے کی مرضعہ سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی بیمار ہے لہٰذا بچے کو دودھ پلانے کیلئے اس نے ایک عورت کا اہتمام کیا اب چند سال بعد وہ شخص اپنی ایک اور بیٹی کا نکاح اس دودھ پلانے والی عورت کے بیٹے سے کرنا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے نیز کیا وہ مرد خود اس عورت سے شادی کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص کیلئے اپنی بیٹی کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے بیٹے سے کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس لڑکی نے اس عورت کا دودھ نہ پیا ہو نیز اس شخص کیلئے بھی اس دودھ پلانے والی عورت سے نکاح جائز ہے کیونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

لمافی قاضی خان (۱/۱۹۱): لا بأس للرجل أن یتزوج بمرضعة ولده۔

وفی الھندیة (۱/۳۴۳): وکذا یجوز له أن یتزوج بأم حفدته وبجدة ولده من الرضاع ولا یحل ذلک من النسب کذا فی التبیین۔

(۲۵۹) ممانی کے مرضعہ ہونے کا شک ہو تو اس کی نواسی سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے ماموں کی نواسی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور شبہ یہ ہے کہ شاید ممانی (یا ممانی کی بیٹی) نے اس کو بچپن میں دودھ پلایا ہو اور وہ اسکی مرضعہ ہو لہٰذا اگر پلایا ہو تو رضاعی بہن ہونے کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ مکمل تفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنے ماموں کی نواسی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اگر چہ شبہ رضاعی بہن کا ہے کیونکہ شبہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے جب تک یقین نہ ہو البتہ احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ نکاح نہ کریں۔

لمافی الاشباہ والنظائر (ص۶۸): وفي الخانیة : صغیر وصغیرة بینهما شبهة الرضاع ولا یعلم ذلک حقیقة قالوا : لا بأس بالنکاح بینهما هذا إذا لم یخبر بذلک أحد. فإن أخبر به عدل ثقة یؤخذ

بقوله ولا يجوز النكاح بينهما۔

وفی الشامیة (۲۱۲/۳):وفي الفتح لو أدخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك۔

(۲۶۰) بھائی کی مرضعہ خالہ کے بیٹے سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری حقیقی خالہ نے میرے ایک چھوٹے بھائی اور بہن جو جڑواں پیدا ہوئے تھے کودودھ پلایا تھا، وہ دونوں بعد میں انتقال کرگئے ان دونوں بچوں سے بڑی میری ایک بہن جوحیات اور بالغ ہے، کیااس کا رشتہ ازدواج میری خالہ کے لڑکے سے شرعاً جائز ہے یانہیں؟ مدلل اور مفصل جواب مرحمت فرما کرممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

آپ کی ہمشیرہ کا نکاح آپ کے خالہ زاد بھائی سے شرعاً جائز ہے۔

لمافی تبیین الحقائق (۱۸۴/۲): (وتحل أخت أخيه رضاعا ونسبا) مثاله في النسب أن يكون له أخ من أب له أخت من أمه جاز له أن يتزوج بها ومثاله في الرضاع ظاهر۔

وفی الدرالمختار (۲۱۷/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

فصل فی نکاح أهل الکتاب والفرق المختلفة

(اہل کتاب اور دیگر مذاہب اور فرقوں میں نکاح کا بیان)

(۲۶۱) کتابیہ سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح سے جو منع کیا تھا کیا وہ حکم آخر تک رہا تھا یا رجوع کر لیا تھا؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف بعد میں اس سلسلہ میں کیا تھا؟ سنا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سخت تشدید فرماتے تھے۔ نص تو مطلق اباحت بتاتا ہے مسئلہ کیا ہے؟ شامی نے دار الحرب میں مکروہ تحریمی کہہ دیا ہے، یہ کیوں کہا؟ نص تو جواز کا ہے اس کا جواب کیا ہے؟ فتویٰ کس قول پر ہے؟ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں عمل کس پر تھا؟ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا مسکت جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے سے جو منع کیا تھا وہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے، بلکہ ان کا منع کرنا ان مفاسد اور خرابیوں کے پیش نظر تھا جو ناکح اور اس کی اولاد کے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے [از روئے تجربہ] لازمی طور سے پیدا ہوں گی، اور زمانے کے گزرنے کے ساتھ ان مفاسد اور خرابیوں کے خطرات بڑھتے چلے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع کسی روایت سے ثابت نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک وہ اسی موقف پر برقرار تھے۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ بھی تھے جو اہلِ کتاب سے نکاح کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے جن میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان کا تشدید فرمانا اس لئے تھا کہ وہ اہل کتاب کو مشرکین میں داخل سمجھتے تھے، اور مشرکین سے نکاح قرآن کے نصوص سے حرام ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے وہ کتابیہ عورتیں مراد لیتے تھے جو اسلام لے آئی ہوں جبکہ جمہور صحابہ کرام، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ اس آیت کی بناء پر کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں، آج بھی اگر کوئی شخص کتابی عورت سے نکاح کرلے تو اس کا نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ کر کتابیہ سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

نص کے جواز بتلانے کے باوجود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا حربیہ کتابیہ سے نکاح کو مکروہ کہنا بھی خارجی مفاسد کے پیشِ نظر ہے کہ جب اس کے ساتھ تعلق ہوگا تو دارالحرب میں بھی ٹھہرے گا جس سے مختلف قسم کے فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نیز کفار کے ساتھ رہنے سے ان کے بچوں کے اخلاق بھی بگڑ جائیں گے، وغیرہ۔ یہی وہ مفاسد ہیں جن کی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، واضح رہے کہ اہلِ کتاب سے وہ اہل کتاب مراد نہیں جو محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں اور حقیقۃً وعقیدۃً وہ لامذہب اور دہریے ہیں، اس قسم کے اہل کتاب سے نکاح بالاتفاق ناجائز وحرام ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سورۃ المائدۃ آیت (۵) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"آیت قرآن کریم (وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ) اسی مضمون کے لئے آئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں اور اہل کتاب کے سوا دوسری قومیں سب مشرکات میں داخل ہیں۔

غرض قرآن مجید کی دو آیتیں اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں، ایک میں یہ ہے کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح حلال نہیں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں۔ دوسری یہ آیت سورۃ مائدۃ کی جس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

اس لئے جمہور علماء صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دونوں آیتوں کا مدلول ومفہوم یہ قرار دیا ہے کہ اصولی طور پر غیر مسلم عورت سے مسلمان کا نکاح نہ ہونا چاہیئے، لیکن سورۃ مائدۃ کی اس آیت نے اہل کتاب کی عورتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اس لئے یہود ونصاریٰ کی عورتوں کے سوا کسی دوسری قوم کی عورت سے بغیر اسلام لائے ہوئے مسلمان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اب رہا مسئلہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کی عورتوں کا تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے...... اور جمہور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک اگرچہ ازروئے قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو مفاسد اور خرابیاں پیدا ہوں گی ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے ہیں۔ اوّل تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں، ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رُو سے یہودیت ونصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ نہ تو ان کا تورات وانجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر۔ وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لا مذہب اور دہریے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمان کے لئے کسی طرح حلال نہیں"۔

(معارف القرآن، ۳/ ۶۱، ۶۲، ۶۴)

لمافی الکتاب المصنف لابن ابی شیبۃ (۴۶۲/۳) من کان یکرہ النکاح فی اھل الکتاب: ... عن

شقيق قال: تزوج حذيفة رضي الله عنه يهودية فكتب (اليه) عمر رضي الله عنه أن خل سبيلها فكتب اليه إن كانت حراما خليت سبيلها، فكتب اليه انى لا ازعم انها حرام، ولكنى اخاف ان تعاطوا الموسات منهن ـ ـ ـ عن سعيد بن جبير رحمه الله قال: لا بأس بنكاح النصرانية ـ ـ ـ عن الشعبى رحمه الله أنه كان لا يرى بأسا بالنكاح فى أهل الكتاب ـ ـ ـ عن أبي عياض قال لا بأس بنكاح اليهوديات والنصرانيات الا أهل الحرب۔

وفى مصنف عبدالرزاق (٧٨/٦) نكاح نساء اهل الكتاب: عن زيد بن وهب قال: كتب عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن المسلم ينكح النصرانية والنصرانى لاينكح المسلمة۔

وفى كتاب الآثار (للامام محمد)(ص ٢٥٨) باب من تزوج اليهودية او النصرانية انها لا تحصن ٤١٥: محمد قال اخبرنا ابو حنيفة رحمه الله عن حماد عن ابراهيم عن حذيفة ابن اليمان رضي الله عنه انه تزوج يهودية بالمدائن، فكتب اليه عمر بن الخطاب رضي الله عنه: أن خل سبيلها، فكتب اليه: أحرام هى يا أمير المومنين؟ فكتب إليه: أعزم عليك أن لا تضع كتابي حتى تخلى سبيلها، فإنى أخاف أن يقتديك المسلمون فيختاروا نساء اهل الذمة لجمالهن وكفى بذلك فتنة لنساء المسلمين، قال محمد: وبه نأخذ، لا نراه حراما، ولكنا نرى أن يختار عليهن نساء المسلمين وهو قول أبي حنيفة۔

وفى اعلاء السنن (٤١/١١) جواز نكاح المسلم نساء اهل الكتاب الا المجوسيات: وقال ابن عباس رضى الله عنهما نزلت هذه الآية: ولا تنكحوا المشركات حتى يومن: فحجز الناس عنهن حتى نزلت هذه الآية التى بعدها: اليوم احل لكم الطيبات ـ ـ ـ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ فنكح الناس نساء اهل الكتاب (رواه الطبرانى)۔

وفى الدر المنثور فى التفسير بالماثور (٢٥/٣) سورة المائدة: عن جابر بن عبدالله: أنه سئل عن نكاح المسلم اليهودية والنصرانية، فقال: تزوجناهن زمن الفتح ونحن لانكاد نجد المسلمات كثيرا، رجعنا طلقناهن، قال نساؤهن لنا حل، ونساؤنا عليهم حرام۔

وفى احكام القرآن لأبي بكر الجصاص (٣٢٤/٣) باب تزويج الكتابيات: قال أبو بكر الاختلاف فى نكاح الكتابية على أنحاء مختلفة، منها اباحة نكاح الحرائر منهن اذا كن ذميات فهذا لا خلاف بين السلف وفقهاء الامصار فيه الاشيأ يروى عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه كرهه ـ ـ ـ فلما راى ابن عمر رضى الله عنهما الآيتين فى نظامهما تقتضى احداهما التحليل والاخرى التحريم وقف

[illegible]

[illegible]

سوال

[illegible]

الجواب بعون الملک الوهاب

[illegible]

ہو بلکہ نکاح تحفظِ عفت اور افزائش نسل کے لئے ہو اور اس کے لئے انتخاب بھی ایسی عورت کا ہو جس سے یہ مقصد حاصل ہو جائے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں شادی شہوت کو توڑنے، نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لئے ہو۔ (فتح الباری ۲۱/ ۲۷)

یہ باتیں آج کل کے دور میں اہل کتاب کی عورتوں میں نہیں پائی جاتیں ان سے نکاح کرنا صرف جنسی خواہشات کو پورا کرنا ہے اور اپنی اولاد کو کفار کے اخلاق کے سانچہ میں ڈھالنا ہے لہٰذا اہل کتاب کی عورتوں سے اگرچہ وہ اللہ کو ایک مانتی ہوں اور اپنی کتاب پر بوجہ تحریف کے عمل نہ کرتی ہوں ان سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے اس سے بچنا اپنے ایمان کی بھی حفاظت ہے اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت ہے۔

لمافی الدرالمختار (۴۵/۳) فصل فی المحرمات: (وصح نکاح کتابیة) وإن کره تنزیها (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بکتاب) منزل وإن اعتقدوا المسیح إلها وکذا حل ذبیحتهم علی المذهب۔

وفی الردتحته: قوله (کتابیة) أطلقه فشمل الحربیة والذمیة والحرة والأمة ۔۔۔ فقوله والأولی أن لا یفعل یفید کراهة التنزیه في غیر الحربیة وما بعده یفید کراهة التحریم في الحربیة تأمل۔

(۲۶۳) کیا آج کے زمانے میں صحیح اہل کتاب موجود ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل صحیح اہل کتاب موجود ہیں کہ نہیں نیز آجکل کے عیسائیوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہود اور نصاریٰ کے عقائد کتنے ہی خراب ہوں اگر وہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں تو وہ اہل کتاب ہوں گے لہٰذا ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہوگا لیکن آج کل کے اکثر یہودی اور نصرانی کسی کتاب اور رسول کو نہیں مانتے محض نام کے یہودی اور نصرانی ہیں بلکہ یہ لامذہب اور دھریے ہیں اہل کتاب نہیں لہٰذا ان سے نکاح ناجائز ہے البتہ اگر کسی کے بارے میں تحقیق ہو کہ یہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہے تو فی نفسہ نکاح تو جائز ہے مگر بے شمار مفاسد کی بناء پر احتراز ضروری ہے چنانچہ معارف القرآن (۳/ ۶۴) میں ہے "اوّل تو بہت سے لوگ آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی اور نصرانی لکھواتے ہیں۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدے کی رو سے یہودیت اور نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں نہ تو ان کا توراۃ اور انجیل پر عقیدہ ہے اور نہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر، وہ عقیدے کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دھریئے ہیں، الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی طور پر پرہیز کریں۔

لمافی احکام القرآن للعثمانی (۳/۴۰۲): کان ابن عمررضی الله عنهما واقفا فی حکم نکاح الکتابیات من غیر قاطع فیه بشی --- وما ذکر عنه من الکراهة یدل علی انه لیس علی وجه التحریم --- وانما کره عمر ذلك لئلا یزهد الناس فی المسلمات او لغیر ذلك من المعانی کماحدثنا ابو کریب --- عن شقیق قال تزوج حذیفة یهودیة فکتب الیه عمر خل سبیلها فکتب الیه اتزعم انها حرام فاخلی سبیلها فقال لا ازعم انها حرام ولکنی اخاف ان تغاظوا المؤمنات منهن۔

(۲۶۴)اہل کتاب سے نکاح جائز اور مشرکہ سے ناجائز ہونے کی وجہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اہل کتاب سے نکاح جائز اور مشرک سے نکاح جائز نہیں ہے۔اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ اہل کتاب کن عقائد پر ہوں تو نکاح جائز ہے ورنہ نکاح جائز نہیں کیا اب کوئی ایسا اہل کتاب موجود ہے جس کے عقائد مشرکانہ نہ ہوں، اگر موجود ہوں تو نشاندہی فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) اس فرق کی اصل وجہ تو قرآن کریم کے نصوص ہیں اور قرآن کریم کے قطعی الدلالۃ نصوص سامنے آنے کے بعد کسی دوسری وجہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ"

ترجمہ:"اور تم نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں" (سورۃ البقرۃ:۲۲۱)۔

اس آیت سے مطلقاً مسلم وکافر کے درمیان ازدواجی تعلقات کی حرمت معلوم ہوئی مگر قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی بناپر اہل کتاب غیر مسلم عورتیں اس عمومی حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

"وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ"

ترجمہ:"اور پاک دامن عورتیں اُن میں سے جن کو دی گئی کتاب تم سے پہلے" (سورۃ المائدۃ:۵)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ نکاح کی حرمت کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ" (سورۃ البقرۃ:۲۲۱)۔ بظاہر اس وجہ میں تمام غیر مسلم مذاہب برابر ہیں۔ مگر اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کی بعض مفسرین نے عقلی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اہل کتاب کا اسلام کے ساتھ اختلاف دوسرے غیر مسلموں کے

مقابلہ میں کم اور ہلکا ہے کیونکہ اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں۔توحید، آخرت، رسالت۔ان میں سے عقیدۂ آخرت وتوحید میں تو اہل کتاب یہود ونصاریٰ اپنے اصل مذہب کے اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ متفق ہیں لیکن ہمارے اور اہلِ کتاب کے درمیان بنیادی اختلاف صرف یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے اور اس عقیدہ کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جبکہ دوسرے غیر مسلم کسی عقیدہ میں بھی مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں لہٰذا دیگر کافروں کے مقابلہ میں اہل کتاب کا اسلام سے اختلاف ہلکا ہے۔نیز مسلمان مردوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔اس کے برعکس جائز نہیں کیونکہ عورت فطرتاً کمزور اور متبع واقع ہوئی ہے، اس لئے اہل کتاب کی "عورتوں" سے نکاح میں مفسدہ کا خطرہ زیادہ نہیں ہے بلکہ اس بات کی قوی امید ہے کہ کتابیہ، مسلمان مرد کے زیر سایہ رہ کر عقیدۂ رسالت کے اختلاف کو بھی ختم کر کے مسلمان ہوجائے۔

(۲) قرآن وسنت کی اصطلاح میں اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایسی کتاب پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہوں جس کا کتاب اللہ اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت سے یقینی طور پر ثابت ہو۔جیسے تورات، انجیل، زبور، صحفِ موسیٰ وابراہیم وغیرہ۔یہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ اہل کتاب اصلی تورات وانجیل پر صحیح طور سے ایمان وعمل رکھتے ہوں بلکہ محرف تورات وانجیل کے متبعین اور حضرت عیسیٰ ومریم علیہما السلام کو شریکِ خدا قرار دینے والے بھی بتصریحِ قرآن اہل کتاب میں داخل ہیں۔الغرض اہل کتاب ہونے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ کسی آسمانی کتاب کی اتباع کے دعویدار ہوں۔البتہ آجکل اکثر یہود ونصاریٰ مردم شماری کے اعتبار سے تو یہود ونصاریٰ کہلاتے ہیں مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے ہی منکر اور لادین ہیں۔ایسے لوگ اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔بہر حال اہل کتاب کی عورتوں سے اگرچہ ازروئے قرآن نکاح حلال ہے لیکن ان سے نکاح کرنے میں ایمان وعمل کے لحاظ سے جو مفاسد اور خرابیاں اپنے لئے، اولاد کے لئے، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے عام طور سے مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، ان کی بنا پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح مکروہ ہے۔

لمافی التفسیر المنیر (۲/۲۹۳) : والفرق بین المشرکة والکتابیة واضح، وھو ان الاولی لاتؤمن بدین اصلا واما الثانیة فتشرك مع المسلم بالایمان بالله والیوم الآخر، وبالحلال والحرام ووجوب فعل الخیر والفضیلة، والبعد عن الشر والرزیلة۔

وفی الدرالمختار (۳/۴۵) کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: (و) حرم نکاح (الوثنیة) بالإجماع (و صح نکاح کتابیة) وإن کرہ تنزیھا (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بکتاب) منزل وإن اعتقدوا المسیح إلھا۔

وفی الشامیة تحته: قوله (مقرة بکتاب) في النھر عن الزیلعي واعلم أن من اعتقد دینا سماویا وله کتاب منزل کصحف إبراھیم وشیت وزبور داود فھو من أھل الکتاب فتجوز مناکحتھم وأکل ذبائحھم۔

وفی الشامیة (۳/۴۵): وتکرہ الکتابیة الحربیة إجماعا لافتتاح باب الفتنة من إمکان التعلق

المستدعي للمقام معها في دار الحرب وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر وعلى الرق بأن تسبى وهي حبلى فيولد رقيقا وإن كان مسلما اه فقوله والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل۔

(۲۶۵) اہل کتاب مرد سے شادی قطعاً حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مسلمان مرد کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا درست ہے، لیکن آیا اس کے برعکس کہ مسلمان عورت کی شادی اہل کتاب میں سے کسی مرد کیساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ کہنا کہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا درست ہے یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ اہل کتاب میں سے، جو لوگ اپنے عقائد کے پیروکار ہیں ان سے نکاح کرنا صحیح ہے لیکن وہ اہل کتاب کہ جن کے عقائد دھریوں کی طرح ہوں جیسا کہ آجکل عام طور پر اہل کتاب ایسے ہی ہیں ان سے شادی کرنا جائز نہیں اور دوسری صورت میں مسلمان عورت کی شادی اہل کتاب میں سے کسی مرد کے ساتھ جائز نہیں ہے اس لئے کہ دین اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر فوقیت حاصل ہے نیز فطری طور پر رشتہ ازدواج کے بعد مرد عورت پر مسلط ہوتا ہے لہٰذا عورت کی اہل کتاب میں شادی کی صورت میں عورت کے بد دین ہونے کا قوی خدشہ ہے اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہیں جس کی بناء پر مسلمان عورت کی شادی اہل کتاب میں جائز نہیں۔

لما في القرآن الكريم (المائدة:٥): وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفي الفتاوىٰ النتف (ص١٦٨): واما الكفر فانه يحل للمسلم نكاح الكتابية ولا يحل له غيرهن من الكوافر وليس للمسلمة ان تنكح الا مسلماً۔

(۲۶۶) ملازمت کے لئے جا کر غیر ملک میں عیسائی عورت سے نکاح کر لینا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان اپنی مسلمان بیوی کے ہوتے ہوئے کسی

دوسرے غیر مسلم ملک میں صرف ملازمت کی خاطر عیسائی عورت سے شادی کرسکتا ہے کہ نہیں؟ ایسا کرنے کی صورت میں اس کا پہلا نکاح باقی رہے گا؟ وہ مسلمان عورت اس کے لئے حلال ہوگی؟ اس مسلمان شخص کا ایمان باقی رہے گا؟ شریعت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مسلمان بیوی کی موجودگی میں عیسائی عورت سے نکاح [بشرطیکہ وہ عورت دھریہ اور لا مذہب نہ ہو لہذا اگر صرف نام کی اہل کتاب ہے تو نکاح منعقد نہ ہوگا] منعقد ہوجاتا ہے لیکن مکروہ ہے، بالخصوص کافر ملک میں اس امر کی کراہت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ اس میں اپنے اور اپنی اولاد کے مستقبل کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ نیز بچے بھی کافروں کے اطوار واخلاق اپنائیں گے اور دیگر مسلمان عورتوں سے نکاح اس کے لئے حلال ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی مسلمان عورت کو تلاش کرکے اس سے دوسری شادی کرلے۔

لمافی الهندية (۲۸۲/۱): ويجوز نكاح الكتابية على المسلمة والمسلمة على الكتابية وهما في القسم سواء لاستوائهما في محلية النكاح كذا في شرح الجامع الصغير لقاضي خان۔

وفی الدرالمختار (۴۵/۳) فصل فی المحرمات: (وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي مرسل (مقرة بكتاب) منزل وإن اعتقدوا المسيح إلها وكذا حل ذبيحتهم على المذهب۔

وفی الردالمحتار: قوله (مقرة بكتاب) في النهر عن الزيلعي واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داود فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم۔

وفی الشامية(۴۵/۳): قوله (كتابية) أطلقه فشمل الحربية والذمية والحرة والأمة ۔۔۔ فقوله والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل۔

(۲۶۷) بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والے سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری چچا زاد کا نکاح ایک شخص سے ہوگیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو بریلوی ہے، دیوبندیوں کو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے مولانا تھانوی کو کافر کہتا ہے تمام رسومات اور بدعات کرتا ہے آیا میری

چچازاد کا نکاح اس شخص سے صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر اس شخص کے نظریات اور بدعات حد کفر تک نہ پہنچی ہوں تو ایسے شخص سے نکاح منعقد ہو جائیگا اور اس سے علیحدگی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور اگر بدعات وغیرہ حد کفر تک پہنچی ہوں تو نکاح منعقد نہ ہوگا اور چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ باقی علماء دیوبند گستاخ رسول نہیں بلکہ سچے عاشق ہیں۔

لما فی القرآن الکریم (الممتحنة:۱): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ...الآية۔

وفی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"۔

وفی الهندية (۲/۲۸۳): ما كان في كونه كفرا اختلاف فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط وما كان خطأ من الألفاظ ولا يوجب الكفر فقائله مؤمن على حاله ولا يؤمر بتجديد النكاح والرجوع عن ذلك كذا في المحيط إذا كان في المسألة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع فعلى المفتي أن يميل إلى ذلك الوجه كذا في الخلاصة۔

وفيه أيضا (۱/۲۹۲): ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وهو قول أبي يوسف رحمه الله تعالى آخرا وقول محمد رحمه الله تعالى آخرا أيضا۔۔۔ وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الجسن أقرب إلى الاحتياط كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (۳/۸۴): وان زوجت من غير كفء لا يلزم او لا يصح۔

(۲۶۸) بدعات کے مرتکب گھرانے میں نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں الحمدللہ علماء دیوبند رحمہم اللہ کے مسلک پر ہوں اور ہمارے ہاں مروجہ ساری بدعات سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ میری والدہ نے میرے لئے ایک جگہ لڑکی پسند کی ہے۔ لڑکی اچھی سیرت اور

صورت کی مالک ہے، لیکن ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بھائی اور والد صاحب "دعوت اسلامی" جو بریلوی مسلک کی ایک جماعت ہے اس میں ہیں، ان کے گھر مروجہ تمام بدعات پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ میرے لئے اس گھرانے میں شادی کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والا شخص اگر عقائد وغیرہ میں حد کفر تک نہ پہنچا ہو تو ایسے شخص سے نکاح کیا جاسکتا ہے البتہ اگر بدعات وغیرہ پر مصر ہو تو اپنے بچوں وغیرہ کے مستقبل کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔

لمافی الاعتصام (ص۴۲): ان البدعة لایقبل معها عبادة من صلاة ولاصیام ولا صدقة ولا غیرها من القربات، ومجالس صاحبها تنزع منه العصمة ویوکل الی نفسه والماشی الیه وموقره معین علی هدم الاسلام۔

وفیه ایضاً: وایاك ان یکون لك من البدع اخ او جلیس او صاحب فانه جاء الاثر من جالس صاحب بدعة نزعت منه العصمة ووکل الی نفسه، ومن مشی الی صاحب بدعة مشی الی هدم الاسلام۔

(۲۶۹) غیر مقلد لڑکے سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری ایک لڑکی ہے جس کی عمر چودہ سال ہے اس کیلئے کافی رشتے آرہے ہیں ابھی حال ہی میں ایک رشتہ آیا ہے یہ لڑکا تعلیم یافتہ اور نہایت شریف ہے اور خاندانی لحاظ سے بھی اچھا ہے لیکن یہ غیر مقلد ہے لوگوں سے بحث مباحثے بھی کرتا رہتا ہے میری بیوی کا رجحان اس لڑکے کی طرف ہو رہا ہے لیکن میں دلی طور پر مطمئن نہیں ہوں میں نے سوچا چلو علماء کرام سے معلوم کرلوں اب آپ حضرات میری راہنمائی فرمائیں کہ اس لڑکے کو اپنی لڑکی دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ شریعت اسلامیہ میں ہر مسلمان سے نکاح جائز ہے اس لئے غیر مقلد سے بھی اگر وہ اسلاف کو گالیاں نہیں دیتا اور اختلافی مسائل میں غلو نہ کرتا ہو تو ایسے شخص سے نکاح کیا جاسکتا ہے البتہ اگر غالی ہو اور سلف صالحین کو گالی دیتا ہو تو ایسے شخص سے نکاح سے اجتناب کیا جائے۔

لما فی الفقه النافع (۵۲۲/۲): والکفاءة معتبرة فی النکاح لقوله علیه السلام (قریش بعضهم اکفاء بعض) ---- ولأن مصالح النکاح لا تتحقق الا بطاعتها اياه ولا تطيعه مع عدم الكفاءة ظاهراً۔

وفی الهندیة (۲۹۱/۱): (ومنها الديانة) تعتبر الكفاءة فی الديانة وهذا قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالیٰ وهو الصحیح كذا فی الهداية۔ فلا يكون الفاسق كفؤا للصالحة۔

وفی الشامیة (۴۵/۳): قوله (وفي النهر الخ) مأخوذ من الفتح حيث قال وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لأن الحق عدم تكفير أهل القبلة وإن وقع إلزاما في المباحث۔

وفی التحریر المختار للرافعی (۱۸۳/۱): (قوله ماخوذ من الفتح حيث قال واما المعتزلة الخ) وجعل الرملی فی حاشية المنح المعتزلی والرافضی بمنزلة اهل الکتاب حيث قال "قوله: وصح نكاح كتابية" اقول يدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا يجوز ان تتزوج المسلمة السنية من الرافضی لانها مسلمة وهو كافر فدخل تحت قولهم لا يصح تزوج مسلمة بكافر۔

(۲۷۰) مودودی ذہنیت رکھنے والے سے نکاح کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ نوجوانوں میں کچھ تو نوعمری کا جذبہ، کچھ ناتجربہ کاری اور بے کاری نے ایک عجیب فضا پیدا کردی ہے کہ جہاں کہیں کسی بات پر کوئی جلسہ ہو یا کوئی پروگرام ہو، اور وہاں جو بات ان کے دل ودماغ میں بیٹھ جائے یا بٹھادی جائے تو وہ اس سے ٹس سے مس نہیں ہوتے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود خاندان میں ہی بعض نوجوان مودودیت سے اتنے متاثر ہوجاتے ہیں کہ مودودی صاحب کے غلط نظریات کا پرچار ان کے لئے مقصدِ حیات ہوجاتا ہے اور بعض نوجوان ڈاکٹر اسرار احمد یا پروفیسر طاہر القادری کے خیالات کے حامل ہوجاتے ہیں اور ان کی زبانیں ہر وقت انہی کے گن گاتی ہیں۔ آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ اگر ایسے نوجوانوں کا رشتہ جب خاندانی تعلقات کی بنا پر آتا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ کیا ایسے نوجوانوں کو اپنی سادہ ذہن لڑکیاں دینا یا ایسے گھرانوں سے جہاں مذکورہ ذہنیت کا راج ہو وہاں سے اپنے لڑکوں کیلئے لڑکیاں لینا درست ہے؟ کیا یہ نکاح منعقد ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں یہ بات واضح رہے کہ نکاح کے لئے اسلام شرط ہے باقی لڑکے یا لڑکی کا تعلق کس مسلک سے ہے اس کا نکاح کے انعقاد سے کوئی تعلق نہیں البتہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس شخص کے عقائد ونظریات کفریہ حد تک نہ پہنچے ہوں کیونکہ

اس صورت میں نکاح نہ ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کے عقائد کفریہ نہ ہوں تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر وہ شخص معتدل المزاج ہو، اختلافی مسائل میں غالی نہ ہو اور انبیاء واصحاب کی شان میں گستاخی نہ کرتا ہو تو ایسے شخص سے نکاح کر لینا بہتر ہے تاکہ معاشرے میں حلال طریقہ سے زندگی گزارنا آسان ہو۔

لمافی الفقه الاسلامی وادلته (۶۴۹۱/۹، ۶۴۹۲): والسبب في عناية الشرع بهذه المقدمات: هوا لحرص على إقامة الزواج على أمتن الأسس، وأقوى المبادئ، لتتحقق الغاية الطيبة منه، وهي الدوام والبقاء، وسعادة الأسرة، والاستقرار ومنع التصدع الداخلي. وحماية هذه الرابطة من النزاع والخلاف، لينشأ الأولاد في جو من الحب والألفة والود والسكينة واطمئنان كل طرف إلى الآخر. قال الله تعالى: {ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجاً لتسكنوا إليها، وجعل بينكم مودة ورحمة، إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون}۔

باب من یحرم بہ النکاح، وفیہ فصول

فصل فی المحرمات بالنسب

(بوجہ نسب حرام عورتوں کا بیان)

(۲۷۱) محارم کون ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کون کون سے مرد عورت کے محارم میں آتے ہیں جن سے پردہ نہیں تفصیلاً ان کے اسماء ذکر کردیں۔ عورت کیلئے نسب کی وجہ سے جن مردوں سے نکاح حرام ہوجاتا ہے ان کا بھی ذکر خصوصاً کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مردوں میں سے درج ذیل افراد عورت کے محارم ہیں جن سے پردہ نہیں ہے اور انہی افراد سے عورت کا نکاح کرنا حرام ہے۔

باپ، دادا، بھائی، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، پوتا، نواسہ، چچا، ماموں، سسر، داماد اور رضاعی رشتہ دار جو اوپر ذکر کردیئے گئے۔

نوٹ: اگر سسر اور ساس جوان ہوں تو سسر کو بہو سے اور داماد کو ساس سے اختلاط میں احتیاط کرنا چاہیئے۔

لمافی القرآن المجید (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ ۔الآیۃ

وفی (سورۃ النور:۳۱) وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ

الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا إِلَى اللهِ جَمِيْعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

وفى بدائع الصنائع، كتاب النكاح (۲/۴۱۵) (ط: بيروت): أما النوع الأول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الأمهات، والبنات، والأخوات والعمات، والخالات، وبنات الأخ، وبنات الأخت۔ قال الله تعالىٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الخ ۔۔وأما النوع الثالث وهو المحرمات بالرضاعة فكل من حرم لقرابة من الفرق السبع الذين وصفهم الله تعالىٰ يحرم بالرضاعة۔

وفى الدرالمختار،كتاب الكراهية (۶/۳۶۸): والخلوة بالمحرمة مباحة إلا الأخت رضاعا والصهرة الشابة۔

(۲۷۲) محرمات ابدیہ سے نکاح جائز نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کریم کی بہن کا ایک ہی لڑکا ہے جس نے غیر خاندان میں شادی کی ہے جس سے اس کی ایک لڑکی ریحانہ ہے اس طرح یہ لڑکی ریحانہ کریم کے بھانجے کی لڑکی اور بڑی بہن کی پوتی ہے، مولانا صاحب کیا شریعت کی رو سے لڑکی ریحانہ اور کریم کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بہن اوراس کی اولاد یا اس کی اولاد کی اولاد وغیرہ محرمات ابدیہ میں شامل ہیں کہ جن سے کسی صورت شریعت نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتی لہٰذا صورت مسئولہ میں کریم کا اپنے بھانجے کی لڑکی ریحانہ سے نکاح کرنا قطعاً جائز نہیں۔

لمافى القرآن الكريم (سورة النساء :۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ .الآية.

وفى الدرالمختار، كتاب النكاح فصل فى المحرمات (۳/۲۸): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى۔

(۲۷۳) خالہ کا بھانجے سے نکاح جائز نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے جس نے دو نکاح کئے ایک عورت کا نام فاطمہ دوسری کا آمنہ ہے فاطمہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام رابعہ ہے میرے دوست نے اپنی بیٹی رابعہ کا نکاح خالد نامی ایک شخص سے کر دیا اور اس خالد کا رابعہ سے ایک لڑکا ہوا اور میرے دوست کی دوسری بیوی آمنہ سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی اب میرے دوست کا ارادہ ہے کہ میری اس بیٹی کا نکاح خالد کے لڑکے کے ساتھ ہو جائے نیز میرا دوست خالد کا بہنوئی بھی ہے اور خالد اس کا داماد بھی ہے کیونکہ میرے دوست کی منکوحہ آمنہ خالد کی بہن ہے اور میرے دوست کی بیٹی رابعہ خالد کی بیوی ہے اب صورتِ مندرجہ بالا میں ایک وجہ سے خالد کی اولاد کا آمنہ کی لڑکی کے ساتھ خالہ کا رشتہ بنتا ہے اور ایک وجہ سے پھوپھی کی لڑکی کا رشتہ متصور ہوتا ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تسلی بخش جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت نکاح کے اسباب میں سے ایک سبب نسب بھی ہے یعنی ذی رحم محرم سے نکاح کرنا جائز نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں آمنہ کی لڑکی اور رابعہ کے لڑکے کا آپس میں رشتہ خالہ اور بھانجے کا ہے کیونکہ رابعہ اور آمنہ کی لڑکی آپس میں بہنیں ہیں اور خالہ اور بھانجے کا آپس میں نکاح ناجائز ہے اگرچہ والد کے رشتے سے وہ لڑکی اس کی پھوپھی زاد بہن بنتی ہے لیکن والدہ کے رشتہ سے خالہ ہونے کی وجہ سے یہ نکاح حرام ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (سورۃ النساء :۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ ۔الآیۃ۔

وفی الشامیۃ (۲۸/۳): وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۷۴) سوتیلے ماموں اور سوتیلی خالہ سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی شادی اس کی سوتیلی خالہ اور زید کی بہن کی شادی

ں کے سوتیلے ماموں سے ہوسکتی ہے جبکہ زید کے نانا تو سگے ہیں لیکن نانی سوتیلی ہیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

زید کی شادی اس کی سوتیلی خالہ سے، حرام ہے، اور اسی طرح زید کی بہن کی شادی اس کے سوتیلے ماموں سے ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ مذکورہ سوتیلی خالہ اور سوتیلا ماموں، حقیقی خالہ اور حقیقی ماموں کے مانند ہیں۔

لمافی القرآن الكريم (سورة النساء :۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ .الآية۔

وفی الهندية (۲۷۳/۱)الباب الثالث في بيان المحرمات وهي تسعة أقسام القسم الأول المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات وبنات الأخ وبنات الأخت فهن محرمات نكاحا ووطئا ودواعيه على التأبيد ۔۔۔ وأما الأخوات فالأخت لأب وأم والأخت لأم وكذا بنات الأخ والأخت وإن سفلن ۔۔۔ وأما الخالات فخالته لأب وأم وخالته لأب وخالته لأم وخالات آبائه وأمهاته۔

(۲۷۵) ساس کا داماد سے نکاح حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان [illegible] مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص نے اپنی دوسالہ بچی کا نکاح ایک شخص سے کیا اور اس شخص کا یعنی بچی کے والد کا کچھ عرصہ کے بعد انتقال ہوگیا اب اس کی بیوی نے اس شخص سے اپنی بچی کو طلاق دلوائی اور پھر خود اس سے نکاح کرلیا برائے کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ اس عورت کا اپنے داماد سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کسی آدمی کا کسی عورت سے عقد صحیح کے ساتھ نکاح ہوجائے تو نفس عقد ہی سے اس عورت کی ماں جو کہ اس [illegible] ساس بنتی ہے اس آدمی پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجاتی ہے اب اگر اس مرد وعورت میں جدائی ہوجائے تب بھی اس شخص کا اپنی ساس سے نکاح جائز نہیں ہوگا وہ ہمیشہ کیلئے اس پر حرام رہے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں اس عورت کا اس مرد سے جو کہ اس کا داماد بنتا ہے نکاح شرعاً درست نہیں فوراً جدائی اختیار کر کے توبہ کرنی چاہیئے۔

لمافی القرآن الكريم (سورة النساء :۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ .الآية۔

وفی الدرالمختار (۳۰/۳) کتاب النکاح: و حرم المصاهرة (بنت زوجته الموطوءة وأم زوجته) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحیح۔

وفی الرد تحته: قوله (وأم زوجته) خرج أم أمته فلا تحرم إلا بالوطء أو دواعیه۔۔۔قوله (و جداتها مطلقا) أي من قبل أبیها وأمها وإن علون بحر قوله (بمجرد العقد الصحیح) یفسره قوله وإن لم توطأ قوله (الصحیح) احتراز عن النکاح الفاسد۔

(۲۷۶) دادا وغیرہ کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دادا کی بہن سے نکاح حرام ہے یا حلال، نیز دادی کے بھائی سے نکاح کا حکم کیا ہے؟ اسی طرح نانا کی بہن سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ان تینوں نکاح کے حلت وحرمت کا بیان کردیں۔ نیز پرنانا کی بہن اور پردادی کے بھائی سے نکاح کے جواز وعدمِ جواز پر بھی روشنی ڈال دیں۔ ان نکاحوں میں اگر عدمِ جواز اور جواز کے اعتبار سے فرق ہوتو فرق کی وجہ کیا ہے؟ اصول کے بھائی بہنوں سے کون سے نکاح حلال ہیں اور کون سے حرام نیز وجہ فرق کیا ہے؟ تفصیلاً تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ اصول کے بھائی بہنوں سے نکاح کرنا حرام ہے چنانچہ دادا کی بہن، دادی کے بھائی اور بہن نیز نانا کی بہن، پرنانا کی بہن اور پردادی کے بھائی ان تمام سے نکاح کرنا حرام ہے، البتہ ماں شریک پھوپھی کی پھوپھی [یعنی باپ کی ماں شریک بہن] اور باپ شریک خالہ کی خالہ سے نکاح حلال ہے۔

لما فی القرآن (النساء:۲۱-۲۲): وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ ۔الآية۔

وفی الشامیة (۳۰/۳): قوله (وأما عمة عمة أمه الخ) قال في النهر وأما عمة العمة وخالة الخالة فإن كانت العمة القربى لأمه لا تحرم وإلا حرمت وإن كانت الخالة القربى لأبيه لا تحرم۔

(۲۷۷) بیٹے نے بہو کو دخول سے قبل طلاق دی تو بہو سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بیٹے کی منکوحہ جس سے بیٹے نے وطی اور خلوت صحیحہ نہیں کی اسے اگر بیٹا طلاق دے تو اس سے اس کا باپ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مذکورہ عورت شوہر کے والد کیلئے حلال نہیں اگر چہ شوہر نے وطی یا خلوت صحیحہ نہ کی ہو۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۲۳):وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ

وفي الهندية (۱/۲۷۴): والثالثة حليلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الأب المتبني هكذا في محيط السرخسي۔

(۲۷۸) سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے

سؤال

زید کے والد نے دوسری شادی کی، نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے یہ معلوم ہونے پر کہ خود زید اس عورت میں دلچسپی رکھتا ہے، زید کے والد نے اس عورت کو طلاق دیدی، اب زید اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا زید کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اس عورت کے ساتھ زید کا نکاح ناجائز ہے کیونکہ والد کی منکوحہ کیساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہوتا ہے۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۲۲): وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلاً۔

وفي الشامية (۳/۲۸): وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم

عليهن بعقد صحيح۔

وفيه ايضاً (۵/۳): وأما حرمة التي عقد عليها عقدا صحيحا عليهم فبالإجماع۔

(۲۷۹) بیوی کی سوتیلی بہن اور داماد سے نکاح حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا سوتیلی سالی سے نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کوئی عورت اپنی بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

زوجہ کی حیات میں اور حالت نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی سوتیلی بہن [خواہ باپ شریک ہو یا ماں شریک ہو یا رضاعی ہو] سے نکاح درست نہیں ہے اسی طرح عورت اپنی بیٹی کی وفات کے بعد داماد سے نکاح نہیں کرسکتی۔

لمافي القرآن الكريم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

وفى الدر المختار (۳۰/۳): (وأم زوجته) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح (وإن لم توطأ) الزوجة۔

وفى الرد تحته: قوله (وأم زوجته) خرج أم أمته فلا تحرم إلا بالوطء أو دواعيه لأن لفظ النساء إذا أضيف الى الأزواج كان المرادمنه الحرائر كما في الظهار والإيلاء، بحر۔ وأراد بالحرائر النساء المعقود عليهن ولو أمة لغيره كما أفاده الرحمتي وأبو السعود قوله (وجداتها مطلقا) أي من قبل أبيها وأمها وإن علون بحر قوله (بمجرد العقد الصحيح) يفسره قوله وإن لم توطأ ح قوله (الصحيح) احتراز عن النكاح الفاسد فإنه لا يوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطء أو ما يقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة لأن الإضافة لا تثبت إلا بالعقد الصحيح بحر أي الإضافة إلى الضمير في قوله تعالى { وأمهات نسائكم } أو في قوله وأم زوجته ويوجد في بعض النسخ زيادة قوله فالفاسد لا يحرم إلا بمس شهوة ونحوه قوله (الزوجة) أبدله في الدرر بالأم وهو سبق قلم۔

(۲۸۰) دو جڑی ہوئی بہنوں کے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر دو بہنیں خلقی طور پر ایک دوسری کے ساتھ جڑی ہوئی ہوں اور بذریعہ آپریشن ان دونوں کی ایک دوسرے سے علیحدگی بھی ناممکن ہو یا ممکن تو ہو لیکن اس کی استطاعت نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک یا دونوں کے ساتھ نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسی کیفیت میں دونوں کو جدا کئے بغیر نکاح درست نہیں۔ اس لئے کہ یا تو آدمی دونوں سے نکاح کریگا یا دونوں میں سے کسی ایک سے، پہلی صورت قطعاً حرام ہے جبکہ دوسری صورت میں نکاح کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا وہ یہ کہ میاں بیوی بلا مانع غیر کے ایک دوسرے سے استمتاع حاصل کریں لہٰذا دونوں کو جدا کئے بغیر نکاح درست نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

وفی ردالمحتار (۴۱/۳): أما في مسألة تزوجهما معا في عقد واحد فالباطل نكاح كل منهما يقينا۔

(۲۸۱) دو جڑی ہوئی بہنوں کے نکاح سے متعلق بعض شبہات کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو جڑواں بہنیں ایک ہی سات جڑی ہوئی پیدا ہوئیں کیا کیا جائے؟ آپریشن سے جدا کرنا ممکن نہیں تو کسی ایک سے نکاح کرنا جائز ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ جائز نہیں یہ ان دونوں پر زیادتی نہیں؟ نیز اگر دونوں کے اعضائے رئیسہ ایک ہوں تو پھر؟ جائز ہونا چاہیئے شرمگاہ ایک ہو تو ایک عورت شمار کرلیا جائے کیا فتوی ہے؟ جدید فتاویٰ اور عرب علماء نے اپنے فتاویٰ میں اس پر بحث کی ہو تو تحریر کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ جڑی ہوئی دو بہنوں سے نکاح درست نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نکاح کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) دونوں میں سے ایک کا ایک لڑکے کے ساتھ اور دوسری کا دوسرے لڑکے کے ساتھ نکاح کیا جائے۔

(۲) ایک کا ایک لڑکے کے ساتھ نکاح کیا جائے اور دوسری کا کسی کے ساتھ بھی نکاح نہ کیا جائے مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح تو جائز اور منعقد ہے کیونکہ جس قدر اسباب حرمت ہیں ان میں سے کوئی بھی متحقق نہیں ہے لیکن چونکہ خلوت زوجہ خلوت اجنبیہ کو مستلزم ہے اسی طرح ایک کے مس سے دوسرے کا مس لازماً ہوتا ہے اس لئے ہر ایک شوہر کو اپنی زوجہ کے ساتھ خلوت حرام ہے اس وجہ سے ان دوصورتوں میں نکاح لغیرہ منہی عنہ ہوگا۔

(۳) تیسری صورت دونوں کا ایک لڑکے کے ساتھ نکاح کیا جائے یہ صورت جمع بین الاختین کو مستلزم ہے جو نص قرآنی کی وجہ سے قطعاً حرام ہے لہٰذا اس صورت میں نکاح حرام ہوگا۔

یہ کہنا کہ شرمگاہ ایک ہو تو ان کو ایک شمار کر کے نکاح جائز ہونا چاہیئے یہ بات نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً۔ عقلی وجہ سائل کے سوال سے ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی دو جڑواں بہنیں کہہ کر سوال میں ذکر کیا ہے یعنی دیکھنے والا ان کو دو ہی سمجھتا ہے نہ کہ ایک۔ نقلی وجہ یہ ہے کہ ذخیرہ فقہ میں کئی ایسی مثالیں ملیں گی جہاں اکثر بدن کا اعتبار کیا گیا ہے اس کے مقابلے میں اقل بدن کو نظر انداز کیا گیا ہے جیسے کسی میت کا اکثر بدن مل جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اس کے برخلاف اقل پر مذکورہ حکم جاری نہیں ہوگا اسی طرح اگر اکثر بدن پر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد کوئی عضو مل جائے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی لہٰذا مذکورہ صورت میں شرمگاہ کے ایک ہونے کو بنیاد بنا کر اکثر بدن کو نظر انداز کر کے ان کے ساتھ نکاح کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ماضی قریب کے فتاوی (فتاوی دار العلوم، فتاوی خلیلیہ، امداد الفتاوی) میں اس مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا ہے سب کے جوابات کا تقریباً یہی خلاصہ نکلتا ہے۔

لمافی الهندية (١٥٩/١) كتاب الصلوة الباب الحادى والعشرون: ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس يغسل ويكفن ويصلى عليه كذا في المضمرات وإذا صلي على الأكثر لم يصل على الباقي إذا وجد كذا في الإيضاح۔

وفى الدرالمختار (٣/٣) كتاب النكاح: (هو) عند الفقهاء (عقد يفيد ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي۔

وفى الشامية (٣٨/٣) كتاب النكاح فصل فى المحرمات: وحرم الجمع بين المحارم نكاحا أى عقدا صحيحاً۔

فصل فی المحرمات بالرضاع

(بوجہ رضاعت حرام عورتوں کا بیان)

(۲۸۲) حرمت رضاعت سے کن لوگوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ حرمت رضاعت کن کے دودھ پلانے سے کن کن افراد کے ساتھ ثابت ہوتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مدت رضاعت میں بچے کا مرضعہ (دودھ پلانی والی عورت) کا دودھ پینے سے دودھ پلانے والی عورت اوراس کے خاوند کے اصول، یعنی ماں باپ دادا، دادی وغیرہ اور فروع یعنی ان دونوں کی اولاد سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی اور رضیع کا ان سے نکاح جائز نہ ہوگا لہٰذا وہ تمام رشتے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں رضاعت میں بھی حرام ہوں گے۔

لما فی البخاری (۷۶۴/۲): عن عمرة بنت عبد الرحمن، أن عائشة رضي الله عنها، زوج النبي صلى الله عليه وسلم، أخبرتها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان عندها، وأنها سمعت صوت رجل يستأذن في بيت حفصة، قالت عائشة: فقلت: يا رسول الله، هذا رجل يستأذن في بيتك، قالت: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أراه فلانا لعم حفصة من الرضاعة، فقالت عائشة: لو كان فلان حيا لعمها من الرضاعة دخل علي؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم، إن الرضاعة تحرم ما يحرم من الولادة۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قيل للنبي صلى الله عليه وسلم: ألا تتزوج ابنة حمزة؟ قال: انها ابنة أخي من الرضاعة۔

وفی النسائی (۶۷/۲): عن عائشة رضی الله عنها عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: ماحرمته الولادة حرمه

الرضاع عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ قال: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔
وفی الشامیة (۲۱۵/۳) بو بیان ذلك أن الحدیث دل علی أن کل ما یحرم من النسب یحرم نظیره من الرضاع فیقال تحرم الأم نسبا فکذا تحرم الأم رضاعا وتحرم البنت نسبا فکذا تحرم البنت رضاعا وهکذا إلی آخر المحرمات النسبیة فأم أخیك الشقیق أو لأم إنما تحرم لکونها أمك لا لکونها أم أخیك ولذا تحرم علیك ولو لم یکن لك أخ منها۔

(۲۸۳) حرمت رضاعت اور نسب میں کن رشتوں میں فرق ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ نے سنا ہے کہ رضاعی اور نسبی رشتوں میں جو کہا جاتا ہے کہ رضاعت سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں وہ نسب سے بھی ہوتے ہیں لیکن رضاعت کے چند رشتے مستثنیٰ ہیں وہ رشتے کون سے ہیں، نہیں کیوں مستثنیٰ کیا جاتا ہے؟ کیا حدیث میں ذکر ہے؟ فقہاء کی عبارات سے مفصل ومدلل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

ایک حدیث میں آیا ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رشتے ولادت سے (یعنی نسب سے) حرام ہوتے ہیں وہی رشتے رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں جیسے نسب میں خون کی وجہ سے حرمت آتی ہے، اسی طرح رضاعت دودھ کی وجہ سے آتی ہے لہٰذا جہاں تک دودھ کا اثر جائے گا وہاں تک رشتۂ رضاعت کا تعلق ہوگا اور حرمت بھی آئے گی، اور جہاں اس اثر نہیں جاتا وہاں رشتہ رضاعت کا تعلق بھی نہیں ہوگا۔

رضاعت میں دودھ پینے اور پلانے کی نسبت سے چار لوگ ہیں:

(۱) مرضعہ (دودھ پلانے والی)

(۲) مرضع (دودھ پلانے والی کا شوہر، جس کی وجہ سے عورت میں دودھ آیا)

(۳) رضیع (دودھ پینے والا)

(۴) رضیعہ (دودھ پینے والی)

دودھ پلانے والوں میں حرمت رضاعت کا اثر اصول وفروع سب میں پھیل جاتا ہے، لہٰذا رضیع / رضیعہ کے لئے مرضع / مرضعہ کی طرف سے اصول وفروع میں سے جو لوگ نسبی رشتہ میں حرام ہیں وہ سب رضاعی رشتہ میں بھی حرام ہیں ان میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے، جیسے رضیع کے اوپر رضاعی رشتہ میں ماں، بہن، پھوپھی، خالہ، دادی، نانی، بھتیجی، بھانجی وغیرہ اور رضیعہ کے لئے باپ، بھائی، چاچا،

ماموں، دادا، نانا، بھتیجا، بھانجا وغیرہ سب حرام ہیں۔

مگر دودھ پینے والوں (یعنی رضیع / رضیعہ) میں حرمت صرف ان کے فروع میں آئے گی، اصول میں نہیں، کیونکہ دودھ کا اثر اصول تک تجاوز نہیں کرتا لہٰذا مرضع / مرضعہ اور باقی رضاعی محرمات پر رضیع کے تمام نسبی فروع تو حرام ہیں، مگر اصول حرام نہیں۔ فقہاء کرام نے استثناء کی چند مشہور صورتیں ذکر کی ہیں ان میں مذکورہ باتیں سامنے آتی ہیں۔

رضاعی بہن کی ماں، رضیع بیٹے کی بہن، رضیع کے چچا کی ماں، رضیع کی پھوپھی کی ماں، رضیع بیٹے کی دادی، رضیع بیٹے کی نانی، رضیع پوتے کی ماں، رضیع بیٹے کی پھوپھی وغیرہ۔ ان سب صورتوں میں مضاف ومضاف الیہ میں تذکیر وتانیث عام رکھا جائے تو ہر ایک میں چار چار صورتیں بنیں گی، جیسے (۱) رضاعی بھائی کا باپ۔ (۲) رضاعی بھائی کی ماں۔ (۳) رضاعی بہن کا باپ۔ (۴) رضاعی بہن کی ماں۔

اسی طرح مضاف ومضاف الیہ میں نسبی ورضاعی کو عام رکھا جائے تو ہر ایک میں مزید تین تین صورتیں بنیں گی جیسے (۱) رضاعی بہن کی نسبی ماں (۲) نسبی بہن کی رضاعی ماں (۳) رضاعی بہن کی رضاعی ماں (مضاف ومضاف الیہ دونوں نسبی ہوں تو ان کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں)، نسبی رشتے میں ان سب کا آپس میں نکاح حرام ہے۔

ان میں سے مذکر ہو تو مؤنث کے ساتھ، مؤنث ہو تو مذکر کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ سب لوگ رضیع کے فروع میں سے نہیں ہیں لہٰذا رشتہ رضاعت کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہے، محققین کے نزدیک استثناء کی مذکورہ صورتوں سے حدیث کی تخصیص نہیں ہوگی، کیونکہ یہ سب لوگ حدیث کے عموم کے تحت داخل نہیں ہیں۔

لمافی تکملة فتح الملهم بشرح صحيح مسلم (۴۰/۷) باب يحرم من الرضاعة مايحرم من الولادة: (عن عمرة أن عائشة رضى الله عنها أخبرتها أن رسول الله ﷺ كان عندها--- فقالت عائشة رضى الله عنها يا رسول الله! لو كان فلانا حيا (لعمها من الرضاعة) دخل على؟ قال، رسول الله ﷺ: نعم ان الرضاعة تحرم ماتحرم الولادة) --- وقد اجمعت الامة لهذا الحديث على ان ما يحرم من قربات النسب والصهرية يحرم امثالها فى الرضاع، فيحرم من الرضاع الامهات والبنات والاخوات والعمات والخالات والاعمام والاخوال وجميع الاصول الفروع۔ وقد استثنى منه الفقهاء بعض الصور، مثل ام اخته من الرضاع واخت ابنه من الرضاع وغيرهما، وقد بلغ ابن نجيم فى البحر الى احدى وثمانين صورة ولكنه استثناء منقطع لما قال ابن الهمام قالت طائفة هذا الاخراج تخصيص للحديث بدليل العقل، والمحققون على انه ليس تخصيصا --- فالحاصل ان الام النسبية لاخته الرضاعية انما تحل للرجل اذا لم ترضعه لانه لا نسب ولارضاع بينهما --- فالقول بجلتها ليس تخصيصا للنص ولا استثناء متصلا، وانما سماه الفقهاء استثناء من جهة الصورة فحسب لما كان يتوهم فى الظاهر انه داخل فى عموم

الحديث۔

وفی البحرالرائق (۳/۲۸۹):قوله (إلا أم أخته وأخت ابنه) يعني فإنهما يحلان من الرضاع دون النسب أطلق المضاف والمضاف إليه ففي أم أخته ثلاث صور الأولى الأم رضاعا والأخت نسبا بأن أرضعت أجنبية أخته نسبا ولم ترضعه الثانية عكسه أن يكون لأخته رضاعا أم من النسب الثالثة أن يكونا رضاعا بأن أرضعت امرأة صبيا وصبية ولهذه الصبية أم أخرى من الرضاع لم ترضع الصبي ---۔ وبعد اسطر: وأقول في بيان حلها إن مسألتي الكتاب أربع وعشرون صورة لأن لأم أخيه بتذكير الأخ وبتأنيث الأخت صورتين لجواز إضافة الأم إلى الأخ والأخت وكل منهما بالاعتبارات الثلاثة فهي ستة۔

وفی الدر المختار(۳/۲۱۴): واستثنى بعضهم إحدى وعشرين صورة وجمعها في قوله يفارق النسب الإرضاع في صور كأم نافلة أو جدة الولدوأم أخت وأخت ابن وأم أخ وأم خال وعمة ابن اعتمد (إلا أم أخيه وأخته) ----۔ (و) قس عليه (أخت ابنه) وبنته (وجدة ابنه) وبنته (وأم عمه) وعمته وأم خاله وخالته وكذا عمة ولده وبنت عمته وبنت أخت ولده وأم أولاد أولاده فهؤلاء من الرضاع حلال للرجل وكذا أخو ابن المرأة لها فهذه عشر صور تصل باعتبار الذكورة والأنوثة إلى عشرين وباعتبار ما يحل له أو لها إلى أربعين۔

(۲۸۴)رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے اپنی بہن کی بیٹی کو اپنا دودھ پلایا ہے اور اب وہ عورت اپنی بہن کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتی ہے جس لڑکی کو اس نے دودھ پلایا ہے تو اس طریقے سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ اس کا جواب قرآن اور حدیث کی روشنی میں تفصیل سے دیں۔

نوٹ: ایک سال سے کم عمر تھی جس بچی کو دودھ پلایا تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر وہ عورت جو کسی بچہ یا بچی کو دودھ پلائے تو وہ عورت اس کی رضاعی ماں کہلاتی ہے اور اس عورت کی اولاد اس بچہ یا بچی کے رضاعی بھائی و بہن ہوتے ہیں۔ جس طرح حقیقی بہن بھائی سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی سے بھی نکاح کرنا حرام

ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ عورت اپنی بہن کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا نکاح نہیں کر سکتی۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔الآیة۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۷۳) باب المحرمات: عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ یحرم من الرضاعة مایحرم من الولادة (رواه البخاری)۔

وفی الهندیة (۳۴۳/۱) کتاب الرضاع: یحرم علی الرضیع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا۔

وفی الدرالمختار(۲۱۷/۳)(باب الرضاع): (ولا) حل (بین الرضیعة وولد مرضعتها) أي التي أرضعتها (وولد ولدها) لأنه ولد الأخ۔

(۲۸۵) رضاعی ماموں سے نکاح درست نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اسلم کی ماں نے صابرہ کو دودھ پلایا یعنی صابرہ اسلم کی رضاعی بہن ہے اور اسلم کا ایک رضاعی ماموں ہے جس کا نام ذاکر ہے تو کیا صابرہ کا نکاح اسلم کے رضاعی ماموں ذاکر کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اسلم کے رضاعی ماموں ذاکر (یعنی جس نے اسلم کی نانی کا دودھ پیا ہے) کا نکاح اسلم کی رضاعی بہن صابرہ کے ساتھ جائز نہیں اس لئے کہ ذاکر جس طرح اسلم کا رضاعی ماموں ہے اسی طرح صابرہ کا بھی رضاعی ماموں ہے۔

لمافی الدرالمختار(۳۱/۳): (و) حرم (الکل) مما مر تحریمه نسبا ومصاهرة (رضاعا) إلا ما استثني في بابه۔

و فی الرد تحته: وقوله رضاعا تمییز عن نسبة تحریم إلی الکل یعني یحرم من الرضاع أصوله وفروعه وفروع أبویه وفروعهم۔

(۲۸۶) رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح کا حکم

سؤال

ایک بچہ نے مدت رضاعت میں ایک عورت کا دودھ پیا اب وہ بچہ بعد از بلوغ اپنی رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بچہ اور اس کی رضاعی ماں کی اخیافی بہن رضاعت کے رشتے سے آپس میں خالہ اور بھانجا ہوئے اور جس طرح حقیقی اخیافی خالہ کے ساتھ نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی اخیافی خالہ کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ اس لئے کہ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتے ہیں لہٰذا یہ لڑکا اپنی رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔

لمافی بدائع الصنائع (۴/۲-۳): وأخوات المرضعة يحرمن على المرضع لأنهن خالاته من الرضاعة واخواتها أخوال المرضع فيحرم عليهم كما في النسب۔

وفي الهندية (۱/۲۷۳): وأما الخالات فخالته لأب وأم وخالته لأب وخالته لأم۔

(۲۸۷) اگر نانی کا دودھ پیا ہو تو اپنی خالہ زاد سے نکاح جائز نہیں

سؤال

ایک شخص نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے آیا اس شخص کا نکاح اپنی ماموں زاد یا خالہ زاد سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص کا نکاح جس نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہو اپنی خالہ زاد اور ماموں زاد سے نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اس کی بھانجیاں اور بھتیجیاں بن گئیں تو جس طرح نسبی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے بھی حرام ہے جیسا کہ نصوص سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

جامع الترمذی (۱/۲۱۷) عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب۔

وفی الدرالمختار(۲۱۷/۳): (ولا حل بين رضيعي امرأة) لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن والأب (ولا) حل (بين الرضيعة وولد مرضعتها) أي التي أرضعتها (وولد ولدها) لأنه ولد الأخ۔

(۲۸۸) بیوی کی رضاعی یا سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح بیوی کی رضاعی ماں کا کیا حکم ہے، اس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ اسبابِ حرمت میں سے کوئی سبب موجود نہیں اور بیوی کی رضاعی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ اسبابِ حرمت میں سے ایک سبب رضاعت موجود ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)۔۔۔ فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها أو أمة ثم سيدتها لأنه لو فرضت المرأة أو امرأة الابن أو السيدة ذكرا لم يحرم بخلاف عكسه

وفی الرد تحته: قوله (لم يحرم) أي التزوج في الصور الثلاث لأن الذكر المفروض في الأولى يصير متزوجا بنت الزوج وهي بنت رجل أجنبي۔

(۲۸۹) رضاعی بہن بھائی کے سگے بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو بہنوں میں سے ایک کے چار بیٹے ہیں، جبکہ دوسری کی پانچ بیٹیاں ہیں۔ ایک بہن نے اپنے سب سے بڑے بھانجے کو دودھ پلایا اور اس کے علاوہ کسی کو نہیں پلایا۔ اسی طرح دوسری بہن نے بڑی سے چھوٹی بھانجی کو دودھ پلایا۔ اب ان میں سے کس کس کا نکاح آپس میں حرام ہے؟ مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

خالہ نے جس بھانجے کو دودھ پلایا ہے اس پر خالہ کی تمام بیٹیاں حرام ہیں اور اسی طرح دوسری خالہ نے جس بھانجی کو دودھ پلایا اس پر اس کے تمام یعنی چاروں بیٹے حرام ہیں اور دیگر اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے۔

لما في التاتارخانية (۴۲۱/۳): ولو أرضعت أم البنات واحدا من البنين وأرضعت التي لها البنون واحدة من البنات لايجوز لذلك الابن أن يتزوج بتلك المرأة ولا بإحدى بناتها وجاز لاخوته أن يتزوجوا بنات تلك المرأة الا البنت التي أرضعتها أمهم۔

وفي الدر المختار (۲۱۷/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

(۲۹۰) رضاعی ماں کی نواسی سے نکاح جائز نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ رضاعی ماں کی نواسی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ صورت مسئولہ یہ ہے کہ زید نے ایک عورت عائشہ کا دودھ پیا اور عائشہ کی ایک حقیقی بیٹی تھی جس کا نام ناصرہ تھا، اب ناصرہ کی شادی ہوگئی اور اس کی بیٹیاں ہیں ایک بیٹی کا نام ماجدہ ہے اب زید اس ماجدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعاً یہ نکاح درست ہوگا نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ ناصرہ نے بھی عائشہ ہی کا دودھ پیا ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

حدیث شریف میں آتا ہے **"الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة"** (بخاری، ۷۶۴/۲)۔ یعنی جو رشتے ولادت (نسب) کی وجہ سے حرام ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا اپنی رضاعی ماں کی نواسی سے نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ زید کی رضاعی بہن کی بیٹی ہے یعنی آپس میں رشتہ ماموں، بھانجی والا ہے تو جیسے نسبی بھانجی سے نکاح جائز نہیں ایسے ہی رضاعی بھانجی سے بھی جائز نہیں۔

لما في الخانية على هامش الهندية (۴۱۶/۱): الرضاع في إثبات حرمة المناكحة بمنزلة النسب والصهرية كما أن الحرمة بالنسب إذا ثبتت في الأمهات والبنات تتعدى إلى الجدات والنوافل فكذا إذا ثبتت بالرضاع تتعدى إلى أصول المرضعة وفروعها واخوتها وأخواتها وهذه الحرمة كما تثبت في جانب الأم تثبت في جانب الأب

وفي الشامية (٢١٥/٣): وبيان ذلك أن الحديث دل على أن كل ما يحرم من النسب يحرم نظيره من الرضاع فيقال تحرم الأم نسبا فكذا تحرم الأم رضاعا وتحرم البنت نسبا فكذا تحرم البنت رضاعا وهكذا إلى آخر المحرمات النسبية۔

(۲۹۱) جنس تبدیل کرانے سے رضاعت کے احکام

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے جنس تبدیل کرائی تھی بعد میں اس نے دوسری لڑکی سے شادی کرلی (جنس تبدیل کرنے میں مرد کی شرمگاہ وغیرہ اس میں آگئی) اب پوچھنا یہ ہے کہ اس لڑکی نے جنس تبدیل کرنے سے پہلے ایک بچے کو دودھ پلایا تھا تو یہ عورت اس بچے کی ماں شمار ہوگی یا نہیں؟ جنس تبدیل کرنے سے شرعاً وہ عورت مرد بن گئی ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تعالیٰ کی حکیم ذات نے انسان کو جس جنس وطرز پر پیدا فرمایا ہے اس میں ہزاروں حکم وسرائر پنہاں ہیں، جن کا عقلِ انسانی ادراک نہیں کرسکتی۔ اس لئے اس میں کسی بھی قسم کی وصفاً یا جنساً تبدیلی وتغیر کرنا، ناجائز وحرام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: "أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا" (النساء:١٢١) یعنی ایسے (کرنے والے) لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پاویں گے۔ (بیان القرآن)...... نیز ایسا شخص ازروئے حدیث موردِ لعنت ہے۔

البتہ اگر کسی نے جنس تبدیل کرلی (جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں ہے) تو شرعاً وہ مرد شمار ہوگا۔ یعنی مردوں کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ نیز بحالت سابق یعنی عورت ہونے کی حالت میں اس نے جس بچہ کو دودھ پلایا تھا۔ اس بچے اور اس موجودہ مرد کے درمیان جو حرمت رضاعت ثابت ہوچکی تھی، باقی رہے گی، کیونکہ رضاعت سے مقصود غذائیت اور نشوونما ہے اور یہ مقصود حاصل ہوچکا لہٰذا حرمت رضاعت ثابت رہے گی اور اگر آئندہ اس کے مرد ہونے کی حیثیت سے اولاد ہو تو ان کا نکاح اس رضاعی بچے سے جائز نہ ہوگا۔

لما في قوله تعالى (النساء:١١٩): وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا (١١٩) يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (١٢٠) أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا (١٢١)

وفي تكملة فتح الملهم (١٩٥/٤): والحاصل: ان كل ما يفعل في الجسم من زيادة او نقصان من

اجل الزينة بما يجعل الزيادة او النقصان مستمراً مع الجسم وبما يبدو منه انه كان فی اصل الخلقة فانه تلبيس وتغيير منهی عنه۔

وفی الدرالمختار(۲۱۹/۳) باب الرضاع: لا (لبن رجل) ومشكل إلا إذا قال النساء إنه لا يكون على غزارته إلا للمرأة وإلا لا۔

وفی الرد تحته: قوله (إلا إذا قال الخ) لأنه حينئذ يتضح أنه امرأة كما ذكروه في باب الخنثى فيثبت به التحريم رحمتي۔

فصل فی الحرمة المصاهرة

(حرمت مصاهرت کا بیان)

(۲۹۲) حرمت مصاہرت کے ثبوت کی شرائط

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ حرمت مصاہرت کے ثابت ہونے کیلئے کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟ اور کن افراد کو شہوت سے چھونے سے یہ ثابت ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

حرمت مصاہرت عورت کے بدن کو بلا حائل کے (یا اتنا باریک کپڑا وغیرہ ہو کہ جسم کی حرارت محسوس ہو) شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے، بوسہ لینے یا فرج داخل کو دیکھنے یا زنا کا مرتکب ہوجانے سے ثابت ہوجاتی ہے۔

حرمت مصاہرت کیلئے دونوں جانب سے شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں بلکہ ایک جانب شہوت کا پایا جانا کافی ہے پھر مرد میں شہوت کی حد یہ ہے کہ آلے میں انتشار پیدا ہوجائے اور اگر پہلے سے انتشار ہو تو اس میں شدت بڑھ جائے اور عورت میں شہوت کی حد یہ ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہوجائے اور اگر پہلے سے حرکت ہو تو اس میں زیادتی ہوجائے تو یہ شہوت کہلائے گی لیکن یاد رہے کہ حرمت مصاہرت کے ثبوت کیلئے فاعل کا اقرار یا دو عادل گواہوں کی گواہی کا پایا جانا ضروری ہے نیز اگر بیوی کسی شخص (مثلاً سسر وغیرہ) پر مس بالشہوۃ وغیرہ کا الزام لگائے تو شوہر کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ ممسوسہ لڑکی نو سال سے زیادہ عمر کی ہو ورنہ حرمت ثابت نہ ہوگی۔

لمافی الهندية (۲۷۴/۱): وتثبت حرمة المصاهرة بالنكاح الصحيح دون الفاسد كذا في محيط السرخسي ۔۔۔ وتثبت بالوطء حلالا كان أو عن شبهة أو زنا كذا في فتاوى قاضي خان فمن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا كذا في فتح القدير ۔۔۔ (ص۲۷۵): وحد الشهوة

في الرجل أن تنتشر آلته أو تزداد انتشارا إن كانت منتشرة كذا في التبيين وهو الصحيح كذا في جواهر الأخلاطي وبه يفتى كذا في الخلاصة۔

وفی الشامية (٣٤٦/٦): قوله (في الديانات) أي المحضة درر احتراز عما إذا تضمنت زوال ملك كما إذا أخبر عدل أن الزوجين ارتضعا من امرأة واحدة لا تثبت الحرمة لأنه يتضمن زوال ملك المتعة فيشترط العدد والعدالة جميعا إتقاني۔

وفيه ايضاً(٣٣/٣): قوله (وأصل ماسته) أي بشهوة قال في الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك۔

وفی الدر المختار(٣٧/٣): (وبنت) سنها (دون تسع ليست بمشتهاة) به يفتى۔

وفی الرد تحته: قوله (ليست بمشتهاة به يفتى) كذا في البحر عن الخانية ثم قال فأفاد أنه لا فرق بين أن تكون سمينة أو لا ولذا قال في المعراج بنت خمس لا تكون مشتهاة اتفاقا وبنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا وفيما بين الخمس والتسع اختلاف الرواية والمشايخ والأصح أنها لا تثبت الحرمة اھ

(۲۹۳)حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے لڑکی کا نوبرس کا ہونا شرط ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً آٹھ سال سے کچھ زائد ہے۔ رات کو بادل گرج رہے تھے لڑکی خوف کی وجہ سے اپنے والد کے ساتھ سوگئی۔ اسی رات کو باپ نے اپنی زوجہ سے صحبت کا ارادہ کیا تو حالت شہوۃ میں اس کا ہاتھ لڑکی کو لگ گیا۔ اس صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بچی چونکہ نابالغہ ہے اور وہ حد شہوۃ تک نہیں پہنچی یعنی عمر ۹ سال سے کم ہے، اس لئے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی نیز باپ کے اس فعل پر شریعت میں اس سے کچھ مواخذہ گناہ وغیرہ کا نہ ہوگا البتہ اس عمر کی بچی کا والد کیساتھ سونا مناسب نہیں اس سے احتراز لازم ہے۔

لما فی الشامية (٣٧/٣): قوله (فدخلت فراش أبيها) كنى به عن المس وإلا فمجرد الدخول بغير

مس لا يعتبر ط قوله (ليست بمشتهاة به يفتى) كذا في البحر عن الخانية ثم قال فأفاد أنه لا فرق بين أن تكون سمينة أو لا ولذا قال في المعراج بنت خمس لا تكون مشتهاة اتفاقا وبنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا وفيما بين الخمس والتسع اختلاف الرواية والمشايخ والأصح أنها لا تثبت الحرمة اھ

(۲۹۴) حرمت مصاہرت سے بیوی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جب ایک آدمی کے ساس یا بیٹی کو چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے کیا اس آدمی کیلئے دوبارہ اپنی بیوی کو ساتھ رکھنے کی کوئی صورت ممکن ہے؟ قرآن اور حدیث سے مسئلہ کی وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے بعد اب بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی دوبارہ اسے رکھنے کی کوئی صورت نہیں۔

لما فی المصنف لابن ابي شيبه (۱۶۵/۴) كذا فی اعلاء السنن (۴۰/۵): عن ابی هانی رضی الله عنها مرفوعاً، ومن نظر الی فرج امرأة لم تحل له امها ولا بنتها۔

وفی اعلاء السنن (۴۰/۱۱): عن الحسن البصری، عن عمران بن حصين قال فيمن فجر بام امرأته حرمتا عليه رواه عبدالرزاق ولا باس باسناده۔

وفی الدرالمختار (۳۰/۳): و حرم المصاهرة (بنت زوجته الموطوءة وأم زوجته) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح (وإن لم توطأ) الزوجة لما تقرر أن وطء الأمهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الأمهات ويدخل بنات الربيبة والربيب وفي الكشاف واللمس ونحوه كالدخول عند أبي حنيفة وأقره المصنف۔

(۲۹۵) حرمت مصاہرت میں [المرأة كالقاضی] کے قاعدہ کا اجراء

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص بیوی کو تین طلاقیں دے اور بیوی سن لے

[illegible] تین طلاقیں بھی دی ہیں اس صورت میں عورت کے لئے جائز ہے کہ [illegible] قتل تک کرنے کا حق ہے لیکن [illegible]
[illegible] سسر بیٹے کو شہوت سے ہاتھ لگنے پھر شوہر تصدیق سے انکار کرے اور قاضی صحیح کا فیصلہ کرے تو کیا
[illegible] عورت [illegible] یہاں عورت کے [illegible] تحت [illegible] نہیں جایا جا سکتا اور شوہر کی تصدیق کا اتفاق نہیں
[illegible] ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

طلاق کے [illegible] کتب فقہ میں [illegible] تین طلاق دے تو حد الامکان قاضی بھی عورت شوہر [illegible]
[illegible] طلاق کے ذریعے [illegible] ہو جائے البتہ شوہر کو قدرت دی جائے [illegible] قتل کرنا بھی جائز نہیں
[illegible] ہو گئے [illegible] ہے۔

جہاں تک [illegible] صورت کا تعلق ہے سسر یا بیٹا شہوت سے چھوئے اور پھر شوہر اور سسر عورت کی تصدیق نہ کریں تو
[illegible] عورت [illegible] ہے تو ظاہر ہے فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہوگا البتہ اس صورت میں تین طلاقوں کی طرح [illegible]
[illegible] ہو جائے گا [illegible] کتب فقہ میں اس کے [illegible] تصریح نقل کی ہے البتہ حیلہ ناجزہ میں ایک رسالہ "اختلافات فی حیات الحرمۃ
[illegible] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے میں [illegible] کا قول نقل ہے عبارت یہ ہے:

[illegible] عورت کا دعویٰ صحیح ہو مگر شہادت معتبر نہ ہو اور قاضی نے حلف کر لیا اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا
[illegible] ان کی زوجیت میں رہنے کا حکم دیا تو اس عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے [illegible] قدرت
دے بلکہ [illegible] کے ذریعے اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرے اور اگر تدبیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس چلے اس شوہر کو
پاس نہ آنے دے (کما صرح بہ فی الدر المختار وغیرہ فیمن سمعت من زوجہا الطلاق الثلاث ولا بینۃ
لہا)

[illegible] قاضی نے عورت کا دعویٰ رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی کر دیا کہ بدستور اس شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں
عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں اس کے متعلق بندہ کو کوئی تصریح ملی اور بندہ اسے آخر کی قیم ناقص میں آیا اور تحریر تلاش کے
بعد جب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند سے معلومات پر بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم سے
مراجعت کی حضرت نے ارشاد فرمایا قواعد سے صاف واضح ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں .... یہ بھی
ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اس میں شرح صدر ہے مجھ تردد نہیں اور مفتی صاحب موصوف نے بھی اس میں موافقت فرمائی۔ (حیلہ
ناجزہ ص ۶۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی روشنی میں سسر کے بیٹے کو شہوت سے چھونے کے مسئلے میں بھی عورت کو اگر یقین ہو اور [illegible]

ساتھ رہنے کا فیصلہ کردے تو عورت کو تمکین دینا جائز نہ ہوگا۔

لما فی الطحطاوی علی الدر (۲/۱۱۳): واعلم ان المرأة کالقاضی لا یحل لھا أن تمکنه اذا سمعت أو شھد عندھا به عدل لکن تعتبر نیته بینه وبین الله تعالیٰ، درر، فتدفعه عن نفسھا بخیر القتل علی المختار للفتوی وعلی القول بالقتل فتقتله بالدواء ۔۔۔ والمراد بکون المرأة کالقاضی ان ذلك فی عدم التصدیق لا مطلقا لأن خبر الواحد یعتبر عند المرأة ولا یعتبر عند القاضی لأن شأن القاضی التفریق وشأن المرأة عدم التمکین احتیاطا، بحر۔

(۲۹۶) شوہر کی تصدیق کے بعد بیوی کا رجوع عن الاقرار درست نہیں

سؤال

ہمارے پڑوس میں ایک عورت رہتی ہے اس کی اپنے سسر کے ساتھ کسی بات پر سخت لڑائی ہوگئی۔ ایک دوسرے پر سخت الزامات لگادیئے گئے یہاں تک کہ اس عورت نے کہا کہ ایک مرتبہ سسر نے مجھے بدنیت کے ساتھ پکڑلیا اور بوسہ بھی لیا تھا۔ اس کے شوہر نے بھی اس کی تائید کی البتہ اس لڑائی کے بعد جب دونوں میں صلح ہوگئی تو اس عورت نے کہا کہ میں نے غلط الزام لگایا تھا۔ اب اس صورت میں یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کے اس الزام (کہ سسر نے مجھے بدنیتی کے ساتھ پکڑا اور بوسہ بھی لیا) کی جب اس کے شوہر نے تصدیق کرلی تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی، البتہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کے لئے قضائے قاضی یا شوہر کے الفاظ مثلاً میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تیرا راستہ خالی کردیا وغیرہ ضروری ہوں گے اور شوہر کی تصدیق کے بعد عورت کا اپنے الزام سے رجوع معتبر نہیں لہٰذا ان دونوں کا ساتھ رہنا جائز نہیں۔

لما فی البخاری (۲/۷۶۵): عن ابن عباس رضی الله عنھما حرم من النسب سبع ومن الصھر سبع ثم قرأ حرمت علیکم امھاتکم، الآیة۔

وفی الدر المختار (۳/۳۷، ۳۸): وبحرمة المصاھرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج بآخر إلا بعد المتارکة وانقضاء العدة والوطء بھا لا یکون زنا۔

وفی الرد تحته: قوله (إلا بعد المتارکة) أي وإن مضی علیھا سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوي إلا بعد تفریق القاضي أو بعد المتارکة اھ وقد علمت أن النکاح لا یرتفع بل یفسد وقد

صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولا بها كتركتك أو خليت سبيلك ـ ـ ـ وبعد اسطر: قوله (وإن ادعت الشهوة في تقبيله) أي ادعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة ـ ـ ـ قوله (فهو مصدق) لأن ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر ـ ـ ـ قوله (ولا يصدق أنه كذب إلخ) أي عند القاضي أما بينه وبين الله تعالى إن كان كاذبا فيما أقر لم تثبت الحرمة۔

(۲۹۷) حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقط شوہر کی تصدیق کی اہمیت کیوں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حرمت مصاہرت چھونے سے کیوں ثابت ہوجاتی ہے احادیث ذکر کردیں دیگر ائمہ کا مذہب بھی بتادیں نیز شوہر کا باپ اپنی بہو کو مس بالشہوۃ کرے پھر شوہر تصدیق کردے لیکن سسر منکر ہو کیا ہوگا؟ حرمت ثابت ہوگی؟ یعنی بیوی کا دعویٰ اور شوہر کی تصدیق کافی ہوگی یا سسر سے تفتیش ہوگی اگر سسر ہی نہیں مان رہا تو پھر حرمت کیوں ثابت ہورہی ہے گواہ اور قسم نہیں چلیں گے۔ مسئلہ کیا ہے حل کیا ہے؟ تمام پہلوؤں پر نظر فرمائیں نیز یہ بھی بتائیں کہ شوہر کی تصدیق کی اتنی اہمیت کیوں ہے کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے سوال میں مختلف باتیں دریافت کی گئی ہیں بالترتیب ان کے جواب دیئے جارہے ہیں:

(۱) شہوت کے ساتھ چھونا یا فرج داخل کی طرف دیکھنا چونکہ قبل (شرمگاہ) میں وطی کرنے کا سبب اور ذریعہ ہے لہٰذا ان احتیاطًا وطی کے قائمقام کرکے ان پر وطی کا حکم لگایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لمس یا نظر کے ساتھ انزال ہوجائے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں لمس اور نظر ہمبستری کے سبب نہیں رہتے ہیں۔

شریعت نے عورت کی عزت واحترام کا بہت زیادہ لحاظ رکھا ہے اسی وجہ سے بعضیت کے شبہ کی بنیاد پر شریعت نے رضاعت بھی موجب حرمت قرار دیا ہے۔

مس (چھونے) اور نظر (دیکھنے) سے حرمت مصاہرت کا ثبوت احادیث سے بھی ہوتا ہے ذیل میں چند احادیث ذکر کی جارہی ہیں:

۱) عن ابی ھانی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من نظر الی فرج امرأة لم تحل له أمها ولا ابنتها" (المصنف لابن ابی شیبة، ۹/۹۹)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے راویوں کی تعدیل نقل کرکے اس حدیث کو قابلِ حجت قرار دیتے ہوئے

فرمایا ہے "فالسند حسن إلا أنه مرسل وهو حجة عندنا وعند الجمهور من السلف"(اعلاء السنن، ۱۱/ ۳۳، ط:ادارة القرآن)

۲) عن علقمة عن عبد الله ﷺ قال:" لا ينظر الله إلى رجل نظر الى فرج امرأة وابنتها"

۳) عن مكحول أن عمر ﷺ جرد جارية له ونظر اليها فساله إياها بعض ولده فقال: انها لا تحل لك۔

۴) عن الحكم قال: قال مسروق حين حضرته الوفاة انى لم اصب من جاريتى هذه الا مايحرمها ولدى اللمس والنظر۔

۵) عن ابن عمر رضى الله عنهما قال ايما رجل جرد جارية فنظر منها إلى ذلك ألا فانها لا تحل لابنه۔

۶) سئل جابر بن زيد، عن جارية كانت لرجل فمس قبلها بيده، أو أبصر عورتها ثم وهبها لابن له أيصلح له أن يتطئها قال: لا. (المصنف لابن ابى شيبة ۹/۹۵)

۷) عن ابراهيم قال إذا قبّل الرجل المرأة من شهوة او مس أو نظر إلى فرجها لا تحل لأبيه ولابنه۔ (المصنف لابن عبد الرزاق ۶/۲۸۲)

۸) عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه قال: اذا جامع المرأة أو قبّلها أو لمسها بشهوة أو نظر إلى فرجها بشهوة حرمت على ابيه وابنه وحرمت عليه امها وابنتها"۔ (بحواله البنايه ۴/۶۶)

۹) قال ﷺ: "ملعون من نظر إلى فرج امرأة وابنتها"۔ (تبيين الحقائق، ۲/۴۶۹)

اسکے علاوہ بھی دیگر بہت سے آثار اور روایات سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوتا ہے جن روایات میں "من نظر إلى فرج امرأة الخ" جیسے الفاظ ہیں یعنی صرف دیکھنے سے مصاہرت کے ثبوت کا حکم ذکر ہے ان سے دخول اور لمس سے مصاہرت کے ثبوت پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ جب نظر سے حرمت کا ثبوت ہو رہا ہے تو لمس اور دخول تو درجہ میں نظر سے زیادہ ہیں لہذا ان سے مصاہرت کا ثبوت بدرجہ اولی ہوگا چنانچہ صاحب البدائع نظر کی احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"فاذا ثبتت الحرمة بالنظر فبالدخول أولى و كذا باللمس، لأن النظر دون اللمس فى تعلق الأحكام بها"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت عمر، ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، عمران بن حصین، جابر بن عبد اللہ، ابی بن کعب، حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مسلک ہے کہ شہوت کے ساتھ چھونے وغیرہ سے مصاہرت کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

جمہور تابعین مثلاً حسن بصری، شعبی، ابراہیم نخعی، محمد شہاب زہری، طاؤس، مجاہد، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، حماد، سفیان

نیز امام اسحاق بن راہویہ بھی اسی کے قائل تھے۔

ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی و امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک بھی شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے راجح قول کے مطابق شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے۔
علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لمس اور نظر وغیرہ سے حرمت مصاہرت کے اثبات پر دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فقول أصحابنا الحنفية قوي رواية ودراية" (إعلاء السنن ۱۱/۲۳)

فقہاء احناف نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر بیوی سسر وغیرہ کے بالشہوۃ چھونے کی مدعی ہو اور شوہر تصدیق نہ کرے تو تنہا حرمت ثابت نہ ہوگی۔ حرمت مصاہرت کے ثبوت کیلئے شرعاً شوہر کی تصدیق یا اقرار ضروری ہے صورت مسئولہ میں بھی جب شوہر نے بیوی کی تصدیق کردی تو حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوجائے گا سسر سے تحقیق نہ ہوگی۔

باقی رہا یہ اشکال کہ شوہر کی تصدیق کی اتنی اہمیت کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کے اثبات سے شوہر کا حق تمتع زائل ہوجاتا ہے اور اس کی بیوی ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہوجاتی ہے لہٰذا وہ صاحب معاملہ ہے اس کی تصدیق کے بغیر اس کا حق زائل نہ ہوگا۔

اقراری صورت میں بھی شوہر خود اپنے حق کے سقوط کا اقرار کررہا ہے تو حرمت کا ثبوت ہوجائے گا قاعدہ "المرء مؤاخذ بإقراره" آدمی اپنے اقرار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ تصدیق یا اقرار دونوں صورتوں میں اصل شوہر ہے شوہر بیوی کے بدن سے استمتاع کا مالک ہے اب اگر بیوی یہ دعویٰ کرے کہ مجھے شہوت کے ساتھ چھوا گیا ہے یا سسر دعویٰ کرے کہ میں نے بہو کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے تو گویا کہ شوہر سے حق تمتع کو چھینا جارہا ہے اس لئے صاحب حق یعنی شوہر کی تصدیق ضروری ہوگی۔ البتہ سسر سے تصدیق کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا کوئی حق متعلق نہیں۔

لما في تبيين الحقائق (۲/۲۹۰): (والزنا واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة) ـــــ وقال صلى الله عليه وسلم ملعون من نظر إلى فرج امرأة وابنتها وقال صلى الله عليه وسلم من نظر إلى فرج امرأة لم تحل له أمها ولا ابنتها وقال صلى الله عليه وسلم من مس امرأة بشهوة حرمت عليه أمها وابنتها وهو مذهب عمر وعمران بن الحصين وجابر بن عبد الله وأبي بن كعب وعائشة وابن مسعود وابن عباس وجمهور التابعين ـــــ وفي (ص ۲۷۳) والمس بشهوة كالجماع لما روينا ولأنه يفضي الى الجماع فأقيم مقامه

وفي الهندية (۱/۲۷۵): لو أقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما ـــــ والإصرار على هذا الإقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك وقال كذبت فالقاضي لا يصدقه ولكن فيما بينه وبين

الله تعالى إن كان كاذبا فيما أقر لا تحرم عليه امرأته۔[1]

(۲۹۸) شامیہ کی ایک عبارت سے سسر اور دیور کی تصدیق بھی ضروری ہونے کے شبہ کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حرمت مصاہرت سے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے حرمت مصاہرت میں بالفرض شوہر کا باپ اگر عورت کو شہوت سے چھولے اور عورت دعویٰ کرے تب بھی شوہر کی تصدیق کے بغیر عورت کا دعویٰ غیر معتبر ہے اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ شوہر کے مفاد پر ضرر پڑرہا ہے لہٰذا اس کی تصدیق ضروری قرار دی گئی۔شامیہ کی ایک عبارت سے بندے کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر ایک لڑکا کسی لڑکی کو ہاتھ لگائے گا یا لڑکی کسی لڑکے کو ہاتھ لگانے کا دعویٰ کرتی ہے تو یہ اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک لڑکے کا باپ یا بیٹا تصدیق نہ کرے کیونکہ ان کے مفاد پر ضرر پڑتا ہے مستقبل میں یہ باپ اور بیٹا اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتے لہٰذا ان کی تصدیق بھی ضروری ہونی چاہیئے۔وہ عبارت یہ ہے:

"وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه" (الشامية ٣٣/٣)

الجواب بعون الملك الوهاب

حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے ایسے شخص کی تصدیق ضروری ہے جس کا ضرر فی الحال متحقق ہو یعنی حرمت مصاہرت کے ثبوت سے اس کا فی الواقع موجود نکاح ٹوٹ رہا ہو، چنانچہ شوہر کو چونکہ فی الحال ضرر پہنچتا ہے کیونکہ شوہر کا فی الواقع نکاح ٹوٹ رہا ہے اس

---

[1] وهكذا في مسبوط السرخسي (٢٣١/٤)، وفتح القدير (٢٢٢/٣)، والتاتارخانية (٥٩/٤)، وحاشية الطحطاوی (١٧/٢) والهندية (٢٧٥/١) والدر المختار (٣٤٦/٦)۔

وفي شرح المجلة (ص٥٣) المادة ١٧٩ المقالة الأولى "المرء مواخذ باقراره" ومثله في جامع الفصولين (٤٤/٢)

حرمت مصاہرت سے متعلق ائمہ اربعہ رحمہ اللہ علیہم کے مذاہب معلوم کرنے کیلئے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

(١) مؤطا للامام مالك (ص٥٠٥) (٢) الشرح الكبير لابن قدامة (٤٨٠/٧)

(٣) المجموع شرح المهذب (٣٨١/١٧) (٤) منح الجليل شرح مختصر الخليل (٢١٣/٣)

(٥) التاج الاكليل لمختصر الخليل (٤٦٢/٣) (٦) حاشية الصاوی (٣٩٩/١)

(٧) كتاب الفروع لشمس الدين المقدسی (٩٥/٣) المدوّنة الكبرى (١٩٧/٢)

(٩) فتح الباري (١٢٩/٩) (١٠) اعلاء السنن (٣٣/١١)

لئے اس کی تصدیق ضروری ہوتی ہے اور باپ اور بیٹے کی تصدیق جبکہ حرمتِ مصاہرت اجنبیہ کے ساتھ ہوتو چونکہ فی الحال باپ بیٹے کو ضرر نہیں پہنچتا کہ ان کا نکاح فی الواقع ٹوٹ رہا ہو بلکہ آگے ان کے لئے اس سے نکاح کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اس وجہ سے ان کی تصدیق حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کے لئے ضروری نہیں ہے۔

باقی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر کے حوالہ سے جو عبارت ذکر کی ہے اس میں حرمت مصاہرت کی مختلف صورتیں بیان کرنا مقصود ہے لیکن سب میں جس شخص کی تصدیق کو ضروری قرار دیا گیا ہے وہ شوہر ہی ہے چنانچہ فتح القدیر کی پوری عبارت اس طرح ہے:

"وثبوت الحرمة بمسها مشروط بأن يصدقها أو يقع فى أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسف أنه ذكر في الأمالي ما يفيد ذلك قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت كان عن شهوة إن كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة الخ"

''عورت کے چھونے سے حرمتِ مصاہرت کا ثبوت اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ شوہر اس کی تصدیق کرے یا اس کی غالب رای میں یہ ہو کہ اس نے ایسا کیا ہے اور اسی بنا پر مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اگر کوئی عورت کو چھوئے تو وہ عورت چھونے والے کے باپ اور بیٹے پر حرام نہ ہوگی مگر یہ کہ یہ دونوں اس کی تصدیق کریں یا ان کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ سچ کہہ رہا ہے پھر میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت دیکھی جس کو انہوں نے امالی میں ذکر کیا ہے جو اس قیاس کا فائدہ دے رہی ہے وہ عبارت یہ ہے کہ عورت نے اپنے شوہر کے بیٹے کا بوسہ لیا اور کہتی ہے کہ یہ شہوت سے تھا تو اگر شوہر اس کو جھٹلائے تو ان کے درمیان تفریق نہ ہوگی اور اگر شوہر اس کی تصدیق کرے تو فرقت واقع ہو جائے گی۔''

اس عبارت میں تین صورتوں کا ذکر ہے:

(۱) کوئی لڑکا اپنی ماں کو چاہے سگی ہو یا سوتیلی شہوت کے ساتھ چھوئے تو اس صورت میں اس لڑکے کے باپ پر یہ عورت اس وقت حرام ہوگی جبکہ اس لڑکے کا باپ اپنے بیٹے کی تصدیق بھی کرے اور یہ باپ اصل میں اس عورت کا شوہر ہی ہے۔

(۲) کوئی اپنی بہو کو شہوت کے ساتھ چھوئے تو یہ اس کے بیٹے پر اس وقت حرام ہوگی جبکہ اس کا بیٹا اس کی تصدیق بھی کرے یا اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اس کا والد سچ کہہ رہا ہے اور یہ بیٹا بھی دراصل اس عورت کا شوہر ہی ہے۔

(۳) تیسری صورت جو مقیس علیہ ہے وہ یہ ہے کہ عورت اگر اپنے شوہر کے بیٹے یا باپ کو شہوت کے ساتھ چھوئے تو یہ عورت اپنے شوہر پر اس وقت حرام ہوگی جبکہ شوہر اس عورت کی تصدیق بھی کرے، ان تمام صورتوں میں جس کی تصدیق کو ضروری قرار دیا گیا ہے وہ دراصل شوہر ہی ہے جنکا ضرر فی الواقع متحقق ہے اور ظاہر عبارت سے جو وہم ہو رہا ہے کہ باپ بیٹے کی ہر حال میں تصدیق ضروری ہے وہ اس عبارت کا مطلب نہیں ہے۔

(۲۹۹) کسی کی عزت ووجاہت کی وجہ سے حرمت ساقط نہیں ہوتی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی پہلی بیٹی کا [جس کی عمر تقریباً گیارہ سال ہے] شہوت سے بوسہ لیا۔ کیا اس سے حرمت ثابت ہوگئی جبکہ یہ بڑا نیک آدمی ہے لوگ اس کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور جہاں بھی دو فریقوں میں کوئی لڑائی وغیرہ ہوجاتی ہے تو اس آدمی کے آجانے سے دونوں میں صلح ہوجاتی ہے اور فتنہ مزید بڑھنے سے رُک جاتا ہے اور اگر یہ درمیان میں نہ آئے تو قتل وقتال کا قوی اندیشہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ہوا بھی ہے۔ اب اگر اس صورت میں اس حرمت والی بات کا چرچا ہوگیا تو آئندہ اس پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا اور پھر وہی قتل وقتال شروع ہوجائے گا جبکہ یہ آدمی بھی اپنے اس فعل پر سخت نادم ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ اور کیا ایسے حالات میں مذہب غیر پر عمل کیا جاسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حنفیہ کے نزدیک بیوی اور اس کی بیٹی اس شخص پر حرام ہوگئیں۔ اس لئے فرقت لازمی ہے کسی چیز کی حلت وحرمت کسی شخص کی عزت ووجاہت کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتی۔ اس میں مذہب غیر پر عمل کرنے کی گنجائش کے بارے میں فقہائے مذہب سے کوئی صراحت منقول نہیں۔

لمافی الشامیة(۳۵/۳):قوله (قبل أم امرأته الخ) قال في الذخيرة وإذا قبلها أو لمسها أو نظر إلى فرجها ثم قال لم يكن عن شهوة ذكر الصدر الشهيد أنه في القبلة يفتى بالحرمة ما لم يتبين أنه بلا شهوة وفي المس والنظر لا إلا إن تبين أنه بشهوة لأن الأصل في التقبيل الشهوة۔

وفيه ايضا: (ص۳۶): قوله (حرمت عليه امرأته الخ) أي يفتى بالحرمة إذا سئل عنها ولا يصدق إذا ادعى عدم الشهوة إلا إذا ظهر عدمها بقرينة الحال ۔

(۳۰۰) شہوت سے چھونے سے حرمت مصاہرت موجب حد نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آیا حرمت مصاہرت میں مس بالشہوۃ، زنا کے قائم مقام ہے؟ اگر زنا کے قائمقام ہے تو ان پر حدِ زنا جاری ہوگی یا صرف حرمت ثابت ہوگی، اگر اجنبی مرد، اجنبی عورت کے ساتھ تقبیل بالشہوۃ

یامس بالشہوۃ کرے تو آیا ان کی وجہ سے اجنبی مرد پر اس اجنبی عورت کے اصول وفروع حرام ہوں گے؟ شریعت کی روشنی میں بحوالہ کتب عربی تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر اجنبی مرد اجنبی عورت کا شہوت سے بوسہ لے یا شہوت سے چھولے تو اس کی وجہ سے اجنبی مرد پر اس اجنبی عورت کے اصول وفروع حرام ہوجائیں گے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں شہوت کے ساتھ چھونے کا وہی حکم ہے جو زنا کا ہے مگر اس کی وجہ سے حد زنا جاری نہ ہوگی صرف حرمت ثابت ہوگی۔

لمافی البخاری (۱۰۰۸/۲): عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: لما أتى ماعز بن مالك رضي الله عنه النبي صلى الله عليه وسلم قال له:لعلك قبلت، أو غمزت، أو نظرت قال: لا يا رسول الله، قال: أنكتها . لا يكني ، قال: نعم فعند ذلك أمر برجمه۔

وفی الهندية (۲۷۴/۱): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة۔

وفيه أيضاً (۱۴۷/۲):الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: الوطء الموجب للحد هو الزنا كذا في الكافي۔

وأيضاً(۱۴۳/۲)وركنه التقاء الختانين ومواراة الحشفة لأن بذلك يتحقق الإيلاج والوطء۔

(۳۰۱)شہوت کے ساتھ چھوئی ہوئی عورت کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سؤال

ایک آدمی جس کا نام زید ہے اس نے ایک عورت کو مس بشہوۃ کیا۔ پھر اس عورت کی شادی ہوئی عمر کے ساتھ۔ پھر عمر سے اس کی ایک بیٹی میمونہ پیدا ہوئی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ میمونہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح میمونہ کا نکاح زید کے بیٹوں کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شہوت سے چھونا اگر بغیر حائل کے ہو، یا حائل تو ہو لیکن اس سے جسم کی حرارت محسوس ہوتی ہو تو اس عورت کی بیٹی میمونہ کا نکاح زید کے ساتھ جائز نہیں ہے البتہ زید کے بیٹوں کے ساتھ بہر صورت جائز ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۴/۱): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج

بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

وفی الشامیة (۳۲/۳): قوله (وحرم أيضا بالصهرية أصل مزنيته) قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطء الحلال ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها اھ

(۳۰۲) نانا کا نواسے کی بیوی کو شہوت سے چھونا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی اپنے نواسے کی بیوی کو شہوت سے چھولے یا اس کے چھونے پر شہوت محسوس ہو تو حرمت کے اعتبار سے کیا اثر پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر نانا نے عورت کو بلا حائل یا اتنے باریک کپڑے کے اوپر سے چھولیا جس سے جسم کی حرارت محسوس ہوتی ہو اور بوقت مس جانبین میں سے کسی ایک کو شہوت پیدا ہو جائے یا پہلے سے انتشار موجود ہو اور اس میں زیادتی ہو جائے تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اور نواسے پر بیوی حرام ہو گی۔

لمافی المصنف لابن ابی شیبة(۱۱/۴): عن مجاهد رحمه الله قال اذا قبلها او لمسها او نظر الی فرجها حرمت علیه ابنتها۔

وفی الدر المختار (۳۲/۳): وحرم أيضا بالصهرية أصل مزنيته۔الخ۔

وفی الرد تحته: قوله (وحرم أيضا بالصهرية أصل مزنيته) قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا۔الخ۔

(۳۰۳) سوتیلی بیٹی کو شہوت سے چھونے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص غلطی سے اپنی سالی سے نکاح کر لے تو کیا

اس کی بیوی حرام ہوجاتی ہے؟اسی طرح اگر بیوی کی پہلی شادی سے بیٹی ہواور کسی وقت یہ دوسرا شوہر اسے شہوت سے چھولے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے؟ چھونے سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے یا اسے دیتے ہوئے اس کے ساتھ ہاتھ لگ جائے اور اس سے ہلکی سی شہوت محسوس ہوتو کیا اس سے بھی بیوی حرام ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی شخص اپنی سالی سے نکاح کرلے تو یہ نکاح فاسد ہوگا، اسی طرح اگر سالی سے نکاح کے بعد اس سے وطی کرلی تو ایسی صورت میں اس کا اپنی بیوی سے وطی کرنا حرام ہوگا، جب تک کہ اس کی سالی عدت نہ گزارلے، نیز بیوی کی بیٹی (پہلے شوہر سے) کو ہلکی سے شہوت سی چھونے کی صورت میں بیوی حرام نہیں ہوگی جب تک کہ آلہ تناسل میں انتشار پیدا نہ ہو۔

لمافی القرآن المجید (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۔الآیة۔

وفی الشامیة (۲۸/۳): قوله (مصاهرة) كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات وجداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح فتح وكذا المقبلات أو الملموسات بشهوة لأصوله أو فروعه أو من قبل أو لمس أصولهن أو فروعهن ۔۔۔ قوله (جمع) أي بين المحارم كأختين ونحوهما أو بين الأجنبيات زيادة على أربع۔

وفی الشامیة أیضا (۳۶/۳)ورجحه في الفتح وعلى هذا فكان الأولى أن يقول لا تحرم ما لم تعلم الشهوة أي بأن قبلها منتشرا أو على الفم فيوافق ما نقلناه عن الفيض ولما سيأتي أيضا وحينئذ فلا فرق بين التقبيل والمس۔۔۔ والمعنى حرمت امرأته إذا لم يظهر عدم اشتهاء وهو صادق بظهور الشهوة وبالشك فيها أما إذا ظهر عدم الشهوة فلا تحرم ولو كانت القبلة على الفم اھ

وفی الشامیة أیضا (۴۰/۳): قوله (ونسي الأول) فلو علم فهو الصحيح والثاني باطل وله وطء الأولى إلا أن يطأ الثانية فتحرم الأولى إلى انقضاء عدة الثانية كما لو وطىء أخت امرأته بشبهة حيث تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة ح عن البحر۔

(۳۰۴) بوڑھے سسر کا بہو سے بوسہ لینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے والد صاحب ایک دیندار عالم دین ہیں۔عمر اسی برس ہوچکی ہے۔پچھلے رمضان المبارک کے مہینے سے شوگر کے مریض ہونے کے باعث دماغی حالت مندرجہ ذیل ہوگئی ہے:

(۱) پیسے جیب سے نکال کر پھینک دینا۔

(۲) ڈھیروں سبزیاں خریدنا۔

(۳) بچوں کو بلاوجہ مارنا۔

(۴) روزے کی حالت میں کھالینا۔

(۵) حالت نماز میں بھی بچوں کے ساتھ کھیلنا۔

دو مہینے پہلے ایک لڑکی کی چوٹی پکڑلی اور ایک راہ گزرتی لڑکی کو بیہودہ بات کہہ دی۔

(صورت مسئلہ) بہو کے بچے کو بہو کو دینے کیلئے آئے اور بہو کا ہاتھ پکڑ کر گال پر بوسہ لے لیا۔اس سلسلے میں یہ آراء ہیں:

شوگر اسپیشلسٹ کی رائے: شوگر کی بیماری چالیس برس کے مرد کی شہوت ختم کردیتی ہے جبکہ والد صاحب کی عمر تو اسی برس ہوچکی ہے۔والد صاحب کا جواب یہ ہے کہ جیسے میں اپنے پوتے کو پیار کرتا ہوں اسی طرح بہو کو بھی کرلیا مجھے نہیں معلوم میں نے ایسا کیوں کیا۔

بیٹے کے تاثرات: والد صاحب کی زندگی جو ہمارے سامنے گزری وہ استقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور پرہیزگاری پر مبنی ہے لہذا میرے نزدیک والد صاحب کی یہ حرکت سراسر دماغی خرابی کے باعث سرزد ہوئی۔

والدہ کی رائے: میرے شوہر کا جنسی تعلق میرے ساتھ دس برس پہلے بالکل ختم ہوچکا ہے اگر غلطی سے کبھی میرا پاؤں بھی ان کو لگ جاتا تھا تو ناراض ہوتے تھے کہ ایسا مت کرو۔پچھلے دس سال سے میں نے کسی قسم کی شہوت اپنے شوہر کی طرف سے محسوس نہیں کی۔

بہو کی رائے: میری شادی کو چار سال سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے۔اس تمام عرصہ میں ایسا کئی دفعہ ہوا کہ گھر پر صرف میرے سسر صاحب اور میں ہوتے تھے لیکن کبھی کسی طور پر بھی انہوں نے کوئی پیش قدمی نہیں کی۔نہ کبھی کوئی ایسی بات زبان سے کہی۔سسر صاحب کو میں نے ہمیشہ باقاعدہ تہجد وقرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ہر لحاظ سے ان کا عمل شریعت کے مطابق ہی پایا ہے۔یہ مسئلہ زندگی میں پہلی بار ہوا ہے۔درحقیقت میں نہیں جانتی کہ ایسا کیوں ہوا؟

اب علماء کرام سے یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ اس تمام مذکورہ صورتحال کے بعد آیا زید کا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا اور اسے نکاح میں رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

واضح رہے کہ حرمت مصاہرت کے ثبوت کے تین اسباب ہیں:

(۱) نکاح صحیح۔

(۲) وطی (چاہے حلال ہو یا حرام ہو)۔

(۳) مس (چھونے)، بوسہ لینے یا فرج داخل کی طرف دیکھنے سے۔

دوسری بات یہ ملحوظ رہے کہ حرمت مصاہرت مس (چھونے) وغیرہ سے ثابت ہونے کیلئے نوجوان، بوڑھے اور نامرد میں معیار مختلف ہے۔ نوجوان میں معیار یہ ہے کہ انتشار آلہ ہوجائے اور اگر پہلے سے منتشر ہو تو انتشار میں زیادتی ہوجائے۔ بوڑھے اور نامرد میں معیار یہ ہے کہ خواہش سے دل حرکت کرنے لگے یا حرکت میں زیادتی ہوجائے۔ صرف میلان نفس سے بوڑھے اور عنین میں مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

لما فی الهندية (۱/۲۷۵) : هذا الحدّ إذا كان شابًا قادرا على الجماع فإن كان شيخا أو عنينا فحد الشهوة أن يتحرك قلبه بالاشتهاء إن لم يكن متحركا قبل ذلك ويزداد الاشتهاء إن كان متحركا كذا في المحيط وحد الشهوة في النساء والمجبوب هو الاشتهاء بالقلب والتلذذ به إن لم يكن وإن كان فازدياده كذا في شرح النقاية للشيخ أبي المكارم۔

تیسری بات یہ ہے کہ فقہی قاعدہ ہے کہ مس (چھونے) اور تقبیل (بوسہ لینے) میں وجود شہوت سے متعلق مبتلی بہ سے دریافت کیا جائے گا اگر وہ شہوت کا اقرار کرے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، لیکن تقبیل علی الفم والخد یعنی ہونٹ یا گال پر بوسہ لینا اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ہونٹ یا گال پر بوسہ مطلقا وجود شہوت پر دال ہیں لہذا اس کے بعد اگرچہ مبتلی بہ انکار بھی کرے لیکن حرمت مصاہرت کا اثبات ہوجائیگا۔ ہونٹ اور گال سے متعلق مطلقا اثبات حرمت کے قول کو فتح القدیر، بحر اور شامیہ میں راجح قرار دیا گیا ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں بوڑھے سسر سے متعلق تمام بیانات اور رپورٹس اگر ہونٹ یا گال کے علاوہ پر بوسے کی صورت میں ہوتے تو حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کا حکم نہیں لگایا جاتا لیکن صورت مسئولہ میں بوڑھے سسر نے گال پر بوسہ لیا ہے جو کہ شہوت کے قائم مقام ہے۔ نیز بوڑھے میں شہوت کا معیار بھی ہم نے ذکر کردیا، صرف تحرک قلب ہی حرمت مصاہرت ثابت کردیگا چنانچہ یہاں حرمت ثابت ہوچکی ہے۔ اس عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا درست نہیں۔ اس کے شوہر اور سسر نے بھی اپنی اس حرکت کی تصدیق کی ہے لہذا یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوچکی ہے۔ شوہر کو چاہیئے کہ متارکت کے الفاظ (میں نے تجھے چھوڑ دیا وغیرہ) کہہ کر بیوی کو اپنے سے علیحدہ کردے۔

لما فی فتح القدیر (۳/۲۲۲) : والحاصل أنه إذا أقر بالنظر وأنكر الشهوة صدق بلا خلاف وفي المباشرة

إذا قال بلا شهوة لا يصدق بلا خلاف فيما أعلم وفي التقبيل إذا أنكر الشهوة اختلف فيه قيل لا يصدق لأنه لا يكون إلا عن شهوة غالبا فلا يقبل إلا أن يظهر خلافه بالانتشار ونحوه وقيل يقبل وقيل بالتفصيل بين كونه على الرأس والجبهة والخد فيصدق أو على الفم فلا والأرجح هذا إلا أن الخد يتراءى إلحاقه بالفم.

وفي الشامية (٣/٣٣): قوله (وفي امرأة ونحو شيخ الخ) قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب أما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته إن كان متحركا لا مجرد ميلان النفس فإنه يوجد فيمن لا شهوة له أصلا كالشيخ الفاني.

وفيه أيضا (٣/٣٣): ولو مس أو قبل وقال لم أشته صدق إلا إذا كان المس على الفرج والتقبيل في الفم اهـ وهذا هو الموافق لما سيذكره الشارح عن الحدادي ولما نقله عنه في البحر قائلا ورجحه في فتح القدير وألحق الخد بالفم اهـ. قوله (حرمت عليه امرأته الخ) أي يفتى بالحرمة إذا سئل عنها ولا يصدق إذا ادعى عدم الشهوة إلا إذا ظهر عدمها بقرينة الحال وهذا موافق لما تقدم عن القهستاني والذخيرة ومخالف لما تقدم عن الجوهرة ورجحه في الفتح وعلى هذا فكان الأولى أن يقول لا تحرم ما لم تعلم الشهوة أي بأن قبلها منتشرا أو على الفم فيوافق ما تقدم عن الفيض ولما سيأتي أيضا وحينئذ فلا فرق بين التقبيل والمس.

(٣٠٥) نکاح اور زنا سے ثابت حرمت مصاہرت میں فرق

سوال

مجھے حرمت مصاہرت سے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے، ایک صاحب نے کسی مفتی صاحب سے یہ مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ نکاح کے بعد اگر ہمبستری ہو جائے تو ربیبہ (اس عورت کی پہلے کے شوہر سے بچی) سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور اس شخص کی کسی دوسری بیوی سے پیدا ہونے والی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے، البتہ اگر شوہر کا بھی پہلے کی بیوی سے بیٹا ہو تو اس ربیبہ سے اس مرد کی پہلی بیوی سے موجود بیٹے کا نکاح جائز ہے۔ اسی طرح ممسوسہ (جسے شہوت سے چھوا ہو) عورت سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوتا ہے اس کے بعد اس عورت کی زنا وغیرہ سے پیدا شدہ لڑکی سے اس مرد کے پہلے سے موجود بیٹے کا نکاح جائز نہیں۔ مفتی صاحب کی یہ بات درست ہے؟ مفتی صاحب کے یہاں پہ نکاح سے پیدا شدہ بچوں کے احکام جاری ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

واضح رہے کہ مس بالشہوۃ بھی دخول کے حکم میں ہوتا ہے اور دخول چاہے حرام (یعنی زنا کی وجہ سے) ہو، اس صورت میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے یعنی فاعل (مرد) پر مفعول (عورت) کے اصول وفروع اور مفعول (عورت) پر فاعل (مرد) کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں۔ نیز نکاحِ صحیح سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔ نفسِ عقد نکاح سے بھی مرد کے اصول وفروع عورت پر اور عورت کے اصول وفروع مرد پر حرام ہوجاتے ہیں۔

البتہ نکاح اور غیر نکاح (زنا، مس بالشہوۃ) سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں اتنا فرق ہے کہ نکاح کے بعد پیدا شدہ اولاد کا نکاح سے پہلے موجود اولاد سے نکاح حرام ہوتا ہے مثلاً ایک مرد کا بیٹا ہو، اور وہ دوسری شادی کرے اور اس عورت سے اس مرد کی بیٹی ہوجائے تو اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں باپ شریک بہن بھائی ہیں۔ البتہ اگر عورت کی نکاح سے پہلے کسی اور شوہر سے لڑکی ہو تو اس سے اس لڑکے کا نکاح جائز ہوگا۔ گویا نکاح سے ثبوت مصاہرت میں نکاح سے قبل عورت کی اولاد اور بعد پیدا شدہ اولاد کا اس شخص کی پہلے سے موجود اولاد سے نکاح میں فرق ہے، جبکہ زنا یا مس بالشہوۃ سے ثبوت مصاہرت میں ایسا نہیں یعنی نکاح صحیح میں فروع کے درمیان مصاہرت ثابت ہوتی ہے جبکہ زنا یا مس بالشہوۃ میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ مصاہرت تو حقیقتاً ایک نعمت ہے قیاساً تو زنا وغیرہ سے اس کا اثبات ہی نہیں ہونا چاہیئے، لیکن ضرورتاً چونکہ اس عورت سے جزئیت بعضیت کا رشتہ قائم ہوچکا ہے لہٰذا مرد پر تو اس عورت کے اصول وفروع سے نکاح حرام قرار دیا گیا البتہ ان کے فروع کا ہر حال میں آپس میں نکاح جائز ہے اس میں زنا سے قبل یا بعد پیدا شدہ اولاد میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ مرد کا زنا سے قبل کوئی بیٹا ہو تو زنا سے یا زنا کے بعد پیدا شدہ لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہے۔ ان فروع کی آپس میں کوئی مصاہرت نہیں لہٰذا ان صاحب کی بات درست نہیں نکاح اور غیر نکاح میں ثبوت مصاہرت فروع کے درمیان ثابت ہونے کے اعتبار سے فرق ہے غیر نکاح (زنا یا مس بالشہوۃ) سے فاعل اور مفعول کی فروع کی آپس میں قبل یا بعد از زنا کوئی مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

لمافی اعلاء السنن (۱۱/۳۳): واتفق اصحابنا والثوری ومالك والاوزاعی واللیث والشافعی أن المس بالشهوة بمنزلة الجماع فی تحریم ام المرأة وبنتها، فكل من حرم بالوطء الحرام اوجبه بالمس اذا كان بشهوة ومن لم یوجبه بالوطء الحرام لم یوجبه بالمس بشهوة۔

وفی مجمع الانهر (۱/۴۸۱): (والزنا یوجب حرمة المصاهرة) حتى لو زنى بامرأة حرمت عليه أصولها وفروعها وحرمت المزنية على أصوله وفروعه ولا تحرم أصولها وفروعها على ابن الواطئ وأبيه كما في المحيط للسرخسي۔

وفی ردالمحتار (۳/۳۲): قوله (وحرم أيضا بالصهرية أصل مزنيته) قال في البحر أراد بحرمة

المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطء الحلال ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها اھ

(۳۰۶) شک کی بنا پر حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اپنی کسی محرم عورت "مثلاً خالہ وغیرہ" کے ساتھ سفر پر جارہا تھا دونوں ایک سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور عورت برقعہ پہنی ہوئی تھی۔ اس وقت زید کو شہوت آئی اور اس کا بدن مثلاً بازو عورت کے بدن کی ساتھ لگ گیا کپڑوں اور برقعہ کے ہوتے ہوئے، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس وقت حرارت محسوس ہوئی یا نہیں اور اسی طرح ایک وقت حرارت محسوس ہوئی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس وقت شہوت تھی یا نہیں؟ تو اس شک کی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کو سمجھنے سے قبل یہ سمجھئے کہ زید جس عورت کے ساتھ ایک سیٹ پر سفر کررہا تھا زید کا بازو اس عورت کے بدن کے ساتھ لگ گیا اور درمیان میں حائل یعنی کپڑا ابھی موجود تھا تو اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کپڑا اتنا موٹا ہو کہ حرارت محسوس نہ ہو تو محض بازو کے لگنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ بازو کے لگنے سے حرارت محسوس ہوتی ہو تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی، اور اگر کوئی حائل نہ ہو تو بھی محض بازو لگنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی جب تک اس کے ساتھ شہوت نہ ہو۔ اب اس کے بعد صورت مسئولہ کو سمجھئے کہ صورت مذکورہ میں زید کا بازو عورت کے بدن کے ساتھ لگ تو گیا لیکن جس وقت حرارت محسوس ہوئی اس وقت یہ معلوم نہیں کہ شہوت تھی یا نہیں اور جس وقت شہوت تھی اس وقت (چونکہ درمیان میں کپڑا موجود تھا اس لئے) حرارت کا ہونا اور نہ ہونا معلوم نہیں یعنی دونوں میں شک ہوگیا اور فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق شک کے ذریعہ کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا لہٰذا شک کی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

لمافی الاشباہ والنظائر (ص۵۶): القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك: ودليلها ما رواه مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا "{ إذا وجد أحدكم في بطنه شيئا فأشكل عليه أخرج منه شيء أم لا فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا، أو يجد ريحا } "

وفيه أيضاً (ص۶۸): وفي الخانية: صغير وصغيرة بينهما شبهة الرضاع ولا يعلم ذلك حقيقة قالوا:

لا بأس بالنكاح بينهما۔

وفی الدر المختار(۳۲/۳): (و)أصل (ممسوسته بشهوة) ولو لشعر على الرأس بحائل لا يمنع الحرارة۔

وفی الردتحته: قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي ۔۔۔ قوله (بحائل لا يمنع الحرارة) أي ولو بحائل الخ فلو كان مانعا لا تثبت الحرمة كذا في أكثر الكتب ۔۔۔ قوله (وأصل ماسته) أي بشهوة قال في الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك اھ

(۳۰۷)وسوسہ والا شخص کیا کرے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص وساوس کا مریض ہے اکثر وبیشتر وسوسے آتے ہیں اس کوشک ہے کہ میں نے اپنی ساس کوشہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے ۶۰ فیصد گمان یہ ہے کہ ہاتھ نہیں لگایا ہے لیکن ۴۰ فیصد گمان یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے تو آیا اس کی بیوی اس پرحرام ہوگی یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت مصاہرت کے ثبوت کیلئے شہوت کے ساتھ چھونا شرط ہے۔شریعت مطہرہ میں وساوس اور توہمات کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ کم ازکم غلبہ ظن کا ہونا ضروری ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اس توہم اور وسوسہ کی بناء پرحرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی جب تک غلبہ ظن نہ ہو۔تاہم یہ ایک انتہائی نازک معاملہ ہے اس لئے ہاتھ لگانے اور پاؤں وغیرہ دبانے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے،تاکہ ان وساوس وتوہمات تک نوبت ہی نہ آئے۔

لمافی المصنف لعبدالرزاق باب ’’وربائبكم‘‘(۲۷۸/۶): عن ابراهيم قال: اذا قبل الرجل المرأة من شهوة او مس او نظر الى فرجها لا تحل لابيه ولا لابنه۔

وفی الشامية كتاب النكاح فصل فی المحرمات (۳۳/۳):قوله(وحدها فيهما) أي حد الشهوة في المس والنظر ح قوله (أو زيادته) أي زيادة التحرك إن كان موجودا قبلهما قوله (به يفتى) وقيل حدها أن يشتهي بقلبه إن لم يكن مشتهيا أو يزداد إن كان مشتهيا ولا يشترط تحرك الآلة وصححه في المحيط والتحفة وفي غاية البيان وعليه الاعتماد والمذهب الأول بحر قال في

الفتح وفرع عليه ما لو انتشر وطلب امرأة فأولج بين فخذي بنتها خطأ لا تحرم أمها ما لم يزدد الانتشار قوله (وفي امرأة ونحو شيخ الخ) قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب، أما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته إن كان متحركا لا مجرد ميلان النفس فإنه يوجد فيمن لا شهوة له أصلا كالشيخ الفاني۔

وفيه أيضاً (۳۲/۳): قوله (وأصل ماسته) أي بشهوة قال في الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك اھ

(۳۰۸) حرمت مصاہرت میں مذہب غیر پرفتویٰ دینا جائز نہیں

سؤال

ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کرلیا اور بچے بھی پیدا ہوگئے پھر بعد میں مذکورہ شخص (زوج) نے اس کی (زوجہ کی) ماں کو شہوت کی ساتھ ہاتھ لگایا۔لہٰذا اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی اور نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ نکاح ٹوٹنے کی صورت میں ضرر خاص سے بچنے کیلئے مذہب غیر پرفتویٰ لے کرعمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت مصاہرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ شہوت کے ساتھ ساتھ بدن کی حرارت بھی محسوس ہوجائے اور حرارت محسوس ہونے کیلئے ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی حائل (کپڑا وغیرہ) نہ ہو یا ہو لیکن اتنا باریک ہو کہ وہ حرارت کے محسوس ہونے سے مانع نہ ہوتو اس صورت میں اگر داماد نے ساس کو مس کیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہوکر نکاح ٹوٹ جائے گا لہٰذا اب میاں بیوی کے درمیان تفریق لازمی ہے فقہ حنفی میں مسئلہ کا صرف یہی جواب ہے جبکہ اس ضرر سے بچنے کیلئے مذہب غیر پرفتویٰ دینا اور عمل کرنا خواہشات نفسانی کی پیروی ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۴۰/۱۱): عن ابی ھانی مرفوعاً من نظر الی فرج امرأۃ لم تحل له امها ولا بنتها۔

وعن الحسن البصری عن عمران بن حصین قال فیمن فجر بام امرأۃ حرمتا علیه رواه عبدالرزاق ولا باس باسناده (ص۴۴) وقد ثبت بمرسل ابی ھانی کون النظر الی الفرج فی ایجاب التحریم مثل اللمس وھو قول ابن مسعود ومسروق وابن عمر کما تقدم۔

وفی شرح عقود رسم المفتی (۳): وکلام القرافی دال علی أن المجتهد والمقلد لایحل لهما الحکم

والإفتاء بغير الراجح لأنه اتباع للهوى وهو حرام إجماعاً۔

وفي الشامية (۳۲/۳): قوله (بحائل لا يمنع الحرارة) أي ولو بحائل الخ فلو كان مانعا لا تثبت الحرمة كذا في أكثر الكتب وكذا لو جامعها بخرقة على ذكره فما في الذخيرة من أن الإمام ظهير الدين يفتي بالحرمة في القبلة على الفم والذقن والخد والرأس وإن كان على المقنعة محمول على ما إذا كانت رقيقة تصل الحرارة معها بحر۔

(۳۰۹) حرمت مصاہرت کی حدیث میں راوی ابوہانی یا ام ہانی کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اعلاء السنن" میں حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً یہ نقل ہے: من نظر الی فرج امرأة لم تحل له أمها ولا بنتها (۴۰/۱۱) اور یہ ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل ہے لیکن اگر ابن ابی شیبہ کے اصل نسخے میں دیکھا جائے تو وہاں ابوہانی سے منقول ہے کیا یہ الگ روایتیں ہیں یا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اعلاء السنن میں یہ روایت ابن ابی شیبہ سے نہیں لی گئی بلکہ فتح الباری سے لی گئی ہے اور "فتح الباری" میں اس روایت کو ام ہانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے "فتح الباری" میں ام ہانی کے حوالے سے نقل کرنے میں تصحیف ہوئی ہے کیونکہ فتح الباری میں بھی مصنف ابن ابی شیبہ ہی کا حوالہ دیا گیا ہے حالانکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہی روایت ابوھانی کے حوالے سے مذکور ہے نہ کہ ام ہانی اور اعلاء السنن کے حاشیہ میں خود حضرت ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے (فيه تصحيف عندي فان ابن ابي شيبة انما رواه عن ابن هاني الخولاني كما سيأتي، فلعل بعض المجاهيل من الرواة صحفه بأم هاني فافهم) اور علامہ رحمۃ اللہ علیہ خود اعلاء السنن میں آگے ذکر کرتے ہیں کہ ان کا نام حمید بن ھانی ابوھانی الخولانی ہے نام حمید بن ھانی اور کنیت ابوھانی ہے جو کہ تابعین میں سے ہیں ثقہ ہیں اور ابن وھب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شیوخ میں سے ہیں لہٰذا یہ ایک ہی روایت ہے جو کہ حمید بن ھانی ابوھانی الخولانی سے مروی ہے۔ جو کہ تابعین میں سے ہیں اور ام ھانی سے نقل کرنا بعض رواۃ سے تصحیف ہے اور اس تصحیف کا ذکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود حاشیہ میں کیا ہے۔

لما في المصنف لابن ابي شيبة ، كتاب النكاح (۹۹/۹): حدثنا جرير بن عبدالحميد عن حجاج عن ابي هاني رحمه الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نظر الى فرج امرأة لم تحل له امها ولا ابنتها۔

وفي اعلاء السنن۔ باب من زنى بامرأة حرمت عليه امها وبنتها (۳۰/۱۱): عن ام هاني مرفوعا من

نظر الی فرج امرأة لم تحل له امها ولا بلتها۔ رواہ ابن ابی شیبة واسنادہ مجھول قالہ البیھقی فتح الباری (۱۳۵/۹) قولہ عن ام ھانی الخ قال المؤلف دلالتہ علی الباب صریحة وھو وان کان ضعیفا لکن یکفی للاعتضاد فان الحدیث الثانی والثالث یثبتان المقصود وانما قدمتہ علیھما لکونہ صریحا۔

وفی حاشیتہ فیہ تصحیف عندی فان ابن ابی شیبة انما رواہ عن ابن ھانیء الخولانی کما سیأتی فلعل بعض المجاھیل من الرواة صحفہ بام ھانیء فافھم۔

(۳۱۰) زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی بندہ اپنے سالے کی بیٹی سے زنا کرتا ہے تو اس بندے کے بیٹے کی شادی اس متاثرہ لڑکی کے ساتھ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنے سالے کی بیٹی سے زنا کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اور زانی کے اصول وفروع پر مزنیہ حرام ہوجاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مزنیہ لڑکی کے ساتھ زانی کے بیٹے کا نکاح کرنا حرام ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۴۶/۱۱): وقال الموفق فی المغنی ووطء الحرام محرم کما یحرم وطء الحلال والشبھة یعنی انہ یثبت بہ تحریم المصاھرة فاذا زنی بامراة حرمت علی ابیہ وابنہ وحرمت علیہ امھا وابنتھا کما لو وطئھا بشبھة اوحلالاً ولو وطء ام امرأتہ او بنتھا حرمت علیہ امرأتہ، نص احمد علی ھذا فی روایة جماعة، وروی نحو ذالک عن عمران بن حصین وبہ قال الحسن وعطاء وطاؤس ومجاھد والشعبی والنخعی والثوری واسحاق واصحاب الرأی رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین۔

وفی الشامیة (۲۸/۳):وتحرم موطوءات آبائہ وأجدادہ وإن علوا ولو بزنی والمعقودات لھم علیھن بعقد صحیح۔

(۲۱۱): زانیہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تھا، اس عورت کی شادی کسی دوسرے شخص سے ہوئی اور اس عورت کی ایک بچی پیدا ہوئی، اب اس شخص نے جس نے اس عورت سے زنا کیا تھا اس عورت کی لڑکی سے نکاح کیا ہے، اس عورت کا شوہر بھی فوت ہو گیا اور بچی کی ماں کا بھی [illegible] انتقال ہو گیا تو اس شخص نے اس عورت سے نکاح [illegible] [illegible] تو اس شخص نے [illegible] اس عورت سے [illegible] نکاح [illegible] [illegible] اس شخص [illegible] صاحب [illegible] [illegible] اس عورت کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا تو [illegible] [illegible] جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے، جس زانی پر مزنیہ (جس عورت سے زنا کیا ہے) کے اصول [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اصول [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] لہٰذا صورت مسئولہ میں زانی نے جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی بیٹی سے نکاح [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اب جب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس کی بیٹی سے نکاح [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس شخص [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس شخص [illegible] [illegible] [illegible] سچی توبہ کرے [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے۔

لما في القرآن الكريم (سورة النساء:۲۲): وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا.

وفي الهندية (۱/۲۷۴): كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الثاني المحرمات بالصهرية، وتثبت بالوطء حلالا كان أو عن شبهة أو زنا، كذا في فتاوى قاضي خان، فمن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت، وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني

وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا كذا في فتح القدير۔

وفی الدر المختار (۲۸/۳) فصل في المحرمات أسباب التحريم أنواع قرابة مصاهرة رضاع الخ۔

وفی الرد تحته: قوله (مصاهرة) كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات و جداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه و أجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح فتح وكذا المقبلات أو الملموسات بشهوة لأصوله أو فروعه أو من قبل أو لمس أصولهن أو فروعهن۔

(۳۱۲) بیٹے کو شہوت سے چھونے کے باوجود حرمت ثابت نہ ہونے کی وجہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی اپنی بالغہ بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگائے تو ہم نے سنا ہے کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر اپنے بالغ بیٹے کو شہوت سے ہاتھ لگائے تو کیا اس سے بھی اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی؟ اگر نہیں تو دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

باپ اپنی نو سال یا اس سے زائد عمر کی بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگائے یا بوسہ لے تو حرمت مصاہرت کی وجہ سے بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی، لیکن اگر اپنے بالغ بیٹے کو شہوت سے ہاتھ لگائے یا بوسہ لے تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کے ثبوت کی اصل وجہ اور سبب ایسے محل میں مجامعت کرنا ہے جس کو شریعت مطہرہ نے اس کے لئے متعین فرمایا ہے اور نسل انسانی کی افزائش کا ذریعہ بنایا ہے اور پھر اس کی طرف پہنچانے والے ذرائع اور اسباب کو بھی اس کے قائم مقام بنادیا کہ جس طرح اصل سبب سے حرمت ثابت ہوگی اسی طرح اس کے اسباب وذرائع سے بھی حرمت ثابت ہوگی لہٰذا جہاں پر اصل وجہ (محل خاص میں جماع) کے وجود کا امکان ہو تو وہاں اسباب جماع سے بھی حرمت ثابت ہوجائے گی اور جہاں پر اصل وجہ کا وجود ہی ممکن نہیں تو اسباب تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے۔ چونکہ بیٹی میں اصل وجہ یعنی محل خاص میں جماع کے وقوع کا امکان موجود ہے لہٰذا وہاں اسباب جماع سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے بخلاف بیٹے کے کہ اس میں اصل وجہ حرمت ہی ناپید ہے۔

لمافی الشامية (۳۵،۳۴/۳): في الولوالجية أتى رجل رجلا له أن يتزوج ابنته لأن هذا الفعل لو كان في الإناث لا يوجب حرمة المصاهرة ففي الذكر أولى قوله (لعدم تيقن كونه في الفرج)

علة لعدم إيجاب وطء المفضاة المصاهرة فقط وأما العلة في عدم إيجاب وطء الدبر المصاهرة فالتيقن بعدم كون الوطء في الفرج الذي هو محل الحرث وإنما تركها لانفهامها بالأولى۔ قال في البحر وأورد عليهما أي على المسألتين أن الوطء فيهما وإن لم يكن سببا للحرمة فالمس بشهوة سبب لها بل الموجود فيهما أقوى وأجيب بأن العلة هي الوطء السبب للولد وثبوت الحرمة بالمس ليس إلا لكونه سببا لهذا الوطء ولم يتحقق في الصورتين اه وبه علم أنه لا فرق في المسألتين بين الإنزال وعدمه ۔

(۳۱۳)عورت کے جماع کے قابل بچے کو چھونے سے حرمت ثابت ہو جائے گی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی ماں کا انتقال ہو گیا اس کے باپ نے ایک نوجوان لڑکی سے شادی کر لی۔ ایک دن زید کے سر میں درد تھا اس کی سوتیلی ماں نے شہوت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، تھوڑی دیر بعد ہٹایا تو کیا اس صورت میں یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہو گئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر زید محل شہوت ہو [یعنی سن مراھقت بارہ سال کی عمر میں ہو، یا اگر اس سے کم عمر میں ہو تو اتنا بڑا ہو کہ شہوت کے ساتھ جماع کر سکے اور عورتیں اس سے حیا کریں] تو زید کی سوتیلی ماں زید کے سر پر اس طرح شہوت کے ساتھ ہاتھ رکھنے کی وجہ سے اپنے شوہر پر حرام ہو گئی ورنہ نہیں۔

لمافی الشامية (۳۲/۳): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي ۔

وفی (۳۵/۳): قوله (فلو جامع غير مراهق الخ) الذي في الفتح حتى لو جامع ابن أربع سنين زوجه أبيه لا تثبت الحرمة قال في البحر وظاهره اعتبار السن الآتي في حد المشتهاة أعني تسع سنين قال في النهر وأقول التعليل بعدم الاشتهاء يفيد أن من لا يشتهي لا تثبت الحرمة بجماعه ولا خفاء أن ابن تسع عار من هذا بل لا بد أن يكون مراهقا ثم رأيته في الخانية قال الصبي الذي يجامع مثله كالبالغ قالوا وهو أن يجامع ويشتهي وتستحيي النساء من مثله وهو ظاهر في اعتبار

کونه مراهقا لا ابن تسع ویدل علیه ما في الفتح مس المراهق کالبالغ وفي البزازیة المراهق کالبالغ حتی لو جامع امرأته أو لمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة اھ وبه ظهر أن ما عزاه الشارح إلی الفتح وإن لم یکن صریح کلامه لکنه مراده فتحصل من هذا أنه لا بد في کل منهما من سن المراهقة وأقله للأنثی تسع وللذکر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة یمکن فیها البلوغ کما صرحوا به في باب بلوغ الغلام وهذا یوافق ما مر من أن العلة هي الوطء الذي یکون سببا للولد أو المس الذي یکون سببا لهذا الوطء ولا یخفی أن غیر المراهق منهما لا یتأتی منه الولد۔
وفی (۳۷/۳): وفي الفتح لو مس المراهق وأقر بشهوة تثبت الحرمة علیه۔

(۳۱۴) سسر کا شہوت سے بہو کے چہرے پر ہاتھ لگانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں دومیاں بیوی کے درمیان مختلف اوقات میں جھگڑے ہوتے رہے اور علاقے کے معزز افراد ان کے درمیان صلح بھی کرواتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ جھگڑے کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شوہر نے بیوی کو دوطلاقیں دیدیں بعد ازاں پھر دورانِ عدت رجوع کرلیا۔کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پھر جھگڑا شروع ہوااور لڑکی اپنے میکے چلی گئی کافی وقت گزرنے کے بعد دونوں میاں بیوی اب آپس میں اپنا گھر بسانا چاہتے ہیں۔مگرلڑکی کے ساتھ اپنے سسرال میں ایک معاملہ پیش آیا تھا جس کی تحریر خودلڑکی کے ہاتھوں سوالنامہ کے ساتھ منسلک ہے۔اس معاملہ کے بعد آیا لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ ان کا نکاح باقی ہے؟ ازراہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں۔عین نوازش ہوگی۔

لڑکی کا سوال نامہ:......میرا نام شکیلہ عبدالمبین ہے۔میری شادی ۶/ مارچ ۲۰۰۵ء کو محمد اقبال ولد عبدالستار سے انجام پائی تھی۔شادی کے چند ماہ تک میرے سسرال والوں کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک تھا۔بچپن سے میں باپ کی شفقت اور محبت سے محروم رہی ہوں۔سسر کا رشتہ عطا کر کے اللہ نے میری اس محرومی کو ختم کردیا تھا۔سسر کو ہمیشہ میں نے والد کا درجہ دیا لیکن وہ مجھے بیٹی کا درجہ نہ دے پائے۔میری شادی کو ۴ ماہ ہوئے تھے کہ ایک دن ساس، سسر میرے کمرے میں کسی کام سے آئے ساس تو جس کام کیلئے آئی تھیں وہ پورا کر کے چلی گئیں اور سسر کمرے میں رک گئے واضح رہے کہ اس وقت میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس سے چیک اپ کروا کر آئی تھی۔ساس نے یہ بات سسر کو بتادی تھی۔سسر میرے قریب آکر یہ بات پوچھنے لگے میں خاموشی سے وہاں کھڑی رہی سسر میرے اور قریب آکر کہنے لگے آج تمہاری امی (ساس) نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ تم مجھے دادا بنانے والی ہو، آج میں بہت خوش ہوں اس خوشی میں تم مجھے اپنے ہونٹ

چوسنے دو کمرے میں اکیلے ہونے کی وجہ سے گھبراہٹ اور ڈر کے مارے میں نے اپنی گردن جھکالی میرے سسر میرے اور قریب آگئے اور کہنے لگے مجھ سے شرماؤ نہیں مجھے اپنی سہیلی سمجھو پھر وہی بات دہرا کر میرا چہرہ اوپر اٹھانے لگے اس پاک ذات کو میری عزت بچانی تھی کہ ایک دم ساس کمرے کی طرف سسر کو بلانے کیلئے آئیں اور اس طرح میری عزت بچ گئی۔

اس واقعے کے بعد میں بہت ڈر سہم کر رہنے لگی۔شوہر نے اس بات کو نوٹ کیا اور مجھ سے پوچھنے لگے،شکیلہ کیا بات ہے تم کیوں اس طرح رہتی ہو میرا تو مان ٹوٹا تھا میں اس شخص کو کیسے بتاتی کہ اس کے باپ نے میرے ساتھ کیا کیا شوہر کے بار بار پوچھنے پر بھی میں نے انہیں یہ بات نہیں بتائی ایک دن غصے میں آکر شوہر گھر سے چلے گئے رات دو بجے تک میرے فون کرنے پر بھی شوہر نہیں آئے اور مجھے دھمکیاں دینے لگے کہ میں اپنی گاڑی کسی ٹرک کے ساتھ ٹکرا کر اپنی جان دیدوں گا میں نے بہت ڈر کر ایس ایم ایس کے ذریعے یہ بات ان کو فون پر پہنچائی وہ گھر آکر چیخنے چلانے لگے۔ میں نے ان کو منع بھی کیا کہ اس طرح بات کھل جائے گی میں لوگوں کا سامنا کس طرح کر پاؤں گی مجھے اس گھر میں رہنا ہے لیکن شوہر نہیں مانے اور سب کی موجودگی میں یہ بات اپنے باپ سے پوچھی۔ باپ اس بات سے مکر گیا اور کہنے لگا کہ میں تو اس کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں اور اس نے خود مجھے کمرے میں روکا تھا۔

اس واقعہ کے بعد سے تمام گھر والوں کا رویہ مجھ سے خراب رہنے لگا اور آئے دن شوہر کو میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بتا کر میرے خلاف کرنے لگے اور شوہر آئے دن مجھے مارنے پیٹنے لگے اس مار پیٹ سے تنگ آکر میں میکے آجاتی پھر وہ لوگ معافی تلافی کر کے مجھے پھر لے جاتے اس بار بھی ایک سال تک میکے میں رہنے کے بعد وہ لوگ مجھے اپنے گھر لے گئے اور صرف دو ماہ پچیس دن کے بعد میرے شوہر کی غیر موجودگی میں سسر نے مجھے ذرا سی بات پر مارنا شروع کر دیا میں ساس کے کمرے کی جھاڑو لگا رہی تھی اور بیٹھی ہوئی تھی کہ سسر نے میرے سینے پر غلط جگہ پر لاتیں مارنا شروع کر دیں میں کسی طرح اپنا بچاؤ کر کے کھڑی ہوئی اور اس طرح سسر نے گھسیٹ کر مجھے گھر سے باہر پھینک دیا میں رات کے تین بجے تک باہر بیٹھی رہی لیکن مجھے ان لوگوں نے گھر میں نہیں بلایا مجبوراً میں اپنے میکے آگئی۔اب وہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں واپس ان کے گھر چلی جاؤں۔ چاہوں تو علیحدہ کہیں اور گھر لے کر ان کے بیٹے کے ساتھ رہنے لگوں۔کیا یہ ممکن ہے؟ مجھے کوئی بہتر حل بتا کر فیصلہ کرنے میں میری راہنمائی فرمائیں۔شکریہ

الجواب بعون الملک الوھاب

مرد و عورت کا شہوت کے ساتھ ایک دوسرے کو چھونے سے ہر ایک کے اصول و فروع دوسرے پر حرام ہوجاتے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر سسر نے اپنی بہو کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہو (جیسا کہ بظاہر عورت کے بیان کردہ تحریر "اس خوشی میں تم مجھے اپنے ہونٹ چوسنے دو...... میرا چہرہ اوپر اٹھانے لگے" سے معلوم ہوتا ہے) تو مذکورہ شخص پر اس کی بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی بشرطیکہ شوہر بیوی کی بات کی تصدیق کرے یا شوہر کا غالب گمان ہو کہ اس کی بیوی سچ بول رہی ہے۔ نیز اگر شوہر بیوی کی بات کو نہیں مان رہا ہو، اور بیوی کو یقین ہو یا قرائن قویہ سے معلوم ہو رہا ہو کہ سسر نے شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے تو عورت کیلئے مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر

کرنا جائز نہیں بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعے سے اس شوہر سے خلاصی حاصل کرے۔ (کمافی **الحیلة الناجزة** ص ۱۷۳)

لمافی الشامیة (۳۷/۳): قوله (وفي الفتح إلخ) قال فيه والحاصل أنه إذا أقر بالنظر وأنكر الشهوة صدق بلا خلاف وفي المباشرة لا يصدق بلا خلاف فيما أعلم وفي التقبيل اختلف فيه قيل لا يصدق لأنه لا يكون إلا عن شهوة غالبا فلا يقبل إلا أن يظهر خلافه بالانتشار ونحوه وقيل يقبل وقيل بالتفصيل بين كونه على الرأس والجبهة والخد فيصدق أو على الفم فلا والأرجح هذا إلا أن الخد يتراءى إلحاقه بالفم اهـ۔۔ قوله (ولا يصدق أنه كذب إلخ) أي عند القاضي أما بينه وبين الله تعالى إن كان كاذبا فيما أقر لم تثبت الحرمة۔

وفيه أيضاً (۲۵۱/۳): والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه۔

(۳۱۵) ساس سے مصافحے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی منگنی دو سال پہلے بشری کی لڑکی سے ہوئی ہے زید کے علاقے میں عورتوں اور مردوں کا آپس میں مصافحہ کرنے کا رواج ہے زید کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میرے ساتھ بشری نے مصافحہ کیا اور میں حالتِ شہوت میں تھا اب اس سے زید کے لئے بشری کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہوگا؟ چونکہ منگنی تمام رشتہ داروں میں مشہور ہے اس کو توڑنا موجب فساد اور قطع رحمی ہوگا۔ برائے مہربانی کیا صورت اختیار کی جائے تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید نے چونکہ ہندہ کے ساتھ حالت شہوت میں مصافحہ کیا اس لئے زید ہندہ کی لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا، اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی ہے، باقی قطع تعلق سے بچنے کیلئے زید کوئی بہانہ کردے۔ مثلاً یہ کہ لڑکی پسند نہیں ہے وغیرہ بہرحال اب زید کا ہندہ کی لڑکی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

لمافی الهندية (۲۷۴/۱): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

(۳۱۶) باپ کا بہو سے زنا کرنے کی وجہ سے قطع تعلق کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) ایک شخص نے اپنی بہو کے ساتھ زنا کیا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) باپ کے ساتھ یہ بیٹا رہ سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس عورت سے کوئی دوسرا بیٹا شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) کیا باپ سے تعلق رکھ سکتا ہے یا قطع تعلق کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ا۔ پہلی صورت میں یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی۔

۲۔ دوسری صورت میں کوئی دوسرا بیٹا بھی یعنی اس کے شوہر کا بھائی بھی شادی نہیں کر سکتا۔

۳۔ اگر مقصود اپنے والد کو اس غلطی پر تنبیہ ہو کہ وہ اس پر نادم ہو کر سچی توبہ کرے اور آئندہ اس فعل بد سے احتراز کا عزم کر لیں تو اس بناء پر قطع تعلق کی گنجائش ہے۔

لما فی الدر المختار(۳۲/۳): (و) حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنى الوطء الحرام (و) أصل (ممسوسته بشهوة)۔

وفی الشامية تحته: قوله (وحرم أيضا بالصهرية أصل مزيته) قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا۔

(۳۱۷) خبیث الطبع باپ کا شہوت سے بیٹی کو سینے سے لگا لینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ باپ اگر اپنی بیٹی سے چھیڑ چھاڑ کرے (یعنی سینے سے لگائے، سینہ پر ہاتھ لگائے یا بوسہ لے) بری نیت سے تو کیا اُس کا اپنی بیٹی سے باپ کا رشتہ قائم رہے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ سینہ سے لگائے یا شہوت کے ساتھ سینہ پر ہاتھ مارے اور جسم کی حرارت محسوس ہو یا

شہوت کے ساتھ بوسہ لے تو ان تمام صورتوں میں اس لڑکی کی ماں اس شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی اور دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائے گا، البتہ باپ بیٹی کا رشتہ برقرار رہے گا لیکن باپ اور بیٹی دونوں پر لازم ہے کہ دونوں اپنا رہن سہن الگ کرلیں نیز باپ کو چاہیئے کہ اپنے اس فعل پر ندامت کے ساتھ اللہ رب العزت سے خوب توبہ واستغفار کرے کیونکہ یہ انسانیت سے گری ہوئی حرکت ہے بعض حیوان بھی اس قسم کے گھناؤنے فعل سے پرہیز کرتے ہیں چہ جائیکہ اشرف المخلوقات انسان ایسے اقدامات کرے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ۔الآیۃ۔

وفی المصنف لابن ابی شیبۃ (۹۹/۹): ۱۶۴۹۲۔ عن عطاء رحمہ اللہ قال اذا اتی الرجل المرأۃ حراما، حرمت علیہ ابنتھا وان اتی ابنتھا حرمت علیہ امھا۔

۱۶۴۸۹۔ عن عبداللہ قال: لا ینظر اللہ الی رجل نظر الی فرج امرأۃ وابنتھا۔

وفی الدرالمختار مع الشامیۃ (۳۲/۳):(و) حرم أیضا بالصھریۃ (أصل مزنیتہ) أراد بالزنی الوطء الحرام (و) أصل (ممسوستہ بشھوۃ)۔۔۔(۳۵/۳) فلو أیقظ زوجتہ أو أیقظتہ ھي لجماعھا فمست یدہ بنتھا المشتھاۃ أو یدھا ابنہ حرمت الأم أبدا۔

(۳۱۸) باپ کا بیٹی سے زنا کرنے سے بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی

سؤال

ایک شخص نے اپنی بیٹی سے (نعوذ باللہ) زنا کیا اب اس شخص کی بیوی کہتی ہے کہ میں تجھ پر طلاق ہوچکی ہوں، تو کیا اس کی بیوی اس پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو قرآن کریم کی یہ آیت "وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" کا مصداق اور مذکورہ مسئلہ میں فرق واضح کرکے بتائیں تاکہ صحیح مسئلہ ہم پر واضح ہوکر ہماری پریشانی دور ہوجائے نیز اس شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر اس شخص نے واقعی اپنی بیٹی سے (نعوذ باللہ) زنا کیا ہے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی، میاں بیوی کا آپس میں زوجیت کا تعلق رکھنا بالکل ناجائز اور حرام ہے البتہ اس عورت کے لئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں جب تک یہ شوہر طلاق نہ دے یا آپس میں تفریق واقع نہ ہوجائے، اور یہ شخص جس نے اپنی بیٹی سے زنا کیا ہے اس نے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس پر توبہ واستغفار

لازم ہے، اس فعل پر توبہ واستغفار کرتا رہے، آیت اور اس مسئلہ کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، آیت کا مصداق ربیبہ (بیوی کی دوسرے شوہر سے بیٹی) ہے، یعنی ربیبہ سے نکاح حرام ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:٢٣): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ...... وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ....الآية۔

وفی الدرالمختار(٣١،٣٠/٢): تقرر أن وطء الأمهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الأمهات۔

وفی الدرالمختار أيضا(٣٧/٣): وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة۔

وفی الردتحته: قوله (وبحرمة المصاهرة الخ) قال في الذخيرة ذكر محمد في نكاح الأصل أن النكاح لا يرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل يفسد حتى لو وطئها الزوج قبل التفريق لا يجب عليه الحد اشتبه عليه أو لم يشتبه عليه اهـ قوله (إلا بعد المتاركة) أي وإن مضى عليها سنون كما في البزازية وعبارة الحاوي إلا بعد تفريق القاضي أو بعد المتاركة اهـ وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولا بها كتركتك أو خليت سبيلك وأما غير المدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها وقيل لا تكون إلا بالقول فيهما حتى لو تركها ومضى على عدتها سنون لم يكن لها أن تتزوج بآخر فافهم۔

(٣١٩) کافرہ عورت سے زنا کی صورت میں حرمت مصاہرت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان نے کافرہ عورت سے زنا کیا اس کافرہ عورت کی لڑکی مسلمان ہوگئی آیا اس مسلمان زانی کا اس نومسلمہ لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

زانی پر مزنیہ عورت کی لڑکی [اگرچہ مسلمان ہوگئی ہے] اس پر حرام ہے اس لئے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو چکی ہے۔

لما فی البحرالرائق (١٠١/٣): وأراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني

وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا۔

وفی الهندية (۱/۲۷۴): فمن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا كذا في فتح القدير۔

رسالة

رموز النصّ إذا أخطا في المسّ

بیوی کو شہوت سے ہاتھ لگاتے ہوئے غلطی سے بیٹی پر ہاتھ لگ جائے،

اس صورت میں حرمت مصاہرت کا حکم اور بعض شبہات کا ازالہ

(۳۲۰) شہوت کے ساتھ بیٹی کو ہاتھ لگ جانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک رات گھر دیر سے آیا کمرے میں داخل ہو
میری اہلیہ کے ساتھ میری بیٹی بھی سو رہی تھی۔ میں نے شہوت کے ساتھ اپنی اہلیہ کو پکڑنا چاہا لیکن غلطی سے اپنی بیٹی کو ہاتھ لگ گیا آیا
طرح میرا نکاح فاسد ہو گیا یا نہیں؟ میں اگرچہ شہوت کی حالت میں تھا لیکن میرا قصد میری اہلیہ تھی نہ کہ بیٹی اس کو تو ہاتھ غلطی سے لگ گیا
قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ میرا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح باقی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں شہوت کے ساتھ آپ کا ہاتھ آپ کی بیٹی کو لگ گیا، خواہ غلطی سے لگ گیا ہو یا بھول کر، اس سے آپ کی
آپ پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی بشرطیکہ آپ کی بیٹی کی عمر نو سال سے کم نہ ہو اگر اس کی عمر نو سال سے کم ہے تو حرمت ثابت نہ ہو گی اور آپ
بیوی بدستور آپ کی زوجیت میں رہے گی۔

لما في الشامية(۳۲/۳): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي۔

وفيه أيضا(۳/۳۲): قلت ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض لو نظر إلى فرج بنته بلا شهوة فتمنى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت تثبت الحرمة وإن وقعت على من تمناها فلا ۔۔۔ قال في الفتح وفرع عليه ما لو انتشر وطلب امرأة فأولج بين فخذي بنتها خطأ لا تحرم أمها ما لم يزدد الانتشار ۔

(۳۲۱)مذکورہ فتوی پر ایک اشکال کا جواب

سؤال

مفتی صاحب! ملحقہ فتوے پر مجھے کچھ تحفظات ہیں نیز متعلقہ فقہی عبارات بھی کچھ متضاد معلوم ہوتی ہیں ۔ جناب مفتی صاحب ایک شخص اپنی بیوی کو چھونا چاہتا ہے لیکن غلطی سے بیٹی پر ہاتھ لگ جاتا ہے اور شہوت موجود ہوتی ہے تو کیا بیوی اس پر حرام ہو جائیگی؟ شامیہ کی عبارت سے تو حرمت ثابت ہوتی ہے:

"قلت ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها لما فی الفیض لو نظر إلی فرج بنته بلا شهوة فتمنی جاریة مثلها فوقعت له الشهوة علی البنت تثبت الحرمة وإن وقعت علی من تمناها فلا" (شامية ۳/۳۲)

مفتی صاحب اگر چہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ جزئیہ صرف نظر میں غلطی کا ہے لیکن ''ویشترط الوقوع ۔۔الخ'' عام ہے مس کو بھی شامل ہے ۔ یہ پورا کلام علامہ نے بوقت مس اور نظر شہوت کے ضروری ہونے پر قیاس کیا ہے وہ مسئلہ نظر اور مس دونوں سے متعلق ہے لہٰذا مقیس بھی دونوں سے متعلق ہونا چاہیئے ۔

مفتی صاحب احسن الفتاوی جلد ۵ ص ۸۴ پر اسی پر عدم حرمت کا فتوی دیا ہے ۔ شامیہ جلد ۳ ص ۳۵ پر اگر چہ ایک جزئیہ ہے جس سے مس میں غلطی غیر معتبر معلوم ہوتی ہے لیکن بندہ آپ سے گزارش کرتا ہے کہ یہ فیض کے حوالے سے نقل جزئیہ اور کن کتب میں ذکر ہے اسے تحریر کردیں، اس پر فتوی دینا کیسا ہے؟ اصل جواب کیا ہے؟ نیز کسی کتاب میں صراحۃ مس میں غلطی غیر معتبر ہونے کا ذکر ہو تو اسے بھی تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہاء کی عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل اعتبار ''اول وہلہ میں شہوت'' (یعنی پہلی مرتبہ میں شہوت) کا ہے اول وہلہ میں شہوت موجود ہوئی تو حرمت ثابت ہوجائے گی چاہے نظر کی حالت ہو چاہے مس کی ۔ اگر اول وہلہ میں شہوت موجود نہ ہو چاہے نظر کی حالت ہو یا مس کی تو اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوگی ۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "ویشترط وقوع الشهوة" کے عموم سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس جزئیہ کا تعلق مس اور نظر دونوں کے ساتھ ہے کیونکہ ماقبل میں مس اور نظر دونوں کے متعلق بات ہو رہی ہے اور جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے (کہ یہ پورا کلام علامہ نے بوقت مس اور نظر شہوت کے ضروری ہونے پر قیاس کیا ہے وہ مسئلہ نظر اور مس دونوں سے متعلق ہے لہٰذا مقیس بھی دونوں سے متعلق ہونا چاہیئے) درست ہے لیکن اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اوّل وہلہ میں شہوت نہ ہو یعنی جس وقت بیٹی کو دیکھا یا چھوا اس وقت شہوت نہیں تھی پھر اس نے خواہش کی کہ میری اس جیسی باندی ہوتی اور اسے شہوت آگئی تو اب دیکھا جائیگا کہ شہوت بیٹی پر آئی ہے یا جس باندی کی خواہش کی ہے اس پر؟ اگر بیٹی پر شہوت واقع ہوئی ہے تو حرمت ثابت ہو جائیگی اور اگر "جارية متمنى" پر واقع ہوئی ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

شامیہ کی جو عبارت ص ۳۵ پر ہے کہ " ولا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا " اس میں یہ بات ہے کہ "شہوت اول وہلہ" میں تھی۔ یعنی جس وقت بیوی کو جگانا چاہا اس وقت بھی شہوت تھی اور جس وقت بیٹی کو ہاتھ لگا یا اس وقت بھی شہوت تھی تو اس صورت میں (جس وقت شہوت اول وہلہ میں ہو) علامہؒ نے فرمایا ہے کہ اب عمداً یا خطأً کا کوئی فرق نہیں ہر صورت میں چاہے عمداً چھوا ہو یا خطأً حرمت ثابت ہو جائیگی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض کے حوالے سے ذکر کردہ جزئیہ ان کتب محیط البرهانی، بنایہ، فتاوی ولوالجیۃ، خلاصۃ الفتاوی، فتاوی قاضیخان، تاتارخانیہ، عالمگیری، طحطاوی علی الدر میں مذکور ہے نیز اول وہلہ میں شہوت کے موجود ہونے کے وقت اس جزئیہ کو مستدل بنا کر عدم حرمت کا فتوی دینا درست نہیں۔

احسن الفتاوی جلد ۵ ص ۸۴ پر (اول وہلہ میں مس بالشہوۃ کے موجود ہونے کے باوجود) جو عدم حرمت کا فتوی دیا گیا ہے یہ محل نظر ہے اور اصل جواب یہی ہے کہ صورت مسئولہ میں حرمت ثابت ہو جائیگی اور بیوی اس پر حرام ہو جائیگی جیسا کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اگلے فتوے میں اسکی صراحت ہے۔

لما في الهندية (۱/۲۷۴): كتاب النكاح، القسم الثاني المحرمات بالصهرية: وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة۔۔۔ وبعد اسطر: وإذا نظر الرجل فرج ابنته بغير شهوة فتمنى أن يكون له جارية مثلها فوقعت منه شهوة مع وقوع بصره قالوا إن كانت الشهوة وقعت على ابنته حرمت عليه امرأته وإن كانت الشهوة وقعت على التي تمناها لا تحرم لأن نظره في هذه الصورة إلى فرج ابنته لم يكن عن شهوة كذا في فتاوى قاضي خان والذخيرة ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا كذا في فتح القدير أو نائما هكذا في معراج الدراية فلو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهي ممن تشتهى يظن أنها أمها حرمت عليه الأم حرمة

مؤبدة كذا في فتح القدير۔

وفی الدر المختار (٣/٣٥): (ولا فرق) فيما ذكر (بين اللمس والنظر بشهوة بين عمد ونسيان) و خطأ وإكراه فلو أيقظ زوجته أو أيقظته هي لجماعها فمست يده بنتها المشتهاه أو يدها ابنه حرمت الأم أبدا فتح۔

وفی الشامية تحته: قوله (ولا فرق فيما ذكر) أي من التحريم وقوله بين اللمس والنظر صوابه في اللمس والنظر وعبارة الفتح ولا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا الخ أفاده ح قال الرحمتي وإذا علم ذلك في المس والنظر علم في الجماع بالأولى قوله (فلو أيقظ الخ) تفريع على الخطأ ،ط قوله (أو يدها ابنه) أي المراهق كما علم مما مر وأما تقييد الفتح بكونه ابنه من غيرها فقال في النهر ليعلم ما إذا كان ابنه منها بالأولى ولا بد من التقييد بالشهوة أو ازديادها في الموضعين۔

(۳۲۲) وطی فی الدبر سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ وطی فی الدبر (پچھلے حصے میں ہمبستری) سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے کہ نہیں؟ نیز وطی فی الدبر کرنے والے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

وطی فی الدبر سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی باقی اگر وطی فی الدبر اپنی باندی یا بیوی سے کرتا ہے تو اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی اور اس پر حد نہیں لیکن اگر غیر کی باندی یا بیوی سے کرتا ہے تو امام کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کو پہاڑ سے گرادے یا اس کے اوپر دیوار گرائے یا اس کو قید کرے لیکن اگر یہ اس فعل کی عادت بنالے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کو سیاسۃً قتل کیا جاسکتا ہے۔

لمافي الهندية (۱/۲۷۵): ولو نظر إلى دبر المرأة لا تثبت به حرمة المصاهرة كذا في فتاوى قاضي خان وكذا لو وطئ في دبرها لا تثبت الحرمة كذا في التبيين وهو الأصح هكذا في المحيط وعليه الفتوى هكذا في جواهر الأخلاطي۔

وفي الدر المختار (۳/۳۴): (فلا) تثبت الحرمة بها أصلا كوطء دبر مطلقا۔

وفي الرد تحته: قوله (مطلقا) أي سواء كان بصبي أو امرأة كما في غاية البيان وعليه الفتوى كما في الواقعات ح عن البحر۔

وفي الدر المختار أيضا(۴/۲۷): (أو) بوطء (دبر) وقالا إن فعل في الأجانب حد وإن في عبده أو أمته أو زوجته فلا حد إجماعا بل يعزر قال في الدرر بنحو الإحراق بالنار وهدم الجدار والتنكيس من محل مرتفع باتباع الأحجار وفي الحاوي والجلد أصح وفي الفتح يعزر ويسجن حتى يموت أو يتوب ولو اعتاد اللواطة قتله الإمام سياسة۔

(۳۲۳) خون دینے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک عورت تھی جو کہ بہت بیمار رہتی تھی اور اس کو خون کی ضرورت تھی تو اس وقت میں نے اس کو خون دیدیا پھر جب وہ صحت یاب ہوگئی تو اس کی بیٹی سے میرا رشتہ طے ہوا۔ اب

ہمارے محلے کے ایک صاحب فرمارہے ہیں کہ اس کی بیٹی مجھ پر حرام ہوگئی اور خون دینے کی بنا پر حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی ہے۔اب میں کافی پریشان ہوں کیونکہ مجھ کو وہ لڑکی پسند بھی ہے۔ براہ کرم اگر میرے لئے کچھ گنجائش نکلتی ہو تو بتادیں تاکہ میں اس کے مطابق عمل کرسکوں اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ صاحب کی بات غلط ہے کسی کو خون دینے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا آپ مذکورہ لڑکی سے شادی کرسکتے ہیں۔

لمافي الدر المختار (۳/۳۲-۳۶): (و) حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنى الوطء الحرام (و) أصل (ممسوسته بشهوة) ---- (وأصل ماسته وناظرة إلى ذكره والمنظور إلى فرجها) ---- (وفي المس لا) تحرم (ما لم تعلم الشهوة) لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس (والمعانقة كالتقبيل)۔

(۳۲۴) موٹر سائیکل پر عورت کو ساتھ بٹھانے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ باپ اپنی بیٹی کو موٹر سائیکل پہ اسکول لیجاتا ہے یا بھائی اپنی بہن کو موٹر سائیکل پہ لیجاتا ہے اور بیٹی یا بہن جوان یعنی بالغہ ہے تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ اس سے حرمت مصاہرت تو ثابت نہیں ہوتی اور حرمت مصاہرت کیلئے کیا شرطیں ہیں اور اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کو چھونا اگر بغیر کسی کپڑے کے شہوت کے ساتھ ہو تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے لہٰذا کسی ضرورت کے تحت اپنی ماں بیٹی وغیرہ کو موٹر سائیکل پر اپنے ساتھ بٹھانے سے (عام طور پر) حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی تاہم پھر بھی اپنی ان خواتین کے ساتھ ایسی سواری پر زیادہ لگ کر نہ بیٹھنا چاہیئے۔

(نوٹ) حرمتِ مصاہرت کے مسائل انتہائی پیچیدہ بھی ہیں اور افراد واحوال کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے اس لئے اگر کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو تو اسے ہی تفصیلاً لکھ کر مسئلہ معلوم کرلیا جائے تاکہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھ کر حکم لکھا جاسکے۔ باقی حرمت مصاھرت کا ثبوت اگر کسی عورت کے ساتھ ہوجائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس عورت کے اصول وفروع اس چھونے والے مرد پر حرام ہوجاتے ہیں اور وہ عورت اس چھونے والے کے اصول وفروع پر حرام ہوجاتی ہے۔

لمافی الهندية(۱/۲۷۴،۲۷۵):ثم المس إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم يكن بينهما ثوب أما إذا كان بينهما ثوب فإن كان صفيقا لا يجد الماس حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرة وإن انتشرت آلته بذلك وإن كان رقيقا بحيث تصل حرارة الممسوس إلى يده تثبت كذا في الذخيرة ـــ والشهوة تعتبر عند المس والنظر حتى لو وجدا بغير شهوة ثم اشتهى بعد الترك لا تتعلق به الحرمة۔

وفی الشامية (۳/۳۲): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية ـــ قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي ـــ قوله (بحائل لا يمنع الحرارة) أي ولو بحائل الخ فلو كان مانعا لا تثبت الحرمة كذا في أكثر الكتب۔

(۳۲۵) اسکول میں مس سے مصافحہ کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک طالب علم ہوں اور نویں کلاس میں پڑھتا ہوں اسکول میں لڑکیوں کے ساتھ اختلاط بھی ہوتا رہتا ہے اور ہمیں پڑھانے والی اکثر عورتیں ہوتی ہیں اور وہ بہت فحش لباس میں اسکول آتی ہیں بہرحال ہم سب طلبہ ان کو دیکھتے رہتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو دیکھنے سے شہوت ہوتی ہے اور بعض دفعہ کلاس میں داخل ہوتے وقت میں اپنی مس کو سلام بھی کرتا ہوں یعنی مصافحہ کبھی کبھی مصافحہ کرتے وقت شہوت ہوجاتی ہے اور بسا اوقات ان کے ہاتھ پر بوسہ بھی دیتا ہوں جب میں نے یہ بات اپنے محلے کے ایک دینی مدرسہ کے طالب علم دوست کو بتائی تو اس نے کہا کہ بھائی وہ مس اور اس کی اولاد تم پر حرام ہوچکی ہے مجھے اس کی یہ بات بالکل سمجھ نہیں آئی چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ ہمارے قریب جو دارالافتاء ہے اس سے فتویٰ لیتے ہیں لہٰذا اب مفتی صاحب آپ ہی مسئلہ کا حل بتائیے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی عورت کو شہوت سے دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی مگر شہوت سے ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے چاہے کسی بھی جگہ ہاتھ لگایا ہو اس لئے آپ نے جن عورتوں سے مصافحہ کیا ہے اور بوقت مصافحہ آپ کو شہوت ہو تو اس عورت سے آپ کی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔حرمت مصاہرت کے ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے اصول یعنی ماں، نانی وغیرہ اور فروع یعنی تمام اولاد اور پوتے وغیرہ آپ پر حرام ہوجائیں گے اور اسی طرح آپ کے اصول اور فروع اس پر حرام ہوجائیں گے۔مگر آپ کا نکاح اس عورت سے ہوسکتا ہے وہ آپ پر حرام نہیں ہوئی اس لئے آپ کے دوست نے اولاد کے حرام ہونے کی

حد تک تو مسئلہ درست بتایا ہے مگر وہ عورت [مس] بھی حرام ہوگی یہ بات درست نہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جہاں لڑکے اور لڑکیوں کا بے محابا اختلاط ہو، نیز پردے کا کوئی انتظام نہ ہو حد یہ کہ مس بھی فحش اور تقریباً عریاں لباس میں پڑھاتی ہوں تو آیا ان اسکولوں میں پڑھنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ تو یاد رہے کہ ایسے اسکولوں میں پڑھنا قطعاً جائز نہیں یہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کے بھی خلاف ہے لہٰذا کسی ایسے اسکول میں جہاں صرف لڑکے پڑھتے ہوں اور پڑھانے والے ٹیچر بھی مرد ہوں وہاں داخلہ لے کر پڑھیں ایسے غیر شرعی اور بدتہذیب اسکول کو چھوڑ دیں۔

لما فی الکلام المجید (النسآء: ۲۳): وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا۔

وفی المصنف لابن ابی شیبة ، کتاب النکاح (۹/۹۹): عن ابی ھانی قال: قال رسول الله ﷺ: من نظر الی فرج امرءة لم تحل له امها ولا ابنتها۔

وفی اعلاء السنن (۱۱/۴۰): هذا وقد ظهر بذلك اتفاق اجلة التابعين واكثرهم على كون الزنا ومقدماته موجبا للتحريم وهو قول عمران بن حصين وابن عباس وابن مسعود وابن عمر وغيرهم من الصحابة وهو مقتضى حديث اختصام سعد بن ابي وقاص وعبد بن زمعة ۔ الخ۔

وفی الهندیة (۱/۲۷۵): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط قال أصحابنا الربيبة وغيرها في ذلك سواء هكذا في الذخيرة ۔۔۔ ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا كذا في فتح القدير أو نائما هكذا في معراج الدراية فلو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهي ممن تشتهى يظن أنها أمها حرمت عليه الأم حرمة مؤبدة كذا في فتح القدير ۔۔۔ ولو مس ظفرها بشهوة تثبت كذا في الخلاصة۔

(۳۲۶) سسر کے پاؤں دبانے سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بہو نے سسر کے پاؤں دبائے سسر کے کہنے پر جس کی وجہ سے سسر کا آلہ منتشر ہوگیا، کیا اس سے بہو کا نکاح اس شخص کے بیٹے کے ساتھ باقی رہا یا ختم ہوگیا اور اگر سسر کو انزال ہوجائے تو پھر کیا

حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بہو کا سسر کے پاؤں دبانے سے اگر سسر کے آلہ تناسل میں انتشار پیدا ہوگیا تو بہو اپنے شوہر پر حرام ہوگئی البتہ اگر بہو کے ہاتھ لگانے سے سسر کو انتشار کے ساتھ ساتھ انزال بھی ہوگیا تو پھر حرمت ثابت نہ ہوگی نیز بہو سے جسم دبوانا درست نہیں اس سے قطعاً اجتناب برتا جائے۔

لمافی المصنف لابن ابی شیبة (٩/٩٧) كتاب النكاح: عن عمرو بن حزم قال سئل جابر بن زيد عن جارية كانت لرجل ممن قبلها بيده او بصر عورتها ثم وهبها لابن له ايصح ان يطاها قال: لا۔

وفی مصنف عبدالرزاق (٦/٢٧٨): باب "وربائبكم" عن ابراهيم قال: اذا قبل الرجل المرأة من شهوة: او مس او نظر الى فرجها لاتحل لابيه ولا لابنه۔

وفی الشامية (٣/٣٣): قوله (وحدها فيهما) أي حد الشهوة في المس والنظر ح قوله (أو زيادته) أي زيادة التحرك إن كان موجودا قبلهما قوله (به يفتى)۔۔۔ قوله (وفي امرأة ونحو شيخ الخ) قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب أما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته إن كان متحركا لا مجرد ميلان النفس فإنه يوجد فيمن لا شهوة له أصلا كالشيخ الفاني ۔۔۔ قوله (فلا حرمة) لأنه بالإنزال تبين أنه غير مفض إلى الوطء هداية۔

(۳۲۷) بخار چیک کرنے کیلئے ماتھے پر ہاتھ رکھنے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سؤال

زید بہت سخت بیمار ہے ہسپتال میں اس کے ساتھ اس کی ساس ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ زید کا ہر وقت بخار دیکھا کرو تا کہ میں جب بھی آؤں تو مجھے پتہ چلے یا اگر زیادہ ہو جائے تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ زید کے پاس اور کوئی موجود نہیں ہے گاؤں بھی کافی دور ہے۔ ساس کہتی ہے کہ مجھے شہوۃ کے آنے کا غالب گمان ہے اب کیا کیا جائے۔ ساس اگر اس کے ماتھے یا ہاتھ پر کپڑا رکھ کر بخار دیکھنا چاہے تو اس کا پتہ نہیں چلتا اور اگر بغیر کپڑے کے ہاتھ لگاتی ہے تو شہوۃ کے آنے کا قوی اندیشہ ہے لہٰذا حرمت مصاہرت کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عام طور پر ہسپتال میں بخار چیک کرنے کے لئے "تھرمامیٹر" اور "پٹی" استعمال کی جاتی ہے لہٰذا بہتر تو یہی ہے کہ مذکورہ چیزوں کو استعمال کیا جائے اگر بالفرض یہ چیزیں موجود نہ ہوں تو صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مس بالشہوۃ ہو لہٰذا ساس اگر داماد کو شہوت سے چھوئے تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی اور اگر داماد کو چھوتے وقت شہوت نہ ہو بلکہ چھونے کے بعد ہاتھ ہٹاتے ہی شہوت آجائے تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور عورت میں شہوت کی علامت یہ ہے کہ دل میں خواہش اور مزہ آنے لگے اور اگر یہ کیفیت پہلے سے ہو تو اس میں زیادتی ہو جائے لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ ڈاکٹر کو سمجھا دیں کہ یہ شرعی حرمات کا مسئلہ ہے داماد کو ہاتھ نہ لگانے میں ہی عافیت ہے خصوصاً جب ساس ضعیف العمر بھی نہ ہو۔

لمافی الدر المختار (۳۳/۳): والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما وحدها فيهما تحرك آلته أو زيادته به يفتى وفي امرأة ونحو شيخ كبير تحرك قلبه أو زيادته۔

وفی الرد تحته: قوله (والعبرة الخ) قال في الفتح وقوله بشهوة في موضع الحال فيفيد اشتراط الشهوة حال المس فلو مس بغير شهوة ثم اشتهى عن ذلك المس لا تحرم عليه اھ ۔۔۔ قوله (به يفتى) وقيل حدها أن يشتهي بقلبه إن لم يكن مشتهيا أو يزداد إن كان مشتهيا ولا يشترط تحرك الآلة وصححه في المحيط والتحفة وفي غاية البيان وعليه الاعتماد والمذهب الأول بحر۔

(۳۲۸) چوڑیاں پہنانے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری جیولرز کی دوکان ہے ہماری دوکان پر مستورات آتی رہتی ہیں بسا اوقات وہ عورتیں مجھے چوڑیاں پہنانے کے لئے کہتی ہیں اور میں ان کو چوڑیاں پہناتا ہوں بسا اوقات چوڑیاں پہناتے ہوئے میرے دل میں شہوت ہوتی ہے اور کبھی اس کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ بہر حال مفتی صاحب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ میرے اس فعل سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں جبکہ اکثر عورتیں برقعہ اوڑھے ہوئے ہوتی ہیں یعنی میں ان کا چہرہ نہیں دیکھتا صرف ہاتھ کو ہاتھ میں پکڑتا ہوں۔ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کے کسی عضو کو شہوت کی حالت میں چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو چاہیئے کہ ان کو چوڑیاں پہنانے سے اجتناب کریں اور جن جن عورتوں کو آپ نے ایسی حالت میں چوڑیاں پہناتے ہوئے چھوا ہے جس سے

آپ کے آلۂ تناسل میں انتشار پیدا ہوگیا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو اس میں اضافہ ہوگیا تو آپ کے اور ان کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی ہے البتہ اگر آپ کی عمر ۱۲ سال سے کم ہے تو اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

لما في المصنف لابن ابي شيبة (۹/۹۹) كتاب النكاح: قال ابراهيم وكانوا يقولون اذا اطلع الرجل من امرأة على ما لا يحل له او لمسها بشهوة فقد حرمتا عليه جميعاً۔

وفي الهندية (۱/۲۷۴): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

وفي الشامية (۳/۳۲): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي۔

(۳۲۹) کسی عورت سے ٹکرا جانے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت

سوال

میرا ایک دوست بازار میں جا رہا تھا کہ راستہ میں وہ کسی دوکان کے باہر لگی ہوئی چیز کو دیکھنے میں مصروف ہوگیا کہ ایک عورت اچانک اس سے آ کر ٹکرائی بہرحال معافی تلافی ہوئی لیکن میرا دوست کہتا ہے کہ یار اگر اس عورت سے حرمت ثابت ہوگی تو پھر معاملہ بہت مشکل ہوسکتا ہے بہرحال آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ اس طرح ٹکر لگنے سے حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں نیز لڑکی کو دیکھنے سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے یا چھونا ضروری ہے اور چھوتے وقت شہوت کی کیا صورت ہوتی ہے جس سے حرمت ثابت ہو؟ تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت مصاہرت صحبت کرنے سے یا شہوت کے ساتھ بلا حائل چھونے سے یا شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کو دیکھنے سے ثابت ہوتی ہے۔ عورت کے اعضاء کو (فرج داخل کے علاوہ) دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح شہوت کے بغیر اعضاء کو چھونے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی اور چھوتے وقت شہوت کی صورت یہ ہے کہ دل میں شہوت ہو اور لذت محسوس ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ مردوں میں یہ بات بھی ہے کہ آلہ منتشر ہوجائے یا انتشار اور زیادہ بڑھ جائے۔ صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کے ساتھ وہ عورت اگر بغیر شہوت کے ٹکرائی ہے (جیسا کہ ظاہر سے معلوم ہوتا ہے) تو اس عورت سے حرمت (عدم شہوت کی وجہ سے) ثابت نہیں ہوئی۔

لمافي الشامية (۳۲/۳): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي۔

(۳۳۰) ہیجڑے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندے نے ایک کتاب میں حرمت مصاہرت کا لفظ پڑھا اور کچھ تفصیلات بھی ساتھ ذکر تھیں وہ بھی پڑھیں اور پھر اپنے علاقے کے ایک صاحبِ علم سے رجوع کیا تو انہوں نے کافی تفصیل میں سمجھایا کہ حرمت مصاہرت سے کیا ہوتا ہے لیکن آج میں ناگن چورنگی سے جارہا تھا مجھے وہاں ہیجڑے نظر آئے تو میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کو چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ مفتی صاحب ازراہِ کرم اس کا حکم بتادیں اور اگر ہیجڑا بیچ کا ہو یعنی دونوں مذکر اور مؤنث والا ہو، اس کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خنثیٰ (ہیجڑے) میں اگر مردوں کی علامتیں واضح اور غالب ہوں تو اس پر مردوں کے احکام لاگو ہوں گے اور اگر عورتوں کی علامتیں واضح اور غالب ہوں تو اس پر عورتوں کے احکام لاگو ہوں گے لہٰذا اگر کسی مرد نے ایسے ہیجڑے کو شہوت سے چھوا جس میں عورتوں کی علامتیں راجح ہوں تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی اور اس چھونے والے شخص کیلئے اس ہیجڑے کی والدہ سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس جس میں مردوں کی علامتیں راجح ہوں مرد کا اسے شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی نے خنثیٰ مشکل (بیچ والے ہیجڑے) کو شہوت سے چھوا، تو چونکہ اس میں مرد، عورت دونوں کی علامتیں برابر پائی جاتی ہیں لہٰذا ایسے خنثیٰ کو شہوت سے چھونے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، کیونکہ فقہاء کے کلام میں خنثیٰ مشکل کے مسائل میں احوط پر عمل کرنے کی تصریح ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مردوں کی صف میں نماز پڑھنے والے خنثیٰ مشکل کی نماز ہوجائے گی لیکن اس کے دائیں بائیں اور بالکل پیچھے کھڑے حضرات کیلئے اپنی نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔

نوٹ: آجکل جو ہیجڑے پائے جاتے ہیں وہ عام طور پر مرد ہوتے ہیں، بتکلف اپنے آپ کو مؤنث ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا ان کا حکم مردوں والا ہوگا۔[1]

---

[1] خنثیٰ سے متعلق تفصیلی احکام ومسائل جاننے کیلئے "نجم الفتاوی" کی اسی چوتھی جلد کے فتوی بنام "الخنثی وأحكامه للشهادة في الشريعة الاسلامية" کا مطالعہ کریں۔ ازمرتب

لمافی تبیین الحقائق کتاب الخنثی (۷/۴۴٦): ومن أحكام الخنثى المشكل أنه لو قبله رجل بشهوة لم يتزوج أمه إلا إذا تبين أنه ذكر لاحتمال أنه أنثى فيثبت به حرمة المصاهرة . وكذا إذا قبلته امرأة لا تتزوج بأبيه لما ذكرنا۔

وفی الجوهرة النيرة کتاب الخنثی (۲/۷٦): والاصل فی ذلك أن الخنثى المشكل يؤخذ له فی جميع امور بالأحوط فی امور الدين --- فان وقف فی صف النساء اعاد صلوته لاحتمال أنه رجل، وان قام فی صف الرجال فصلاته تامة ويعيد الذی عن يمينه والذی عن يساره والذی خلفه بحذاءه صلوتهم احتياطا لاحتمال أنه امرأة --- فان صلى بغير قناع أمر بالاعادة لاحتمال انه امرأة، قال فی الهداية: وهو على الاستحباب وان لم يعد أجزأه۔

وفی الطحطاوی على الدر کتاب الخنثی (۴/۵۳۰) (مکتبة الرشيد): (قوله وان قبل رجل) ای مع انتشار الة أو ازدياد الانتشار (قوله تثبت حرمة المصاهرة) فلا يجوز لأم الخنثى التزوج بهذا المقبل ولا بنتها، ولا يجوز التزوج بأم المشكل۔

(۳۳۱) شہوت سے چھونے کی صورت میں انزال ہوجانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا اور ساتھ ہی انزال بھی ہوگیا اب اس شخص نے اس عورت کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا تو کیا شرعاً یہ نکاح صحیح ہوا کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے لیکن اگر انزال بھی ہوجائے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی لہذا یہ نکاح صحیح ہے۔

لمافی الهندية (۱/۲۷۵): ووجود الشهوة من أحدهما يكفي وشرطه أن لا ينزل حتى لو أنزل عند المس أو النظر لم تثبت به حرمة المصاهرة كذا في التبيين قال الصدر الشهيد وعليه الفتوى كذا في الشمني شرح النقاية ولو مس فأنزل لم تثبت به حرمة المصاهرة في الصحيح لأنه تبين بالإنزال أنه غير داع إلى الوطء كذا في الكافي۔

وفی الدر المختار (۳/۳۳): هذا إذا لم ينزل فلو أنزل مع مس أو نظر فلا حرمة به يفتى۔

وفی الرد تحتہ: قولہ (فلا حرمۃ) لأنہ بالإنزال تبین أنہ غیر مفض إلی الوطء ھدایۃ۔

(۳۳۲) ثبوت مصاہرت کے بعد اگر لڑکی کے لئے علیحدگی کی کوئی سبیل نہ ہو

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز کینیڈا میں جاب کے سلسلے میں مقیم ہیں انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی ایک نومسلم سے کی ہے دونوں اچھی زندگی گزار رہے تھے لیکن اچانک ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا ایک دن وہ شخص گھر پر نہیں تھا کہ اس کا باپ (یاد رہے کہ اس نومسلم کا باپ مسلمان نہیں ہوا تھا) گھر آیا اور بہو کو بہکانے لگا بہو چونکہ مسلم اور باپردہ خاتون ہیں وہ ایسی قبیح حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی البتہ لڑکے کے باپ نے آگے بڑھ کر لڑکی کو کھینچ لیا اور بوسے لئے لیکن عین وقت پر پڑوسی آگئے جس کے باعث معاملہ فی الحال رفع دفع ہوگیا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ میں لڑکی کو دوبارہ اس گھر نہیں بھیجوں گا یہ اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی نیز شوہر لڑکی کی بات تسلیم نہیں کر رہا ہے وہ کہتا ہے میرا باپ یہ نہیں کرسکتا۔ مفتی صاحب آپ بتائیں کیا کیا جائے؟ وہاں تو مسلمان جج وغیرہ بھی موجود نہیں ہیں ایک مسلم کمیونٹی کا علاقہ ہے جہاں یہ چند مسلمان گھرانے بستے ہیں اب شوہر سے علیحدگی کس طرح کی جائے؟ وہ لڑکی کی دوسری جگہ شادی کرانا چاہتے ہیں تاکہ فتنہ ختم ہو لیکن شک ہے کہ یہ پہلا نکاح ختم ہوا یا نہیں؟ لہٰذا آپ مسئلہ کا مکمل ومدلل جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جواب سے قبل یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ اگر فی الواقع عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوا اور وہ کذب بیانی سے کام لے رہی ہے تو وہ عورت بدستور اس مرد کے نکاح میں رہے گی شرعاً کسی قسم کے فیصلے سے بھی وہ عورت مرد کے نکاح سے نہیں نکلے گی، لیکن اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا یا دواعی زنا مثلاً بوسہ گلے لگانا، چھونا وغیرہ شہوت کے ساتھ کرتا ہے تو عورت پر اس مرد کے اصول (باپ، دادا) اور فروع (بیٹا، پوتا وغیرہ) ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتے ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی اپنے شوہر کے باپ پر دعویٰ کر رہی ہے کہ اس نے بوسہ ومعانقہ کیا ہے اور شوہر اس بات کی تکذیب کر رہا ہے چونکہ شریعت میں اگر دعویٰ کرنے والے کے پاس گواہ نہ ہوں تو سامنے والے کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے لہٰذا شوہر پر بیوی حرام نہیں ہوگی البتہ اگر بیوی کے ساتھ واقعتاً ایسا ہوا ہے اور بیوی کے پاس گواہ نہیں [نیز شوہر بھی تصدیق نہیں کر رہا] لہٰذا ظاہر ہے کہ عدالت شوہر کے حق میں فیصلہ کردے گی البتہ اگر بیوی کو یقین ہو کہ سسر نے شہوت سے اسے چھوا ہے تو پھر عورت کے لئے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینا جائز نہیں وہ کسی بھی طرح شوہر سے چھٹکارا حاصل کرے اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو اسے خلع پر راضی کرے اور

اگر شوہر خلع پر بھی راضی نہ ہو تو اگر اسلامی ملک ہو تو عورت یکطرفہ خلع کی ڈگری (جو کہ شرعاً اگرچہ معتبر نہیں ہوتی لیکن چونکہ یہ عورت حقیقتاً فی الواقع مرد پر حرام ہو چکی ہے لہٰذا یہ ڈگری اس کے لئے عدالتی طور پر علیحدگی کا ایک ثبوت بن جائے گی) عورت یہ ڈگری حاصل کر کے علیحدہ ہو جائے اور اگر وہ غیر مسلم ملک میں ہے جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے تو وہاں بھی چونکہ عورت تو شوہر پر حرام ہو چکی ہے لہٰذا وہاں کی عدالت کے موافق عورت کے مرد سے علیحدہ ہونے کا جو بھی طریقہ ہو اس کے مطابق وہ عدالت سے فیصلہ لے لے۔ وہ فیصلہ اگرچہ عام اوقات میں شرعاً غیر معتبر ہو لیکن اس عورت کے لئے علیحدگی کا ثبوت بن جائے گا۔

لمافی الشامیة (٣/٣٥): قوله (قبل أم امرأته الخ) قال في الذخيرة وإذا قبلها أو لمسها أو نظر إلى فرجها ثم قال لم يكن عن شهوة ذكر الصدر الشهيد أنه في القبلة يفتى بالحرمة ما لم يتبين أنه بلا شهوة وفي المس والنظر لا إلا إن تبين أنه بشهوة لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر ۔۔۔ قوله (وإن ادعت الشهوة في تقبيله) أي ادعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة أو أن أحد أصولها أو فروعها قبله بشهوة ۔۔۔ قوله (فهو مصدق) لأنه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر۔

وفی الحیلة الناجزة (ص١٧١): "اگر عورت کا دعویٰ صحیح تھا مگر شہادت معتبر پیش نہ ہو سکی اور خاوند نے حلف کر لیا اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا، یعنی نہ تفریق کی نہ زوجیت میں رہنے کا حکم دیا تو اس عورت کیلئے جائز نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعے اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے اور اگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس چلے اس شوہر کو کبھی پاس نہ آنے دے اور اگر قاضی نے عورت کا دعویٰ رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی کر دیا کہ بدستور شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا۔
لیکن حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں نیز یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو اس میں شرح صدر ہے کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند نے بھی اس میں موافقت فرمائی مگر احقر کو ہنوز شرح صدر نہیں ہوا۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی جزئیے سے یا قواعد سے شرح صدر کے ساتھ جواز تمکین ثابت نہ ہو اس وقت تک حضرت والا کے ارشاد پر عمل واجب ہے۔

فصل فی المحرمات بالجمع

(جن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے)

(۳۳۲) کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے عمر کی ربیبہ (دوسری بیوی سے بیٹی) سے نکاح کیا ہے کیا عمر کی حقیقی بیٹی سے زید نکاح کرسکتا ہے یعنی ربیبہ اور عمر کی حقیقی بیٹی ماں شریک بہنیں ہیں کیا ان کے درمیان جمع بین الاختین کی وجہ سے حرمت آتی ہے یا نہیں؟ اگر حرمت آتی ہے تو اول کو طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے کا انتظار کیا جائے یا فوراً نکاح جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دو ایسی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا درست نہیں جن میں سے کسی بھی ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے تو پھر ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں عمر کی ربیبہ اور حقیقی بیٹی جو ربیبہ کی ماں سے ہے ان دونوں کو نکاح میں ایک ساتھ جمع کرنا درست نہیں، اگر ایک سے نکاح و ہمبستری کر چکا ہے تو دوسری سے نکاح کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلی کو طلاق دے اور جب اس کی عدت ختم ہو جائے تو پھر دوسری سے نکاح کی اجازت ہے۔

لما فی الهندیة (۲۷۳/۱): وأما الأخوات فالأخت لأب وأم والأخت لأم وكذا بنات الأخ والأخت وإن سفلن۔

وفيه ايضا(۲۷۷/۱): وأما الجمع بين ذوات الأرحام فإنه لا يجمع بين أختين بنكاح ولا بوطء بملك يمين سواء كانتا أختين من النسب أو من الرضاع هكذا في السراج الوهاج والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط۔

وفی الدر المختار(۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو

من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمينٍ بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)أبدا لحديث مسلم لا تنكح المرأة على عمتها۔

وفي الرد تحته: قوله (بين المحارم)۔۔۔وأراد بالمحارم ما يشمل النسب والرضاع ۔۔۔ قوله (وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها۔

(۳۳۴) کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بہت سی عورتوں کے بارے میں سنا ہے کہ انہیں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے کیا ایسا ہی ہے؟ کیا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے؟ کن کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے؟ کیا کوئی اصول ہے کہ میں پہچان لوں کہ یہ قاعدہ ہے، اور کوئی عقلی وجہ اکابر نے لکھی ہو تو از راہِ کرم وہ بھی لکھ دیں، میں اس معاملے میں پریشان ہوں کیونکہ بظاہر دو بہنیں ایک ہی گھر میں آجائیں تو یہ سہولت والا معاملہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح سے متعلق جو نصوص وارد ہوئے ہیں ان نصوص کو مدنظر رکھتے ہوئے دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے متعلق فقہاء کرام نے ایک اصول مستنبط کیا ہے اگر آپ اس اصول کو ذہن میں رکھیں تو آپ کبھی پریشان نہ ہوں گے۔ وہ یہ ہے کہ اگر دو عورتوں میں سے ہر ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کرلیں تو اُن کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے مثلاً دو بہنوں میں سے ایک مرد دوسری کو عورت شمار کریں تو بہن بھائی بن گئے اور بہن بھائی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اسی طرح پھوپھی بھتیجی کے رشتہ میں پھوپھی کو مرد شمار کریں تو چچا بن گیا اور چچا بھتیجی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اس کے برعکس بھتیجی کو مرد شمار کریں تو وہ بھتیجا بن گیا اور بھتیجا اور پھوپھی کا نکاح آپس میں جائز نہیں ہے۔

لہٰذا اصول مذکورہ اور نصِ قرآنی سے معلوم ہوا کہ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور اسی طرح پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو خواہ نسبی ہوں یا رضاعی جمع کرنا جائز نہیں۔ جبکہ نکاح کے مقاصد میں سے بڑا مقصد نسل انسانی کی بڑھوتری ہے جس کا سبب تعدد ازواج ہے اور ظاہر ہے تعدد ازواج کی صورت میں بیویاں آپس میں لڑتی بھی ہیں لیکن شریعت مطہرہ نے نسل انسانی کی بڑھوتری کے عظیم نفع کے مقابلے میں بیویوں اور سوتنوں کے جھگڑے کو برداشت کیا اور تعدد ازدواج سے منع نہیں کیا لیکن جب یہی تعدد ازدواج دو خونی رشتوں کو جمع کرنے کی صورت میں ہو تو شریعت نے اس کو منع قرار دے دیا کیونکہ جب دو خونی رشتے سوتنوں کی صورت میں ظاہر

ہوں گے تو اُن کا آپس میں لڑنا جھگڑنا ظاہر اور معروف ہے اور آپس کا یہ لڑنا جھگڑنا قطع رحمی کا سبب بنے گا جو کہ حرام ہے اور جو حرام کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے اور قطع رحمی سے بچانا ہی حکمت ہے دوخونی رشتوں کو جمع نہ کرنے کی۔

لمافی الدرالمختار(۳/۳۰) فصل فی المحرمات: و حرم المصاهرة (بنت زوجته الموطوءة وأم زوجته) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح (وإن لم توطأ) الزوجة لما تقرر أن وطء الأمهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الأمهات ويدخل بنات الربيبة والربيب۔

و فی الموسوعة الفقهية (۳۶/۲۱۳): حكمة التحريم: أمر الإسلام بصلة الرحم والحرص على الروابط التي تربط الأفراد بعضهم ببعض وحمايتها من الخصومات والمنازعات، وقد قال الكاساني: إن نكاح هؤلاء يفضي إلى قطع الرحم لأن النكاح لا يخلو من مباسطات تجري بين الزوجين عادة، وبسببها تجري الخشونة بينهما ، وذلك يفضي إلى قطع الرحم ، فكان النكاح سببا لقطع الرحم ، مفضيا إليه ، وقطع الرحم حرام ، والمفضي إلى الحرام حرام ۔۔۔ أصل الزوجة وهي أمها وأم أمها ، وأم أبيها وإن علت ۔۔۔ فروع الزوجة ، وهن بناتها ، وبنات بناتها ، وبنات أبنائها وإن نزلن ، لأنهن من بناتها بشرط الدخول بالزوجة ، وإذا لم يدخل فلا تحرم عليه فروعها بمجرد العقد۔

(۳۳۵) بیوی اور اس کی رضاعی یا سوتیلی ماں کو جمع کرنے میں فرق کی وجہ

سؤال

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز بیوی کی رضاعی ماں کا کیا حکم ہے؟ وہ جائز ہے یا ناجائز؟ نیز بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو جمع کرنا یا بیوی اور اس کی رضاعی ماں کو جمع کرنا، ان دونوں کا حکم بھی لکھ دیں۔ برائے کرم فقہ حنفی کے صریح جزئیات سے ثابت کردیں ایک صاحب کو اشکال ہے کہ رضاعی اور سوتیلی ماں ایک جیسی ہیں حلال ہیں، یہ حقیقی ساس کی طرح نہیں لہٰذا آپ صریح جزئیات سے رضاعی اور سوتیلی ساس کے احکام لکھ دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اپنی بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ نکاح کے عدم جواز کیلئے دو رشتوں کا ہونا ضروری ہے، ۱۔ نسب۔ ۲۔ رضاعت۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک رشتہ پایا گیا تو اس مرد یا عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کے جائز ہونے کی وجہ یہی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں رشتوں میں سے

یہاں کوئی رشتہ نہیں پایا جاتا لہٰذا بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے جبکہ اپنی بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح کے جائز نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہاں رضاعی رشتہ پایا جاتا ہے لہٰذا بیوی کی رضاعی ماں کے رضاعی ساس کے حکم میں ہونے کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہوگا، چنانچہ اپنی بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی جائز ہے جبکہ بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے توان کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی جائز نہ ہوگا۔

نیز بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا اس لئے بھی جائز ہے کیونکہ جمع کی حرمت کیلئے فقہاء نے جو اصول بیان کیا ہے وہ ان پر صادق نہیں آتا۔ اصول یہ ہے کہ جن دو عورتوں میں سے ہر ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کرلیں تو اُن کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے مثلاً دو بہنوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت شمار کریں تو بہن بھائی بن گئے اور بہن بھائی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اسی طرح پھوپھی بھتیجی کے رشتہ میں پھوپھی کو مرد شمار کریں تو چچا بن گیا اور چچا بھتیجی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اس کے برعکس بھتیجی کو مرد شمار کریں تو وہ بھتیجا بن گیا اور بھتیجا اور پھوپھی کا نکاح آپس میں جائز نہیں ہے لہٰذا ان کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں، جبکہ سوتیلی ماں کو اگر مرد تصور کریں تو وہ اجنبی بن جاتا ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۷/۱) كتاب النكاح، الباب الثالث فی المحرمات (ط ماجديه): كل من تحرم بالقرابة والصهرية تحرم بالرضاع على ما عرف في كتاب الرضاع كذا في محيط السرخسي القسم الرابع المحرمات بالجمع ـــ وأما الجمع بين ذوات الأرحام فإنه لا يجمع بين أختين بنكاح ولا بوطء بملك يمين سواء كانتا أختين من النسب أو من الرضاع هكذا في السراج الوهاج والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط فلا يجوز الجمع بين امرأة وعمتها نسبا أو رضاعا وخالتها كذلك ونحوها ويجوز بين امرأة وبنت زوجها فإن المرأة لو فرضت ذكرا حلت له تلك البنت بخلاف العكس۔

وفی الدرالمختار (۳۸/۳): (و)حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى) أبدا لحديث مسلم۔

وفی الرد تحته:(قوله وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها والجمع بين الأم والبنت نسبا أو رضاعا۔

(۳۳۶) دو بہنوں کو کسی صورت میں نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کے عقد میں دو بیویاں ہیں اور وہ دونوں عورتیں آپس میں بہنیں ہیں کیا وہ شخص دو بہنوں کو عقد میں رکھ سکتا ہے؟ برائے مہربانی تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی شخص کیلئے دو بہنوں کو چاہے نسبی [عینی، خیفی، علاتی یعنی ماں باپ شریک یا صرف ماں شریک یا صرف باپ شریک ہوں] یا رضاعی یعنی دودھ شریک ہوں، ایک ہی وقت میں عقدِ نکاح میں رکھنا ناجائز، حرامِ قطعی اور گناہ کبیرہ ہے، ایسے شخص کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور اپنے اس مذموم اور قبیح فعل سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اگر شخصِ مذکور نے دونوں بہنوں سے جدا جدا نکاح کیا ہے، تو پہلا نکاح درست اور دوسرا نکاح فاسد ہے اور اس پر لازم ہے کہ فی الفور اس دوسری بہن کو اپنے سے جدا کرے، اور اگر دوسری بہن سے صحبت کر چکا ہے تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے، پہلی بیوی سے قربت نہ کرے اور اگر وہ حاملہ ہے تو بچے کا نسب بھی شخص مذکور سے ثابت ہو جائے گا البتہ اگر وہ دونوں، چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہنیں ہیں تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی کتاب اللہ تعالیٰ (النساء: ۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا۔

وفی صحیح البخاری (۷۶۶/۲) کتاب النکاح، باب {وأن تجمعوا بین الأختین إلا ما قد سلف}: أن زینب بنت أبي سلمة، أخبرته أن أم حبيبة رضی الله عنها، قالت: قلت يا رسول الله، انكح أختي بنت أبي سفيان، قال: وتحبين؟ قلت: نعم، لست لك بمخلية، وأحب من شاركني في خير أختي، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن ذلك لا يحل لي، قلت: يا رسول الله، فوالله إنا لنتحدث أنك تريد أن تنكح درة بنت أبي سلمة، قال: بنت أم سلمة، فقلت: نعم، قال: فوالله لو لم تكن في حجري ما حلت لي، إنها لابنة أخي من الرضاعة، أرضعتني وأبا سلمة ثويبة، فلا تعرضن علي بناتكن ولا أخواتكن۔

وفی الدر المختار (۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بین المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن)۔

وفی الرد تحته: وأراد بالمحارم ما يشمل النسب والرضاع فلو كان له زوجتان رضيعتان

أرضعتهما أجنبية فسد نكاحهما كما في البحر قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل قطعا نعم له ثمرة فيما إذا تزوج الأولى فاسدا فإن له حينئذ أن يعقد على الثانية ويصدق عليه أنه جمع بينهما نكاحا ونكاح الأولى وإن كان فاسدا يسمى نكاحا كما شاع في عباراتهم اهـ

(۳۳۷) پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے نکاح کالعدم ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مثلاً زید کی ایک بیوی ہندہ ہے اب زید نے ہندہ کا نکاح باقی رکھتے ہوئے ہندہ کی بھتیجی زینب سے شادی کرلی۔ اب زید کا دونوں کے ساتھ نکاح برقرار رہے گا یا نہیں۔ اگر نکاح برقرار رہے گا تو ان میں ہندہ کے ساتھ باقی ہے یا زینب کے ساتھ اور اگر برقرار نہیں رہے گا تو ہندہ کا نکاح فسخ ہوگا یا زینب کا یا ان دونوں کا نکاح فسخ ہوجائے گا نیز جس کے ساتھ نکاح فسخ ہوجائے گا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کیلئے حلالہ شرط ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں زید کا ہندہ کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی زینب سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر کرلیا ہے تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا لہٰذا زینب کو چھوڑ دے۔ باقی ہندہ سے اس کا نکاح برقرار رہے گا۔ ہندہ کے ہوتے ہوئے زینب سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔

لمافی الدرالمختار(۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)أبدا۔

وفی الرد تحته : قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل

قطعاً۔

(۳۳۸) کیا جمع بین الاختین کے اصول سے کوئی صورت مستثنیٰ ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اصول بیان کیا جاتا ہے کہ" ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، جن میں سے ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کا دوسرے سے نکاح حرام ہے" کیا یہ اُصول کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے یا قیاس ہے؟ نیز کلی ہے یا اس سے کوئی صورت مستثنیٰ بھی ہے؟ نیز ایک کو مرد فرض کرلیا جائے دوسری کو عورت اس کو چند مثالوں سے بھی واضح فرمادیں تا کہ بات سمجھنا آسان ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

" تم پرحرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں، ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے اُن بیبیوں سے صحبت نہ کی تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دونوں بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں) ایک ساتھ رکھو۔الخ۔"

بخاری شریف میں حدیث ہے:

"نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تنکح المرأۃ علی عمتھا أو خالتھا"

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی پر یا اس کی خالہ پر"

ایسے ہی دوسری جگہ فرمایا:

أرضعتهما أجنبية فسد نكاحهما كما في البحر قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل قطعا نعم له ثمرة فيما إذا تزوج الأولى فاسدا فإن له حينئذ أن يعقد على الثانية ويصدق عليه أنه جمع بينهما نكاحا ونكاح الأولى وإن كان فاسدا يسمى نكاحا كما شاع في عباراتهم اه

(۳۳۷) پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے نکاح کالعدم ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مثلاً زید کی ایک بیوی ہندہ ہے اب زید نے ہندہ کا نکاح باقی رکھتے ہوئے ہندہ کی بھتیجی زینب سے شادی کرلی۔اب زید کا دونوں کے ساتھ نکاح برقرار رہے گا یا نہیں۔اگر نکاح برقرار رہے گا تو ان میں ہندہ کے ساتھ باقی ہے یا زینب کے ساتھ اور اگر برقرار نہیں رہے گا تو ہندہ کا نکاح فسخ ہوگا یا زینب کا یا ان دونوں کا نکاح فسخ ہوجائے گا نیز جس کے ساتھ نکاح فسخ ہوجائے گا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کیلئے حلالہ شرط ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں زید کا ہندہ کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی زینب سے نکاح کرنا جائز نہیں۔اگر کرلیا ہے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا لہٰذا زینب کو چھوڑ دے۔باقی ہندہ سے اس کا نکاح برقرار رہے گا۔ہندہ کے ہوتے ہوئے زینب سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔

لمافی الدر المختار(۳۸/۳):(و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)أبدا ۔

وفى الرد تحته : قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل

قطعاً۔

(۳۳۸) کیا جمع بین الاختین کے اصول سے کوئی صورت مستثنیٰ ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اصول بیان کیا جاتا ہے کہ "ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کا دوسرے سے نکاح حرام ہے" کیا یہ اُصول کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے یا قیاس ہے؟ نیز کلی ہے یا اس سے کوئی صورت مستثنیٰ بھی ہے؟ نیز ایک کو مرد فرض کرلیا جائے دوسری کو عورت اس کو چند مثالوں سے بھی واضح فرمادیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

" تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں، ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے اُن بیبیوں سے صحبت نہ کی تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دونوں بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں) ایک ساتھ رکھو۔ الخ۔"

بخاری شریف میں حدیث ہے:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تنكح المرأة على عمتها أو خالتها"

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی پر یا اس کی خالہ پر"

ایسے ہی دوسری جگہ فرمایا:

"لا يجمع بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة وخالتها"

"نہ جمع کیا جائے (نکاح میں) عورت اور اس کی پھوپھی کو، اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو"

قرآن پاک کی آیت اور احادیث میں جن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت آئی ہے ان کا یاد رکھنا ذرا مشکل تھا اور وہ سب ایک قاعدہ کلیہ کے تحت جمع بھی ہو جاتی تھیں لہٰذا فقہاء نے تمام صورتوں کا احاطہ کر کے یہ قاعدہ بنا دیا "ولا يجمع بين امرأتين لو كانت كل واحدة منهما رجلاً لم يجز له أن يتزوج بالأخرى" جس کا مفہوم یہ ہے کہ "ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے ہر ایک کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح نہ ہو سکتا ہو" تو یہ اصول کلی ہے اس سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں۔

مثلاً خالہ اور بھانجی کو یا پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتے کیونکہ اگر مرد فرض کر لیا جائے تو وہ اس بھانجی کا ماموں بن جائے گا، اور ماموں اور بھانجی کا نکاح جائز نہیں اور بھانجی کو اگر مرد فرض کیا جائے تو وہ بھانجا بن جائے گا جبکہ خالہ اور بھانجے کا نکاح بھی جائز نہیں۔ لہٰذا ان دونوں خالہ اور بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں۔

كما في الشامية (٣/٣٩): كتاب النكاح (طبع سعيد): (قوله: وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها والجمع بين الأم والبنت نسبا أو رضاعا.

(٣٣٩) بھانجی، خالہ سے بیک وقت نکاح ناجائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کسی لڑکی کو اغواء کر کے لے جاتا ہے اور چند دن بعد اس لڑکی سے شادی کر لیتا ہے مگر اس آدمی کی پہلی بیوی جو کہ حیات ہے اور اس کے نکاح میں موجود ہے اس دوسری لڑکی کی علاتی (باپ شریک) بھانجی ہے کیا شریعت میں یہ جائز ہے کہ ایک مرد بیک وقت ایسی دو عورتوں کو نکاح میں رکھے کہ ان کا آپس میں خالہ اور بھانجی کا رشتہ ہو۔ یہ واضح ہو کہ یہ دوسری لڑکی شخص مذکور کی پہلی بیوی کی حقیقی خالہ نہیں ہے بلکہ علاتی خالہ ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں مسئلہ بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے حقیقی خالہ ہو یا علاتی یا اخیافی (ماں شریک)۔ اس باب میں صریح احادیث منقول ہیں کہ خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا، صحیح بخاری (٢/٧٦٦) پر حدیث ہے:

"نهى رسول الله أن تنكح المرأة على عمتها أو خالتها"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کی موجودگی میں نکاح سے منع فرمایا۔

لمافی صحیح البخاری (۷۶۶/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يجمع بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة وخالتها۔

وفی البحرالرائق (۱۶۴/۳): قوله (وأخته وبنتها وبنت أخيه وعمته وخالته) للنص الصريح ودخل فيه الأخوات المتفرقات وبناتهن وبنات الإخوة المتفرقين والعمات والخالات المتفرقات لأن الاسم يشمل الكل وكذا يدخل في العمات والخالات أولاد الأجداد والجدات وإن علوا وكذا عمة جده وخالته وعمة جدته وخالاتها لأب وأم أو لأب أو لأم وذلك كله بالإجماع۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۶۶۴/۹): ويحرم على الزوج أن يطأ الأولى، أي قربان زوجته الأولى حتى تنقضي عدة الثانية، لئلا يكون جامعاً بينهما، والجمع بين المحارم حرام۔

(۳۴۰) بیوی کے محرم سے نکاح یا زنا کے بعد بیوی سے ہمبستری کا حکم

سؤال

اگر ایک شخص بیوی اور سالی کی بیٹی سے نکاح کر لیتا ہے یعنی خالہ اور بھانجی کو جمع کر لیتا ہے ہمبستری دونوں سے ہوجاتی ہے معلوم ہونے پر بھانجی کو علیحدہ کر دیتا ہے تو وہ فوراً پہلی بیوی یعنی خالہ سے وطی کر سکتا ہے یا کچھ انتظار کرنا ہوگا نیز پھوپھی بھتیجی اور دو بہنوں کے جمع کی صورت میں دوسری کی علیحدگی کے بعد پہلی سے وطی کا حکم بھی لکھ دیں، یہ عدت کہلائے گی یا استبراء رحم؟ جمہور کا قول ہے یا کسی ایک کا، مفتی بہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ ایک شخص اگر اپنی بیوی کے کسی بھی محرم رشتے دار (جس سے بیوی کی موجودگی میں نکاح کرنا حرام ہو) سے نکاح کر لے تو یہ نکاح فاسد ہوگا اور اس میں علیحدگی ضروری ہوگی اور اس علیحدگی کے بعد وہ دوسری عورت تین حیض عدت گزارے گی اور اس عورت کی عدت کے دوران یہ شخص اپنی بیوی سے بھی ہمبستری نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی بیوی کی محرم مثلاً بہن اس کی عدت میں ہے اور دوران عدت نکاح کسی درجہ میں باقی رہتا ہے لہٰذا ایک وقت میں دو بہنوں کو جمع کرنا لازم آئے گا لہٰذا دوسری کی عدت کے اختتام تک یہ اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کر سکتا۔

یہی حکم سالی کی بیٹی یعنی بیوی کی بھانجی یا بیوی کی بھتیجی سے نکاح کر کے علیحدگی کا ہے البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ بیوی کے

کسی ایسے محرم سے جس سے بیوی کی موجودگی میں نکاح حرام ہو نکاح کر لینے سے یہ احکام جاری ہوں گے اس دوسری لڑکی کو عدت تین حیض گزارنا واجب اور ضروری ہوگا اس دوران بیوی سے ہمبستری کرنا جائز نہ ہوگا البتہ اگر کوئی شخص بیوی کی موجودگی میں اس کی کسی ایسے محرم سے جس سے نکاح حرام ہو اس سے زنا کر لے تو یہ حکم نہیں بلکہ اس صورت میں اس دوسری عورت کو ایک حیض بطور استبراء رحم کے گذارنا ہوگا اور اس دوران اس شخص کیلئے اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرنا بہتر ہے۔

لمافی الخانية على هامش الهندية (۳۶۴/۱): ولو تزوج امرأة ثم نكح أختها جاز نكاح الأولى وبطل نكاح الثانية وإن وطئ الثانية لم يطأ الأولى حتى تنقضي عدة الثانية.

وفى الشامية (۳۸۰/۶): ومنها إذا زنى بأخت امرأته أو بعمتها أو بخالتها أو بنت أخيها أو أختها بلا شبهة فإن الأفضل أن لا يطأ امرأته حتى تستبرأ المزنية فلو زنى بها بشبهة وجب عليه العدة فلا يطأ امرأته حتى تنقضي عدة المزنية۔

وفى الفقه الاسلامى وادلته (۶۶۶۴/۹): حكم العقد الواحد أو العقدين على الأختين ونحوهما: إذا تزوج رجل امرأتين بينهما محرمية كالأختين وكالبنت وخالتها، والبنت وعمتها، ففي حكم الزواج تفصيل: أ۔ إن تزوجهما معاً في عقد واحد، فسد زواجهما معاً ولم يبطل۔۔۔ ب۔ وإن تزوج كلاً منهما بعقد مستقل، الواحدة بعد الأخرى، صح زواج الأولى وفسد زواج الثانية؛ لأن الجمع حصل بزواج الثانية، فاقتصر الفساد عليه، ويفرق بينه وبين الثانية.

(۳۴۱) مطلقہ عورت کی بھتیجی سے نکاح کرنا

سؤال

ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کر لی۔ بعد میں اس کو ایک طلاق دیدی اب اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر عورت کو طلاق دخول سے پہلے دی ہے تو اس کی بھتیجی سے جب چاہے نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر دخول کے بعد طلاق دی ہے تو جب تک اس عورت کی عدت ختم نہیں ہوتی اس وقت تک آدمی اس مطلقہ عورت کی بھتیجی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

لمافی القرآن الكريم (النسآء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ۔۔۔۔ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الهندية (١/٢٧٧): والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط۔
وفيه أيضاً(١/٢٧٨): وإن أراد أن يتزوج إحداهما بعد التفريق فله ذلك إن كان التفريق قبل الدخول وإن كان بعد الدخول فليس له ذلك حتى تنقضي عدتهما الخ۔

(۳۴۲) بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو ایک نکاح میں جمع کرنے پر ایک اشکال و جواب

سوال

جن دوعورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے جیسے دو بہنیں، خالہ بھانجی، پھوپھی بھتیجی، وغیرہ تو ایسی عورتوں کو نکاح میں بیک وقت ساتھ نہ رکھنے کی اصل علت قطع رحمی ہے، اور یہ علتِ قطع رحمی بیوی کی سوتیلی ماں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جن دوعورتوں میں سے ایک کو مرد تصور کریں اور دوسری کو عورت تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں ہوتا ہو تو ان کو ایک ساتھ جمع کرنا بھی جائز نہیں ہوگا تو بیوی اور اس کی سوتیلی ماں میں سے بیوی کو مرد تصور کرلیا جائے تو اس بچے کا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح ابدی طور پر حرام ہے تو پھر ان دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا کیوں جائز ہے؟

دوسری بات کہ قرآن پاک میں بھی (وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ) باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ علت قطع رحمی کا پایا جانا ہے لہٰذا آپ بتائیں کہ قطع رحمی کی علت کے ہوتے ہوئے نکاح میں بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو ایک ساتھ رکھنا کیوں جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

ہر وہ دوعورتیں کہ جن میں نسبی و رضاعی تعلق و قرابت دونوں طرف سے پایا جاتا ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو اگر مرد تصور کیا جائے اور دوسری کو عورت تو ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہو تو شریعت نے ان کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا ہے جیسے دو بہنیں ہیں۔

البتہ ایسی دوعورتیں جن میں سے ہر ایک کو مرد تصور کریں اور دوسری کو عورت تو شریعت نے ان کو ایک دوسرے سے نکاح کی رخصت دی ہو تو ان کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے کی اجازت ہے جیسے دو اجنبی عورتیں اور خالہ زاد بہنیں، پھوپھی زاد بہنیں اور ایسی دوعورتیں ہوں کہ ایک طرف سے اگر ایک کو مرد اور دوسری کو عورت تصور کریں تو ان کا نکاح جائز نہ ہو لیکن اگر دوسری طرف سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت تصور کریں تو ان کا نکاح آپس میں جائز ہو تو پھر بھی ان کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں رکھنا جائز ہے جیسے لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں لڑکی کو اگر مرد فرض کریں تب تو لڑکے کا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح جائز نہیں لیکن اگر یہاں سوتیلی ماں کو مرد تصور

کریں تو یہ اجنبی ہونے کی وجہ سے مذکورہ لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہے تو اسی وجہ سے لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں علت قطع رحمی و تعلق قرابت مفقود ہے اور نکاح کے عدم جواز کیلئے علت قطع رحمی و تعلق قرابت کا پایا جانا دونوں طرف سے ضروری ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۲۹/۱۱) باب جواز الجمع بين امرأة وبنت زوج الخ (ادارة القرآن): ولنا قول الله تعالىٰ (وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ) ولا نهما لاقرابة بينهما فاشبهتا الاجنبيتين، ولو كان لرجل ابن من غير زوجته ولها بنت من غيره او كان له بنت ولها ابن جاز تزويج احدهما من الآخر فی قول عامة الفقهاء۔

وفی الهندية (۲۷۷/۱) الباب الثالث فی المحرمات: والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط۔

(۳۴۳) بیوی کی عدت میں اسکی بہن سے نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور کچھ دن بعد ہی اس کی بہن سے نکاح کیا تو اس نکاح کا کیا حکم ہے ان کے بچوں کا نسب ان سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

(تنقیح: بیوی کو طلاق دیئے ہوئے مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دوسرا نکاح کیا گیا)۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مطلقہ بیوی کی جب تک عدت نہ گزر جائے اس وقت تک اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ صورت مسئولہ میں یہ نکاح فاسد ہے شوہر پر لازم ہے کہ عورت کو اپنے سے علیحدہ کردے یعنی یوں کہہ دے "میں نے تجھے چھوڑ دیا" یا "تو چلی جا" البتہ اس صورت میں بچے ثابت النسب سمجھے جائیں گے۔

لمافی القرآن الكريم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ...... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الدرالمختار (۱۳۴/۳): (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة (وتعتبر مدته) وهي ستة أشهر (من الوطء فإن كانت منه إلى الوضع أقل مدة الحمل) يعني ستة أشهر فأكثر (يثبت) النسب

(وإلا) بأن ولدته لأقل من ستة أشهر (لا) يثبت وهذا قول محمد وبه يفتى وقالا ابتداء المدة من وقت العقد كالصحيح ورجحه في النهر بأنه أحوط۔

وفي الشامية (۱۳۱/۳): (قوله: كشهود) ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة الخ۔

(۳۴۴) سالی کی لڑکی سے بیوی کی موجودگی میں نکاح حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری سالی سے میری شادی تو اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کی بہن میرے نکاح میں ہے مگر کیا سالی کی بیٹی سے میرا نکاح ہوسکتا ہے جبکہ اس کا باپ علیحدہ اور میری اہلیہ کے والد علیحدہ ہیں نیز میری اہلیہ اور اس لڑکی نے ایک عورت کا دودھ بھی نہیں پیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سالی کی بیٹی چونکہ منکوحہ کی بھانجی بنتی ہے اور خالہ، بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"نهى النبي صلى الله عليه وسلم ان تنكح المرأة على عمتها والمرأة وخالتها"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ عورت سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنے سے (منع فرمایا)۔ (بخاری، ۷۶۶/۲)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سالی کی بیٹی سے اس کی خالہ کی موجودگی میں نکاح جائز نہیں۔ باقی آپ کا یہ شبہ کہ آپ کی اہلیہ اور اس لڑکی کے والد الگ ہیں یا دونوں رضاعی بہنیں نہیں تو یہ درست نہیں کیونکہ حرمت صرف بہن ہونے یا رضاعت کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ نصوصِ شرعیہ میں دیگر حرمتیں بھی وارد ہوئی ہیں انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

لمافي الدر المختار (۳۸/۳): و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى) أبدا لحديث مسلم لا تنكح المرأة على عمتها۔

وفي الرد تحته: (قوله: وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها والجمع بين الأم والبنت نسبا أو رضاعا وكالجمع بين عمتين أو خالتين كأن يتزوج كل من رجلين أم الآخر فيولد لكل منهما بنت فيكون كل من البنتين

عمة الأخرى أو يتزوج كل منهما بنت الآخر ويولد لهما بنتان فكل من البنتين خالة الأخرى كما في البحر ــ۔ قوله (لا تنكح المرأة على عمتها) تمامه ولا على خالتها ولا على ابنة أخيها ولا على ابنة أختها۔

(۳۴۵)عورت کا اپنے بہنوئی سے حلالہ کرانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی سالی کو اس کے شوہر نے تین طلاق دیدیں اب حلالہ کرنا چاہتا ہے لیکن ساتھ ساتھ شوہر یہ بھی چاہتا ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے تو زید کہتا ہے کہ میں تیار ہوں۔ زید یہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک اوراحادیث مبارکہ کے واضح نصوص اوراجماع امت سے ثابت ہے کہ ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے نکاح منعقد نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے نکاح کرنا حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جس عورت کو شوہر نے تین طلاقیں دی ہوں تو جب تک یہ عورت دوسرے مرد سے نکاح صحیح نہ کرلے اور پھر وہ دوسرا شوہر اس سے میاں بیوی کا تعلق قائم کرکے طلاق نہ دیدے اور پھر عدت بھی گزر جائے اس وقت تک پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا حلال نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب زید کا نکاح ہی اپنی سالی سے منعقد نہیں ہوسکتا جو کہ حلالہ کے لئے شرط ہے تو پھر شوہر کے لئے اس کے بعد نکاح کیسے حلال ہوسکتا ہے۔

- لما في القرآن الكريم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ .... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفي الخانية (۱/۳۶۴): ومنها الجمع بين الأختين نكاحا حرتين كانتا أو أمتين إن تزوجهما جملة بطلا وإن تزوجهما على التعاقب صح الأول وبطل الثاني.

وفي الدر المختار(۳/۳۸): وحرم (الجمع) بين المحارم (نكاحاً) اى عقدا صحيحاً اهـ۔

وفي (ص۴۱۰): (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله ــ۔ (بنكاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

(۳۴۶) باپ بیٹے کا دو سگی بہنوں کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی اور اس کے بیٹے نے دو سگی بہنوں کے ساتھ نکاح کیا، بڑی بہن کے ساتھ باپ کا اور چھوٹی بہن کے ساتھ بیٹے کا نکاح ہوا، آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر درست ہوا تو ان کی اولادوں کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کو سمجھنے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ کیا نکاح کے باب میں سوتیلے رشتے اور نسبی رشتے حرمت و حلت کے اعتبار سے برابر ہوتے ہیں یا نہیں؟ تو فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق دونوں ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ جہاں جن کے نکاح حرام ہیں وہ صرف نسب یا رضاعی رشتوں میں ہوگا۔ سوتیلے رشتے اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ مثلاً خالہ پھوپھی جن کے ساتھ نکاح حرام ہیں ان سے مراد وہ افراد ہوں گے جو دادا، دادی یا نانا، نانی کی اولاد ہوں چاہے ماں باپ کی ماں شریک بہن ہو یا باپ شریک یا دونوں کی طرف سے، بہن ہوں لیکن جو دادا، دادی یا نانا، نانی کی کسی بھی جہت سے اولاد میں شامل نہ ہوں ان کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جیسے دو سگی بہنیں تھیں ایک کے ساتھ باپ نے نکاح کیا اور دوسرے کے ساتھ بیٹے نے، تو یہ جائز ہے اگرچہ باپ کے نکاح کرنے سے، باپ کی بیوی کی بہن اس کے بیٹے کیلئے سوتیلی خالہ بن گئی لیکن چونکہ دادا دادی نانا نانی کی اولاد میں سے نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ بیٹے کا نکاح جائز ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں باپ (عمرو) اور بیٹے (زید) کا دو سگی بہنوں کے ساتھ نکاح جائز ہوگا، البتہ ان کی اولاد کا آپس میں نکاح کرنا درست نہیں ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر عمرو کی بیٹی ہو اور زید کا لڑکا ہو، تو عمرو کی بیٹی زید کی سوتیلی اور باپ شریک بہن ہے اور زید کے لڑکے کیلئے بھی سوتیلی خالہ ہونے کی ساتھ دادا کی بیٹی بھی ہے، اسی طرح اگر عمرو کا بیٹا ہو اور زید کی بیٹی ہو، تو یہ لڑکا زید کا باپ شریک بھائی ہے اور زید کی لڑکی کیلئے دادا شریک بیٹا یعنی چچا ہوا لہٰذا عمرو اور زید کی اولاد کا آپس میں نکاح درست نہیں ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی روح البیان (٢/١٨٦): {وَعَمَّاتُكُمْ} العمة كل أنثى ولدها من ولد والدك قريباً أو بعيداً {وَخَالَاتُكُمْ} الخالة كل أنثى ولدها من ولد والدتك قريباً أو بعيداً يعني العمات تعم أخوات الآباء والأجداد وكذا الخالات تعم أخوات الأمهات والجدات سواء كن من قبل الأب والأم أو من قبل أحدهما۔

وفی البحر الرائق (٣/٩٢،٩٣): قوله (وأخته وبنتها وبنت أخيه وعمته وخالته) للنص الصريح ودخل فيه الأخوات المتفرقات وبناتهن وبنات الإخوة المتفرقين۔

وفی ردالمحتار(٣/٣١): قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۳۴۷) باپ شریک بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے دوشادیاں کی ہیں اس کی ایک بیوی زینب ہے جس سے ہندہ پیدا ہوئی، دوسری بیوی جمیلہ ہے۔جس سے ایک بیٹی راشدہ ہے۔ہندہ کی شادی پانچ سال قبل بکر سے ہوئی تھی اب بکر راشدہ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے کیا یہ شادی کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں چونکہ ہندہ اورراشدہ باپ شریک بہنیں ہیں لہٰذا بکر کا، راشدہ سے شادی کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جمع بین الاختین ہے اورجمع بین الاختین (دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا) حرام ہے لہٰذا بکر کے عقد نکاح میں جب تک ہندہ باقی ہے اس وقت تک بکر راشدہ سے شادی نہیں کرسکتا۔

لمافی القرآن الكريم (النساء:٢٣): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الهندية (١/٢٧٧): وأما الجمع بين ذوات الأرحام فإنه لا يجمع بين أختين بنكاح ولا بوطء بملك يمين سواء كانتا أختين من النسب أو من الرضاع هكذا في السراج الوهاج والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع

بينهما هكذا في المحيط۔

(۳۴۸) بیوی کے غائب ہونے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی سیلاب میں ڈوب گئی اور کئی مہینوں تک پتہ نہیں چلا پھر وہ شخص کئی مہینوں کے بعد اپنی سالی کی ساتھ شادی کرتا ہے اور وہ حاملہ ہوگئی لیکن حقیقتاً پہلی بیوی ڈوبی نہیں ہوتی بلکہ اس کی جان محفوظ رہ جاتی ہے اور وہ شوہر کے گھر اچانک آجاتی ہے تو شوہر ان دونوں میں سے کس کو چھوڑے گا اور کیا دوسری بیوی کے ساتھ نکاح ہوا یا نہیں اور وہ بچہ یعنی حمل ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب پہلی بیوی گھر پہنچ گئی تو گویا پہلی بیوی کے بارے میں جو آپ کا تصور قائم تھا کہ وہ فوت ہوچکی ہے یہ غلط ثابت ہوا لہٰذا دوسری بہن سے نکاح پہلی بہن کی موجودگی میں ہوا اور قرآن وحدیث کی رو سے پہلی بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح کرنے سے نکاح صحیح نہیں بلکہ فاسد ہوجاتا ہے لہٰذا دوسری بہن کو چھوڑ دیا جائے گا البتہ دوسری بہن کی اولاد ثابت النسب ہوگی۔

لمافی القرآن الكريم (سورة النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الخانية (۱/۳۶۴): وإن تزوجهما على التعاقب صح الأول وبطل الثاني.

وفی الهندية (۱/۲۷۷): وإن تزوجهما في عقدتين فنكاح الأخيرة فاسد ويجب عليه أن يفارقها ولو علم القاضي بذلك يفرق بينهما فإن فارقها قبل الدخول لا يثبت شيء من الأحكام وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة ويثبت النسب ويعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة أختها كذا في محيط السرخسي۔

فصل فی المحرمات لاختلاف الدین

(دین کے اختلاف کے باعث حرام عورتوں کا بیان)

(۳۴۹) عیسائی مرد سے نکاح قطعاً باطل ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی نے ایک عیسائی یا کرسچن لڑکے کے ساتھ بھاگ کر شادی کرلی۔ اس کے بعد لڑکی حاملہ ہوگئی، پھر عیسائی لڑکا مسلمان ہوگیا، اور بعد میں لڑکی عیسائی ہوگئی۔ پوچھنا ہے کہ ان دونوں کا نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اور بچہ ولد الزنا شمار ہوگا یا نہیں؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مسلمان عورت کا عیسائی مرد سے نکاح حرام ہے، اور ان کے ملاپ سے جو اولاد ہوگی وہ بھی حرام ہوگی، لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ بچہ ولد الحرام شمار ہوگا اور مذکورہ لڑکی جو عیسائی ہوگئی ہے، شرعاً مرتدہ کہلائی جائے گی اگر دوبارہ اسلام قبول کرلیتی ہے تو ٹھیک ورنہ اس کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں اور شرعاً اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید میں ڈال دیا جائے گا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۲۲۱): وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ...الآية۔

وفی المصنف لابن ابی شیبة (۵۹۶/۱۴) کتاب الحدود: عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ من بدل دینه فاقتلوه۔

وفی الشامیة (۱۳۲/۳) مطلب فی النکاح الفاسد: نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۶۱۴/۹) زواج المسلمة بكافر، وزواج المرتدة: فلا تحل مسلمة لكافر بالإجماع لقوله تعالی: {ولا تُنكحوا المشركين} -

(۳۵۰) شیعہ لڑکے سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک ساتھی ہیں ان سے کافی پرانی جان پہچان ہے۔وہ اپنی بیٹی کی شادی کر رہے ہیں۔لڑکا کراچی ہی کا ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ لڑکا شیعہ ہے۔شیعی مجالس میں بھی شرکت کرتا ہے۔میں نے انہیں سمجھایا کہ یہ درست نہیں۔تم اپنی بیٹی کی شادی کسی سنی لڑکے سے کرو۔شیعہ سے شادی نہ کرو۔آپ سے درخواست ہے کہ بتائیں کہ کیا یہ شادی درست ہے؟ شیعہ سے نکاح کا کیا حکم ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مذہبِ تشیع کے متبعین بہت سے گمراہ کن عقائد کے حامل ہیں اس لئے شیعہ لڑکے یا لڑکی سے بوجہ مفاسدِ کثیرہ نکاح جائز نہیں، لہذا آپ کے دوست کو چاہیئے کہ اپنی بیٹی کی شادی صحیح العقیدہ سنی لڑکے سے کریں، شیعہ لڑکے سے شادی کر کے اپنی اور اپنی آنے والی نسل کی دین ودنیا برباد نہ کریں۔

لما فی المشکوۃ(۵۵/۹)المطبوع مع المرقاة:كتاب الآداب،باب حفظ اللسان: وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أيما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما " متفق عليه۔

وتحته فی المرقاة(۵۵/۹): وثالثها أنه محمول على الخوارج المكفرين للمؤمنين وهذا ضعيف لأن المذهب الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل البدع لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماع بلا نزاع۔

وفی الشامية(۲۳۷/۴): (باب المرتدين):نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالى عنها أو أنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية في علي أو أن جبريل غلط في الوحي أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔

(۳۵۱) آغاخانیوں سے نکاح حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی مسلمان ہو، اور اس کی بیوی آغاخانی ہو تو کیا اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں، بغیر مسلمان کئے اگر کوئی آغاخانی عورت سے شادی کرے تو ان کی اولاد حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آغاخانی فرقہ بالاجماع کافر وزندیق ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی آغاخانی اور خاوند مسلمان ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا اس شرط کے ساتھ جائز تو ہے کہ لڑکی مسلمان ہو لیکن نہ کرنا پھر بھی بہتر ہے کیونکہ ان کے گھر سے تعلقات رکھنا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے نیز اس لڑکی کی ماں آغاخانی ہے تو یہ لڑکی ولد الزنا شمار ہوگی۔ البتہ اس لڑکی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے فی نفسہ نکاح جائز ہے۔ نیز آغاخانی عقائد کی لڑکی سے نکاح حرام وناجائز ہے۔ حرام ہونے کے باوجود کسی نے آغاخانی عورت سے شادی کی تو بہت خطرے کی بات ہے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر تک پہنچا دیتا ہے لہٰذا آغاخانی عورت سے نکاح کرنا باطل ہے اور جو اولاد ہوگی وہ ثابت النسب نہیں ہوگی۔

لمافی التفسیر المنیر (۲/۲۹۲): "وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ" دلت الآية على زواج المسلم بالمرأة المشركة كالوثنية والبودية والملحدة لايصح بحال۔

وفی الشامیة (۴/۲۴۴): حكم الدروز والتيامنة والنصيرية والإسماعيلية: تنبيه يعلم مما هنا حكم الدروز والتيامنة فإنهم في البلاد الشامية يظهرون الإسلام والصوم والصلاة مع أنهم يعتقدون تناسخ الأرواح وحل الخمر والزنا وأن الألوهية تظهر في شخص بعد شخص الحشر والصوم والصلاة والحج ويقولون المسمى به غير المعنى المراد ويتكلمون في جناب نبينا كلمات فظيعة، وللعلامة المحقق عبد الرحمن العمادي فيهم فتوى مطولة وذكر فيها أنهم ينتحلون عقائد النصيرية والإسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاهب الأربعة أنه لا يحل إقرارهم في ديار الإسلام بجزية ولا غيرها ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم وفيهم فتوى في الخيرية أيضا فراجعها۔

مطلب جملة من لا تقبل توبته: والحاصل أنهم يصدق عليهم اسم الزنديق والمنافق والملحد ولا يخفى أن إقرارهم بالشهادتين مع هذا الاعتقاد الخبيث لا يجعلهم في حكم المرتد لعدم

التصديق ولا يصح إسلام أحدهم ظاهرا إلا بشرط التبري عن جميع ما يخالف عن الإسلام لأنهم يدعون الإسلام ويقرون بالشهادتين وبعد الظفر بهم لا تقبل توبتهم أصلا۔
[وهكذا في الهندية ۲/۲۶۴]

(۳۵۲) اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھنے والے شخص سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان سنی عورت نے اسماعیلی فرقے کے شخص سے نکاح کیا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

(۱) یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ (۲) نکاح واجب الفسخ ہے یا خود ہی ختم ہو چکا ہے؟

(۳) مسلمان عورت کے ایمان میں تو فرق نہیں آیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مسلمان عورت کا کسی کافر مرد کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اہل سنت والجماعت نے اسماعیلی فرقہ کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کا اس اسماعیلی شخص سے نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا، ان کے درمیان فوراً جدائی کروانا ضروری ہے اور اس عورت کو توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة: ۲۲۱): وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ...الآية۔

وفي الشامية (۴/۲۴۴): حكم الدروز والتيامنة والنصيرية والإسماعيلية: تنبيه يعلم مما هنا حكم الدروز والتيامنة فإنهم في البلاد الشامية يظهرون الإسلام والصوم والصلاة مع أنهم يعتقدون تناسخ الأرواح وحل الخمر والزنا وأن الألوهية تظهر في شخص بعد شخص الحشر والصوم والصلاة والحج ويقولون المسمى به غير المعنى المراد ويتكلمون في جناب نبينا كلمات فظيعة، وللعلامة المحقق عبد الرحمن العمادي فيهم فتوى مطولة وذكر فيها أنهم ينتحلون عقائد النصيرية والإسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاهب الأربعة أنه لا يحل إقرارهم في ديار الإسلام بجزية

ولا غیرها ولا تحل مناکحتهم ولا ذبائحهم وفیهم فتوی فی الخیریة أیضا فراجعها۔

(۳۵۳) آغاخانی، اسماعیلی اور بوہریوں سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آغاخان کون ہیں؟ کیا عقائد ہیں؟ کافر کیوں ہیں؟ ان کی تاریخ دنیا میں کب سے ہے، اسماعیلیہ اور ان میں کیا فرق ہے؟ یا نام الگ معنون ایک ہے دونوں کافر ہیں یا فرق ہے؟ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیلیہ کا ذکر کیا ہے اس سے یہ آغاخانی اسماعیلی مراد ہیں یا کوئی دیگر فرقہ تھا؟ ان کی لڑکی سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ان کی معتبر کتب کون سی ہیں؟ نیز بوہری بھی اسماعیلیہ کی قسم ہیں یا یہ الگ فرقہ ہیں؟ ازراہِ کرم تفصیل فرماتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

دشمنانِ اسلام نے ہر دور میں مختلف تدبیروں سے اسلام اور اہل اسلام کو مغلوب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخر دور میں یہودیت کے ایجنٹ، رہبر کے روپ میں رہزن عبداللہ بن سبا کا منافقانہ طور پر اسلام قبول کرنا ہے کیونکہ اس دور میں اللہ رب العزت نے اسلام کو چہار دانگ عالم میں اس طور پر پھیلا دیا تھا کہ منافقین وکفار میں کھلے طور پر اسلام کی مخالفت کرنے کی ہمت تو نہیں ہوتی تھی، مگر یہودیت کی اسلام دشمنی ہمیشہ ہی مشہور رہی ہے۔

جب اعلانیہ مخالفت ان کیلئے دشوار ہوگئی تو خفیہ سازشیں کرنے لگے اور اس خفیہ سازش کا حصہ ابن سبا ہے۔ یہودیوں نے اس کو آستین کا سانپ بنا کر اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے آمادہ کرتے ہوئے بظاہر اسلام قبول کرنے کیلئے تیار کرلیا بالآخر ابن سبا مدینہ طیبہ پہنچ کر امیر المؤمنین خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوگیا پھر مدینہ طیبہ ہی سے اس نے اپنی تحریک کا آغاز کرتے ہوئے کچھ چیلے تیار کر لیے۔ آہستہ آہستہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی ذہن سازی کرنے لگا سب سے پہلے اپنے شاگردوں کو سبق پڑھایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق نہیں غاصبانہ قبضہ ہے اصل حق دار تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد، داماد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ مختلف علاقوں میں جا جا کر اپنے لوگ تیار کئے اور ان کو مختلف سبق پڑھائے بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔

اس کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی پھر حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ابن سبا نے اپنے مشن میں بہت تیزی اختیار کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت علی وصی رسول اللہ ہیں کبھی کہتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں کبھی کہتا کہ علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور کچھ عرصہ بعد دعویٰ کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خود اللہ ہیں العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ، علی رضی اللہ عنہ میں حلول کر گئے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خرافات کا پتہ چلا تو پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے اس بدبخت کو بہت سمجھایا اور بالآخر اس کو جلاوطن کر دیا کیونکہ یہ

مختلف لوگوں کو مختلف نظریات دیتا رہتا تھا اس لئے جن لوگوں کو جو نظریہ دیا وہ اسی پر کاربند رہے اسی وجہ سے شیعوں میں مختلف فرقے بن گئے بعض اللہ تعالیٰ کے امام میں حلول کے قائل تھے اور بعض نہیں تھے مگر منجانب اللہ امامت کے عقیدے پر سب متفق ہیں سوائے تفضیلیہ کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعوں میں امامت کا سلسلہ چل نکلا حضرت علی رضی اللہ عنہ امام اوّل ہیں ان کے بعد امام، حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد امام، حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد امام، حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے بعد امام، حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے بعد امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان لوگوں کے بقول حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے سب سے بڑے صاحبزادے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنایا مگر کچھ عرصہ بعد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں انتقال ہوگیا۔ اسماعیل کے انتقال کے بعد حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین بنا دیا۔ جب حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا تو شیعوں کے دو گروہ بن گئے۔ بعض نے کہا کہ حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ہی جانشین ہیں اور بعض نے کہا نہیں موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ امام ہیں جنہوں نے اسماعیل کو امام مانا وہ اسماعیلی کہلائے اور انہوں نے امامت کے سلسلے کو حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں جاری کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو امام بنالیا اور جنھوں نے امام حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو مانا تھا وہ موسویہ کہلائے اور انہوں نے امامت کا سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کی اولاد میں جاری کرلیا کیونکہ ابن سبا نے مختلف لوگوں کو مختلف عقائد دیئے تھے۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں خدا کے حلول والا عقیدہ فرقہ اسماعیلیہ نے اختیار کیا اور انہوں نے امامت کے سلسلے کو ہمیشہ کیلئے جاری کرلیا جبکہ فرقہ موسویہ [موجودہ اثناعشریہ، امامیہ] انہوں نے بارہویں امام کے غار میں چھپ جانے کا عقیدہ گھڑ کے سلسلہ امامت کو اس پر ختم کردیا جبکہ اسماعیلیہ کا سلسلہ امامت جاری ہے اور موجودہ دور ۲۰۱۳ء میں ان کا پچاسواں امام پرنس کریم آغا خان ہے۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۳ھ میں اپنا جانشین بنایا تھا تب سے اس فرقے کی بنیاد پڑی ہے آغا خانی اور اسماعیلی یہ دونوں نام ایک ہی فرقے کے ہیں آغا خانی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب اسماعیلیوں کا ۴۵واں امام خلیل اللہ ۱۲۳۳ھ میں ایک سازش کے تحت قتل کردیا گیا تو اسماعیلیوں کو خوش کرنے کیلئے خلیل اللہ کے دو سالہ لڑکے جس کا نام حسن علی تھا اس کو آقا خان کا لقب دیا گیا جس پر انہیں آقا خان محلاتی پکارا جانے لگا اور ایرانی بادشاہ نے اپنی لڑکی سے بعد میں اس کی شادی بھی کردی مگر بادشاہ فتح علی کی وفات کے بعد حسن علی شاہ آقا خانی محلاتی کو ایران میں بڑی مشکلات پیش آئیں اس لئے انہوں نے ایران کو چھوڑ کر ہندوستان میں بمبئی آکر سکونت اختیار کرلی پھر یہاں آکر آقا خان سے آغا خان کہے جانے لگے۔ (آغا خانیت علماء امت کی نظر میں صفحہ ۱۰، ادیان باطلہ اور صراط مستقیم صفحہ ۷۷)

(۱) آغا خانیوں کا کلمہ "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله وأشهد أن علياً الله" ہے جو کہ مسلمانوں کے کلمہ سے جدا ہے۔ یہ لوگ (۲) نماز، (۳) روزہ، (۴) زکوٰۃ، (۵) حج کے منکر ہیں۔

(۶) نبوت سے امامت کو بالاتر مانتے ہیں۔

(۷) امام میں خدا کے حلول کے قائل ہیں لہذا ان کے نزدیک امام ہی حقیقت میں خدا ہے اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ

(۸) منزل من اللہ قرآن کریم کو نہیں مانتے بلکہ اپنے حاضر امام کو بولتا قرآن کہتے ہیں اور وہ جو بھی احکام بتائے اس پر عمل کرتے ہیں۔ (مختصر از ادیان باطلہ صفحہ ۸۱)

مذکورہ بالا عقائد کفریہ کی بناء پر اسماعیلی فرقہ کا فروزندیق ہے۔ یہ مرتدین کے حکم میں ہیں۔ ان سے نکاح، معاملات وغیرہ کرنا بالکل ناجائز وحرام ہے اور علماء امت کا ان کے کفر پر اجماع ہے۔

بوہری فرقہ یہ بھی فرقہ اسماعیلیہ کی ہی ایک شاخ ہے۔ جب مستنصر باللہ ۴۲۷ھ بمطابق ۱۰۳۵ء (وفات ۴۸۷ھ بمطابق ۱۰۹۰ء) کا انتقال ہوا تو فاطمیوں میں ان کے جانشین بنانے میں اختلاف ہوا بعض نے المستنصر کے صاحبزادے نزار کو جانشین بنایا اور بعض نے المستنصر کے چھوٹے صاحبزادے المستعلی کو جانشین بنایا جنھوں نے نزار کو جانشین بنایا وہ نزاریہ کہلائے اور جنہوں نے المستعلی کو جانشین بنایا وہ مستعلویہ کہلائے۔

مستعلی کا معنی وہ غیبوبت سے کرتے ہیں کہ ان کے آخری امام طیب تھے جس نے کم سنی میں ہی غیبوبت، (۵۲۴ھ بمطابق ۱۱۱۳ء میں) اختیار کرلی۔ اس وقت سے ان میں امام مستور (چھپے ہوئے امام) کا دور شروع ہوا ہے مگر دعوت کا سلسلہ داعیوں کے ذریعے اب بھی جاری ہے۔ اس فرقہ کے پیروکار یمن، مصر، ہندوستان اور پاکستان میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ہندوستان میں ان کا مرکز ۹۴۶ھ بمطابق ۱۵۴۰ء میں احمد آباد گجرات میں منتقل ہوگیا تھا اور وہاں پر ان کے منصب کا داعی یوسف بن سلیمان تھا۔

جب ان کے چھبیسویں داعی داؤد بن عجب شاہ کا انتقال ۱۵۹۱ء میں ہوا تو پھر اکثریت نے داؤد بن قطب شاہ کو ستائیسواں داعی مانا اور یمن والوں نے سلیمان بن حسن کو ستائیسواں داعی بنالیا اس بناء پر داؤد کو داعی ماننے والے داؤدی کہلائے اور سلیمان کو داعی ماننے والے سلیمانی کہلائے۔ ہندو پاک میں اب ان کے داعی غالبا برہان الدین ہیں، جو کہ ان کے ۵۲ ویں داعی کہلاتے ہیں عموماً یہ لوگ تجارت کرتے ہیں اس وجہ سے ان کو بوہری کہا جاتا ہے۔

المستنصر باللہ کے انتقال کے بعد بعض حضرات نے ان کا جانشین ان کے چھوٹے صاحبزادے المستعلی باللہ کو بنایا تھا جس کو امام طیب ہی کہا جاتا ہے اور یہ امام طیب ۵۲۴ھ کے آخر میں غائب ہوگیا تھا جب سے ان کا امام مستور چلا آرہا ہے چنانچہ اس فرقہ کی بنیاد ۵۲۴ھ میں پڑی تھی۔

عقائد ونظریات

(۱)۔ امام طیب کی نسل میں برابر امامت کا سلسلہ چل رہا ہے اگرچہ امام طیب غائب ہے مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ داعیوں کو ہدایات دیتا رہتا ہے۔

(۲) سود لینا جائز ہے۔

(۳) دیوالی (مندر سوار) پر یہ لوگ بھی روشنی کرتے ہیں۔

(۴) ہندی مہینوں کے اعتبار سے حساب کتاب کو ضروری سمجھتے ہیں۔

(۵) مسجد، جماعت خانہ، قبرستان سب جدا ہے۔

(۶) کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مولانا علی ولی اللہ وصی رسول اللہ" ہے۔

(۷) اذان میں "أشهد أن محمدا رسول الله" کے بعد "أشهد أن مولانا عليا ولي الله" اور "حي على الفلاح" کے بعد "حي على خير العمل محمد وعلي خير البشر وعترتها على خير العمل" کا اضافہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اکابرین علماء اہلسنت نے ان کے عقائد کی بنیاد پر ان کو کافر وزندیق لکھا ہے ان کے ساتھ بھی نکاح، رشتہ داری کے تعلقات ودیگر معاملات رکھنا بالکل ناجائز وحرام ہے۔

اسماعیلی اور بوہریوں میں فرق

محقق العصر حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسماعیلی شیعوں کے دونوں فرقے آغاخانی جو حاضر امام کے معتقد ہیں اور شریعت کے تمام احکام کو معطل سمجھتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی بلکہ اپنی تقریبات کیلئے جماعت خانہ میں جمع ہوجایا کرتے ہیں اور بوہری جو امام مستور کے قائل ہیں اور اس کے داعی برہان الدین کے معتقد اور چونکہ سردست ان کے یہاں احکام شرع معطل نہیں اس لئے ان کی مسجدیں بھی ہیں اور حج پر بھی چلے جاتے ہیں۔" (اسماعیلیہ صفحہ ۵)

لمافی اعلام الوریٰ (ص ۲۸۴) الفصل الخامس ذكر اولاد ابي عبدالله الصادق (دارالمعرفة): فلما مات الصادق انتقل جماعة منهم الى القول بامامة موسى بن جعفر، وافترق باقون منهم فرقتين فريق منهم رجعوا عن حياة اسماعيل وقالوا بامامة ابنه محمد بن اسماعيل لظنهم ان الامامة كانت فی ابيه وان الابن احق بمقام الامامة من الاخ وفريق منهم ثبتوا على حياة اسماعيل وهم اليوم شذاذ وهذان الفريقان يسميان الاسماعيلية۔

وفی أحكام القرآن لأبي بكر الرازی (۱/۵۴) سورة البقرة: (دارالكتب العربي): وقولهم فی ترك قبول توبة الزنديق يوجب ان لايستتاب الاسماعيلية وسائر الملحدين الذين قد علم منهم اعتقاد الكفر كسائر الزنادقة وان يقتلوا مع اظهارهم التوبة۔

وفی الشامية (۴/۲۴۴): حكم الدروز والتيامنة والنصيرية والإسماعيلية: تنبيه يعلم مما هنا حكم الدروز والتيامنة فإنهم في البلاد الشامية يظهرون الإسلام والصوم والصلاة مع أنهم يعتقدون تناسخ الأرواح وحل الخمر والزنا وأن الألوهية تظهر في شخص بعد شخص الحشر

والصوم والصلاة والحج ويقولون المسمى به غير المعنى المراد ويتكلمون في جناب نبينا كلمات فظيعة، وللعلامة المحقق عبد الرحمن العمادي فيهم فتوى مطولة وذكر فيها أنهم ينتحلون عقائد النصيرية والإسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاهب الأربعة أنه لا يحل إقرارهم في ديار الإسلام بجزية ولا غيرها ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم وفيهم فتوى في الخيرية أيضا فراجعها۔

وفی الفتاویٰ اللجنة الدائمۃ (۳۸۳/۲) العقيدة، البوهرة (دارالمؤيد): فإذا كان حال البوهرة، كما ذكر في السؤال فسجودهم لكبيرهم عبادة وتأليه له، واتخاذ له شريكا مع الله أو إلها من دون الله، وأمره إياهم بذلك أو رضاه به يجعله طاغوتا يدعو إلى عبادة نفسه، فكلا الفريقين التابع والمتبوع كافر بالله خارج بذلك عن ملة الإسلام والعياذ بالله.

(۳۵۴) کیا ہندولڑکی سے نکاح اہل کتاب سے نکاح شمار ہوگا؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے شاریہ نامی ہندولڑکی سے ناجائز تعلقات تھے اسی بناپر مذکورہ لڑکی کو بچہ ہوگیا جس کے بعد زید نے مذکورہ لڑکی سے نکاح کیا اور پھر سے وہ لڑکی حاملہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح سے قبل جو بچہ پیدا ہوا کیا وہ ثابت النسب ہوگا اور کیا مذکورہ نکاح منعقد ہے جبکہ زید کا کہنا ہے کہ کسی عالم سے پوچھ کر اس نے اہل کتاب سے شادی کی ہے جس کا منعقد ہونا خود قرآن سے ثابت ہے۔ یہ واضح رہے کہ شاریہ ابھی تک اپنے پرانے مذہب پر قائم ہے۔ بت پرستی وغیرہ ترک نہیں کی، تو کیا زید کا نکاح درست ہے۔ اگر نہیں تو پھر دوسرا بچہ جو کہ ابھی تک ماں کے پیٹ میں ہے کے نسب کا کیا بنے گا؟ نیز دونوں بچے مذہباً مسلم یا ہندو، کیا تصور کئے جائیں گے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے لیکن مشرکین "بت پرستوں وغیرہ" کی عورتوں سے نکاح کو حرام اور باطل کہا ہے اور نکاح باطل سے نسب ثابت نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ مسمی زید نے شاریہ نامی ہندولڑکی [جو کہ اہل کتاب نہیں ہے] کے ساتھ نکاح کیا ہے، اس لئے یہ نکاح باطل اور حرام ہے اور اس نکاح سے پیدا بچہ ثابت النسب شمار نہیں ہوگا لہٰذا یہ دونوں بچے ثابت النسب شمار نہیں ہوں گے وہ بچہ بھی جو نکاح سے پہلے پیدا ہوا اور وہ بھی جو نکاح کے بعد پیدا ہوا البتہ وہ بچے مسلمان شمار ہوں گے نیز اگر وہ عورت اسلام قبول کرلے تو اس کے ساتھ نکاح درست ہوگا اور اس کے بعد جو بچہ ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا۔

لما في البخاری (۲/۱۰۶۵): قال رسول الله ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

وفی الشامية (۳/۱۹۶): تنبيه يشعر التعبير بالأبوين ولد الزنى ورأيت في فتاوى الشهاب الشلبي قال واقعة الفتوى في زماننا مسلم زنى بنصرانية فأتت بولد فهل يكون مسلما أجاب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه وذكرأن السبكي نص عليه وهو غير ظاهر فإن الشارع قطع نسب ولد الزنى وبنته من الزنى تحل له عندهم فكيف يكون مسلما۔۔ قلت يظهر لي الحكم بالإسلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه فإنهم قالوا إنه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو أقرب إليها حتى لو كان أحدهما مجوسيا والآخر كتابيا فهو كتابي كما يأتي وهنا ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن إلحاقه بالمسلم منهما أو بالكتابي أنفع له ولا شك أن النظر لحقيقة الجزئية أنفع له۔

(۳۵۵) جوصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کومعیارِ حق نہ سمجھے اس سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جوصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کومعیار حق نہ سمجھتا ہواس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیارِ حق ہیں۔اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے:

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ" (البقرة:۱۳)

یعنی تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا ایمان لائے ہیں اورلوگ۔

نیزسورۃ البقرۃ میں ہی ایک اورجگہ ارشادِ ربانی ہے:

"فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" (البقرة:۱۳۷)

یعنی سو اگر وہ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح سے تم ایمان لائے ہوتب تو وہ بھی راہ پرلگ جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم" (مشکوۃ، ۲/۵۵۴)

یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اتباع کرلو ہدایت پا جاؤ گے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال حجت ہیں ان سے عدول جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے دین (قرآن وسنت) ہم تک پہنچا ہے لہٰذا قرآن وسنت کی جو تشریح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے قول یا عمل سے کردی وہ بلاشبہ اتباع کے لائق ہے۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو پورا دین مشکوک ہو کر رہ جائے گا ہر شخص اپنی من پسند تشریح کو قرآن وحدیث کا مدلول قرار دیگا اور زیغ وضلال کی گھاٹیوں میں رواں دواں ہو جائے گا یہ صرف ایک خیال یا کتابوں میں موجود چیز نہیں بلکہ عملاً جن اشخاص یا جماعتوں نے یہ روش اختیار کی اور ہر بات میں براہِ راست قرآن وحدیث سے استفادہ کو اپنا منشور بنایا وہ گمراہ ہو گئیں۔ اہل سنت والجماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق سمجھتے ہیں اہل سنت کے ہاں تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل تھے لہٰذا جو شخص صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق نہ سمجھتا ہو وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کی صورت میں مستقبل کے جھگڑوں نیز بچوں کے نظریات وافکار اور سب سے بڑھ کر لڑکی کے اپنے عقائد پر برے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں لہٰذا ایسے افراد سے نکاح جیسے معاملات کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

لما فی احکام القرآن للتهانوی (۲۳۸/۴): الصحابة كلهم عدل مرضيون عند الله فالطعن فيهم والغيظ عليهم من امارات الكفر والبحث والتنقيد فی عدالتهم خروج من اهل السنة والجماعة۔

وفی الشامية (۷۵۴/۶): قوله (ويستحب الترضي للصحابة) لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضا من الله تعالى ويجتهدون في فعل ما يرضيه ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضا فهؤلاء أحق بالرضا وغيرهم لا يلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهبا زيلعي۔

وفی اعلام الموقعين (۹۲/۴): وان لم يخالف الصحابي صحابيا آخر فاما ان يشتهر قوله فی الصحابة او لا يشتهر فان اشتهر فالذی عليه جماهير الطوائف من الفقهاء انه اجماع وحجة --- وان لم يشتهر قوله اولم يعلم هل اشتهر ام لا فاختلف الناس هل يكون حجة ام لا؟ فالذی عليه جمهور الامة انه حجة هذا قول جمهور الحنفية صرح به محمد بن الحسن وذكر عن ابی حنيفة نصا وهو مذهب مالك واصحابه وتصرفه فی مؤطئه دليل عليه وهو قول اسحاق بن راهويه وابی عبيد وهو منصوص الامام احمد فی غير موضع عنه واختيار جمهورا صحابه وهو منصوص الشافعی فی القديم والجديد --- وائمة الاسلام كلهم على قبول قول الصحابي۔

(۳۵۶) کافرہ عورت سے نکاح کی صورت میں بچے کے نسب کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان لڑکا یورپ کے ملک جرمنی میں مقیم ہو اور اسے وہاں ایک کافرہ لڑکی پسند آجائے جو دین ومذہب سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتی ہو سیکولر، کمیونسٹ قسم کی لڑکی ہے یہ لڑکا اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے کیا کیا جائے؟ وہ لڑکی اسلام کے بارے میں سننے کے لئے تیار نہیں، اسلام لانا تو دور کی بات ہے۔ نیز اگر یہ شادی وقوع پذیر ہوجاتی ہے تو اس سے پیدا ہونے والی اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ اولاد حلالی کہلائے گی یا غیر ثابت النسب؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک مسلمان لڑکے کا ایک کافرہ لڑکی سے نکاح کرنا باطل اور کالعدم ہے۔ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا اور اس سے پیدا شدہ اولاد کا نسب ثابت نہیں ہوتا۔ صورت مسئولہ میں انتہائی افسوسناک صورتحال کا ذکر ہے ہمارے سادہ لوح مسلمان چند کوڑیوں کے پیچھے ان غیر مسلم ممالک میں جاتے ہیں اور پھر ان کے بچھائے ہوئے جالوں میں پھنس جاتے ہیں۔ مذکورہ لڑکے کو چاہیئے کہ اپنے ایمان کی فکر کرے اور ممکن ہو تو جلد از جلد اپنے وطن لوٹ جائے اور نیک صالح لوگوں کی معیت حاصل کرے، لیکن اگر وہ لڑکا یہ نکاح کر لیتا ہے تو شرعاً یہ نکاح باطل اور کالعدم ہوگا اس سے پیدا شدہ اولاد کا نسب ثابت نہ ہوگا نیز زندگی بھر زنا کے وبال میں مبتلا رہے گا۔

لما فی قوله تعالیٰ(البقرة :۲۲۱): وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ...الآية

وفی الشامية (۱۳۲/۳): نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل اھ وھذا صريح فيقدم على المفهوم فافهم۔

(۳۵۷) ہندو لڑکی سے زنا کے بعد پیدا شدہ بچے کے نسب اور اسلام کا حکم اور شامیہ کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسلمان لڑکا ہندو لڑکی سے زنا کرے تو کیا بچہ ثابت النسب ہوگا؟ مسلمان بچہ شمار ہوگا یا کافر؟ فقہ حنفی میں کیا حکم ہے؟ نیز اہل کتاب سے زنا میں کیا حکم ہوگا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

حاشیہ میں (۱۹۶/۳) پر اس مسئلے سے متعلق جو بحث کی ہے اس میں نسبتِ شرعیہ اور حقیقیہ کا ذکر ہے، ان کا مطلب کیا ہے؟
علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ کلام سے ایسا مترشح ہو رہا ہے کہ اس مسئلہ کا حکم فقہ حنفی میں نہیں شوافع سے لیا گیا ہے۔ کیا حقیقت یہ ہی ہے؟ کتب حنفیہ پر نظر فرمالیں...... نیز علامہؒ کی تحقیق کی سہل طریقہ پر تشریح فرمادیں...... اور کیا شامی کی تحقیق درست ہے یا اختلاف کی گنجائش موجود ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی سے زنا کرے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہر حال میں بچہ ثابت النسب نہ ہوگا تاہم وہ بچہ مسلمان شمار ہوگا یا نہیں اس مسئلہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ احناف میں سے کسی نے بھی بحث نہیں کی صرف علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً شوافع سے نقل کیا اور پھر اصول کے لحاظ سے بحث کر کے اس بچہ کو مسلمان شمار کیا ہے، جو اصول اور قواعد کے لحاظ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس کی بنیادی طور پر دو وجہ بیان کی ہیں، ایک یہ کہ بچہ اگرچہ شرعاً مسلمان کا جزء نہیں تاہم حقیقۃً تو اسی کا جزء ہے، کیونکہ یہ بچہ اسی کے پانی سے پیدا ہوا ہے اور حقائق کا انکار نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کے مصرف ہونے کے بیان میں فقہاء کرام نے اس جزئیتِ حقیقیہ ہونے کی وجہ سے اس بچہ کو باوجود ولد الزنا ہونے کے غیر مستحق الزکوٰۃ کہا ہے اور تحریر کیا ہے کہ زانی کا اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اگرچہ یہ حکم احتیاطاً ہے تاہم ایمان اور کفر کے مسئلہ میں اس سے بڑھ کر احتیاط کی ضرورت ہے، لہٰذا یہ بچہ مسلمان شمار ہوگا۔

اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اب اگر والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو وہ بچہ اس مسلمان کے تابع ہوگا حالانکہ یہاں تو والدین مزاحم موجود ہیں [یعنی میاں بیوی میں سے ایک غیر مسلم ہے] پھر بھی مسلمان ہونے کا حکم ہے اور ولد الزنا میں تو مزاحمت ہے ہی نہیں لہٰذا اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ بچہ مسلمان ہو چنانچہ مذکورہ صورت میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچہ ثابت النسب تو نہ ہوگا البتہ مسلمان ہوگا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اصول کے مطابق ہونے کی وجہ سے درست ہے۔

لما في الشامية، باب نكاح الكافر (۱۹۶/۳): تنبيه يشعر التعبير بالأبوين ولد الزنى ورأيت في فتاوى الشهاب الشلبي قال واقعة الفتوى في زماننا مسلم زنى بنصرانية فأتت بولد فهل يكون مسلما أجاب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه وذكر أن السبكي نص عليه وهو غير ظاهر فإن الشارع قطع نسب ولد الزنى وبنته من الزنى تحل له عندهم فكيف يكون مسلما وأفتى قاضي القضاة الحنبلي بإسلامه أيضا وتوقفت عن الكتابة فإنه وإن كان مقطوع النسب عن أبيه حتى لا يرثه فقد صرحوا عندنا بأن بنته من الزنى لا تحل له وبأنه لا يدفع زكاته لابنه من الزنى ولا تقبل شهادته له والذي يقوى عندي أنه لا يحكم بإسلامه على مقتضى مذهبنا وإنما أثبتوا الأحكام المذكورة احتياطا نظرا لحقيقة الجزئية بينهما اهـ قلت يظهر لي الحكم بالإسلام

للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه فإنهم قالوا إنه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو أقرب إليها حتى لو كان أحدهما مجوسيا والآخر كتابيا فهو كتابي كما يأتي وهنا ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن إلحاقه بالمسلم منهما أو بالكتابي أنفع له ولا شك أن النظر لحقيقة الجزئية أنفع له وأيضا حيث نظروا للجزئية في تلك المسائل احتياطا فلينظر إليها هنا احتياطا أيضا فإن الاحتياط بالدين أولى ولأن الكفر أقبح القبيح فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون أمر صريح ولأنهم قالوا في حرمة بنته من الزنى إن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لما فيها من إشاعة الفاحشة فلم يثبت النفقة والإرث لذلك وهذا لا ينفي النسبة الحقيقية لأن الحقائق لا مرد لها فمن ادعى أنه لا بد من النسبة الشرعية فعليه البيان۔

(۳۵۸) کفار کے آپس میں کئے گئے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ یہود ونصاریٰ اور ہندوؤں کے ساتھ لوگ شادیاں کرتے ہیں، اور یہود ونصاریٰ وغیرہ آپس میں جو شادیاں کرتے ہیں ان کا نکاح ہوجاتا ہے، اوران کی اولاد کس حکم میں آئے گی؟ تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ہندوؤں کے ساتھ نکاح کرنا تو علی الاطلاق حرام ہے اگر کسی مسلمان نے یہ نکاح کرلیا تو بہت خطرے کی بات ہے حرام کو حلال سمجھنا بندے کو کفر تک پہنچادیتا ہے یہ نکاح چونکہ باطل اور سرے سے کالعدم ہے لہٰذا اس سے پیدا شدہ بچے ثابت النسب نہ ہوں گے۔

باقی اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے نکاح کو فقہاء نے غیر مسلم ممالک میں مکروہ تحریمی کہا ہے کیونکہ ان سے نکاح کی صورت میں ماں کے اثرات بچوں پر پڑیں گے نیز دیگر قبائح بھی اپنی جگہ ہیں لہٰذا اہل کتاب سے نکاح سے اجتناب کیا جائے البتہ اگر کسی نے ان سے نکاح کرلیا تو اس سے ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی، لیکن یہود ونصاریٰ سے متعلق یہ [کسی بھی درجے میں نکاح کے جواز کا] حکم ان اہل کتاب سے متعلق ہے جو کسی بھی درجے میں اپنے مذہب کے معتقد ہوں، اگر وہ اہل کتاب دہریہ اور لا مذہب ہوتو اس سے عقدِ نکاح قطعاً جائز نہیں اور آج کل اکثر اہل کتاب ایسے ہی ہیں لہٰذا ان سے نکاح سے کلیۃً اجتناب کیا جائے۔

نیز یہود ونصاریٰ اور دیگر کفار مرد اور عورتیں آپس میں جو نکاح کرتے ہیں وہ منعقد ہوجاتے ہیں اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی۔

لمافی الدر المختار (۱۸۴/۳):(كل نكاح صحيح بين المسلمين فهو صحيح بين أهل الكفر) ---وقوله عليه الصلاة والسلام ولدت من نكاح لا من سفاح۔

وفي الرد تحته: قوله (ولدت من نكاح لا من سفاح) أي لا من زنا والمراد به نفي ما كانت عليه الجاهلية من أن المرأة تسافح رجلا مدة ثم يتزوجها وقد استدل بالحديث المذكور في الفتح أيضا ووجهه أنه سمى ما وجد قبل الإسلام من أنكحة الجاهلية نكاحا۔

وفي الشامية ايضاً(۴۵/۳): قوله (كتابية) أطلقه فشمل الحربية والذمية والحرة والأمة ح عن البحر قوله (و إن كره تنزيها) أي سواء كانت ذمية أو حربية فإن صاحب البحر استظهر أن الكراهة في الكتابية الحربية تنزيهية فالذمية أولى اه ح قلت علل ذلك في البحر بأن التحريمية لا بد لها من نهي أو ما في معناه لأنها في رتبة الواجب اه وفيه أن إطلاقهم الكراهة في الحربية يفيد أنها تحريمية والدليل عند المجتهد على أن التعليل يفيد ذلك ففي الفتح ويجوز تزوج الكتابيات والأولى أن لا يفعل ولا يأكل ذبيحتهم إلا لضرورة وتكره الكتابية الحربية إجماعا لافتتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر وعلى الرق بأن تسبى وهي حبلى فيولد رقيقا وإن كان مسلما اه فقوله والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل۔

فصل فی المحرمات لحق الغير

(غیر کے حق کی بناء پر حرام عورتوں کا بیان)

(۳۵۹) منکوحۃ الغیر سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر ایک نکاح کے اوپر دوسرا نکاح ہو جائے اور شادی بھی ہو جائے اور پہلے نکاح والے آدمی نے اس کو طلاق نہ دی ہو تو یہ عورت اس پہلے شخص کی بیوی ہوگی یا دوسرے کی اور اب دوسرے شخص کیلئے شادی ہونے کے بعد اس کے ساتھ ہمبستری کرنا حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ عورت پہلے آدمی کے نکاح میں ہے، اس شادی شدہ عورت کے ساتھ دوسرے آدمی کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ جب نکاح کرنا جائز نہیں ہے تو اس کے ساتھ ہمبستری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

لما فی القرآن الكريم (النسآء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الأَخِ. الآية.

وفی الهندية (۱/۲۸۰): القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج۔۔۔ وبعد سطر۔۔۔ ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها كذا في فتاوى قاضي خان۔

(۳۶۰) مطلقہ ثلاثہ سے اس کی عدت میں نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری موجودہ بیوی کو ان کے پہلے خاوند نے تین طلاقیں دی تھیں جس کے بعد ان کی عدت گزرنے سے پہلے پہلے میرے ساتھ ان کا نکاح ہوا ہے اور نکاح کے بعد ہی میں فوراً اپنے کورس پر چلا گیا۔ واضح رہے کہ میرے کورس پر جانے اور گھر واپس آنے کے درمیان تین مہینے گزر گئے ہیں اور اس درمیان ہمبستری کا موقع تک نہیں ملا، اور اب اس عورت کا پہلا خاوند یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ تم ان کو طلاق دیدو کیونکہ تمہارے ساتھ جوان کا نکاح کرایا تھا وہ حلالہ کیلئے تھا جبکہ وہ عورت اس بات پر راضی نہیں ہے اور وہ ان کے پاس واپس جانا نہیں چاہتی۔ اب مفتی صاحب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرا نکاح اس عورت کے ساتھ ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا ہے تو کیا میں اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہوں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ میں نے جو اس عورت سے عدت گزرنے سے پہلے نکاح کیا ہے اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

دورانِ عدت کسی عورت سے نکاح کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا چنانچہ صورت مسئولہ میں آپ نے جس اجنبیہ عورت سے دورانِ عدت نکاح کیا ہے وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا البتہ عدت گزرنے کے بعد اگر آپ اس عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو ازسرِ نو نکاح کرنا ہوگا۔ نیز چونکہ آپ نے دورانِ عدت اس اجنبیہ عورت سے نکاح کیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار بھی کریں۔ نیز عدت میں کیا گیا نکاح جب صحیح نہ ہوا تو یہ پہلے شوہر کیلئے حلالہ شمار نہ ہوگا، کیونکہ حلالہ کیلئے نکاح صحیح مع دخول کے ضروری ہے لہٰذا یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:٢٣٥) وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ۔

وفی الهندیة (١/٥٣٤): لا يجوز للأجنبي خطبة المعتدة صريحا سواء كانت مطلقة أو متوفى عنها زوجها كذا في البدائع۔

وفی الشامیة (٣/١٣٢): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها اهـ۔

(۳۶۱) عورت سے عدت میں نکاح کرنا حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک خاتون کا کسی شخص سے نکاح ہوا۔ رخصتی بعد میں طے تھی۔ نکاح کے آٹھ ماہ گزرنے پر مذکورہ شخص کا انتقال ہوگیا۔ شوہر کی وفات کے تین ماہ، چھ دن گزرنے پر مذکورہ خاتون نے اس کے بھائی سے نکاح کرلیا۔ اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ کیا اس کو ازسرنو عدت گزارنی ہوگی یا صرف بقیہ ایام پورے کرنے ہوں گے؟؟؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

جب کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو اس عورت پر چار ماہ، دس دن عدت لازم ہوجاتی ہے۔ چاہے رخصتی ہوئی ہو یا نہیں۔ دورانِ عدت اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص مذکورہ عورت سے نکاح کرلیتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ وہ عورت عدت میں ہے اور عدت میں نکاح کرنا حرام ہے تو اس صورت میں اس شخص کا اس عورت کے ساتھ نکاح باطل اور ازدواجی تعلق زنا ہوں گے کیونکہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ عورت کو پہلی عدت کے بقیہ ایام پورے کرنے ہونگے۔ البتہ اگر کسی کو شبہ ہوگیا اور وہ یہ سمجھا کہ مذکورہ عورت سے نکاح جائز ہے تو اس صورت میں نکاح فاسد ہوگا اس میں بھی وطی حرام ہے اور اس نکاح کو فوراً ختم کرنا ہوگا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی فسخ کے الفاظ کہہ دے (میں یہ عقد فسخ کرتا/کرتی ہوں) یا لڑکا متارکت کے الفاظ کہہ دے (میں تجھے چھوڑتا ہوں وغیرہ) تو یہ عقد ختم ہوجائے گا۔ اب وہ ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہوں گے۔ اس صورت میں اگر اس نکاح فاسد کے بعد وطی ہوگئی تھی تو عورت عدت کے تین حیض گزارے گی ورنہ صرف پہلی عدت کے بقیہ ایام پورے کرے گی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر دوسرے بھائی کو شبہ ہوا اور اس نے یہ سمجھ کر نکاح کرلیا کہ چونکہ رخصتی نہیں ہوئی تھی لہٰذا عورت پر عدت بھی نہیں ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے فوراً جدا ہوجائیں۔ عورت تین ماہواریاں عدت میں گزارے گی۔ اگر کوئی شبہ نہیں ہوا، بلکہ یہ معلوم تھا کہ مرحوم بھائی کی بیوہ عدت میں ہے اور عدت میں نکاح کرنا حرام ہے، تو یہ نکاح باطل ہوگا اور ازدواجی تعلق زنا ہوگا، اس صورت میں تین ماہ، چھ دن اور اس کے بعد نکاح کے ایام ملا کر اگر عدت مکمل نہیں ہوئی تو بقیہ عدت مکمل کرنا ہوگی، اور اگر عدت کے دن (چار ماہ دس دن) مکمل ہوگئے ہوں تو عورت کے ذمہ کوئی عدت نہیں۔

لما في الهندية (۵۲۳/۱): الباب الثالث عشر في العدة: لو تزوجت في عدة الوفاة فدخل بها الثاني ففرق بينهما فعليها بقية عدتها من الأول تمام أربعة أشهر وعشر وعليها ثلاث حيض من الآخر

ويحتسب بما حاضت بعد التفريق من عدة الوفاة كذا في معراج الدراية۔

و فی الشامية(۵۱۶/۳): مطلب في النكاح الفاسد والباطل قوله (فلا عدة في باطل) فيه أن لا فرق بين الفاسد والباطل في النكاح بخلاف البيع كما في نكاح الفتح والمنظومة المحبية لكن في البحر عن المجتبى كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا كما في القنية وغيرها اه

(۳۶۲) عدت میں کئے گئے نکاح کی عدت کا حکم

سؤال

عدت کے اندر نکاح کرنا کیسا ہے؟ ایک مطلقہ عورت نے عدت کے اندر کسی دوسرے آدمی سے نکاح کیا۔ یعنی دو حیض گزر گئے تھے تیسرا حیض ابھی باقی تھا کہ اس نے نکاح کیا اور دوسرے آدمی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ عورت عدت کے اندر ہے، اب دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی۔ تو پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت پر نکاح ثانی کی عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو پہلی عدت کے ساتھ تداخل ہوگا یا نہیں؟ یعنی تیسرا حیض صرف عدت اول میں شمار کیا جائے گا یا دونوں میں شمار ہوگا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) دورانِ عدت نکاح کرنا ناجائز ہے۔

(۲) صورت مسئولہ میں دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتوں کا آپس میں تداخل ہوگا یعنی مرد نے جس تیسرے حیض میں نکاح کیا تھا اس حیض کے ختم ہونے پر پہلے شوہر کی عدت ختم ہوجائے گی اور یہ تیسرا حیض دوسرے شوہر کی عدت کا بھی پہلا حیض شمار ہوگا یعنی تیسرا حیض دونوں عدتوں میں سے شمار ہوگا اور اس حیض کے گزر جانے کے بعد عورت دو حیض اور گزارے گی اس کے بعد عورت کی عدت مکمل ہوجائے گی۔

لما في الهندية (۵۳۲/۱): العدتان تنقضيان بمدة واحدة عندنا كانتا من جنس واحد أو من جنسين صورة الأولى المطلقة إذا حاضت حيضة ثم تزوجت بزوج آخر ووطئها الثاني وفرق بينهما وحاضت حيضتين بعد التفريق كان لهذا الزوج الثاني أن يتزوجها لانقضاء عدة الأول۔

وفی الدر المختار(۵۱۸/۳): (وإذا وطئت المعتدة بشبهة)ولو من المطلق (وجبت عدة أخری) لتجدد السبب (وتداخلتا)۔

(۳۶۳) دعویٔ تنسیخ نکاح کے بعد قاضی کا دوسرا نکاح پڑھا دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی لڑکی کا کسی لڑکے کے ساتھ نکاح ہوا ہو، پھر لڑکی والے اس لڑکی کا نکاح تنسیخ کے ذریعے ختم کرا کے کسی مولوی صاحب کے پاس آجائیں اور کہیں اب آپ اس لڑکی کا نکاح کسی دوسرے سے کر دیں اور پھر مولوی صاحب نے بھی نکاح پڑھا دیا اور پھر لڑکے والے یہ دعویٰ کریں کہ پہلا نکاح ختم نہیں ہوا تھا، اس مولوی صاحب نے ایک نکاح کے اوپر دوسرا نکاح پڑھایا ہے ہم اس کو عدالت اور شریعت میں بلواتے ہیں کیا یہ مولوی صاحب کو عدالت یا شریعت میں بلوا سکتے ہیں اس بات پر کہ تو نے نکاح کے اوپر نکاح کیوں پڑھایا؟ جب کہ مولوی صاحب کہتے ہیں مجھے ان کے اس چکر کا پتہ نہیں تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غیر کی بیوی کا نکاح جان بوجھ کر کرانا حرام اور ناجائز ہے جلد از جلد اس نکاح کا فسخ کرانا ضروری ہے چونکہ صورت مسئولہ میں مولوی صاحب کو صورتِ حال کا علم نہیں تھا لہٰذا وہ معذور ہیں ان پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا، ہاں جرم لڑکی والوں کا ہے لیکن یہ مسئلہ اس وقت ہے جب صورت مسئولہ میں تنسیخِ نکاح شریعت کے قواعد کے مطابق نہ ہوئی ہو، اور اگر یہ تنسیخ قواعدِ شرع کے مطابق ہوئی ہو تو لڑکی والوں پر بھی کوئی گناہ نہیں اور یہ دوسرا نکاح بھی صحیح ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۲۴): وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

وفی کنز العمال (۲۳۳/۴): رفع عن أمتی الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه۔ (طب عن ثوبان)۔

وفی تکملة فتح الملهم (۱۳۴/۱):(۹)۔ ثم قد قصرت الشریعة الاسلامیة حق الطلاق علی الزوج، ولم یجعله بید المرأة فی الظروف العادیة، لان المراة من طبیعتها الاستعجال فی الامور. فلو کان خیار الطلاق بیدها لکانت تقع الفرقة لاسباب بسیطة واغراض تافهة۔

(۱۰)۔ ولکنها لم تسدد باب الفرقة من جهة المرأة بالکلیة، وإنما أباحت لها ذلك فی ظروف خاصة، فیمکن لها مثلاً ان تعقد النکاح بشرط تفویض الطلاق الیها. ولو لم تشترط ذلك فی

العقد فلها أن تختلع من زوجها برضاه، وان لم يكن ذلك فلها ان تطلب من القاضي فسخ النكاح اذا كان الزوج عنيناً او مجنوناً او متعنتاً او مفقوداً۔

وفي الخانية (١/١٦٩): لايجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل، ولو تزوج بمنكوحة الغير وهولا يعلم انها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة، وان كان يعلم أنها منكوحة الغير لاتجب العدة حتى لا يحرم على الزوج وطئها۔

(۳۶۴) منکوحہ کا جان بوجھ کر دوسرا نکاح پڑھانے والے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آمنہ کا نکاح بکر سے ہوگیا، کچھ عرصہ کے بعد آمنہ کے والدین نے آمنہ کا نکاح خالد سے کردیا بکر سے طلاق لئے بغیر۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ

(۱)......آمنہ کا نکاح ثانی ہوگیا ہے؟

(۲)......نکاح پڑھانے والے مولوی صاحب کو نکاح ثانی کرتے وقت بتایا گیا تھا کہ یہ نکاح ثانی ہے، اس نے پھر بھی نکاح پڑھا دیا کیا اس سے مولوی صاحب کے اپنے نکاح پر اثر پڑے گا؟ اس سے تعلقات رکھنا درست ہے؟ اس کے پیچھے نمازیں پڑھنا درست ہے؟

(۳)......جو لوگ اس نکاح ثانی میں دیدہ ودانستہ شامل ہوئے ہیں ان سے تعلقات رکھنا درست ہے؟

برائے مہربانی مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آمنہ کا بدستور بکر سے ہی نکاح باقی ہے، جب تک اس سے طلاق نہ لی جائے دوسری جگہ اس کا نکاح باطل وحرام ہے۔ اگر دوسری جگہ رخصتی ہوچکی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کی جائے ورنہ یہ زنا شمار ہوگا۔

(۲،۳)......نکاح پڑھانے والے اور اس میں شریک ہونے والوں نے حرام کا ارتکاب کیا ہے جب تک یہ توبہ واستغفار نہ کرلیں ان سے قطع تعلق کیا جائے۔ ایسے شخص کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس نے نکاح ثانی حلال سمجھتے ہوئے پڑھایا تو اس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا اس پر تجدیدِ ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے۔

لمافي الخانية (١/١٦٩): ولا يجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل۔

وفي الشامية (٣/١٣٢): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم

أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها اھ

وفيه أيضا (۱/۵۶۰):قوله (وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك كذا في البرجندي إسماعيل وفي المعراج قال أصحابنا لا ينبغي أن يقتدى بالفاسق إلا في الجمعة لأنه في غيرها يجد إماما غيره اھ قال في الفتح وعليه فيكره في الجمعة إذا تعددت إقامتها في المصر على قول محمد المفتى به لأنه بسبيل إلى التحول۔

(۳۶۵) کیا پھانسی کی سزا سے بیوی کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کو عدالت نے سزائے موت سنادی کچھ عرصے بعد اس کو پھانسی دیدی جائے گی تو کیا اس شخص کی بیوی اس وقت دوسری شادی کرسکتی ہے کیونکہ کچھ عرصے بعد اس کا مرنا یقینی ہوگیا ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت جب تک کسی شخص کے عقد نکاح میں ہو تو کسی دوسرے شخص کیلئے اس سے نکاح کرنا حرام ہے البتہ جب پہلا شوہر مرجائے یا اس کو طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت بھی گزرجائے تو عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں صرف سزائے موت کا فیصلہ سنانے سے عورت چونکہ اس کے عقد نکاح سے نہیں نکلی لہٰذا اس کے لئے کسی دوسری جگہ شادی کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ(النساء:۲۴): وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

وفی تفسیر روح المعانی (۲/۵): وقال شیخ الاسلام المراد من المحصنات ذوات الازواج۔

وفی الدرالمختار(۲۸/۳): فصل في المحرمات أسباب التحريم أنواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك إدخال أمة على حرة فهي سبعة ذكرها المصنف بهذا الترتيب وبقي التطليق ثلاثا وتعلق حق الغير بنكاح أو عدة ذكرهما في الرجعة۔

باب فی الأنکحۃ الفاسدۃ

(انکحہ فاسدہ کا بیان)

(۳۶۶) نکاحِ فاسد میں مہر اور عدت کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور وہ عورت چونکہ عدت میں تھی لہٰذا وہ نکاح فاسد ہوگیا تھا اور میں نے اس سے دخول نہیں کیا ہے بلکہ صرف خلوت کی ہے تو کیا اس عورت کا مہر مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟ اور اس عورت پر عدت ہوگی یا نہیں؟ اور اب دوبارہ اگر میں اس سے نکاحِ صحیح کرنا چاہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ تسلی بخش جواب دیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ صورت میں آپ نے جو عدت کے اندر نکاح کیا ہے یہ نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں جب تک جماع نہ پایا جائے عورت پر نہ عدت واجب ہوتی ہے اور نہ خاوند پر مہر لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت پر عدت واجب نہیں ہے اور نہ آپ پر اس عورت کیلئے مہر لازم ہے اور اگر آپ دوبارہ اس عورت سے نکاح صحیح کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت جو عدت گزار رہی تھی جب وہ عدت مکمل ہوجائے تو شرعی طریقہ پر نکاح کرلیا جائے یہ درست ہے۔

لمافی الهندية (۳۳۰/۱): الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه إذا وقع النكاح فاسدا فرق القاضي بين الزوج والمرأة فإن لم يكن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها إن كان ثمة مسمى وإن لم يكن ثمة مسمى فلها مهر المثل بالغا ما بلغ وتجب العدة ويعتبر الجماع في القبل حتى يصير مستوفيا للمعقود عليه۔

وفی الشامية (۱۳۱/۳) كتاب النكاح: مطلب في النكاح الفاسد قوله (في نكاح فاسد) وحكم الدخول في النكاح الموقوف كالدخول في الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن

مهر المثل خلافا لما في الاختيار من كتاب العدة وتمامه في البحر ۔۔۔ وذكر في البحر هناك عن المجتبى أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة۔

(۳۶۷) نکاحِ فاسد میں احصان کا ثبوت؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی شادی شدہ ہے لیکن اس کا نکاح گواہوں کی عدم موجودگی کی بنا پر فاسد تھا اور اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول بھی کر لیا تو اب یہ آدمی محصن (جس کو زنا کرنے کی صورت میں سنگسار کیا جاتا ہے) رہے گا یا نہیں؟ اور اگر تفریق کے بعد اسی عورت کے ساتھ وطی کر لی تو کیا اس کو حد لگے گی یا نہیں؟ قرآن وسنت اور فقہ کے حوالوں سے مدلل کر کے جواب دیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر مذکورہ شخص پہلے سے غیر محصن تھا تو نکاح فاسد کے بعد بھی غیر محصن ہی رہے گا، اگر چہ نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ دخول بھی کر لیا ہو اور اگر تفریق کے بعد اسی عورت کے ساتھ وطی کر لی (یعنی زنا کر لیا) اور اقرار یا گواہوں سے یہ بات قاضی کی عدالت میں ثابت ہو گئی، تب اس کو حد یعنی سو کوڑے لگیں گے بشرطیکہ اسلامی حکومت ہو البتہ سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

لمافی الهندية (۱۴۵/۲) : وإحصان الرجم أن يكون حرا عاقلا بالغا مسلما قد تزوج من امرأة حرة نكاحا صحيحا ودخل بها وهما على صفة الإحصان كذا في الكافي فلا يكون محصنا بالخلوة الموجبة للمهر والعدة ولا يكون محصنا بالجماع في النكاح الفاسد۔

وفی الدرالمختار(۱۶/۴) مطلب شرائط الاحصان:(و)شرائط (إحصان الرجم) سبعة (الحرية والتكليف) عقل وبلوغ (والإسلام والوطء) وكونه (بنكاح صحيح) حالَ الدخول۔

وفی الردالمحتار: قوله (وكونه بنكاح صحيح) خرج الفاسد كالنكاح بغير شهود فلا يكون به محصنا ط۔

وفيه أيضا (۲۲/۴) مطلب فی بيان شبهة الفعل: وعلى عبارة كتاب الحدود يجب لأن الملك قد أزال حق الحل فيتحقق الزنا اھ۔

(۳۶۸) نکاحِ فاسد میں مرد کے دخول سے انکار کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میاں بیوی کے درمیان بغیر گواہوں کے خفیہ نکاح ہوا تھا اور بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا مرد دعویٰ کر رہا ہے کہ صرف خلوت ہوئی ہے جبکہ عورت کہہ رہی ہے کہ دخول بھی ہوا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس بچے کا نسب مرد سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور مہر وعدت کا حکم بھی مذکورہ صورت میں بتادیجئے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں چونکہ مرد دخول سے انکاری ہے اس لئے نسب ثابت نہ ہوگا اور اسی طرح مہر وعدت بھی عورت کے لئے ثابت نہ ہونگے۔

لمافی الهندية (۳۳۱/۱) :وإذا تزوجها نكاحا فاسدا وخلا بها وجاءت بولد وأنكر الزوج الدخول فعن أبي يوسف رحمه الله تعالى روايتان في رواية قال يثبت النسب ويجب المهر والعدة وفي رواية قال لا يثبت النسب ولا يجب المهر ولا العدة وإن لم يخل بها لا يلزمه الولد كذا في المحيط۔

وفى الدرالمختار (۱۳۱/۳): (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود ــ (ولم يزد) مهر المثل (على المسمى) ــ (وتجب العدة بعد الوطء) ــ (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج ــ (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة۔

وتحته فى الشامية: وفي البحر عن الذخيرة ولو اختلفا في الدخول فالقول له فلا يثبت شيء من هذه الأحكام اهـ

(۳۶۹) دوران عدت معتدہ کیلئے اپنی بیٹی کی منگنی کرانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا بیوہ اپنی لڑکی کا رشتہ دوران عدت کرسکتی ہے یا نہیں؟ میری بھتیجی بیوہ محمد اشتیاق مرحوم کی لڑکی کا رشتہ دوران عدت ہوگیا جبکہ جملہ سرپرستوں کی رضامندی سے یہ ہوا۔ منگنی کی رسم معاشرے کے

مطابق ادا کی گئی۔عزیز واقارب نے اعتراض کیا کہ دوران عدت یہ منگنی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔آپ راہنمائی فرمائیں کہ یہ غلطی اگر سرپرستوں سے سرزد ہوئی ہے تو اس کا ازالہ کیسے کیا جائے۔شریعت اس مسئلہ میں کیا ہدایت فرماتی ہے واضح کیا جائے۔اس مسئلہ میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔(عدت والدہ کی چل رہی تھی اس دوران اپنی بچی کی منگنی کرائی ہے)۔عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عدت چونکہ والدہ کی چل رہی تھی لہٰذا اس دوران والدہ کا اپنا نکاح کرنا تو شرعاً جائز نہیں البتہ اس دوران اپنی بچی کی منگنی کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ عدت میں زیب وزینت اختیار کرنا ممنوع ہے لہٰذا معتدہ عورت اگرچہ اپنی بیٹی کی منگنی کرا سکتی ہے لیکن میک اپ،خوشبو وغیرہ زیب وزینت کی کوئی چیز استعمال نہ کرے نیز نامحرموں سے پردہ کا مکمل اہتمام کرے پھر یہ منگنی کرانا اس کے لئے جائز ہے۔

لما في بدائع الصنائع (۳/۴۴۵-۴۴۷): فصل وأما أحكام العدة فمنها أنه لا يجوز للأجنبي نكاح المعتدة لقوله تعالى { ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله } --- وأما المطلقة ثلاثا أو بائنا والمتوفى عنها زوجها فلأن النكاح حال قيام العدة قائم من كل وجه لقيام بعض آثاره كالثابت من كل وجه في باب الحرمة --- وأما التعريض فلا يجوز أيضا في عدة الطلاق ولا بأس به في عدة الوفاة۔

وفي الشامية (۳/۵۰۴): قوله (وركنها حرمات) أي لزومات كما مر عن الفتح لا نفس التحريم أي أشياء لازمة للمرأة يحرم عليها تعديها وقوله ثابتة بها على تقدير مضاف أي بسببها عند وجود شرطها وإلا لزم ثبوت الشيء بنفسه لأن ركن الشيء ماهيته تأمل قوله (كحرمة تزوج) أي تزوجها غيره فإنها حرمة عليها بخلاف تزوجه أختها أو أربع سواها فإنه حرمة عليه فلا يكون من العدة بل هو حكمها كما أفاده في الفتح۔

رسالة

الحد الفاصل

بین

النکاح الفاسد والباطل

نکاح فاسد اور باطل کی مختلف تعریفیں اور ان پر ہونے والے اعتراضات،

فقہاء کے اپنے تحفظات، نیز نکاح فاسد اور باطل کی ایسی جامع، مانع تعریف

جس پر اشکال نہ ہو اور ان دونوں میں فرق کا معیار۔

الغرض مسئلہ ھذا میں پایا جانے والے اغلاق کا دفع،

مختلف النوع اور کتب میں بکھری عبارات کا جمع

نکاح فاسد اور باطل کی مدلل تشریح سے متعلق ایک تحقیقی فتوی

(۳۷۰) نکاح فاسد اور باطل کی جامع تعریف، فرق اور ان کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! نکاح باطل اور فاسد میں فرق ہے یا نہیں؟ فقہاء مختلف تعریفیں کرتے ہیں کون سی درست ہے؟؟ فقہاء نے کس نکاح میں عدت نہ ہونے اور نسب ثابت نہ ہونے کی صراحت کی ہے؟؟ تفصیل فرمادیں۔ کیا کوئی جامع تعریف نہیں؟ ان سوالوں کے جواب بھی مرحمت فرمادیں۔

(۱) محارم سے نکاح میں عدت اور نسب کا کیا حکم ہے؟

(۲) جمع بین الاختین نصاً حرام ہے اس میں عدت اور نسب کا کیا حکم ہے؟

(۳) حلالہ سے قبل مطلقہ ثلاثہ کا کیا حکم ہے؟ یہ نکاح باطل ہے یا فاسد؟ عدت اور نسب کا کیا حکم ہے؟

(۴) عدت اور نسب کے ثابت ہونے کا فقہ میں کوئی اصول ہے یا نہیں؟

(۵) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معتدہ سے نکاح اگر باوجود علم کے ہو تو باطل ورنہ فاسد ہے، اس بطلان وفساد کا مدار کس اصول پر ہے؟؟؟ اگر علم سبب بطلان ہے تو نکاح بغیر شہود مع العلم باطل ہونا چاہیئے۔ الغرض نکاح فاسد و باطل کی تعریف کردیں۔ فقہاء نے جو تعریف بیان کی ہے اس پر سیر حاصل گفتگو فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح فاسد و باطل میں فرق کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا نتیجہ اس عقد کے زنا یا تخفیف کی صورت میں منتج ہوگا لہٰذا اس کی مفصل تنقیح ضروری ہے۔ جس میں اولاً ان دونوں کی تعریفوں کا معین کرنا ضروری ہے۔ اتنی بات مسلم اور بے غبار ہے کہ نکاح فاسد میں نکاح کے احکام آتے ہیں۔ مہر، عدت، اور ثبوت نسب ہوتا ہے۔ جبکہ نکاح باطل میں نکاح کا کوئی حکم نہیں آتا۔ یہ کالعدم اور زنا کے حکم میں ہوتا ہے لیکن نکاح فاسد اور باطل کی تعریف کیا ہو؟؟؟ کوئی ایسی جامع مانع تعریف جس پر کوئی اشکال نہ ہوتا ہو، اس کا سامنے آنا انتہائی ضروری ہے، ورنہ خلط اور ترددات کا وقوع لازماً ہوگا۔

نکاح فاسد و باطل کی پہلی تعریف

بعض حضرات نے نکاح فاسد کی تعریف یوں کی ہے:

(۱)"كل نكاح اختلف العلماء فى جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله فى العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما فى القنية وغيرها" (شامية ۱۳۲/۳)

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جس میں کسی بھی فقیہ کا اختلاف نہ ہو وہ باطل اور جس میں کسی ایک کا بھی اختلاف ہو وہ فاسد ہے لہٰذا اسی اعتبار سے جو نکاح فاسد ہوگا اس میں مہر، عدت، نسب وغیرہ کے احکام آئیں گے اور جو باطل ہوگا اس میں یہ احکام نہیں آئیں گے۔ عموماً نکاح فاسد اور باطل کی یہ تعریف اور اس کے ذریعے فرق بیان کیا جاتا ہے۔

مذکورہ تعریف پر تحفظات

بندہ عرض کرتا ہے کہ اس تعریف پر بہت سے اشکالات وارد ہوتے ہیں یہ تعریف جامع، مانع نہیں ہے۔ سب سے پہلا اشکال تو یہ ہوتا ہے کہ "جمع بین الاختین" یعنی دو بہنوں کو عقد میں جمع کرنا نصاً حرام ہے۔ اس کے جواز کا کوئی قائل نہیں لیکن یہ بتصریح فقہاء فاسد ہے۔ اس پر احکامِ نکاح کا اجراء بھی اس کے فاسد ہونے کی دلیل ہے۔ چاہے دونوں بہنوں سے بیک وقت نکاح ہو تو دونوں فاسد اور اگر مختلف اوقات میں ہوں تو پہلا صحیح اور دوسرا فاسد ہوتا ہے لہٰذا یہ تعریف "جمع بین الاختین" پر کیوں صادق نہیں آرہی؟؟؟؟؟

عبارت یہ ہے:

قال الحصكفى :"(وإن تزوجهما معا) أى الأختين أو من بمعناهما (أو بعقدين ونسى) النكاح (الأول فرق) القاضى (بينه وبينهما) ويكون طلاقا (ولهما نصف المهر) يعنى فى مسألة النسيان إذ الحكم فى تزوجهما معا البطلان وعدم وجوب المهر إلا بالوطء كما فى عامة الكتب فتنبه."

وقال ابن عابدين تحتها :" أما فى مسألة تزوجهما معا فى عقد واحد فالباطل نكاح كل منهما يقينا فإذا كان التفريق قبل الدخول فلا مهر لهما ولا عدة عليهما وإن دخل بهما وجب لكل لأقل من المسمى ومن مهر المثل كما هو حكم النكاح الفاسد وعليهما العدة بحر."

(الشامية ۴۱/۳)

اسی طرح فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر بیوی کی بہن سے نکاح کرتا ہے تو اپنی بیوی سے اس وقت تک وطی نہیں کر سکتا جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے۔ یہ بھی اس پر صریح دال ہے کہ جمع بین الاختین نکاح فاسد ہے۔ اس پر نکاح کے تمام احکام مرتب ہو رہے

ہیں لیکن مذکورہ تعریف اس پر صادق نہیں آرہی ہے۔

لما فی فتح القدیر (۲۱۴/۳)، باب المحرمات، صح النكاح الأول وبطل الثانی وله وطء الأولى إلا أن يطأ الثانية فتحرم الأولى إلى انقضاء عدة الثانية۔

اس تعریف پر ایک اور اشکال محارم عورتوں سے نکاح کا لازم آتا ہے محارم عورتوں سے نکاح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد ہے، اگر چہ علم بھی ہو کہ یہ عورت میری محرم ہے پھر بھی یہ نکاح فاسد ہے جبکہ کسی فقیہ کا اس کی حرمت میں اختلاف نہیں۔ کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں پر تردد ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"قلت ويشكل عليه أن نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد كما علمت مع أنه لم يقل أحد من المسلمين بجوازه وتقدم فی باب المهر أن الدخول فی النكاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب" (الشامية ۵۱۶/۳)

درمختار میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا محارم سے متعلق مذہب ان الفاظ میں مذکور ہے:

"(و) لا حد أيضا (بشبهة العقد) أى عقد النكاح (عنده) أى الإمام (كوطء محرم نكحها) وقالا إن علم الحرمة حد وعليه الفتوى خلاصة لكن المرجح فی جميع الشروح قول الإمام فكان الفتوى عليه أولى قاله قاسم فی تصحيحه لكن فی القهستانی عن المضمرات على قولهما الفتوى وحرر فی الفتح أنها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب كما مر" (الدر المختار ۲۲/۴)

ان عبارات سے یہ مستفاد ہوا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محارم سے نکاح باوجود علم کے (کہ یہ محرم ہے) فاسد ہوتا ہے۔

"ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما ،فتح" (شامیہ ۵۱۶/۳)

یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس تعریف پر مطمئن نظر نہیں آرہے ہیں۔ یہ دونوں جمع بین الاختین اور نکاح المحارم بنص قطعی حرام ہیں۔ کوئی فقیہ ان کے جواز کا قائل نہیں، لیکن پھر بھی ان پر نکاح فاسد کے احکام آرہے ہیں لہٰذا یہ تعریف مخدوش ہے۔ اسے نکاح فاسد اور باطل کی جامع تعریف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نکاح فاسد و باطل کی دوسری تعریف

نکاح فاسد اور باطل کی بعض اوقات ایک اور تعریف بیان کی جاتی ہے جس سے دونوں میں فرق کیا جائے اور وہ یہ ہے۔

"(ويجب مهر المثل فی نكاح فاسد) وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود" (الدر المختار ۱۳۱/۳)

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح فاسد وہ ہے جس میں شرائط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔ مثلاً گواہ نکاح کی صحت کی

شرائط میں سے ہے بغیر گواہ کے نکاح فاسد ہوگا۔اس کے مقابلے میں باطل کیا ہوگا؟؟ اسکی تصریح تو کتب میں نہیں ملتی،لیکن بظاہر باطل وہ ہوگا جس میں شرائط انعقاد یعنی رکن ہی نہ ہو۔مثلاً ایجاب وقبول نہ ہو۔جس بنیاد پر وہ نکاح باطل یعنی وجودہ کعدمہ قرار پائے۔

دوسری تعریف پر تحفظات

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ تعریف شدید تعارضات کا شکار ہے کیونکہ درمختار میں جہاں یہ تعریف ہے اس کے تحت رد المحتار میں ہے۔

"(قوله کشهود) ومثله تزوج الاختين معا ونكاح الاخت فی عدة الاخت ونكاح المعتدة" (الشامية ۱۳۱/۳)

اس عبارت میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شرائطِ نکاح کی دیگر مثالیں دی ہیں۔معتدہ سے نکاح میں بھی گویا ایک شرطِ صحت "عدت میں نہ ہونا" مفقود ہے،لہذا اسے فاسد ہونا چاہیئے جبکہ عدت کے علم کے ساتھ معتدہ سے نکاح باطل ہوتا ہے۔اگلے صفحے پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح فرمائی ہے:

"أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله فی العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما فی القنية وغيرها" (الشامية ۱۳۲/۳)

"غیر کی منکوحہ نہ ہونا" بھی ایک شرط ہے جو کہ نکاح کی صحت کی شرائط میں سے ہے جبکہ غیر کی منکوحہ سے قصداً نکاح باطل ہے۔الغرض نکاح فاسد یا باطل کا مدار اگر شرائط صحت اور شرائط انعقاد کے مفقود ہونے پر رکھا گیا تو بات بن نہیں سکے گی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء بھی ان تعریفوں پر مطمئن نہیں کیونکہ شرائط انعقاد تو بظاہر صرف ایجاب وقبول ہی ہے۔باقی منکوحۃ الغیر نہ ہونا،معتدہ نہ ہونا،محرم نہ ہونا یہ سب تو شرائطِ صحت ہیں۔گویا ہر نکاح فاسد ہوجایگا جبکہ ان نکاحوں کا باطل ہونا خود مصرّح ہے،بلکہ اس شرائط والی تعریف پر تفریع کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ محیط کا یہ جزئیہ بھی لے آئے ہیں:

" وفی المحيط تزوج ذمی مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسدا فظاهره أنهما لا يحدان وأن النسب يثبت فيه والعدة إن دخل بحر" (الشامية ۱۳۱/۳)

بظاہر اگر اس تعریف کو لیا جائے تو ہونا بھی یہی چاہیئے کہ مرد کا مسلمان ہونا شرائطِ صحتِ نکاح میں سے ہے،لہذا ذمی اگر مسلمہ عورت سے شادی کرے تو وہ فاسد ہو جبکہ درحقیقت ایسا نہیں۔کافر کا مسلمہ سے نکاح باطل ہے۔اس میں نکاح کا کوئی حکم مرتب نہ ہوگا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اگلی سطور میں خود اس پر ردّ فرمایا ہے:

"قلت لكن سيذكر الشارح فی آخر فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل وهذا صريح فيقدم

علی المفهوم فافهم" (الشامیہ ۳/۱۳۲)

یعنی یہ نکاح باطل ہے یہ تعارضات ان تعریفوں میں موجود سقم کی بنیاد پر لازم آرہے ہیں۔

بندہ ناچیز یہاں پر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ دو تعریفیں (ایک مالم یقل احد بجوازہ اور دوسری فقد شرط من شرائط الصحة) عموماً نکاح فاسد و باطل کی کی جاتی ہیں۔ پھر ان کے ذریعے فرق کی کوشش کی جاتی ہے، جو کہ مزید پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے۔ اتنی بات احقر پہلے بھی بیان کر چکا کہ یہ مسلم ہے کہ مہر، عدت اور ثبوت نسب بعد از دخول یہ احکام نکاح فاسد میں آتے ہیں باطل میں نہیں، لیکن کوئی ایسی جامع تعریف جس پر اشکال نہ ہو عموماً نہیں ملتی۔

بندہ یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ اس سلسلے میں فقہاء کی عبارات انتہائی مغلق ہیں۔ متفرق مقامات پر مختلف پیراؤں میں کی گئی نکاح فاسد اور باطل پر بحث الجھنوں سے خالی نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ تحقیق طلب رہے گا۔ کوئی حتمی بات اس سلسلے میں نہیں کی جا سکتی البتہ بعض فقہی نصوص اور علل کا استقراء کرنے سے بندہ پر ایک تعریف واضح ہوئی ہے اسے ذکر کیا جا رہا ہے۔

نکاح فاسد و باطل کی جامع مانع تعریف

ایجاب وقبول نکاح کے رکن ہیں، نیز دوام بھی نکاح کا رکن ہے اگر یہ دو چیزیں (ایجاب وقبول اور دوام) نہ ہو تو نکاح باطل ہوگا۔ اس میں صحت اور فساد کی بحث ہی نہیں۔ ایجاب وقبول سے متعلق شامیہ میں ہے:

"قوله (وينعقد) قال فی شرح الوقاية العقد ربط أجزاء التصرف أی الإيجاب والقبول شرعا لكن هنا أريد بالعقد الحاصل بالمصدر وهو الارتباط لكن النكاح الإيجاب والقبول مع ذلك الارتباط إنما قلنا هذا لأن الشرع يعتبر الإيجاب والقبول أركان عقد النكاح لا أمورا خارجية كالشرائط" (الشامية ۳/۹)

نیز متعہ اور نکاح مؤقت کا بطلان اسی بناء پر ہے کہ ان میں دوام نہیں پایا جاتا جو کہ نکاح کا رکن ہے۔

" قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال فی الفتح قال شيخ الإسلام فی الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفی المتعة أتمتع أو أستمتع يعنی ما اشتمل علی مادة متعة ..... لو عقد بلفظ المتعة وأراد النكاح الصحيح المؤبد فإنه لا ينعقد وإن حضره الشهود لأنه لا يفيد ملك المتعة" (الشامية ۳/۵۱)

لہذا ایجاب وقبول اگر موجود ہوں تو محلیت نکاح کو مدار بنا کر نکاح فاسد اور باطل کی یہ تعریف کی جا سکتی ہے کہ

(۱) نکاح باطل وہ ہے کہ جہاں عورت محل نکاح ہی نہ ہو یا ارکان نکاح ایجاب وقبول اور دوام میں خلل ہو۔

(۲) نکاح فاسد وہ ہے جہاں عورت محل نکاح تو ہو لیکن کسی عارض کی بناء پر فساد آرہا ہو۔

(۳) ان دو کے تقابل میں نکاح صحیح کی تعریف بھی کی جاسکتی ہے کہ نکاح صحیح وہ ہے جہاں ارکانِ نکاح موجود ہوں اور عورت محلِ نکاح بھی ہو نیز کوئی عارض نہ ہو تو وہ نکاح صحیح ہے۔

کون سی عورتیں محل نکاح نہیں؟

یہاں یہ تعین کرنا بھی ضروری ہے کہ کون کون سی عورتیں محل نکاح نہیں۔

(۱) محارم محل نکاح نہیں، ماں، بہن، بیٹی سے نکاح باطل اور کالعدم ہے اس میں نکاح کا کوئی حکم جاری نہ ہوگا۔

قال الحصكفي في الدر: "(كوطء محرم نكحها) وقالا ان علم الحرمة حد"

وفي الرد تحته: " ونفياها على معنى أنها ليست محلا لعقد هذا العاقد فلم يورث شبهة وتمامه في الفتح والنهر ... وحاصله أن عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زنا محضا يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد" (الشامية ۴/۲۴)

وفي الشامية أيضا: " والظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم أيضا كما يعلم مما سيأتي في الحدود" (الشامية ۳/۱۳۲)

وفي التاتارخانية (۳۶۵/۱۶): "تزوج امرأة ابيه بعد موت أبيه فولدت منه قال ابوبكر: ان أقر بذلك أربع مرات في مجالس فعليهما الحد والولد غير ثابت النسب ولا يرث منه وعليهما الاستغفار والتوبة."

گویا محرم محل نکاح نہیں لہٰذا محرم سے نکاح باطل اور زنا محض ہے۔

(۲) منکوحۃ الغیر نکاح کا محل نہیں غیر کے نکاح میں کوئی عورت ہو تو اس سے نکاح باطل اور زنا ہے۔

لما في الدر المختار (۳/۵۲۷): (وكذا لا عدة لو تزوج امرأة الغير) ووطئها (عالما بذلك) وفي نسخ المتن (ودخل بها) ولا بد منه وبه يفتى ولهذا يحد مع العلم بالحرمة لأنه زنا والمزني بها لا تحرم على زوجها.

وفي الشامية (۳/۵۱۶): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا كما في القنية وغيرها ... أما منكوحة الغير فهي غير محل إذ لا يمكن اجتماع ملكين في آن واحد على شيء واحد فالعقد لم يؤثر ملكا فاسدا.

ان حوالوں سے مستفاد ہوا کہ غیر کی منکوحہ محل نکاح نہیں لہٰذا یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ غیر کی منکوحہ ہے اس سے نکاح باطل اور زنا محض ہے۔

(۳) معتدۃ الغیر بھی نکاح کا محل نہیں، غیر کی معتدہ سے جانتے ہوئے عدت میں نکاح باطل ہے۔

"أما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ إن علم أنہا للغیر لأنہ لم یقل أحد بجوازہ فلم ینعقد أصلا ... وعلی ہذا فیقید قول البحر ہنا ونکاح المعتدۃ بما إذا لم یعلم بأنہا معتدۃ"

(الشامیۃ ۳/۱۳۲)

(۴) مطلقہ ثلاث نکاح کا محل نہیں یعنی مطلقہ ثلاث حلالہ سے قبل بعد از انقضائے عدت اس شخص کے لئے محل نکاح نہیں اگر نکاح کرتا ہے تو باطل ہوگا البتہ طلاق ثلاث کی عدت کے دوران من وجہ محلیت باقی ہے لہٰذا اس صورت میں نکاح فاسد ہوگا، عدت بھی آئی گی۔

گویا مطلقہ ثلاث سے حلالہ سے قبل ہمبستری کی چند صورتیں ہیں

[۱] ایک تو یہ کہ عدت گزر جائے اب وہ عورت محل نہیں رہی لہٰذا اس سے کیا گیا نکاح باطل اور کالعدم ہوگا۔

[۲] دوسری صورت یہ کہ عدت باقی ہو پھر نکاح کرتا ہے چاہے حرمت کا علم ہی کیوں نہ ہو یہ نکاح فاسد ہوگا۔ لبقاء المحلیۃ من وجہ۔

[۳] تیسری صورت یہ ہے کہ عدت میں ہی حلال سمجھتے ہوئے بغیر نکاح کے ہمبستری کرتا ہے تو اس میں بھی عدت وغیرہ کے احکام آئیں گے، اور وطی بالشبہۃ کہلائے گی کیونکہ یہ عورت پہلے اسکی موطوءۃ رہی ہے۔ اب بھی من وجہ اس کے نکاح میں ہے۔

[۴] چوتھی صورت یہ ہے کہ عدت میں بغیر نکاح کے حرمت کے جانتے ہوئے وطی کرتا ہے تو یہ زنا محض ہوگا کوئی حکم نہیں آئے گا۔ مطلقہ ثلاث چونکہ اپنی ہی مطلقہ ہے لہذا بعد از انقضاء عدت تو اس سے ہمبستری زنا اور باطل ہے البتہ عدت میں نکاح کے ساتھ چاہے حرمت کا علم ہی ہو یا بغیر نکاح کے حلت کے گمان سے وطی باعث عدت وغیرہ ہوگی، اور نکاح فاسد ہوگا۔ نیز عدت میں بغیر نکاح کے حرمت کو جانتے ہوئے وطی کرنا زنا محض ہوگا۔ حوالے درج ذیل ہیں:

لما فی الدر المختار (۳/۵۱۸): (وعدۃ المنکوحۃ نکاحا فاسدا) فلا عدۃ فی باطل و کذا موقوف قبل الإجازۃ اختیار، لکن الصواب ثبوت العدۃ والنسب بحر (والموطوءۃ بشبہۃ)۔

وفی الطحطاوی علی الدر تحتہ (۲/۲۲۲): ودخل تحت الشبہۃ ما لو وطی معتدتہ وادعی الشبہۃ بان تزوجہا قبل زوج آخر وقال ظننت انہا تحل لی او کان منکرا طلاقہا ولذا تستقبل فی ہذہ الحالۃ بخلاف ما اذا کان عالما بحرمتہا کما فی الفتح۔

وفی الدر المختار ایضا (۳/۵۱۸): (وإذا وطئت المعتدۃ بشبہۃ) ولو من المطلق (وجبت عدۃ أخری) لتجدد السبب (وتداخلتا)۔

وفی الطحطاوی علی الدر تحتہ (۲/۲۲۲): (ولو من المطلق) اعلم ان المرأۃ اذا وجب علیہا عدتان فاما ان تکونا من رجلین او رجل واحد فان کان الثانی کما اذا طلقہا ثلاثا وقال ظننت انہا تحل لی او

طلقها بالفاظ الکنایة فوطئها فی العدة فلا شك ان العدتين تداخلتا ...(قوله تداخلتا) قال فی البحر: والوطء بشبهة يتحقق فی صور منها من زفت الی غير زوجها ومنها الموطوءة للزوج بعد الثلاث فی العدة بنکاح قبل زوج آخر او بعده فی العدة اذا قال ظننت انها تحل لی...الخ

وفی الشامية تحت عبارة الدر (۵۱۸/۳): قوله (بشبهة) متعلق بقوله وطئت وذلك کالموطوءة للزوج فی العدة بعد الثلاث بنکاح و کذا بدونه إذا قال ظننت أنها تحل لی أو بعد ما أبانها بألفاظ الکناية وتمامه فی الفتح ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث فی العدة بلا نکاح عالما بحرمتها لا تجب عدة أخری لأنه زنا وفی البزازية طلقها ثلاثا ووطئها فی العدة مع العلم بالحرمة لا تستأنف العدة بثلاث حيض ويرجمان إذا علما بالحرمة ووجد شرائط الإحصان ولو کان منکرا طلاقها لا تنقضی العدة ولو ادعی الشبهة تستقبل۔

وفی الهندية (۲۸۲/۱): القسم التاسع المحرمات بالطلقات: لا يحل للرجل أن يتزوج حرة طلقها ثلاثا قبل إصابة الزوج الثانی،

وفی الدر المختار (۴۰۹/۳): (وينکح) مبانته بما دون الثلاث فی العدة وبعدها بالإجماع ومنع غيره فيها لاشتباه النسب (لا) ينکح (مطلقة) من نکاح صحيح نافذ کما سنحققه (بها) أی بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما فی المشکلات باطل أو مؤول کما مر (حتی يطأها غيره).

وقال ابن عابدين تحتها: قوله (وما فی المشکلات) حيث قال من طلق امرأته قبل الدخول بها ثلاثا فله أن يتزوجها بلا تحليل وأما قوله تعالی {فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غيره} ففی المدخول بها قوله (باطل) أی إن حمل علی ظاهره ولذا قال فی الفتح إنه زلة عظيمة مصادمة للنص والإجماع لا يحل لمسلم رآه أن ينقله فضلا عن أن يعتبره لأن فی نقله إشاعته وعند ذلك ينفتح باب الشيطان فی تخفيف الأمر فيه ولا يخفی أن مثله مما لا يسوغ الاجتهاد فيه لفوت شرطه من عدم مخالفة الکتاب والإجماع نعوذ بالله من الزيغ والضلال والأمر فيه من ضروريات الدين لا يبعد إکفار مخالفه اهـ

وفی الدر المختار (۲۸/۳) باب المحرمات: أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضاع، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة علی حرة، فهی سبعة: ذکرها المصنف بهذا الترتيب وبقی التطليق ثلاثا، وتعلق حق الغير بنکاح أو عدة ذکرهما فی الرجعة۔

وقال ابن عابدين تحتها: شروع فی بيان شرط النکاح أيضا، فإن منه کون المرأة محللة لتصير محلا له

وأفرد بفصل علی حدة لکثرة شعبه بحر۔

یہ تو مطلقہ ثلاث سے نکاح کے باطل ہونے کی بحث تھی جس میں مدار محلیت نکاح بعد از انقضاء عدت اور قبل از انقضاء، تھا۔ البتہ یہاں ایک بات یہ ملحوظ رہے کہ نسب کا ثبوت مطلقہ ثلاثہ سے ہمبستری میں بہر صورت ہوگا یعنی مطلقہ ثلاث سے بعد از انقضاء عدت، نکاح، اگرچہ باطل ہے لیکن نسب کا ثبوت ہوگا۔ یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ مطلقہ ثلاث سے ہمبستری اگرچہ شبہ فی الفعل تو ہوسکتی ہے شبہ فی المحل نہیں، کیونکہ محل (مطلقہ ثلاث عورت) کی حرمت فی البدیہ ہے اور شبہہ فی الفعل میں عموماً نسب کا ثبوت نہیں ہوتا البتہ فقہاء نے مطلقہ ثلاث کو شبہ فی الفعل کے اصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور احتیاطاً یہاں شبہہ فی الفعل کے باوجود نسب واطی سے ثابت قرار دیا ہے۔ گویا بعد از انقضاء عدت مطلقہ ثلاث سے بدون حلالے کے نکاح اگرچہ باطل ہو لیکن نسب کا اثبات کیا گیا ہے۔

شامیہ میں ہے:

قال الحصکفی فی الدر: "الواطئ (إن ادعی النسب یثبت فی الأولی) شبهة المحل (لا فی الثانیة) أی شبهة الفعل لتمحضه زنا (إلا فی المطلقة ثلاثا)"

وقال ابن عابدین تحتها: "قوله (لتمحضه زنا) لأنه لا شبهة ملك فیه بل سقط الحد لظنه فضلا من الله تعالی وهو راجع إلیه أی إلی الواطیء لا إلی المحل فکأن المحل لیس فیه شبهة حل فلا یثبت النسب بهذا الوطء ولذا لا تثبت به عدة لأنه لا عدة من الزنا فتح ..... کلامه فیما إذا ادعی النسب وفیه یثبت مطلقا کما علمت وهو الذی حرره فی الفتح وتبعه فی البحر"

(الشامیة ۲۳/۴، باب الوط الذی یوجب الحد)

گویا کہ مطلقہ ثلاث سے نکاح بعد از انقضاء عدت اگرچہ باطل ہو لیکن شبہہ کی بنیاد پر فقط نسب کا اثبات کیا جائے گا، لیکن نسب کے اثبات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ نکاح کا محل ہے یا یہ کوئی ممدوح فعل ہے بلکہ حرام شدید اور فعل شنیع از حد شناعت اور نص قرآنی سے عدول واعراض ہے جو کہ دنیا و آخرت میں تباہی و بربادی کا سبب ہے۔

[۵] اس کے علاوہ کافر یا کافرہ بھی مسلمان کے لئے نکاح کا محل نہیں ہے، ان سے نکاح باطل ہوگا کوئی حکم نہیں آئے گا۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہاں تک نکاح باطل کی جو تعریف بندے نے کی ہے کہ نکاح باطل وہ ہے "جہاں عورت محل نکاح نہ ہو" اس میں ان عورتوں کا ذکر ہوگیا جو نکاح کی محل نہیں اولا محارم ثانیا منکوحة الغیر ثالثا معتدة الغیر رابعا مطلقہ ثلاث بدون الحلالة بعد از انقضاء عدت خامسا کافرہ عورت، یہ پانچ عورتیں ذکر ہوئیں اس کے علاوہ جس عورت سے ایجاب وقبول درست نہ ہوا ہو وہ بھی نکاح کے لئے حلال نہیں ہوتی مثلاً متعہ یا نکاح مؤقت یا ایک فریق ایجاب وقبول ہی نہ کرے تو ایسے نکاح بھی باطل ہوں گے ان میں نسب آئیگا نہ مہر وعدت وغیرہ...... کیونکہ ان میں دوام نہیں اور نکاح کو بطلان سے بچانے کے لئے محلیت کے ساتھ ایک قید دوام کی بھی ہے۔ کوئی بھی ایسا لفظ جو نکاح کے دوام کے منافی ہو وہ اسے باطل کر دے گا۔

نکاح محارم باطل ہے یا فاسد؟

یہاں بندہ ایک وضاحت یہ بھی کردینا مناسب سمجھتا ہے کہ محارم سے نکاح صاحبین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق باطل ہے امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک محارم سے نکاح فاسد ہے اور بتصریح فقہاء اختلاف کا مدار محلیت نکاح ہونے نہ ہونے پر ہے امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت کا علم ہوتے ہوئے بھی یہ نکاح کے محل ہونے سے نہیں نکلتیں لہٰذا حد نہیں لگے گی کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حد لگے گی۔ صاحبین رحمہما اللہ کا قول مفتی بہ اور معتمد علیہ ہے۔

شامیہ میں ہے:

"ونکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما فتح" (شامیة ۳/۵۱۶)

وقال الحصكفي في الدر المختار: "(و) لا حد أيضا (بشبهة العقد) أي عقد النكاح (عنده) أي الإمام (كوطء محرم نكحها) وقالا إن علم الحرمة حد وعليه الفتوى خلاصة لكن المرجح في جميع الشروح قول الإمام فكان الفتوى عليه أولى قاله قاسم في تصحيحه لكن في القهستاني عن المضمرات على قولهما الفتوى وحرر في الفتح أنها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب كما مر"

وقال ابن عابدين تحتها: "قوله (وقالا الخ) مدار الخلاف على ثبوت محلية النكاح للمحارم وعدمه فعنده هي ثابتة على معنى أنها محل لنفس العقد لا بالنظر إلى خصوص عاقد لقبولها مقاصده من التوالد فأورث شبهة ونفياها على معنى أنها ليست محلا لعقد هذا العاقد فلم يورث شبهة وتمامه في الفتح والنهر قوله (إن علم الحرمة حد) أما إن ظن الحل فلا يحد بالإجماع ويعزر كما في الظهيرية وغيرها ..... ألا ترى أن أبا حنيفة ألزم عقوبته بأشد ما يكون وإنما لم يثبت عقوبة هي الحد فعرف أنه زنا محض إلا أن فيه شبهة فلا يثبت نسبه ملخصا وحاصله أن عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زنا محضا يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد" (الشامية ۴/۲۴)

عدمِ علم بالحرمة بھی عارض ہے

بندہ عرض کرتا ہے کہ محارم سے متعلق اسی اختلاف اور متعدد مقامات پر محلیت کے ذکر سے بندے نے نکاح فاسد اور باطل کی یہ جامع مانع تعریف کرنے کی سعی اور کاوش کی ہے۔ بندہ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہے کہ عوارض فساد کا ذکر آگے آرہا ہے [جن کی بناء پر نکاح فاسد قرار پاتا ہے]، لیکن عدم علم بالحرمة بھی ایک عارض ہے۔ یعنی اگر محلیت کا نہ ہونا معلوم نہ ہو تو یہ بھی عارض ہے لہٰذا ہروہ

نکاحِ باطل جہاں محلیت نہ ہو، اگر ناکح کو اس کا علم نہ ہو تو نکاح فاسد ہوگا، کیونکہ علم کا نہ ہونا بھی ایک عارض ہے۔ احکام نکاح مہر، نسب، عدت وغیرہ یہاں آئیں گے۔ نکاح فاسد میں احکام نکاح بعد از وطی آتے ہیں۔ گویا کہ محارم، منکوحۃ الغیر، معتدۃ الغیر، مطلقۃ ثلاث اور ہر وہ عورت جو محل نکاح نہیں اس سے نکاح تب باطل ہوگا جب ناکح کو اس کا محرم، منکوحۃ، معتدۃ، مطلقۃ ہونا اور اس سے نکاح کی حرمت معلوم ہو اور اگر معلوم نہ ہو مثلاً یہ معلوم نہیں کہ یہ بیٹی ہے (کسی حادثہ میں علیحدگی کی بناء پر) یا منکوحۃ الغیر ہے یا کسی کی عدت میں ہے یا میں نے جو تین طلاقیں دی تھیں شاید وہ واقع نہ ہوں یا شاید یہ عورت میرے لئے حلال ہے، الغرض ایسی صورت ہو تو پھر عدم محلیت میں بھی عارض کی بنیاد پر فساد آئے گا۔ گویا کہ محل میں عارض سے جیسے فساد آتا ہے، ویسے عدم محل (نکاح باطل) میں بھی عارض (عدم علم) کی بنیاد پر بطلان، فساد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان سب کے صریح حوالجات احقر آگے ذکر کریگا۔

عوارض کا بیان

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو ذکر کر دی گئیں اب ہم وہ عارض ذکر کریں گے جن کی بنیاد پر نکاح فاسد ہوتا ہے۔

(۱) گواہ نہ ہونا یہ ایک عارض ہے جس کی بنیاد پر نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

"وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود" (الشامیہ ۱۳۱/۲)

(۲) جمع بین الاختین یعنی بیوی کی موجودگی میں دوسری بہن سے شادی کرنا فاسد ہے۔ یہاں وہ دوسری بہن محل نکاح تو ہے، لیکن بیوی کی موجودگی ایک عارض ہے۔ جس کی بناء پر یہ نکاح فاسد ہوگا اور اگر دونوں سے بیک وقت نکاح کرتا ہے تو دونوں نکاح فاسد ہوں گے کیونکہ دونوں کے لئے عارض موجود ہے۔ الغرض جمع بین الاختین کی صورت میں دوسری بہن محل نکاح ہے لیکن اس کی بہن عارض ہے لہٰذا اس سے نکاح فاسد ہوگا۔ یہاں محل کا عدم نہیں۔ نیز منکوحۃ الغیر اور معتدۃ الغیر کی طرح تعلقِ حقِ غیر کی بناء پر بھی عدم محلیت نہیں، بلکہ بیوی کی بہن محل بہر حال ہے، لیکن لوجود العارض اس میں فساد آئے گا۔ اسی بناء پر فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے اگر نکاح کر لیتا ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا اور بعد از متارکت اس بہن پر تین حیض عدت ہوگی اور تین حیض کے درمیان یہ شخص اپنی بیوی سے ہمبستری بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی بیوی کی بہن اس کی عدت میں ہے۔ لہٰذا جب تک سالی کی عدت ختم نہ ہو جائے بیوی سے دور رہنا ضروری ہے۔ یہ بھی جمع بین الاختین کے فاسد ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر یہ نکاح باطل ہوتا (اور نکاح باطل زنا ہی ہے) تو سالی سے زنا خالص کیطرح یہاں بھی بیوی سے دور رہنا ضروری نہیں ہونا چاہیئے اور نہ سالی پر عدت آنی چاہیئے، جبکہ ایسا نہیں لہٰذا سالی سے نکاح کو نکاح فاسد قرار دیا جائے گا۔

لما فی الشامیة: (۴۱/۳): أما فی مسألة تزوجهما معا فی عقد واحد فالباطل نکاح کل منهما یقینا فإذا کان التفریق قبل الدخول فلا مهر لهما ولا عدة علیهما وإن دخل بهما وجب لکل الأقل من المسمی ومن مهر المثل کما هو حکم النکاح الفاسد وعلیهما العدة...

وفیه ایضاً (۴۱/۳): قال فی الفتح فإن وقع التفریق قبل الدخول فله أن یتزوج أیتهما شاء للحال وإن بعده فلیس له التزوج بواحدة منهما حتی تنقضی عدتهما وإن انقضت عدة إحداهما دون الأخری فله تزوج التی لم تنقض عدتها دون الأخری کی لا یصیر جامعا وإن وقع بعد الدخول بإحداهما فله أن یتزوجها فی الحال دون الأخری فإن عدتها تمنع من تزوج أختها۔

وفیه ایضا (۱۳۳/۳): ولو کانت هذه المرأة الموطوءة أخت امرأته حرمت علیه امرأته إلی انقضاء عدتها۔

وفی فتح القدیر (۲۱۴/۳) باب المحرمات: إذ لو کانا فی عقدة واحدة بطلا یقینا وبعدم علم الأولیة إذ لو علم صح النکاح الأول وبطل الثانی وله وطء الأولی إلا أن یطأ الثانیة فتحرم الأولی إلی انقضاء عدة الثانیة کما لو وطئ أخت امرأته بشبهة حیث تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة وفی الدرایة عن الکامل لو زنی بإحدی الأختین لا یقرب الأخری حتی تحیض الأخری حیضة وهذا مشکل والله سبحانه أعلم۔

لکن یقول العبد الضعیف:

لو کان الإشکال للمحقق ابن الهمام رحمه الله تعالی فی صورة الزنا علی التربص لحیضة وفی صورة النکاح علی التربص لعدة کاملة فلا إشکال لأن النکاح الفاسد حکمه عدة کاملة بعد الوطء۔ والزنا لا حرمة لماءه فما فی الدرایة مبنی علی الاستحباب وفق قول محمد وأما علی قول الشیخین فلا تربص عندهما علی أخت الزوجة فی الزنا معها فثبت الفرق بین نکاح أخت الزوجة والزنا معها أیضا فلا یرد الإشکال بالفرق بحیضة أو عدة وهو دلیل وبرهان علی أن النکاح الثانی فاسد لا باطل۔

الغرض جمع بین الاختین نکاحِ فاسد ہے۔ سالی نکاح کا محل ہے۔ یہ نکاح باطل نہیں۔ ہماری تعریف ہی اس تشریح سے کفایت کرتی تھی لیکن اتنی وضاحت کی ضرورت اس لئے پڑی کیونکہ بعض عبارات میں سالی سے نکاح میں بیک وقت اور متفرقا نکاح میں فرق کا اظہار کرتے ہوئے اسے باطل قرار دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بیک وقت تو دونوں کے نکاح ہی فاسد ہیں اور متفرق میں ظاہر ہے پہلی کا نکاح صحیح ہے۔ وہ بیوی بن جائیگی، اس وقت عارض نہیں، دوسری کا صحیح نہیں، اس متفرق میں نکاح ثانی کا بطلان بتانے کے لئے باطل کا لفظ استعمال کر دیا جاتا ہے، لیکن وہ فاسد کے معنی میں ہوتا ہے۔ تمام احکام عدت، مہر وغیرہ اس پر آتے ہیں تو اسے باطل قرار دینا ویسے بھی درست نہیں۔

(۳) اپنی مطلقہ بیوی کی عدت میں بیوی کی بہن سے نکاح کرنا، یہ بھی نکاح فاسد ہے۔ بیوی کا عدت میں ہونا اس کی بہن سے

نکاح کے فساد کا ایک عارض ہے۔

لما فی الشامیة(۱۳۱/۳) قوله کشهود ومثله تزوج الأختين معا ونکاح الأخت في عدة الأخت۔

وفيه ايضا:(۵۱۶/۳) ومثل له في البحر هناك بالتزوج بلا شهود وتزوج الأختين معا أو الأخت في عدة الأخت۔

(۴)ایک اور عارض بچے کا بغیر اذن ولی یا بالغہ لڑکی کا غیر کفو میں ازخود نکاح کرنا ہے گویا ان دونوں نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے، بچہ نکاح کرے یا بالغہ لڑکی ازخود غیر کفو میں نکاح کرے دونوں کے لئے ولی کی رضامندی ضروری ہے اور رضا کا نہ ہونا عارض ہے اگر نہ ہوئی تو بالغہ کا نکاح فاسد اور بچے کا ولی کی اجازت پر موقوف اور اجازت نہ ہونے کی صورت میں فاسد ہوگا۔

لما فی الشامية (۶۲/۳):قوله (وفقد الكفء) أى إذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد وتقدم أنها المفتى بها۔

وفی الدر المختار (۵۶/۳):(ويفتى) فی غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولی بعد معرفته إياه فليحفظ۔

وفی الهندية (۲۶۷/۱):فإن نكاح الصبی العاقل يتوقف نفاذه علی إجازة وليه هكذا فی البدائع ۔ ومنها المحل القابل وهی المرأة التی أحلها الشرع بالنكاح كذا فی النهاية۔

(۵) کسی شخص کی چار بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کو طلاق دے دے، پھر اس کی عدت کے دوران ہی وہ ایک اور عورت سے نکاح کرلے تو یہ نکاح بھی فاسد ہے۔ چوتھی بیوی کا عدت میں ہونا یہ ایک عارض ہے جس کی بناء پر وہ اگلا نکاح نہیں کرسکتا۔

لما فی الشامية(۵۱۶/۳) والخامسة في عدة الرابعة۔

(۶) آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا یہ بھی نکاح فاسد ہے۔ آزاد عورت کا نکاح میں ہونا ایک عارض ہے جس کی بناء پر باندی سے کیا نکاح فاسد ہوگا، اگرچہ باندی نکاح کا محل ہے۔

لما فی الشامية(۱۳۱/۳): قوله کشهود ومثله تزوج الأختين معا ونکاح الأخت في عدة الأخت ونکاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والأمة على الحرة۔

(۷) میاں یا بیوی میں سے کوئی ایک غلام ہو اور دوسرا اسے خرید لے تو پہلے سے موجود نکاح فاسد ہوجاتا ہے کیونکہ میاں یا بیوی کا ایک دوسرے کا مالک بن جانا ایک ایسا عارض ہے جو نکاح کو فاسد کردیتا ہے۔

لما فی الهندية(۳۳۰/۱):الحر إذا اشترى امرأته يفسد النكاح۔

(۸) ایک عارض "عدم علم" ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہوا کہ عدم محلیت کا علم نہ ہونا بھی اس نکاح کو باطل کے بجائے شبہہ کی بنیاد پر فاسد کردے گا لہٰذا محارم سے نکاح ہو اور یہ علم نہ ہو کہ "یہ محرم ہے" اور اس سے نکاح حرام ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا۔ اس میں

عدت، نسب وغیرہ احکام آئیں گے۔

قال الحصکفی فی الدر المختار: تزوج بمحرمة أو منکوحة الغیر أو معتدته ووطئها ظانا الحل لا یحد ویعزر۔

وقال ابن عابدین تحت عبارة الدر: قوله (ویعزر) أی إجماعا کما فی الذخیرة لکنه مخالف لما فی الهدایة من قوله ولکن یوجع عقوبة إذا کان علم بذلك فقید العقوبة بما إذا علم ومثله ما مر عن کافی الحاکم۔ وفی الفتح لم یجب علیه الحد عند أبی حنیفة وسفیان الثوری وزفر وإن قال علمت أنها علی حرام ولکن یجب الحد ویعاقب عقوبة هی أشد ما یکون من التعزیر سیاسة لا حدا مقدرا شرعا إذا کان عالما بذلك وإن لم یکن عالما لا حد ولا عقوبة تعزیر۔

وقد یجاب بأن قوله ولا عقوبة تعزیر المراد به نفی أشد ما یکون فلا ینافی أن یعزر بما یلیق بحاله حیث جهل أمرا لا یخفی عادة تأمل۔ (الشامیة ۲۴/۴)

وفیه ایضا (۵۱۶/۳) مطلب عدة المنکوحة نکاحا فاسدا: ونکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما فتح۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ محارم سے نکاح باطل اس وقت ہے جب حرمت کا علم ہو اور اگر علم نہ ہو تو اس میں نکاح فاسد کے احکام آئیں گے۔ اسی طرح منکوحۃ الغیر اگرچہ نکاح کا محل نہیں لیکن اگر یہ علم نہ ہو کہ یہ حرام ہے اور منکوحۃ الغیر ہے تو پھر نکاح باطل نہیں فاسد ہوگا۔

قال الحصکفی فی الدر: (وکذا لا عدة لو تزوج امرأة الغیر) ووطئها (عالما بذلك) وفی نسخ المتن (ودخل بها) ولا بد منه وبه یفتی، ولهذا یحد مع العلم بالحرمة لأنه زنا، والمزنی بها لا تحرم علی زوجها۔ وفی شرح الوهبانیة: لو زنت المرأة لا یقربها زوجها حتی تحیض لاحتمال علوقها من الزنا فلا یسقی ماؤہ زرع غیرہ. فلیحفظ لغرابته (بخلاف ما إذا لم یعلم) حیث تحرم علی الأول إلا أن تنقضی العدة۔

قال ابن عابدین تحتها: قوله (ولهذا) أی لکونه لا عدة علیها وقوله لأنه زنا علة للعلة فتکون علة للمعلول أیضا بواسطة ولو قدم العلة الثانیة علی الأولی لکان أولی۔ (شامیه ۵۲۷/۳)

وقال الحصکفی ایضا فی الدر فی مقام آخر (باب العدة): (والموطوءة بشبهة) ومنه تزوج امرأة الغیر غیر عالم بحالها کما سیجیء۔

منکوحۃ الغیر کی طرح، مطلقہ ثلاث سے بعد از انقضاء عدت، بدوں حلالہ کرائے اور معتدۃ الغیر سے اگر لاعلمی میں نکاح ہو

جائے تو پھر یہ ایک عارض ہے جس کی بناء پر یہ نکاح فاسد ہوگا اور ان میں بعد از وطی احکام آئیں گے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: أما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر لأنه لم یقل أحد بجوازه فلم ینعقد أصلا، فعلی هذا یفرق بین فاسده وباطله فی العدة، ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لکونها زنا کما فی القنیة وغیرها۔

(شامیة ۳/۵۱۶، وکذا ایضا ۳/۱۳۲)

قال الحصکفی: تزوج بمحرمة أو منکوحة الغیر أو معتدته ووطئها ظانا الحل لا یحد ویعزر۔

وقال الحصکفی ایضا: (وإذا وطئت المعتدة بشبهة) .ولو من المطلق (وجبت عدة أخری) لتجدد السبب الخ۔

وقال ابن عابدین رحمه الله تحته: وفی البزازیة طلقها ثلاثا ووطئها فی العدة مع العلم بالحرمة لا تستأنف العدة بثلاث حیض ویرجمان إذا علما بالحرمة ووجد شرائط الإحصان ولو کان منکرا طلاقها لا تنقضی العدة ولو ادعی الشبهة تستقبل۔ (الشامیة ۳/۵۱۸)

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ وہ چند عوارض ہیں جن کی بناء پر نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

نکاح صحیح، فاسد اور باطل کی جامع مانع تعریفات

نکاح صحیح، باطل اور فاسد کی ان تفصیلات کی روشنی میں یہ تعریفات کی جاسکتی ہیں۔

(۱) نکاح باطل:

نکاح باطل کی تعریف یہ ہوگی کہ ''جہاں غیر محل نکاح میں قصداً عقد کیا جائے یا وہ نکاح علی الدوام نہ ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔'' اس میں بہر صورت مہر، عدت، نسب وغیرہ کا کوئی حکم نہیں آئے گا، یہ زنا ہے۔ یعنی نکاح باطل وہ ہے جس میں عورت محل نکاح نہ ہو اور باوجود علم کے اس سے نکاح کیا جائے مثلاً محارم، منکوحۃ الغیر، معتدۃ الغیر یا مطلقہ ثلاث وغیرہ سے جان کر نکاح باطل اور زنا ہے۔ اس میں نسب، عدت، مہر وغیرہ کے احکام نہیں آئیں گے البتہ مطلقہ ثلاث سے اگر قبل از حلالہ (چاہے نکاح کرے یا نہیں) وطی کرتا ہے تو بچے کا نسب شبہ کی بنیاد پر ثابت ہوگا، یہ ایک عورت نسب کی صورت میں مستثنٰی ہے البتہ عدت اس پر بھی نہیں آئے گی نیز ارکانِ نکاح یعنی ایجاب وقبول اور دوام کا پایا جانا بھی ضروری ہے، لہٰذا نکاح مؤقت اور متعہ باطل ہیں۔

(۲) نکاح فاسد:

نکاح فاسد کی تعریف یہ ہوگی کہ ''جہاں ایجاب وقبول اور دوام موجود ہو نیز محل نکاح میں عقد کیا جائے لیکن کوئی عارض پایا

جائے یا غیر محل نکاح میں حرمت کے علم کے بغیر [یعنی حلال سمجھتے ہوئے] عقد کیا جائے تو یہ نکاح فاسد ہے۔"

یعنی نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں عورت محل نکاح تو ہو مگر کوئی عارض نکاح کو فاسد کردے مثلاً گواہ نہ ہوں یا جمع بین الاختین (دو بہنوں کا جمع) لازم آرہا ہو یا بچے اور بالغہ لڑکی کو ولی کی اجازت حاصل نہ ہو، وغیرہ، کوئی بھی عارض ہو تو نکاح فاسد ہوگا۔ اسی طرح نکاح فاسد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت نکاح کا محل نہ ہو، لیکن لاعلمی میں اس سے نکاح ہو جائے تو یہ نکاح بھی باطل نہیں، بلکہ فاسد ہوگا۔ گویا عدم محلیت سے لاعلمی بھی ایک عارض ہے، جس سے نکاح فاسد ہو جائیگا۔ نکاح فاسد میں بعد از دخول نسب، مہر، عدت وغیرہ لازم آئیں گے لہٰذا نکاح باطل اور فاسد کو ایک ہی قرار دینا درست نہیں باطل کا وجود کالعدم ہوتا ہے۔

(۳) نکاح صحیح:

نکاح صحیح وہ نکاح ہوگا "جس میں عورت محل نکاح ہو اور کوئی عارض بھی نہ پایا جائے، نیز ارکانِ نکاح ایجاب و قبول اور دوام میں کوئی خلل نہ ہو۔"

پھر اس نکاح اور شادی میں جتنا سنتوں کا لحاظ اور منکرات سے اجتناب ہوگا اتنا نکھار آئیگا، برکت بڑھتی جائیگی۔ اگر مکمل سنت کے مطابق ہو تو نور علی نور ہوگا۔

الغرض اصل مدار محلیت پر ہے۔ محل نہیں یا دوام نہیں اور بالقصد نکاح ہو تو باطل۔ محل ہو عارض ہو یا محل نہ ہو لیکن عارض (عدم علم) ہو تو نکاح فاسد ہوگا اور محل ہو اور عارض نہ ہو تو نکاح صحیح ہوگا۔

سائل کے سؤالوں کے جوابات

اس تفصیل کی روشنی میں آپ کے سوالوں کے بالترتیب جواب یہ ہیں۔

(۱) محارم سے نکاح میں عدت اور نسب کا حکم یہ ہے کہ اگر بالقصد نکاح ہو تو وہ باطل اور کالعدم ہے نہ نسب ہوگا اور نہ عدت وغیرہ البتہ اگر لاعلمی میں ہو جائے تو اس پر نکاح فاسد کے احکام کا اجراء ہوگا اور بعد از وطی مہر، عدت، نسب کے احکام آئیں گے۔

(۲) جمع بین الاختین نصًا حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ دو عورتیں جن میں سے ایک کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو تو ان دونوں کو جمع کرنا بھی جائز نہیں مثلاً پھوپھی، بھتیجی یا خالہ بھانجی وغیرہ، لیکن یہ جمع نکاح فاسد کے حکم میں ہوگا کیونکہ ایک کا پہلے سے نکاح میں ہونا ایک عارض ہے البتہ دوسری لڑکی محل ضرور ہے لہٰذا یہ نکاح فاسد ہوگا۔ اگر دونوں سے بیک وقت نکاح ہو تو دونوں فاسد ہوں گے لہٰذا مہر، عدت، نسب وغیرہ کے احکام بعد از وطی آئیں گے۔ جمع بین الاختین نکاح باطل کسی صورت میں نہیں۔

(۳) حلالہ سے قبل مطلقہ ثلاثہ سے نکاح باطل ہے اگر جان کر حرام سمجھتے ہوئے کیا جائے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ مطلقہ ثلاث کی عدت گزر جائے۔ اگر عدت میں نکاح کرتا ہے تو من وجہ محلیت نکاح باقی ہونے کی وجہ سے نکاح فاسد ہوگا اور احکام آئیں

گے، لیکن بعد از عدت وہ محل نکاح نہیں پھر بالقصد نکاح کیا جائے تو باطل اور وطی زنا ہوگی۔ ہاں اگر لاعلمی میں، حلال گمان کرتے ہوئے نکاح کر لیتا ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا۔

(۴) عدت، مہر اور نسب ثابت ہونے کا اصول ہے اور وہ یہ کہ جہاں نکاح فاسد ہو وہاں بعد از دخول یہ چیزیں لازم ہوتی ہیں۔ نکاح صحیح میں تو فقط نکاح سے ہی ان کا لزوم ہوجاتا ہے البتہ جہاں نکاح باطل قرار پائے یا خالص زنا ہو تو ان میں عدت، نسب وغیرہ میں سے کوئی حکم نہیں آتا۔

(۵) معتدۃ سے نکاح اگر باوجود علم کے ہو تو باطل ورنہ فاسد ہوتا ہے۔ یہ بات درست ہے کیونکہ معتدہ نکاح کا محل نہیں۔ وہ ''غیر'' سے متعلق ہے۔ بلکہ معتدۃ کو تو نکاح کا پیغام بھیجنا بھی بنص قرآنی منع ہے۔ لہٰذا مع العلم (کہ یہ معتدہ ہے) اس سے نکاح باطل ہے۔ اس میں نسب، عدت وغیرہ میں سے کوئی حکم نہیں آئے گا۔ البتہ لاعلمی ایک عارض ہے اگر لاعلمی کی بناء پر معتدۃ سے نکاح ہوجائے تو یہ نکاح فاسد ہوگا اور اس میں نکاح کے احکام بعد از دخول آئیں گے۔

بندہ آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ مسئلہ ہذا میں یہ کوئی حتمی رائے نہیں دیگر مفتیان کرام بھی اس پر تحقیق کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات اکابرین کے فتاوی میں یہ مسئلہ زیر بحث لایا گیا ہے۔ نیز مستقبل میں بھی یہ مسئلہ تحقیق طلب رہے گا کیونکہ فقہاء کی عبارات اس سلسلے میں بہت مختلف الجہات ہیں۔ تمام کا احاطہ تو بظاہر ممکن ہی نہیں البتہ از حد جمع اور اخذ نتیجہ کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک سعی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی لہٰذا پڑھنے والوں سے بندہ یہ درخواست کرتا ہے کہ بیان کی گئی تعریف سے متعلق مد یا مخالف امور سے مطلع فرمائیں، تاکہ اس تحقیق پر مزید آراستگی کی جاسکے۔ اتنا تو مسلّم ہے کہ نکاح فاسد میں بعد از دخول احکام آتے ہیں اور باطل میں کوئی حکم نہیں آتا۔ البتہ دونوں کی کوئی جامع تعریف اور معیار مقرر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی البحر الرائق (۲۱۸/۴): وفي المبسوط الحيضة الأولى لتعرف براءة الرحم والثانية لحرمة النكاح والثالثة لفضيلة الحرية ---(ص۲۲۹): ولا تجب على الحامل من الزنا لأن الزنا لا يوجب العدة إلا أنه إذا تزوج امرأة وهي حامل من الزنا جاز النكاح ---(ص۲۳۵): قوله (والمنكوحة نكاحا فاسدا والموطوءة بشبهة وأم الولد الحيض للموت وغيره) أي عدة هؤلاء ثلاث حيض في

الحرة التي تحيض وحيضتان في الأمة ووضع الحمل إن كانت حاملا والأشهر إن كانت آيسة وتركه لظهوره وفهمه مما قدمه ولو صرح به لكان أولى۔ وإنما كان كذلك لأنها وجبت لتعرف براءة الرحم لا لقضاء حق النكاح إذ لا نكاح صحيح والحيض هو المعرف وإنما لم يكتف بحيضة كالاستبراء لأن الفاسد ملحق بالصحيح ۔۔۔ ودخل تحت النكاح الفاسد النكاح بغير شهود ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل عند الإمام خلافا لهما وقد مرت المسألة في كتاب النكاح ۔۔۔ وقيد الوطء بشبهة لأنه لو تزوج امرأة الغير عالما بذلك ودخل بها لا تجب العدة عليها حتى لا يحرم على الزوج وطؤها وبه يفتى لأنه زنا والمزني بها لا تحرم على زوجها وفي شرح المنظومة إذا زنت المرأة لا يقربها زوجها حتى تحيض لاحتمال علوقها من الزنا فلا يسقي ماءه زرع غيره اه و يجب حفظه لغرابته بخلاف ما إذا لم يعلم كما في الذخيرة والخانية ۔۔۔(ص٢٣٢) كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه يوجب العدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونه زنا كما في القنية وغيرها۔

وفى منحة الخالق على البحر الرائق (٢٩٨/٣۔٢٩٩/٣):(قول المصنف :يثبت النسب والعدة)قال الرملى سيأتى فى الحدود فى شرح قوله ''وبمحرم نكحها'' ماهو صريح فى ان نكاح المحارم لا يثبت النسب ولا العدة وهو من النكاح الفاسد فيكون هذا مستثنى لكن قدم فى المقولة السابقة أن المراد من الفاسد النكاح الذى لم تجتمع شرائطه كتزوج الأختين معا الى آخر ما ذكره فلعل هذا من النكاح الباطل فلم يدخل فى كلامه وقد رأينا كثيرا فى كلامهم ما يوجب الفرق بين الفاسد والباطل ففى البزازية نكاح المحارم فاسد ام باطل قيل باطل وسقوط الحد بشبهة الاشتباه وقيل فاسد وسقوط الحد بشبهة العقد الخ ۔وفى فتح القدير قبل التكلم على نكاح المتعة ما صورته :قوله ''فالنكاح باطل'' ذكر الفاسد فيما تقدم ولا فرق بينهما فى النكاح بخلاف البيع الخ ۔اقول والذى ظهر لى ان المراد بالباطل فى كلام البزازية فى قوله ''نكاح المحارم فاسد ام باطل الخ'' الذى وجوده كعدمه لا ان النكاح ينقسم الى باطل وفاسد تأمل الخ،كلام الرملى۔ قلت والصحيح ان سقوط الحد لشبهة العقد كما نص عليه فى حدود المعراج لأنهم ذكروا فى الحدود مبنى الخلاف بين الامام وصاحبيه حيث يحد عندهما لا عنده أن العقد

هل يوجب شبهة أو لا ؟ ومداره أنه هل ورد على ما هو محله اولا ـ

وفي البزازية على هامش الهندية (١٢٢/٢): نكاح المحارم فاسد أم باطل قيل باطل وسقوط الحد بشبهة الاشتباه وقيل فاسد وسقوط الحد بشبهة بقية العقد ـ الدخول في نكاح بلا شهود يوجب العدة لأنه مختلف في صحته فإن مالكاً رحمه الله شرط الإعلان لا الإشهاد وكل نكاح هذا وصفه فالدخول فيه يوجب العدة وعدة الوفاة لا تجب في النكاح الفاسد ـ ـ ـ ولا نفقة في النكاح الفاسد ولا في عدته وإن صالح عن النفقة في النكاح الفاسد لا يجوز ـ

وفي الهندية (٢٨٠/١): ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها كذا في فتاوى قاضي خان ويجوز لصاحب العدة أن يتزوجها كذا في محيط السرخسي ـ

وفي فتح القدير (٢٥٢/٥): ثم الشبهة عند أبي حنيفة تثبت بالعقد وإن كان العقد متفقا على تحريمه وهو عالم به وعند الباقين لا تثبت هذه الشبهة إذا علم بتحريمه ويظهر ذلك في نكاح المحارم فصارت الشبهة على قول أبي حنيفة رحمه الله ثلاثة شبهة الفعل وشبهة العقد وشبهة المحل ـ ـ ـ (ص٢٥٩) قوله (ومن تزوج امرأة لا يحل له نكاحها) بأن كانت من ذوي محارمه بنسب كأمه أو ابنته (فوطئها لم يجب عليه الحد عند أبي حنيفة) وسفيان الثوري وزفر وإن قال علمت أنها على حرام ولكن يجب عليه بذلك المهر ويعاقب عقوبة هي أشد ما يكون من التعزير سياسةً لاحدا مقدرا شرعا إذا كان عالما بذلك وإذا لم يكن عالما لاحد ولا عقوبة تعزير (وقال أبو يوسف ومحمد والشافعي رحمهم الله)وكذا مالك وأحمد يجب الحد إذا كان عالما بذلك ـ ـ ـ (ص٢٦٢) ألا ترى أن أبا حنيفة ألزم عقوبته بأشد ما يكون وإنما لم يثبت عقوبة هي الحد فعرف أنه زنا محض عنده إلا أن فيه شبهة فلا يثبت نسبه ـ

وفي الدر المختار (١٣٢/٣) مطلب في النكاح الفاسد :(ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود ـ

وفي الشامية تحته: قوله (في نكاح فاسد) وحكم الدخول في النكاح الموقوف كالدخول في الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل خلافا لما في الاختيار من كتاب العدة وتمامه في البحر وسنذكر في العدة التوفيق بين ما في الاختيار وغيره ـ قوله (وهو الذي الخ) بخلاف ما لو شرط شرطا فاسدا كما لو تزوجته على أن لا يطأها فإنه يصح النكاح

ويفسد الشرط رحمتي ـ (قوله كشهود) ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والأمة على الحرة وفي المحيط تزوج ذمي مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسدا اه فظاهره أنهما لا يحدان وأن النسب يثبت فيه والعدة إن دخل بحر ـ قلت لكن سيذكر الشارح في آخر فصل في ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل اه وهذا صريح فيقدم على المفهوم فافهم ومقتضاه الفرق بين الفاسد والباطل في النكاح لكن في الفتح قبيل التكلم على نكاح المتعة أنه لا فرق بينهما في النكاح بخلاف البيع نعم في البزازية حكاية قولين في أن نكاح المحارم باطل أو فاسد والظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم أيضا كما يعلم مما سيأتي في الحدود وفسر القهستاني هنا الفاسد بالباطل ومثله بنكاح المحارم وبإكراه من جهتها أو بغير شهود الخ وتقييده الإكراه بكونه من جهتها قدمنا الكلام عليه أول النكاح قبيل قوله "وشرط حضور شاهدين" وسيأتي في باب العدة أنه لا عدة في نكاح باطل وذكر في البحر هناك عن المجتبى أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها ـ

وفى الفقه الا سلامى (٩/٢٦٥٢):حكم الزواج الفاسد وأنواعه عند الحنفية:الزواج الفاسد عند الحنفية: هو مافقد شرطاً من شروط الصحة، وأنواعه: هي الزواج بغير شهود، والزواج المؤقت، وجمع خمس في عقد، والجمع بين المرأة وأختها أو عمتها أو خالتها، وزواج امرأة الغير بلا علم بأنها متزوجة، ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل: فاسد عند أبي حنيفة، وباطل عند الصاحبين، وهو الراجح ـــ حكم الزواج الباطل عند الحنفية: الزواج الباطل عند الحنفية: هو ـ كما تقدم ـ الذي حصل خلل في ركنه أو في شرط من شروط انعقاده، كزواج الصبي غير المميز والزواج بصيغة تدل على المستقبل، والزواج بالمحارم كالأخت والعمة على الرأي الراجح، والمرأة المتزوجة برجل آخر مع العلم بأنها متزوجة وحكم الزواج الباطل: أنه لا يترتب عليه شيء من آثار الزواج الصحيح، فلا يحل فيه الدخول بالمرأة، ولا يجب به مهر ولا نفقة ولا طاعة، ولا يثبت به توارث ولا مصاهرة ـــ ولا عدة فيه بعد التفريق كالموقوف قبل إجازته.

(۳۷۱) لڑکی کا بوقتِ نکاح انکار کے بعد راضی ہونے کا حکم

سوال

ایک بالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح والدین نے اپنی مرضی کی جگہ کردیا مگر لڑکی کسی طور بھی راضی نہ ہوئی لڑکی کو شوہر جو لڑکی کا چچازاد بھائی تھا بالکل پسند نہ تھا نیز بوقتِ نکاح لڑکی نے قبول سے انکار کردیا یہاں تک کہ اس کو قتل کی دھمکی دی گئی پھر بھی نہ مانی۔ غرض یہ کہ لڑکی کو زبردستی شوہر کے کمرے میں بند کر کے تالا لگوادیا گیا اور شوہر بھی اس کے ساتھ بند کردیا گیا لڑکی چیختی تھی اور یہی کہتی تھی کہ اس سے شادی نہیں کروں گی مگر ایک دو دن کے بعد معلوم ہوا کہ اب شوہر کے ساتھ خوش ہے اور دونوں میاں بیوی کی صورت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیں کہ یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اس لئے کہ عقد کے شروع میں لڑکی نے بالکل اجازت نہیں دی۔ بعد میں راضی ہوگئی کہیں یہ زنا میں تو مبتلا نہیں۔ تسلی بخش جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

عاقلہ بالغہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا عقد نکاح کو جب اس لڑکی نے رد کردیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا اور غیر منعقد عقد پر دوبارہ راضی ہونا لغو ہے اس کے لئے تجدید نکاح ضروری ہے بغیر تجدید نکاح کے وہ اس کی بیوی نہیں بن سکتی۔

لمافی المشكوة (ص۲۷۰): عن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن " . قالوا : يا رسول الله وكيف إذنها ؟ قال : "أن تسكت " ۔۔۔۔ عن ابن عباس قال : إن جارية بكرا أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت أن أباها زوجها وهي كارها فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم. رواه أبو داود۔

وفی الهندية (۲۸۸/۱): ولو زوجها وليها فقالت لا أرضى ثم رضيت في المجلس لم يجز كذا في محيط السرخسي۔

وفی الشامية (۶۰/۳): قوله (بخلاف ما لو بلغها الخ) لأن نفاذ التزويج كان موقوفا على الإجازة وقد بطل بالرد والرد في الأول كان للاستئذان لا للتزويج العارض بعده لكن قال في الفتح الأوجه عدم الصحة لأن ذلك الرد الصريح يضعف كون ذلك السكوت دلالة الرضا اھ وأقره في البحر۔

(۳۷۲) خنثیٰ کے نکاح کے احکام

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ہیجڑا خواجہ سرا مصر ہو کہ اس کی شادی کرائی جائے اور وہ ہیجڑا مرد ہو۔ کیا کسی خاتون سے اس کی شادی کرائی جاسکتی ہے؟ اور اگر خنثیٰ مشکل ہو تو نکاح کا کیا حکم ہے؟ الغرض ہیجڑے اور خنثیٰ مشکل کے نکاح کے احکام درج کردیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

ہیجڑے کے بارے میں اگر مرد ہونا معلوم ہوجائے یعنی اس کی مردوالی شرمگاہ استعمال ہوتی ہو یا اس کی داڑھی وغیرہ نکل جائے تو اس کا نکاح کسی عورت سے کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر ہیجڑے میں عورتوں کی علامات غالب آگئی ہوں یعنی حیض آگیا یا عورت کی شرمگاہ سے پیشاب وغیرہ آتا ہو تو یہ عورت کے حکم میں ہے اس کا نکاح کسی مرد سے جائز ہے۔

خنثیٰ مشکل وہ ہے جس میں دونوں میں سے کوئی علامت غالب نہ ہوں اس کا نکاح ممکن نہیں۔

لما فی الهندية (۶/۴۳۹) کتاب الخنثیٰ :لو زوج الأب هذا الخنثى امرأة قبل بلوغه أو زوجه من رجل قبل بلوغه فالنكاح موقوف لا ينفذه ولا يبطله ولا يتوارثان حتى يستبين أمر الخنثى فإن زوجه الأب امرأة وبلغ وظهر علامات الرجال وحكم بجواز النكاح إلا أنه لم يصل إليها فإنه يؤجل سنة كما يؤجل غيره ممن لا يصل الخ۔

وفی الدر المختار(۳/۳): (هو) عند الفقهاء (عقد يفيد ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي فخرج الذكر والخنثى المشكل۔

وفی الرد تحته :قوله (فخرج الذكر والخنثى المشكل) أي أن إيراد العقد عليهما لا يفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له وكذا على الخنثى لامرأة أو لمثله ففي البحر عن الزيلعي في كتاب الخنثى لو زوجه أبوه أو مولاه امرأة أو رجلا لا يحكم بصحته حتى يتبين حاله أنه رجل أو امرأة فإذا ظهر أنه خلاف ما زوج به تبين أن العقد كان صحيحا وإلا فباطل لعدم مصادفة المحل وكذا إذا زوج خنثى من خنثى آخر لا يحكم بصحة النكاح حتى يظهر أن أحدهما ذكر والآخر أنثى اهـ

رسالة

درر البحار فی النکاح الشغار

نکاح شغار کسے کہتے ہیں؟

مصداق اور حکم سے متعلق مدلل فتوی

(۳۷۳) ادلے بدلے (وٹہ سٹہ) کے نکاح کی شرعی حیثیت

سؤال

مفتی صاحب درج ذیل باتوں کا جواب مطلوب ہے: ا۔ نکاح شغار (ادلہ بدلہ کا نکاح) کن کن شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

۲۔ ہمارے علاقے کا رواج ہے کہ نکاح شغار میں جب ایک لڑکی دوسری لڑکی سے چھوٹی ہو یا حسین نہ ہو تو اس لڑکی والوں سے اضافی پیسے لئے جاتے ہیں مثلاً ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ جب کہ بڑی لڑکی اور حسین لڑکی والوں سے کوئی بھی روپیہ نہیں لیا جائے گا۔ کیا ہمارا یہ موجودہ عرف اور رواج صحیح ہے اور قرآن وحدیث کے موافق ہے؟

۳۔ نکاح شغار میں یہ شرط لگائی جاتی ہو کہ اگر ایک لڑکی مرگئی تو اس لڑکی والوں کو مثلاً ایک لاکھ یا جتنا وہ مقرر کرے دیا جائے گا کیا یہ شرط صحیح ہے؟

۴۔ نکاح شغار میں چونکہ مہر مثل ہمارے ہاں لازم ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی دونوں طرف سے مہر کی ایک مقدار معین کرے تو کیا یہ مقرر کرنا صحیح ہے؟ مندرجہ بالا مسائل کے قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جوابات دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ نکاح شغار (جو کہ ممنوع ہے) اور ہمارے زمانے کے مروّج ادلے بدلے کے نکاح میں فرق ہے۔

نکاحِ شغار کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا اپنی لڑکی کا نکاح کرے گا اور مہر کچھ نہ

ہوگا۔ یعنی ہر ایک کی شادی ہی مہر ہوگی اور الگ سے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ یہ شرط (مہر نہ ہوگا) لگانا نکاح شغار کے تحقق کیلئے ضروری ہے اور اس نکاحِ شغار کی حدیث میں ممانعت آئی ہے ایسا کرنا جائز نہیں البتہ اگر کوئی اس طرح نکاحِ شغار کر لے تو یہ نکاح مہر مثل کے ساتھ منعقد ہو جائیں گے لیکن ایسا کرنے والے معصیت کے مرتکب ہوں گے۔

اب آجائیں ادلے بدلے کی مروجہ صورت کی طرف تو اسے نکاحِ شغار کہنا درست نہیں کیونکہ اس میں یا تو ادلے بدلے کے وقت مہر متعین کیا جاتا ہے یا مہر کا ذکر ہی نہیں ہوتا، پہلی صورت میں نکاح، معین کردہ مہر کے ساتھ اور دوسری صورت میں نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہو جاتا ہے۔ یہ ادلہ بدلہ بلاشبہ نکاحِ صحیح اور منعقد ہے۔ حدیث میں ممنوع نکاحِ شغار کا اطلاق اس پر نہیں کیا جاسکتا۔

خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے شہرہ آفاق حاشیے ردالمحتار میں اسی فرق کو نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

" مطلب نكاح الشغار... يشاغر الرجل أي يزوجه حريمته على أن يزوجه الآخر حريمته ولا مهر إلا هذا كذا في المغرب أي على أن يكون بضع كل صداقا عن الآخر وهذا القيد لا بد منه في مسمى الشغار حتى لو لم يقل ذلك ولا معناه بل قال زوجتك بنتي على أن تزوجني بنتك فقبل ..... لم يكن شغارا بل نكاحا صحيحا اتفاقا وإن وجب مهر المثل في الكل۔ " (الشامية ۱۰۶/۳)

ترجمہ: ”آدمی کا شغار کرنا (اس کا مطلب یہ ہے کہ) ایک شخص اپنی محرم کا نکاح دوسرے سے اس شرط پر کر دے، کہ دوسرا اس سے اپنی محرم کا نکاح کر دے اور مہر کچھ نہ ہوگا یہ ہی مغرب (لغت کی کتاب) میں ہے یعنی یہ شرط ہو کہ ہر ایک کی بضع (شرمگاہ) ہی دوسرے کا مہر ہوگا نکاح شغار میں یہ قید ضروری ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ یا اس جیسی کوئی شرط نہ لگائے بلکہ یہ کہے میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو اور وہ قبول کر لے..... تو یہ نکاح شغار نہ ہوگا بلکہ بالاتفاق نکاحِ صحیح ہوگا اگرچہ ہر صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔“

لہٰذا سوال میں ادلے بدلے کی مروجہ صورت کو نکاح شغار کہنا درست نہیں یہ نکاح فی نفسہ صحیح اور جائز ہے اب آپ کے ذکر کردہ سوالات کے جواب تحریر کئے جارہے ہیں۔

۱۔ نکاح شغار کی تفصیل اوپر گزر گئی اگر نکاح کی وہی صورت پائی جائے تو یہ نکاحِ شغار اور ممنوع ہوگا ورنہ نکاح جائز ہے۔

۲۔ آپ کے علاقے کا یہ رواج کہ ادلے بدلے کے وقت لڑکی کے چھوٹے یا حسین نہ ہونے کی صورت میں پیسے وصول کئے جاتے ہیں یہ ناجائز اور انتہائی قبیح حرکت ہے۔ فقہاء نے اسے رشوت لکھا ہے اور اس کی شناعت بیان کی محتاج نہیں۔

۳۔ یہ شرط بھی فاسد ہے نکاح درست ہو جائے گا شرط لغو ہوگی اور مرنے کے بعد کسی کو پیسے وصول کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۴۔ نکاح شغار کی تفصیل تحریر کر دی گئی ہے مہر مثل، مہر متعین یا بغیر ذکر مہر کے نکاح نکاحِ شغار نہیں بلکہ تینوں صورتوں میں یہ نکاح صحیح ہے اور مقرر کردہ مقدار کی صورت میں وہ مقدار اور مہر مثل یا بغیر ذکر مہر کی صورت میں مہر مثل لازم ہو جاتا ہے باقی نکاحِ شغار یہ ہے کہ ایسی شرط بوقتِ نکاح لگائی جائے کہ مہر نہ ہوگا یا دونوں کی بضع (شرمگاہ) ایک دوسرے کا مہر ہوگا، یہ ممنوع ہے۔

لمافی صحیح البخاری (٢/٧٦٦) باب الشغار: عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشغار- والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوجه الآخر ابنته، ليس بينهما صداق-

وفی الشامية (مطلب نكاح الشغار) (٣/١٠٦): قال في النهر وهو أن يشاغر الرجل أي يزوجه حريمته على أن يزوجه الآخر حريمته ولا مهر إلا هذا كذا في المغرب----- الخ-

(۴۷۳)عمر یا تعلیم وغیرہ میں دھوکہ دہی سے فسخ نکاح کا اختیار ہوگا یا نکاح کالعدم ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکا نکاح کے بعد جاہل نکلے اور بتایا گیا کہ BSC کیا ہوا ہے یا عالم ہے اور بعد میں سندات موجود نہ ہوں تو کیا لڑکی کو اختیار ملے گا؟ اسی طرح لڑکا نوجوان ۲۳ سال کا دکھایا گیا بعد میں ۵۰ سال کا بوڑھا نکلے اب ایجاب وقبول تو ہوگیا تو کیا کیا جائے؟ نیز تصویر دکھانے میں تصویر پر کچھ دکھایا جائے اور لڑکا کچھ نکلے تو کیا اختیار ہوگا یا نکاح سرے سے کالعدم ہوگا؟ اور یہی ساری صورتیں بالعکس لڑکی کی صورت میں ہوں تو نکاح کا کیا حکم ہوگا یعنی لڑکی بڑی عمر یا جاہل نکلے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر لڑکا دھوکا دے کر شادی کر لے تو لڑکی کو فسخِ نکاح کا اختیار ملے گا، لہٰذا صورت مسئولہ کی تمام صورتوں میں اگر چہ لڑکا، لڑکی کے کفوٴ (یعنی برابری) کا کیوں نہ ہو پھر بھی لڑکی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، نیز یہ اختیار فقط لڑکی کو حاصل ہوگا، اس کے اولیاء کو نہیں یاد رہے کہ! یہ حق لڑکی کو دھوکہ کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے کفوٴ کی وجہ سے نہیں، ہاں اگر دھوکے کی صورت میں لڑکا غیر کفوٴ بھی نکلے تو یہ حق (فسخ نکاح) اولیاء کو بھی حاصل ہوگا، اور اگر دھوکا لڑکی کی طرف سے ہو تو لڑکے اور اس کے اولیاء کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ لڑکے کو کوئی ضرر نہیں وہ طلاق دے سکتا ہے۔

لمافی فتح القدير (۲۹۵/۳) فصل فی الکفاءة: ولنا أنه شرط لنفسها في النكاح زيادة منفعة۔۔۔ وأيضا الاستفراش ذل في جانبها فقد ترضى به ممن هو أفضل منها لا من مثلها فإذا ظهر خلافه فقد غرها وتبين عدم رضاها بالعقد فيثبت لها الخيار ولو كان هذا الانتساب من جانبها والغرور لم يكن له خيار لأنه لا يفوت عليه شيء من مقاصد النكاح بما ظهر من غرورها ولتخلصه منها بطريق يمكنه وهو الطلاق فلا حاجة إلى إثبات الخيار۔

وفی البحر الرائق (۱۳۷/۳) : وفي الذخيرة إذا تزوج امرأة على أنه فلان بن فلان فإذا هو أخوه أو عمه فلها الخيار اهـ

وفی الشامية (۸۵/۳) : لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفء فحق الفسخ ثابت للكل وإن كان كفؤا فحق الفسخ لها دون الأولياء وإن كان ما ظهر فوق ما أخبر فلا فسخ أحد وعن الثاني أن لها الفسخ لأنها عسى تعجز عن المقام معه اهـ

وفيه أيضاً(۳/۵۰۲) باب العنين وغيره:لكن ظهر لي الآن أن ثبوت حق الفسخ لها للتغرير لا لعدم الكفاءة بدليل أنه لو ظهر كفؤا يثبت له حق الفسخ لأنه غرها ولا يثبت للأولياء لأن التغرير لم يحصل لهم وحقهم في الكفاءة وهي موجودة وعليه فلا يلزم من ثبوت الخيار لها في هذه المسائل ظهور غير كفء والله سبحانه أعلم۔

(۳۷۵) نکاح فاسد کی صورتیں اور حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہو لیکن نکاح فاسد ہو۔ پھر وہ اس عورت کے ساتھ ممنوع حصے میں ہمبستری کرلے تو اس صورت میں اس شخص پر مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ نکاح کن چیزوں کی بناء پر فاسد ہوتا ہے؟ مختصر جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح فاسد میں وطی فی الدبر سے مہر واجب نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح فاسد حقیقت میں منعقد نہیں ہوتا البتہ وطی فی القبل سے نکاح کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔عورت اگر نکاح کا محل ہے لیکن کسی عارض کی بناء پر اس سے نکاح کرنا جائز نہ ہو تو ایسی عورت سے نکاح نکاح فاسد ہوتا ہے جیسے

(۱) دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا"تزویج الاختین معا"(شامیہ ۳/۱۳۱)۔

(۲) اپنی مطلقہ بیوی کی عدت میں بیوی کی بہن سے نکاح کرنا۔"نکاح الاخت فی عدۃ الاخت"(شامیہ ایضا)۔

(۳) چار بیویوں کے ہوتے ہوئے ایک کو طلاق دے کر اسکی عدت میں پانچویں عورت سے نکاح کرنا"والخامسة فی عدۃ الرابعة"(شامیہ ایضا)۔

(۴) آزاد بیوی پر باندی سے نکاح کرنا"والأمة علی الحرة"(شامیہ ایضا)

(۵) میاں بیوی میں سے کوئی ایک غلام ہو اور دوسرا اسے خرید لے"الحر إذا اشتری امرأته يفسد النكاح"
(الھندیۃ ۱/۳۳۰)

(۶) بغیر گواہوں کے نکاح کرنا"النكاح بغير شهود"(البحر الرائق ۳/۳۹۲)۔

(۷) اپنی مطلقہ ثلاثہ سے اسکی عدت میں نکاح کرنا"كالموطوءة للزوج فی العدة بعد الثلاث بنكاح وكذا بدونه إذا قال ظننت أنها تحل لی(شامیہ ۳/۵۱۸)۔

(۸) بچے کا بغیر اذن ولی کے نکاح کرنا، اور ولی کا نکاح کی اجازت سے انکار کر دینا۔"نكاح الصبى العاقل يتوقف نفاذه على إجازة وليه هكذا فى البدائع"۔(الهندية ۱/۲۶۷)۔

(۹) بالغ لڑکی کا غیر کفؤ میں از خود نکاح کرنا۔"(وفقد الكفء) أى إذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد۔ وتقدم أنها المفتى بها"۔(شامية ۶۲/۳)

(۱۰) اگر عورت نکاح کا محل نہیں اور عدم علم [حرمت کے علم نہ ہونے] کے عارض کی بناء پر نکاح ہو گیا تو یہ نکاح بھی فاسد ہوتا ہے۔ جیسے

(۱) محارم سے عدم علم کی بناء پر نکاح کرنا۔

(۲) کسی کی منکوحہ سے نکاح کرنا جبکہ اسکے منکوحہ ہونے کا علم نہ ہو۔

(۳) کسی کی معتدہ سے نکاح کرنا عدم علم کی بناء پر۔

وفى المجتبى تزوج بمحرمه أو منكوحة الغير أو معتدته ووطئها ظانا الحل لا يحد ويعزر (الدر المختار)

وفى الشامية تحته:" قوله (ويعزر)۔لا حدا مقدرا شرعا إذا كان عالما بذلك وإن لم يكن عالما لا حد ولا عقوبة تعزير "(شاميه ۴/۲۲)۔

اور اگر عورت محل نکاح نہیں ہے تو معلوم ہونے کے باوجود ایسی عورت سے نکاح باطل ہوگا۔ جیسے

(۱) محارم سے باوجود حرمت کے علم کے نکاح کرنا۔

(۲) منکوحۃ الغیر یا معتدۃ الغیر سے باوجود علم ہونے کے نکاح کرنا۔

" أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا ....أما منكوحة الغير فهى غير محل إذا لا يمكن اجتماع ملكين فى آن واحد على شيء واحد فالعقد لم يؤثر ملكا فاسدا "(شاميه۳۔۵۱۶)

لما فى الهندية۔الباب الثامن فى النكاح الفاسد واحكامه (۱/۳۳۰) :والنكاح الفاسد لا حكم له قبل الدخول ـــــ۔الحر إذا اشترى امرأته يفسد النكاح بخلاف العبد المأذون إذا اشترى امرأته كذا في السراجية۔

وفى الدر المختار كتاب النكاح باب المهر(۳/۱۳۱) (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود(بالوطء) في القبل (لا بغيره) كالخلوة لحرمة وطئها۔

وفى الشامية تحته:قوله كشهود ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والأمة على الحرة ـــ قوله (في القبل) فلو في الدبر لا يلزمه

مهر لأنه ليس بمحل النسل كما في الخلاصة والقنية۔[1]

(۳۷۶) گواہوں کے بغیر خفیہ نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جاوید ایک عورت مسمی عمائمہ کے ساتھ گزشتہ چار ماہ سے ایک گھر میں رہ رہا ہے اہل محلہ پہلے تو ناواقف تھے بعد میں جب ان سے نکاح کے بارے میں تحقیق کی گئی تو کہتے ہے کہ فلاں گواہ کے سامنے ہم نے نکاح کیا ہے اور وہ گواہ ایسے ہیں کہ دونوں باہر ملک میں ہیں جب چہ میگوئیاں بڑھیں تو بات پلٹ دی کہنے لگے کہ ہم نے فلاں گواہ کے روبرو نکاح کیا ہے لیکن نکاح کا معاملہ خفیہ تھا ظاہر نہ تھا، تو اس طرح کے خفیہ نکاح کا شریعت میں کیا حکم ہے اور اگر بغیر گواہ کے نکاح کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سب سے پہلے میاں بیوی سے نکاح نامہ (نکاح فارم) طلب کیا جائے گا، کیونکہ نکاح فارم عام طور پر موجود ہی ہوتا ہے، لیکن اگر فارم موجود نہیں ہے تو ان کا کوئی رشتہ دار ضرور ہوگا جس سے ان دونوں کے نکاح کی تحقیق کی جائے گی، اور اگر کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے اور ان کے پاس نکاح فارم بھی نہیں ہے تو اہل محلہ ان کو قاضی کی عدالت میں لے جائیں گے، پھر اگر ان دونوں میاں اور بیوی نے قاضی کے سامنے بھی اپنے نکاح کا اقرار کرلیا اور وہ لڑکا لڑکی کا کفوء بھی ہو تو ان کا نکاح ثابت ہو جائے گا (مطلق اقرار کے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا البتہ قاضی کے سامنے اقرار کے الفاظ سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے)۔ نیز دو گواہوں کی موجودگی میں جو نکاح ہوتا ہے وہ خفیہ نکاح شمار نہیں ہوتا، البتہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

لما فی التاتارخانية (۳۶/۴): من شرائط النكاح الشهادة عندنا ـ ـ ـ وشرطه أن يكون كلا شطريه بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين او حضور رجل وامرأتين۔

وفی الشامية (۱۳/۳): قوله (ولا بالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق لأن المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد والمراد من قولهم إنه يثبت بالتصادق أن القاضي يثبته به أي بالتصادق ويحكم به أبو السعود عن الحانوتي۔

---

[1] نوٹ: مسئلہ ھذا سے متعلق مزید تفصیل کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے "**باب الانکحة الفاسدة**" کے فتوی "**الحد الفاصل بين النكاح الفاسد والباطل**" کا مطالعہ کریں۔ (از مرتب ابوعزام عفی عنہ)

(۳۷۷) کیا نکاح فاسد میں قاضی سے تفریق کرانا ضروری ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی کی منکوحہ سے نکاح کرلے یا کسی عورت سے عدت میں نکاح کرلے یا بغیر گواہوں کے نکاح کرے......الغرض نکاح فاسد ہو تو پھران کے درمیان تفریق کرائی جائے گی پوچھنا یہ ہے کہ قاضی فسخ کرے گا یا مرد اور عورت خود تفریق کرسکتے ہیں یعنی مرد کہدے میں نے تجھے چھوڑا یہ کافی ہے یا قاضی سے تفریق کرانا ضروری ہے؟ ھندیہ جلد اوّل صفحہ ۳۳۰ پر ہے:

"اذا وقع النكاح فاسداً فرق القاضی بين الزوج والمرأة" اس سے تو قاضی سے تفریق کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح فاسد میں زوجین پر افتراق لازم ہے ورنہ بصورت دیگر قاضی پر تفریق واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب نکاح فاسد منعقد ہوا ہے تو زوجین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ نکاح کو فسخ کرے یا ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو کہدے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے یا میں نے تیرا راستہ خالی کردیا ہے (یاد رہے کہ متارکت کے لئے زبان سے متارکت کے الفاظ کہنا ضروری ہیں ورنہ صرف ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا اگرچہ کئی سال کیوں نہ گزرجائیں) اور اگر زوجین خود عقد نکاح کو فسخ نہ کریں بلکہ مقدمہ قاضی کے پاس لے جائیں تو قاضی پر لازم ہے کہ ان کے درمیان تفریق کردے الغرض نکاح فاسد میں قاضی سے تفریق کرانا ضروری نہیں ہے بلکہ زوجین میں سے ہر ایک متارکت کے الفاظ کہہ کر ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرسکتا ہے اور فتاویٰ ہندیہ کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر زوجین خود عقد نکاح ختم نہ کریں بلکہ مقدمہ قاضی کے پاس لے جائیں تو قاضی پر تفریق لازم ہے۔

لمافی الشامية (۱۳۲/۳) باب المهر: قوله (بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا ـ ـ ـ قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة ـ ـ ـ وعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول ليس متاركة لأنها لا تحصل إلا بالقول وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا يتحقق إلا بالقول اهـ وخص الشارح المتاركة بالزوج كما فعل الزيلعي لأن ظاهر كلامهم أن لا تكون من المرأة أصلا مع أن فسخ هذا النكاح يصح من كل منهما بمحضر الآخر اتفاقا والفرق بين المتاركة والفسخ بعيد كذا في البحر۔

(۳۷۸) نکاحِ فاسد میں تین طلاقیں دینے کے بعد حلالے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اجنبی عورت سے نکاح فاسد کیا پھر اس عورت کو تین طلاق دے دیں اب وہ شخص اس سے بغیر حلالہ کے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاحِ فاسد میں اگر مرد، عورت کو تین طلاقیں دے دے تو اس سے عورت کیلئے حلالہ کروانا ضروری نہیں ہوتا بلکہ بغیر حلالہ کے ہی یہ دونوں مرد وعورت آپس میں نکاح کرسکتے ہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں وہ شخص بغیر حلالہ کے اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔

لمافی الهندية (۴۷۴/۱): ولو تزوج امرأة نكاحا فاسدا وطلقها ثلاثا جاز له أن يتزوجها ولو لم تنكح زوجا غيره كذا في السراج الوهاج۔

وفی الشامية (۱۳۴/۳): طلق المنكوحة فاسدا ثلاثا له تزوجها بلا محلل قال ولم يحك خلافا فهذا أيضا مؤيد لكون الطلاق لا يتحقق في الفاسد۔

رسالة

تحریر الکاتب

فی بیان أحکام النکاح الفاسد

نکاح فاسد کے احکام نیز تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کا حکم

(۳۷۹) نکاحِ فاسد کے احکام اور تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کرنا

سؤال

ہمارے محلے کی ایک لڑکی جو پڑھی لکھی اور اچھے خاندان کی تھی اس کا والد بھی بڑی سرکاری پوسٹ پر تھا لیکن اس کو ایک آوارہ قسم کے لڑکے سے عشق ہوگیا اور رفتہ رفتہ بات خودکشی تک پہنچ گئی گھر والے تایا زاد میں ایک اچھے لڑکے سے نکاح کرانا چاہتے تھے وہ لڑکا ابھی یونیورسٹی میں اسلام آباد میں پڑھ رہا ہے لیکن یہ لڑکی کسی طرح مان نہ رہی تھی گھر والوں نے زیادہ زور دیا تو اس لڑکی نے ایک دن بغیر والدین کے علم میں لائے کورٹ میرج کرلی اور اس آوارہ لڑکے جس کا باپ بھی نشہ کا رسیا اور بیکار انسان ہے لڑکے کی تعلیم بھی صفر ہے۔ لڑکا اور اس کا باپ فقط لڑکی کا مال ہتھیانا چاہتے ہیں۔ لڑکی کے کورٹ میرج کا جب علم ہوا تو والدین نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور کہا ہمارے بغیر یہ نکاح نہیں ہوسکتا ماں غم سے بیہوش ہوگئی اب والد لڑکی کا نکاح جلد از جلد تایا زاد سے کرانا چاہتے ہیں لڑکی گھر پر ہے لیکن لڑکے کے پاس کورٹ میرج کے پیپر ہیں۔ مفتی صاحب آپ راہنمائی فرمائیں پورا مسئلہ میں نے سامنے رکھ دیا میرے ان گھر والوں سے پرانے تعلقات ہیں لہٰذا میں بھی اس مسئلے سے سخت پریشان ہوں۔ ازراہِ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح کرلے اور اولیاء راضی نہ ہوں تو حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح کالعدم اور فاسد ہوتا ہے۔

صورت مسئولہ میں اولاتو یہ دیکھا جائے گا کہ کورٹ میرج میں دو گواہوں کے روبرولڑکے اورلڑکی نے ایجاب وقبول کیا ہو تو یہ نکاح کالعدم اور فاسد ہے اوراس پر نکاح فاسد کے احکام (جو آگے تحریر کئے جارہے ہیں) لاگو ہوں گے ورنہ (اگر کورٹ میرج میں مذکورہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں) تو پھر یہ نکاح ہوا ہی نہیں۔لڑکی کے اولیاء بغیر کسی کاروائی کے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرا سکتے ہیں۔

البتہ اگر کورٹ میرج میں دو گواہوں کے روبرولڑکے اورلڑکی نے ایجاب وقبول کیا ہو اورلڑکا غیر کفوء ہو (یعنی مال، پیشہ، دینداری وغیرہ میں لڑکی کے برابر نہ ہو) اورسوال میں ذکر کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا لڑکی کا کفو نہیں لہٰذا یہ نکاح فاسد ہوگا اور حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے اوراس نکاح پر نکاح فاسد کے تمام احکام لاگو ہوں گے جن میں سے چند موٹے موٹے احکام درج ذیل ہیں۔

(۱) اگرلڑکی سے ہمبستری ہوجائے تو مہر مثل اور مہر مسمی میں سے کم لڑکی کو دینا ضروری ہوگا اور اگر ہمبستری نہ ہوئی ہو تو لڑکی کو کسی قسم کا مہر نہ ملے گا۔

(۲) اگرلڑکی سے ہمبستری ہوئی ہو تو تفریق (متارکت یا فسخ) کے بعد لڑکی کو عدت گزارنا تین حیض ضروری ہوگا اس سے قبل دوسری جگہ لڑکی کا نکاح جائز نہ ہوگا۔

(۳) اگر نکاح فاسد میں وطی سے بچہ پیدا ہوجائے تو اس کا نسب لڑکے سے ثابت ہوگا۔

(۴) نکاحِ فاسد میں لڑکے کا لڑکی سے ہمبستری کرنا حرام ہے اورلڑکے پر متارکت یا تفریق بذریعہ فسخ کرنا ضروری ہے۔لڑکی بھی فسخ کرسکتی ہے اگرلڑکا فسخ نہ کرے تو لڑکی پر بھی اس نکاح کو فسخ کرنا ضروری ہے۔

(۵) نکاح فاسد میں تفریق کی مختلف صورتیں ہیں:

اوّلاً: پہلی صورت یہ کہ شوہر متارکت کردے یعنی ایسے الفاظ کہہ دے "میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تیرا راستہ خالی کردیا" متارکت کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا ضروری ہے۔صرف عملاً لڑکی کے پاس نہ جانا متارکت نہ ہوگی چاہے سالوں گزر جائیں لڑکی اس کے عقد میں کہلائے گی اوراس کا کسی دوسری جگہ نکاح ناجائز رہے گا۔

متارکت میں دخول کے بعد تو زبان سے متارکت کے الفاظ کہنا ضروری ہونے پر سب کا اتفاق ہے البتہ دخول سے قبل ایک قول یہ ہے کہ عملاً لڑکی کے پاس نہ جانا اور یہ عزم کرنا کہ لڑکی کے پاس کبھی نہ جائے گا" اس سے بھی نکاح فاسد ختم ہوجائے گا لیکن صحیح یہی ہے کہ دخول کے بعد اور دخول سے قبل دونوں صورتوں میں نکاح فاسد میں متارکت کیلئے لڑکے کا زبانی متارکت کرنا ضروری ہے۔نیز متارکت کا لڑکی کے علم میں لانا ضروری نہیں۔اگرلڑکی کو علم نہ ہو اورلڑکا متارکت کردے تب بھی یہ متارکت تفریق کہلائے گی اور اگر عورت مدخول بہا ہو تو لڑکے کے متارکت کرنے والے دن سے ہی عورت کی عدت شمار ہوگی۔نیز یہ متارکت طلاق نہیں لہٰذا بعد از متارکت اگرلڑکا دوبارہ لڑکی سے نکاحِ صحیح کرتا ہے تو اسے تین طلاقوں کا حق ملے گا۔

ثانیا: نکاحِ فاسد میں تفریق کی دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی یا لڑکے میں سے کوئی ایک اس نکاح کو فسخ کردے یعنی یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتا ہوں (یا فسخ کرتی ہوں)۔اس طرح نکاح فسخ کرنے کا حق لڑکے اورلڑکی دونوں کو ہے نیز اصح ترین

قول کے مطابق اس طرح نکاح فسخ کرنے کے لئے ایک دوسرے کی موجودگی ضروری نہیں ہر ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں (چاہے ہمبستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو) اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔

ثالثاً: نکاح فاسد میں تفریق کی ایک اور صورت یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی علیحدہ نہ ہو رہے ہوں تو قاضی پر واجب ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردے قاضی کے تفریق کر دینے سے بھی یہ نکاح کالعدم اور فسخ ہو جائے گا۔

نکاح فاسد کے یہ چند وہ بڑے بڑے احکام ہیں جو ہر فاسد نکاح پر لاگو ہوتے ہیں۔صورت مسئولہ میں بھی چونکہ نکاح غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی مفتی بہ روایت کے مطابق اولیاء کی رضامندی کے بغیر عند الحنفیہ نکاحِ فاسد ہے اس لئے اس پر یہ تمام احکام جاری ہوں گے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اوّلاً اگر لڑکی سے دخول ہوا ہو تو اسے مہر مثل اور مقرر کردہ مہر میں سے جو کم ہو وہ ملے گا اور اگر دخول نہ ہوا ہو تو لڑکے پر لڑکی کو مہر مثل دینا واجب ہے۔ثانیاً اگر دخول ہوا ہے تو تفریق کے بعد لڑکی کو عدت گزارنا ضروری ہوگا ثالثاً اگر اس دخول سے بچہ پیدا ہوا تو ن کا نسب اس لڑکے سے ہی ثابت ہوگا رابعاً لڑکی کو جائز نہیں کہ وہ اپنے پر لڑکے کو قدرت دے کیونکہ یہ نکاحِ فاسد ہے جس میں وطی کرنا حرام ہے خامساً لڑکے سے تفریق یا متارکت کرانا ضروری ہے نیز تفریق میں لڑکی خود بھی اس نکاح کو فسخ کر سکتی ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور اس طرح فسخ کرنے کیلئے لڑکے کا موجود ہونا بھی ضروری نہیں لڑکے کی عدم موجودگی میں لڑکی خود یہ نکاح فسخ کر سکتی ہے۔

ان تمام احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے تفریق کے بعد (اور دخول کی صورت میں عدت بھی گزر جائے تو) لڑکی کا نکاح دوسری جگہ (تایازاد وغیرہ سے) کرانا صحیح ہے اور اگر لڑکے سے تفریق نہیں کرائی گئی تو پھر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ نہیں کرایا جا سکتا لڑکی بدستور اس نکاحِ فاسد سے اس لڑکے کے عقد میں رہے گی۔

لما في الهندية (۱/۳۳۰): الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: إذا وقع النكاح فاسدا فرق القاضي بين الزوج والمرأة فإن لم يكن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها إن كان ثمة مسمى وإن لم يكن ثمة مسمى فلها مهر المثل بالغا ما بلغ وتجب العدة ويعتبر الجماع في القبل حتى يصير مستوفيا للمعقود عليه وتعتبر العدة من حين يفرق بينهما عند علمائنا الثلاثة كذا في المحيط وفي مجموع النوازل الطلاق في النكاح الفاسد يكون متاركة ولا ينتقص من عدد الطلاق كذا في الخلاصة والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة أما لو أنكر وقال أيضا اذهبي وتزوجي كان متاركة لكن لا ينتقص من عدد الطلاق وبعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول لا تحصل المتاركة وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا تتحقق إلا بالقول ولكل فسخه بغير محضر صاحبه وبعده لا إلا بمحضر صاحبه

كذا في الوجيز للكردري وعلم غير المتارك شرط لصحة المتاركة هو الصحيح حتى لو لم يعلمها لا تنقضي عدتها كذا في القنية والصحيح أن علمها بالمتاركة لا يشترط في الطلاق وعدة الوفاة لا تجب في النكاح الفاسد۔

وفي البحر الرائق(٣/٢٢٦): وهو تفريع على انعقاده وأما على المفتى به فينبغي أن يجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل وأن لا نفقة لها في هذه العدة كما لا يخفى --- أما على المفتي به فإنه لا يجب المهر الثاني بالاتفاق لأنه نكاح فاسد كما صرح به في الخانية۔

وفي الطحطاوى على الدر المختار(٢/٢٧): (قوله: ويفتى في غير الكفء) وعلى هذا القول يحرم عليها تمكينه من الوطء كما يحرم عليه الوطء لعدم انعقاده وينبغى بعد الدخول ان يجب الاقل من المسمى ومهر المثل وان لا نفقة لها في هذه العدة۔

وفي الطحطاوى على الدر(٢/٥٩): (قوله: من وقت التفريق) اى تفريق القاضي ومثله التفرق وهو فسخهما العقد أوفسخ احدهما --- (أو متاركة) قال في البحر: ولا تتحقق المتاركة الا بالقول ان كان مدخولا بها كقوله تاركتك او تاركتها واما غير المدخول بها فتتحقق المتاركة بالقول وبالترك عند بعضهم وهو تركها على قصد ان لا يعود اليها وعند البعض لا تكون المتاركة الا بالقول فيهما حتى لو تركها ومضى سنون لم يكن لها ان تتزوج بآخر --- وخص المتاركة بالزوج بناء على انها في معنى الطلاق فيختصّ بها الزوج اما الفسخ فرفع القيد فلا يختص به وان كان في معنى المتاركة افاده الحلبي۔

وفي الدر المختار(٣/١٣٢): (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود(بالوطء) في القبل (لا بغيره) كالخلوة لحرمة وطئها (ولم يزد) مهر المثل (على المسمى) لرضاها بالحط ولو كان دون المسمى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولو لم يسم أو جهل لزم بالغا ما بلغ (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أو لا)في الأصح خروجا عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج وإن لم تعلم المرأة بالمتاركة في الأصح (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة۔

وفي الرد تحته:قوله (في الأصح) وقيل بعد الدخول ليس لأحدهما فسخه إلا بحضرة الآخر كما في النهر وغيره ح --- وضمير وحده لكل أي يثبت لكل منهما وحده قوله (بل يجب على القاضي) أي

إن لم يتفرقا قوله (وتجب العدة) ظاهر كلامهم وجوبها من وقت التفريق قضاء وديانة ـــ قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة ـــ وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا يتحقق إلا بالقول اه وخص الشارح المتاركة بالزوج كما فعل الزيلعي لأن ظاهر كلامهم أن لا تكون من المرأة أصلا مع أن فسخ هذا النكاح يصح من كل منهما بمحضر الآخر اتفاقا.

(۳۸۰) غیر کفوء میں نکاح سے پیدا شدہ بچے کے نسب کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ غیر کفوء میں نکاح کا کیا حکم ہے؟ نیز اس صورت میں پیدا ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ ہمارے خاندان میں ایک لڑکی نے اس طرح کورٹ میرج کرلی ہے لڑکی مالدار اور اچھے گھرانے کی ہے لیکن انٹرنیٹ پر ایک دوست بنایا جو حیدرآباد میں رہتا ہے نائی کا بیٹا ہے اور بالکل رذیل قسم کے لوگ ہیں دین ایمان سے دور کا تعلق نہیں تو ان کی اولاد کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ولی کی اجازت کے بغیر اگر لڑکی غیر کفوء میں نکاح کرلے تو ایسا نکاح نکاحِ فاسد کے حکم میں ہوتا ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہوتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی نے اگر اپنے ولی کی رضامندی کے حصول کے بغیر کورٹ میرج کی ہو، اور لڑکا بھی کفوء نہ ہو تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا البتہ اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہوگی نیز اس میں جلد از جلد علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔

لمافی الدرالمختار (۱۳۱/۳): (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد)۔۔۔الی قوله۔۔۔(ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة۔

وقال ابن عابدين: قوله (احتياطا) أي في إثباته لإحياء الولد ط۔

وفی الشامية (۴۷/۳): (وفقد الكفء) أي إذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد ط وتقدم أنها المفتى بها۔

(۳۸۱) نکاح فاسد میں بچے کے نسب کے ثبوت پر اشکال کا جواب

سؤال

میرے پاس آپ کے دارالافتاء کی تحریر ہے اس میں حکم لکھا ہے کہ نکاح فاسد میں عورت کا بچہ ثابت النسب ہوگا۔ مفتی صاحب! نکاح فاسد میں عورت سے جماع زنا شمار ہوگا یا نہیں؟ آپ سے درج ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) نکاح فاسد میں تفریق کے بعد بچے کی کفالت کا حق کسے ہوگا؟ بچہ ہو یا بچی۔

(۲) نکاح فاسد میں عورت کیا کرے گی یعنی وہ خود علیحدگی اختیار کرسکتی ہے یا قاضی سے تفریق ضروری ہے؟ بعض عبارات سے معلوم ہوتا

ہے کہ قاضی تفریق کرے گا، آج کے دور میں تو قاضی نہیں پھر کیا کیا جائے گا؟ نکاح فاسد میں تفریق کی صورت بیان کر دیں۔

(۳) نکاح فاسد میں جب نسب ثابت ہو رہا ہے تو یہ زنا شمار ہو گا یا نہیں؟ اور بعد علمِ فساد کے اگر مرد وطی کرے تو یہ جائز ہو گی یا نہیں عورت تمکین دے سکتی ہے؟

(۴) کتب فقہ میں یہ عبارت بھی ہوتی ہے: ویفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلاً۔

لف شدہ تحریر میں غیر کفوء میں نکاح کو فاسد کہا گیا ہے اور شامی کی ایک عبارت بھی ذکر ہے لیکن یہ مذکورہ بالا عبارت یہ دلالت دے رہی ہے کہ کفء کے بغیر نکاح کالعدم اور باطل ہو گا، اس کی بھی تحقیق کر دیں کہ یہ نکاح باطل ہوتا ہے یا فاسد؟

الجواب بعون الملک الوهاب

(۱) صورت مسئولہ میں حق پرورش لڑکا ہونے کی صورت میں سات سال تک اور لڑکی ہونے کی صورت میں نو سال تک ماں کو ہو گا اور نفقہ باپ کے ذمہ ہے۔

(۲) نکاح فاسد میں زوجین پر علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے، بصورت دیگر قاضی پر تفریق واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب نکاح فاسد ہوا ہے تو زوجین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ نکاح کو فسخ کر دے یا ان میں سے ایک دوسرے کو کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے یا میں نے تیرا راستہ خالی کر دیا ہے نکاح فاسد میں دخول کے بعد متارکت کیلئے زبان سے متارکت کے الفاظ کہنا ضروری ہیں۔ فقہاء کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر زوجین خود عقد ختم نہ کریں تو قاضی پر تفریق کرنا لازم ہے البتہ ابتداءً دونوں بھی عقد کو فسخ کر سکتے ہیں۔

(۳) نکاح فاسد میں وطی کرنا حرام ہے یہ زنا شمار نہ ہو گی اور اس سے پیدا شدہ بچے کا نسب بھی ثابت ہو گا لیکن یہ سب احتیاطاً ہے ورنہ نکاحِ فاسد بھی کالعدم ہے اور اس میں عورت کا مرد کو قدرت دینا حرام ہے اور جب حرمت اور فساد کا علم ہو تو یہ حرمت، گناہ کے اعتبار سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

(۴) غیر کفء میں نکاح نکاح فاسد ہے کیونکہ وہ محل نکاح ہے البتہ عارض موجود ہے نیز [نکاح فاسد کی مشہور تعریف کے مطابق] اس نکاح کے جواز میں اختلاف ہوا ہے ظاہر الروایت کے مطابق جائز ہے روایت حسن کے مطابق ناجائز اور جس نکاح کے جواز میں علماء کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے نیز روایتِ حسن (مفتی بہا) کے موافق شرط صحت (کفاءۃ) مفقود ہے اور جس نکاح میں کوئی شرط مفقود ہو، وہ نکاح فاسد ہوتا ہے نہ کہ باطل اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے جیسے کہ لف شدہ فتویٰ میں مذکور ہے

۱- اذا نکحت غیر الکفؤ فللاولیاء حق الفسخ وھذا علی ظاھر الروایة اما علی روایة الحسن فالعقد فاسد

ط وتقدم انها المفتى به "مفتی بہ قول روایت حسن ہی ہے اور اسی کے مطابق علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نکاح کو فاسد کہہ رہے ہیں۔[1]

لمافی الهنديه، كتاب النكاح الباب السادس عشر فی الحضانة (١/٥٤١): الباب السادس عشر في الحضانة أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة غير مأمونة كذا في الكافي --- وبعد صفحة: والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين وقال القدوري حتى يأكل وحده ويشرب وحده ويستنجي وحده وقدره أبو بكر الرازي بتسع سنين والفتوى على الأول والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض۔

وفيه ايضا(١/٥٦٠): الفصل الرابع في نفقة الأولاد نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كذا في الجوهرة النيرة۔

وفيه أيضاً، باب المهر (١/٣٣٠): والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة أما لو أنكر وقال أيضا اذهبي وتزوجي كان متاركة لكن لا ينتقص من عدد الطلاق وبعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول لا تحصل المتاركة وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا تتحقق إلا بالقول ولكل فسخه بغير محضر صاحبه وبعده لا إلا بمحضر صاحبه كذا في الوجيز للكردري --- والصحيح أن علمها بالمتاركة لا يشترط في الطلاق الخ۔

وفی حاشية الطحطاوی على الدر باب الولی (٢/٢٧) (ط رشيديه): قوله ويفتى فی غير الكفء --- وعلى هذا القول يحرم عليها تمكينه من الوطى كما يحرم عليه الوطء لعدم انعقاده و ينبغى بعد الدخول ان يجب الاقل من المسمى ومهر المثل وان لانفقة لها فی هذه العدة وفی الخلاصة كثير من المشائخ أفتوا بظاهر الرواية أنها ليس لها أن تمنع نفسها اه، وهذا يدل على أن كثيرا من المشايخ أفتوا بانعقاده فقد اختلف الافتاء بحر۔

وفی الشامية (٣/٦٢٠): قوله (وللرضيع النفقة والكسوة) فبذلك صار على الأب ثلاث نفقات أجرة الرضاع وأجرة الحضانة ونفقة الولد من صابون ودهن وفرش وغطاء۔

---

[1] نکاح فاسد کی تعریف سے متعلق مفصل تحقیق جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی "الحد الفاصل بين النكاح الفاسد والباطل" ملاحظہ کیا جائے نیز نکاح فاسد کے تفصیلی احکام جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی "تحرير الكاتب فی بيان أحكام النكاح الفاسد" ملاحظہ کریں۔از مرتب ابوعوام فرحان حسن عفی عنہ

وفي الدر المختار ،باب المهر (١٣٢/٣): (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أو لا)في الأصح خروجا عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء)۔

وفي الرد تحته: قوله (بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا ۔۔۔ قوله (من وقت التفريق) أي تفريق القاضي ومثله التفرق وهو فسخهما أو فسخ أحدهما ح ۔۔۔ قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة

وفي الفقه الاسلامی (٤٢٦١/١٠):الزواج الفاسد في إثبات النسب كالزواج الصحيح ؛لأن النسب يحتاط في إثباته إحياء للولد ومحافظة عليه ۔۔۔ متى ثبت النسب ولو بنكاح فاسد او بشبهة، ترتب عليه جميع نتائج القرابة ۔۔۔ وتستحق به نفقة القرابة والارث ۔۔۔ فاذا ثبت النسب ولو من نكاح فاسد او وطء بشبهة ترتب عليه جميع نتائج القرابة، فيمنع الزواج في الدرجات الممنوعة وتستحق به نفقة القرابة، ويستحق به الارث۔

فصل فی المتعۃ والنکاح المؤقت والمسیار

(متعہ اور نکاح مؤقت کی حرمت اور نکاح مسیار کا بیان)

(۳۸۲) متعہ کی حقیقت

سؤال

متعہ کا کیا حکم ہے کیا متعہ کا اسلام میں جواز ہے یعنی نکاح کسی درجے میں بھی منعقد ہوگا؟ ایک صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کی گنجائش ہے یعنی نسب وغیرہ ثابت ہو جاتا ہے اگر چہ یہ نکاح فاسد ہو لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ متعہ سے متعلق تفصیلات تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

متعہ کا اسلام میں کوئی جواز نہیں، متعہ کا نکاح باطل، کالعدم اور زنا ہے۔ متعہ کہتے ہیں ایک ایسے عارضی عقد کو جس میں مدت انتہاء کو ابتداء میں متعین کر دیا جائے یا غیر معین مدت تک استمتاع وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے نکاح کیا جائے یہ متعہ ہے اور باطل ہے شرعاً وہی نکاح معتبر ہے جو ہمیشگی کے لئے کیا جائے نیز اس میں نسب، عدت وغیرہ کوئی حکم نہیں آتا لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کا نقطہ نظر غلط ہے۔ متعہ باطل ہے اور اس میں نسب، عدت وغیرہ نکاح کے احکام جاری نہیں ہوتے یہ زناء محض ہے۔

لما فی الدر المختار(۳/ ۵۱): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح۔

وفی الرد تحته :ثم ذكر في الفتح أدلة تحريم المتعة وأنه كان في حجة الوداع وكان تحريم تأبيد لا خلاف فيه بين الأئمة وعلماء الأمصار إلا طائفة من الشيعة۔

رسالة

کشف الظنون

عن

مصداق متعة خیر القرون

خیر القرون میں رائج متعہ کیا تھا؟ مروجہ متعہ وہی ہے یا وہ کوئی اور عقد تھا؟

فتح مکہ کے موقع پر نسخ کیا گیا متعہ کیا تھا؟

مسئلہ ھذا سے متعلق بعض اکابرین کی آراء کا بیان اور راجح کا تعین

(۳۸۳) متعہ کے مصداق سے متعلق مفصل تحقیق اور بعض شبہات کا ازالہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری اور مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے احسن الفتاوی میں متعہ سے متعلق یہ رائے اختیار فرمائی ہے کہ دور نبی میں مروجہ متعہ، نکاح اضمار بنیت فرقت تھا وہی منسوخ ہوا اور روافض میں مروجہ مخصوص وقت کے لئے زبانی کیا گیا عقد متعہ کبھی جائز ہی نہ تھا۔ اس سے متعلق درج ذیل باتیں دریافت کرنی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک حدیث میں جاہلیت کے نکاحوں کا ذکر فرمایا ہے پھر فرمایا کہ صرف ایک نکاح (صحیح) باقی رکھا گیا کیا ان میں متعہ کا ذکر ہے؟

(۲) جمہور کا مذہب نسخ متعہ مروجہ کا ہے یا نسخ اضمار بنیت فرقت عقد کا؟

(۳) اضمار بنیت فرقت نکاح فی زمانناجائز ہے یا ناجائز؟

(۴) صریح احادیث متعہ تحریر فرمادیں جس میں دور نبوی میں مباح متعہ کا طریقہ کار ذکر ہو کیونکہ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ترمذی کی ایک حدیث سے استدلال فرمایا ہے جو باب المتعۃ میں ہے اور بظاہر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال تام ہے اس پر نظر فرمائیں۔

(۵) بعض کتب میں دو مرتبہ نسخ اور دو مرتبہ اباحت کا قول ملتا ہے؟ تو مروجہ متعہ بعد از نسخ کس طرح مباح قرار دیا جاسکتا ہے؟ اصولاً تو یہ بات عقل سے دور ہے کہ ایک زنا کو مباح قرار دیا جائے...... ایسی کیا ضرورت تھی؟ اور وہ ضرورت تو فی زماننا بھی پائی جاتی ہے پھر اب کیوں مباح نہیں؟...... کیا دوبارہ نسخ کا قول درست ہے؟ اس پر نظر فرمائیں۔

(۶) متعہ تو ایک حرام کاری ہے کیا حرام کاری اسلام میں کبھی جائز ہوسکتی ہے؟

(۷) دیگر اردو فتاوی میں اس ذیل میں کیا تحریر ہے از راہ کرم دیگر حضرات کی رائے باحوالہ تحریر فرمادیں۔

مفتی صاحب اس مسئلے میں ہم کافی الجھن کا شکار ہیں آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ ان باتوں کا مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زمانہ جاہلیت میں مختلف قسم کے نکاح رائج تھے جن میں سے چار قسم کے نکاح تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور ہیں

لیکن اس کے علاوہ اور بھی کچھ نکاح رائج تھے جو اس حدیث میں تو مذکور نہیں البتہ شراح حدیث نے ان کا استدراک کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں رائج نکاح

نکاح الخدن، نکاح البدل اور نکاح المتعۃ وغیرہ دورِ جاہلیت میں رائج تھے الغرض متعہ کا ذکر اگرچہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں موجود نہیں لیکن وہ بھی زمانہ جاہلیت میں نکاح کا ایک طریقہ تھا چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"(قوله: أربعة)قال الداودي وغيره بقي عليها انحاء لم تذكرها الأول نكاح الخدن وهو في قوله تعالى ولا متخذات اخدان۔۔۔الثاني نكاح المتعة۔۔الثالث نكاح البدل۔"(فتح الباری ۹/۱۵۰)

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے نکاحوں کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں جن کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر نہیں کیا ان میں سے ایک نکاح الخدن ہے جس کا ذکر آیت قرآنیہ "وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ" میں ہے اور دوسرا نکاح المتعۃ اور تیسرا نکاح البدل......الخ

پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں جس نکاح متعہ کی اجازت دی گئی پھر منسوخ کر دیا گیا وہ کونسا متعہ تھا؟ اس کو متعین کرنے کے لئے پہلے یہ بات جان لینی چاہیئے کہ اس باب میں تین طرح کے نکاح پائے جاتے ہیں جن میں سے کوئی ایک عہد رسالت کا متعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔۱۔نکاح متعہ ۲۔نکاح موقت ۳۔نکاح باضمار نیت فرقت

[۱] نکاح متعہ کی تعریف

محدثین کرام اور فقہاء عظام رحمۃ اللہ علیہم نکاح متعہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"ومعناه المشهور أن يوجد عقدا على امرأة لا يراد به مقاصد عقد النكاح من القرار للولد وتربيته بل إلى مدة معينة ينتهي العقد بانتهائها أو غير معينة بمعنى بقاء العقد ما دمت معك إلى أن أنصرف عنك فلا عقد۔"

نکاح متعہ ایک ایسا عقد ہے جس میں عورت سے نکاح کے اصل مقاصد، حصول اولاد اور ان کی تربیت وغیرہ مقصود نہ ہوں بلکہ ایک معین مدت تک عقد کیا جائے اور اس معین مدت کے پورا ہوتے ہی عقد ختم ہو جائے یا عقد غیر معینہ مدت کے لئے طے پائے لیکن مقصد یہ ہو کہ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں عقد باقی رہے گا میری واپسی کے ساتھ ہی عقد کالعدم ہو جائے گا۔ (فتح القدیر ۳/۲۴۷)

"وقال ابن عبد البر في التمهيد أجمعوا على أن المتعة نكاح لا إشهاد فيه وأنه نكاح إلى أجل تقع فيه الفرقة بلا طلاق ولا ميراث بينهما۔"

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ ابن عبد البر نے تمہید میں فرمایا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ متعہ ایک ایسا نکاح ہے جس میں گواہ نہیں ہوتے اور یہ ایک مخصوص مدت کے لئے نکاح ہوتا ہے کہ اس مدت کے پورا ہونے پر بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جاتی ہے اور ان دونوں کے درمیان میراث بھی جاری نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ۱۷/۲۴۶)

"قولہ (ینظر الی عطفھا)۔۔۔ وفی ھذا الحدیث دلیل علی أنہ لم یکن فی نکاح المتعۃ ولی ولا شھود۔"

(فتح الملھم ۶/۵۵۴)

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نکاح متعہ میں نہ کوئی ولی ہوتا ہے نہ کوئی گواہ۔

"(قولہ نکاح المتعۃ) وھو النکاح المؤقت بیوم ونحوہ وفراقھا یحصل بانقضاء الاجل من غیر طلاق۔"

(شرح الکرمانی ۱۹/۸۸)

نکاح متعہ اس نکاح کو کہتے ہیں جو ایک دن یا اس جیسی کسی مدت کے ساتھ مؤقت ہو اور اس میں مدت پوری ہونے پر بغیر طلاق کے جدائی حاصل ہو جاتی ہے۔

خلاصہ: ان تمام عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح متعہ ایک عارضی قسم کا عقد نکاح ہے جس میں مدت انتہاء کو یا تو ابتداء میں متعین کرلیا جاتا ہے یا کسی خاص غیر متعین مدت تک مشروط نکاح کرلیا جاتا ہے مثلاً کسی غیر ملک میں ایک مرد کسی عورت سے اس شرط پر شادی کرے کہ جب تک میں یہاں ہوں تو یہ عقد ہمارے درمیان باقی ہے اور میرے اس وطن کو چھوڑتے ہی یہ عقد کالعدم ہو جائیگا۔ اسی طرح عقد متعہ میں ولی کا دخل نہیں ہوتا اور کوئی گواہ بھی نہیں ہوتے اور اس میں طلاق کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بغیر طلاق کے مدت پوری ہونے پر فرقت واقع ہو جاتی ہے۔

[۲] نکاح مؤقت کی تعریف

عبارات فقہاء کی روشنی میں نکاح مؤقت کی حقیقت درج ذیل ہے۔

۱۔"والحاصل أن معنی المتعۃ عقد موقت ینتھي بانتھاء الوقت فیدخل فیہ ما بمادۃ المتعۃ والنکاح الموقت أیضا فیکون النکاح الموقت من أفراد المتعۃ وإن عقد بلفظ التزویج وأحضر الشھود" (فتح القدیر ۳/۲۴۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ نکاح متعہ کا معنی ہے ایک ایسا عقد جو کہ مؤقت ہو (مؤبد نہ ہو) اور وقت کے پورا ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جائے اس میں وہ عقد بھی شامل ہوگا جو کہ متعہ کے لفظ کے ساتھ ہو اور نکاح مؤقت بھی اس میں داخل ہوگا لہٰذا نکاح مؤقت بھی نکاح متعہ کی ایک قسم ہے اگرچہ بوقت عقد تزویج کا لفظ ذکر کیا جائے اور گواہ موجود ہوں۔

۲۔" قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال في الفتح قال شيخ الإسلام في الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفي المتعة أتمتع أو أستمتع اھ يعني ما اشتمل على مادة متعة والذي يظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعيينها۔"

(شامية ۵۱/۳)

ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نکاح مؤقت اور متعہ میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نکاح مؤقت میں وقت کو لفظ نکاح یا تزویج کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جبکہ متعہ میں اتمتع یا استمتع یعنی کوئی بھی ایسا لفظ جو متعہ کے مادہ پر مشتمل ہو اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ساتھ ساتھ یہ فرق بھی ہے کہ نکاح متعہ میں گواہوں کی شرط بھی نہیں اور مدت متعین کرنا بھی ضروری نہیں جبکہ نکاح مؤقت میں گواہ بھی ہوتے ہیں اور مدت بھی متعین کی جاتی ہے۔

۳۔"والفرق بين نكاح المتعة ونكاح المؤقت بذكر لفظ التزويج في المؤقت دون المتعة وكذا بشهادة فيه دون المتعة۔"

(الموسوعة الفقهية ۳۴۲/۴۱)

نکاح متعہ اور نکاح مؤقت میں فرق یہ ہے کہ نکاح مؤقت میں لفظ تزویج کا ذکر ہوتا ہے لیکن نکاح متعہ میں اس کا ذکر نہیں ہوتا اور اسی طرح نکاح مؤقت میں گواہ بھی ہوتے ہیں جبکہ نکاح متعہ میں گواہ نہیں ہوتے۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح مؤقت بھی نکاح متعہ کی طرح ایک عارضی نکاح ہے اور بغیر طلاق کے ختم ہوجاتا ہے البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ اس میں وقت کی تعیین ضروری ہوتی ہے اور گواہوں کی موجودگی بھی ہوتی ہے۔

[۳] نکاح باضمار نیت فرقت کی تعریف

عبارات فقہاء کی روشنی میں نکاح باضمار نیت فرقت کی حقیقت:

۱۔ "وفي البحر ولو تزوجها بنية أن يقعد معها مدة نواها فالنكاح صحيح لأن التوقيت إنما يكون بلفظ۔"

(مجمع الانھر ۴۸۸/۱)

بحر میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص دل میں ایک متعین مدت تک کسی عورت کے ساتھ رہنے کی نیت سے نکاح کرتا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے اس لئے کہ توقیت تو زبان کے تلفظ سے ہوتی ہے۔

۲۔ "وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة۔"

(الدر المختار ۵۱/۳)

نکاح متعہ میں سے نہیں ہے وہ صورت جہاں کسی عورت سے نکاح کرے اس شرط پر کہ ایک مہینہ بعد اسے طلاق دے دے گا، یا (بغیر صراحت) کے اس کے ساتھ ایک معین مدت تک رہنے کی صرف (دل میں) نیت کرے۔

۲۔"قال القاضی : واجمعوا علی أن من نکح نکاحا مطلقا ونیته أن لایمکث معها الا مدة نواها فنکاحه صحیح حلال ولیس نکاح متعة وانما نکاح المتعة ما وقع بالشرط المذکور۔"

(فتح الملهم ۶/۵۵۱)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو آدمی مطلق (بغیر کسی مدت کو متعین کئے) نکاح کرے لیکن دل میں اس کی نیت ایک خاص مدت تک اس عورت کے ساتھ رہنے کی ہو تو اس کا یہ نکاح صحیح اور حلال ہے اور یہ نکاح متعہ نہیں ہے اس لئے کہ نکاح متعہ تو وہ ہوتا ہے جو شرط مذکور کے ساتھ واقع ہو (یعنی جس میں مدت کی شرط لگادی ہو اور صراحت کردی ہو)۔

ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح باضمار نیت فرقت حقیقت میں نکاح صحیح ہی ہوتا ہے اور نکاح کی تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہیں البتہ صرف دل میں یہ نیت ہوتی ہے کہ ایک عرصہ بعد طلاق دے کر جدا کردونگا۔

دورِ نبوی میں رائج متعہ سے متعلق احادیث اور تعریفات سے تقابل

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں اب ان احادیث پر غور کیا جائے جو عہد رسالت کے متعہ کی حلت وحرمت کو بیان کرتی ہیں تو یہ بات بخوبی واضح ہوجائیگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ متعہ مروجہ ہی تھا نکاح مؤقت یا نکاح باضمار نیت فرقت نہ تھا۔ چنانچہ وہ احادیث جو مباح متعہ کے طریقہ کو بیان کرنے میں صریح ہیں ان کو ذکر کیا جاتا ہے اور پھر مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں زمانہ رسالت کے مباح متعہ کا مصداق متعین کیا جائے گا۔

"حدثنی إیاس بن سلمة بن الأکوع، عن أبیه، عن رسول الله صلی الله علیه وسلم: أیما رجل وامرأة توافقا، فعشرة ما بینهما ثلاث لیال، فإن أحبا أن یتزایدا، أو یتتارکا تتارکا فما أدری أشیء کان لنا خاصة أم للناس عامة، قال أبو عبد الله: وبینه علی، عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه منسوخ۔"

(صحیح البخاری ۲/۷۶۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مرد اور عورت ایک دوسرے کے موافق ہوں تو ان کے درمیان تین دن تک معاشرت رہنی چاہیئے اس کے بعد اگر وہ اس مدت میں اضافہ چاہیں تو اضافہ کردیں اور اگر ایک دوسرے کو چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ دیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ ہمارے لئے خاص تھا یا تمام لوگوں کیلئے تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ حکم منسوخ ہوچکا ہے۔

"عن الربیع بن سبرة الجهنی عن أبیه سبرة رضی الله عنه أنه قال أذن لنا رسول الله -صلی الله علیه وسلم- بالمتعة فانطلقت أنا ورجل إلی امرأة من بنی عامر کأنها بکرة عیطاء فعرضنا علیها أنفسنا فقالت ما تعطی فقلت

ردائی. وقال صاحبی ردائی. وکان رداء صاحبی أجود من ردائی و کنت أشب منه فإذا نظرت إلی رداء صاحبی أعجبها وإذا نظرت إلی أعجبتها ثم قالت أنت ورداؤك یکفینی. فمکثت معها ثلاثا ثم إن رسول الله-صلی الله علیه وسلم- قال من کان عنده شیء من هذه النساء التی یتمتع فلیخل سبیلها." (صحیح المسلم ١/٤٥١)

"عن الربیع بن سبرة أن أباه رضی الله عنه غزا مع رسول الله -صلی الله علیه وسلم- فتح مکة قال فأقمنا بها خمس عشرة- ثلاثین بین لیلة ویوم -فأذن لنا رسول الله-صلی الله علیه وسلم- فی متعة النساء فخرجت أنا ورجل من قومی ولی علیه فضل فی الجمال وهو قریب من الدمامة مع کل واحد منا برد فبردی خلق وأما برد ابن عمی فبرد جدید غض حتی إذا کنا بأسفل مکة أو بأعلاها فتلقتنا فتاة مثل البکرة العنطنطة فقلنا هل لك أن یستمتع منك أحدنا قالت وماذا تبذلان فنشر کل واحد منا برده فجعلت تنظر إلی الرجلین ویراها صاحبی تنظر إلی عطفها فقال إن برد هذا خلق وبردی جدید غض. فتقول برد هذا لا بأس به. ثلاث مرار أو مرتین ثم استمتعت منها فلم أخرج حتی حرمها رسول الله صلی الله علیه وسلم." (صحیح المسلم ١/٤٥١)

"عن الربیع بن سبرة، عن أبیه رضی الله عنه، قال: خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع، فقالوا: یا رسول الله، إن العزبة قد اشتدت علینا، قال: فاستمتعوا من هذه النساء، فأتیناهن، فأبین أن ینکحننا، إلا أن نجعل بیننا وبینهن أجلا، فذکروا ذلك للنبی صلی الله علیه وسلم، فقال: اجعلوا بینکم وبینهن أجلا، فخرجت أنا وابن عم لی، معه برد ومعی برد، وبرده أجود من بردی، وأنا أشب منه، فأتینا علی امرأة، فقالت: برد کبرد، فتزوجتها، فمکثت عندها تلك اللیلة، ثم غدوت ورسول الله صلی الله علیه وسلم قائم بین الرکن والباب، وهو یقول: أیها الناس، إنی قد کنت أذنت لکم فی الاستمتاع، ألا وإن الله قد حرمها إلی یوم القیامة، فمن کان عنده منهن شیء فلیخل سبیلها، ولا تأخذوا مما آتیتموهن شیئا."

(ابن ماجه ص ١٤١)

"عن طاووس قال: کانت سنة المتعة سنة النکاح إلا أن الأجل کان فی أیدیهن."

(المصنف لابن ابی شیبه ٣/٥٤٦)

"عن سلیمان بن یسار عن أم عبد الله ابنة أبی خیثمة أن رجلا قدم من الشام فنزل علیها، فقال إن العزبة قد اشتدت علی فابغینی امرأة أتمتع معها، قالت: فدللته علی امرأة فشارطها فاشهدوا علی ذلك عدولا، فمکث معها ما شاء الله أن یمکث." (کنز العمال ١٦/٥٢٢)

اب ان مذکورہ روایات پر ابتداء میں ذکر کردہ تعریفات کی روشنی میں غور کیا جائے تو بخوبی واضح ہوگا کہ عہد رسالت میں جس نکاح متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ نکاح باضمار نیت فرقت تھا اور نہ نکاح مؤقت، بلکہ مروجہ متعہ ہی تھا۔ پس نکاح باضمار نیت فرقت تو اس

لئے نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے بعض روایات میں تو صراحتاً آپس میں مدت طے کرنا ثابت ہے جو اضمار نیت کے منافی ہے چنانچہ بخاری کی عبارت میں ہے "فان احبا ان یتزایدا أو ان یتتار کا تتارکا" "یعنی پھر اگر یہ آپس میں مدت میں اضافہ کرنا چاہیں تو اضافہ کردیں" اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں صراحتاً مدت کو کم زیادہ کیا جاتا تھا نہ یہ کہ صرف دل میں نیت فرقت ہو۔ اسی طرح کنز العمال کی روایت میں ہے "فشارطها" کہ ان صحابی نے اس عورت سے مشارطت کی۔ یعنی ایک عرصہ تک ساتھ رہنے کی شرط لگائی اور اس پر گواہ بھی بنائے۔ اس سے زیادہ صراحت ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

"فأتیناهن, فأبین أن ینکحننا, إلا أن نجعل بیننا وبینهن أجلا، فذکروا ذلك للنبی صلی الله علیه وسلم، فقال: اجعلوا بینکم وبینهن أجلا۔"

"یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان عورتوں سے متعہ کی خواہش ظاہر کی تو ان عورتوں نے استمتاع کے لئے مدت طے کرنے کو کہا اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ مدت طے کرلو"

پس یہ روایت تو بالکل صریح ہے اس باب میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ آپس میں مدت طے کرنے کی اجازت دی جو اضمار کے بالکل خلاف ہے۔ اسی طرح اس کو نکاح باضمار نیت فرقت قرار دینا اس لئے بھی درست معلوم نہیں ہوتا کہ نکاح باضمار نیت فرقت جو کہ نکاح صحیح کے قبیل سے ہے اس میں جدائی کے لئے طلاق ضروری ہے جب کہ وہ تمام روایات جو عہد رسالت کے متعہ کی ترجمانی کرتی ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جدا ہونے کے لئے طلاق دینے کا حکم کیا ہو اور نہ ہی صحابی رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کا ذکر ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغیر طلاق کے جدائی کا حکم منقول ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں:

"إن رسول الله -صلی الله علیه وسلم- قال من کان عنده شیء من هذه النساء التی یتمتع فلیخل سبیلها۔"

"ان متعہ والی عورتوں میں سے جس کے استمتاع میں کوئی عورت ہو وہ اس کا راستہ چھوڑ دے"

لہٰذا اگر یہ عقد "نکاح باضمارِ نیتِ فرقت" ہوتا تو اس میں طلاق ومیراث کے احکام ضرور چلتے جو یہاں مفقود ہیں۔

متعہ سے متعلق حضرت عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم کی تشدید

اسی طرح اس عقد متعہ کو نکاح باضمارِ نیتِ فرقت پر محمول کرنا اس لئے بھی ناممکن ہے کہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس عقد متعہ پر شدت سے تنقید فرمایا کرتے تھے اور اس کے مرتکب کو زانی اور رجم کا مستحق قرار دیتے تھے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے:

"قال ابن شهاب أخبرنی عروة بن الزبیر أن عبد الله بن الزبیر قام بمکة فقال إن ناسا -أعمی الله قلوبهم کما أعمی أبصارهم- یفتون بالمتعة -یعرض برجل- فناداه فقال إنك لجلف جاف فلعمری لقد کانت المتعة تفعل علی عهد إمام المتقین -یرید رسول الله -صلی الله علیه وسلم-- فقال له ابن الزبیر فجرب بنفسك

فو اللہ لئن فعلتہا لأرجمنك بأحجارك." (صحيح مسلم ١/٤٥٢، باب نكاح المتعة ، قديمی)

"وفی شرح المسلم للنووی تحته :(قوله فو الله لان فعلتها لارجمنك باحجارك) هذا محمول على انه ابلغه الناسخ لها وانه لم يبق شك فی تحريمها فقال ان فعلتها بعد ذلك ووطئت فيها كنت زانياً ورجمتك بالاحجار التی يرجم بها الزانی ـ"

٢ـ" وروی سالم بن عبدالله بن عمر ﷺ أن عمر بن الخطاب ﷺ صعد المنبر فحمد الله واثنى عليه، ثم قال ما بال أقوام ينكحون، هذه المتعة وقد نهی رسول الله (صلى الله عليه وسلم) عنها لا أجد رجلاً نكحها إلا رجمته بالحجارة وقال هدم المتعة النكاح والطلاق والعدة والميراث ـ" (التفسير الخازن ١/٣٦٢)

ان روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے اکابرین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر شدت کے ساتھ نکیر فرمانا کہ اس کے مرتکب کو زانی اور رجم کا مستحق قرار دینا اس پر کافی دلیل ہے کہ وہ نکاح باضمار نیت فرقت نہ تھا بلکہ عقد کی کوئی اور صورت تھی جو باوجود زنا کے مشابہ ہونے کے کچھ وقت کے لئے مباح کی گئی تھی پھر بعد میں منسوخ کردی گئی تھی ـ اس لئے یہ حضرات اس پر شدت سے نکیر فرماتے تھے کہ چونکہ وہ من وجہ زنا ہی تھا اور اب حلت بھی ختم ہو چکی تھی تو وہ فرماتے کہ نسخ معلوم ہونے کے باوجود کوئی اس کا ارتکاب کرے تو گویا وہ زانی ہے اور رجم کا مستحق ہے، جبکہ یہ بات نکاح باضمار نیت فرقت میں نہیں ہو سکتی ـ اس لئے کہ وہ تو ابتداء ہی سے حلال تھا اور بعد میں بھی حلال رہا ـ اگرچہ قائلین کے نزدیک دیانۃً ناجائز ہے لیکن قضاءً تو وہ بھی جواز کے قائل ہیں ـ

کیا اس نکاح کو نکاح مؤقت یا نکاح باضمارِ نیتِ فرقت قرار دے سکتے ہیں؟

مسئلہ ھذا میں فیض الباری شرح صحیح البخاری **علامة الكشميری** رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں تضاد بھی ہے ـ پہلے نکاح باضمار نیت فرقت کو منسوخ بتایا اور پھر قضاءً جائز اور دیانۃً ممنوع قرار دیا ـ منسوخ شئ دیانۃً ممنوع ہونے کے ساتھ قضاءً اور اصلاً بھی ممنوع ہوتی ہے ـ صرف دیانۃً ممنوع تو کوئی ایسا حکم نہیں کہ اس کے لئے نص وارد ہو لہٰذا عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد متعہ کو نکاح باضمار نیت فرقت پر محمول کرنا نصاً و عقلاً کسی طرح درست نہیں ـ

البتہ اس عقد متعہ کو نکاح مؤقت پر محمول کرنا جیسا کہ دوسرے بعض حضرات کا موقف ہے اگرچہ کسی نہ کسی درجہ میں گنجائش رکھتا ہے لیکن فقہاء نے نکاح مؤقت کی جو تعریفات کی ہیں اگر ان کی روشنی میں روایات متعہ پر غور کیا جائے تو یہ احتمال بھی درست معلوم نہیں ہوتا ـ چنانچہ فقہاء نے نکاح مؤقت کی جو تعریفات کی ہیں ان میں یہ بات مصرح ہے کہ نکاح مؤقت میں گواہ بھی ہوتے ہیں جیسا کہ شامی میں مذکور ہے ـ

١ـ" قال في الفتح قال شيخ الإسلام في الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفي المتعة أتمتع أو أستمتع اهـ يعني ما اشتمل على مادة متعة والذي يظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود

في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعيينها۔" (شامية ۳/۵۱)

۲۔"والفرق بين نكاح المتعة ونكاح المؤقت بذكر لفظ التزويج في المؤقت دون المتعة وكذا بالشهادة فيه دون المتعة۔" (الموسوعة الفقهية۴۱/۳۴۲)

پس ان عبارات سے واضح ہے کہ نکاح مؤقت میں گواہ ہوتے ہیں جبکہ روایات متعہ کے اندر عہد رسالت کے منقول واقعات میں متعہ میں گواہوں کا کہیں ذکر نہیں (کہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس ایجاب وقبول پر گواہ بناتے ہوں)۔لہٰذا عہد رسالت کے عقد متعہ کو نکاح مؤقت پر محمول کرنا بھی درست نہیں۔نیز نکاح مؤقت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے،وہ فرماتے ہیں کہ نکاح مؤقت بھی ایک مکمل عقد ہے۔گواہ وغیرہ سب موجود ہیں۔صرف تابید کی شرط مفقود ہے لہٰذا عقد درست اور شرط باطل ہوگی اور یہ عقد علی التابید درست ہوجائیگا۔شامیہ میں ہے:

"ثم ذكر في الفتح أدلة تحريم المتعة وأنه كان في حجة الوداع وكان تحريم تأبيد لا خلاف فيه بين الأئمة وعلماء الأمصار إلا طائفة من الشيعة ونسبة الجواز إلى مالك كما وقع في الهداية غلط ثم رجح قول زفر بصحة المؤقت على معنى أنه ينعقد مؤبدا ويلغو التوقيت ۔۔۔ بخلاف ما لو عقد بلفظ المتعة وأراد النكاح الصحيح المؤبد فإنه لا ينعقد وإن حضره الشهود لأنه لا يفيد ملك المتعة كلفظ الإحلال فإن من أحل لغيره طعاما لا يملكه فلم يصلح مجازا عن معنى النكاح كما مر اه ملخصا۔" (شامية ۳/۵۱)

فقہاء کی بیان کردہ متعہ کی تعریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح مؤقت،متعہ کا ایک فرد ہے اور اس پر بھی متعہ کا معنی صادق آتا ہے،اگرچہ اصل متعہ وہی ہے جو بغیر گواہ کے م،ت،ع کے الفاظ کے ساتھ ہو۔

"قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال في الفتح قال شيخ الإسلام في الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفي المتعة أتمتع أو أستمتع اه يعني ما اشتمل على مادة متعة والذي يظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعيينها ولا شك أنه لا دليل لهم على تعيين كون المتعة الذي أبيح ثم حرم هو ما اجتمع فيه مادة م ت ع للقطع من الآثار بأنه كان أذن لهم في المتعة وليس معناه أن من باشر هذا يلزمه أن يخاطبها بلفظ أتمتع ونحوه لما عرف أن اللفظ يطلق ويراد معناه فإذا قيل تمتعوا فمعناه أوجدوا معنى هذا اللفظ ومعناه المشهور أن يوجد عقدا على امرأة لا يراد به مقاصد عقد النكاح من القرار للولد وتربيته بل إلى مدة معينة ينتهي العقد بانتهائها أو غير معينة بمعنى بقاء العقد ما دام معها إلى أن ينصرف عنها فلا عقد فيدخل فيه ما بمادة المتعة والنكاح المؤقت أيضا فيكون من أفراد

المتعة وإن عقد بلفظ التزويج وأحضر الشهود اه ملخصا۔ وتبعه في البحر والنهر۔ ثم ذكر في الفتح أدلة تحريم المتعة وأنه كان في حجة الوداع وكان تحريم تأبيد لا خلاف فيه بين الأئمة وعلماء الأمصار إلا طائفة من الشيعة ونسبة الجواز إلى مالك كما وقع في الهداية غلط ۔ ثم رجح قول زفر بصحة المؤقت على معنى أنه ينعقد مؤبدا ويلغو التوقيت لأن غاية الأمر أن المؤقت متعة۔۔۔۔۔۔الخ" (الشامية ۳/۵۱)

لہذا نکاح مؤقت کوعہد اسلام میں مروج متعہ قرار دینا بھی مشکل ہے۔شامیہ میں ہی آگے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح مؤقت کے جواز کے قول پر وارد اشکال (کہ یہ متعہ کی تعریف میں داخل ہے اور جائز بھی ،تو پھر منسوخ کیسے؟؟؟) کا جواب دیا گیا ہے،لیکن ہمارا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ یہ تمام بحث اس پر دال ہے کہ نکاح مؤقت مستقل عقد ہے اور متعہ ایک الگ عقد ہے۔دونوں کو ایک قرار دینا محل نظر ہے۔

"قول زفر بصحة المؤقت على معنى أنه ينعقد مؤبدا ويلغو التوقيت لأن غاية الأمر أن المؤقت متعة وهو منسوخ لكن المنسوخ معناها الذي كانت الشريعة عليه وهو ما ينتهي العقد فيه بانتهاء المدة فإلغاء شرط التوقيت أثر النسخ وأقرب نظير إليه نكاح الشغار وهو أن يجعل بضع كل من المرأتين مهرا للأخرى فإنه صح النهي عنه وقلنا يصح موجبا لمهر المثل لكل منهما فلم يلزمنا النهي بخلاف ما لو عقد بلفظ المتعة وأراد النكاح الصحيح المؤبد فإنه لا ينعقد وإن حضره الشهود لأنه لا يفيد ملك المتعة كلفظ الإحلال فإن من أحل لغيره طعاما لا يملكه فلم يصلح مجازا عن معنى النكاح كما مر اه ملخصا" (الشامية ۳/۵۱)

الغرض عہد رسالت میں جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ نہ نکاح باضمار نیت فرقت تھا اور نہ ہی نکاح مؤقت بلکہ وہ مروجہ متعہ ہی تھا جو ضرورت کی بناء پر کچھ وقت کے لئے ایک رخصت تھی پھر وہ رخصت ختم کر دی گئی اور دوبارہ حرمت لوٹ آئی۔ باقی نکاح باضمار نیت فرقت ،ابتداء سے حلال تھا اور اب بھی بالکل حلال وجائز ہے حتی کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔"قال القاضي : وأجمعوا على أن من نكح نكاحا مطلقا ونيته أن لايمكث معها الا مدة نواها فنكاحه صحيح حلال وليس نكاح متعة وانما نكاح المتعة ما وقع بالشرط المذكور ولكن قال مالك: ليس هذا من أخلاق الناس وشذ الأوزاعي فقال: هو نكاح متعة ولا خير فيه۔"

(فتح الملهم ۶/۵۵۱)

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو آدمی مطلقاً (یعنی بغیر کسی مدت کو متعین کئے) نکاح کرے

لیکن دل میں اس کی نیت ایک خاص مدت تک اس عورت کے ساتھ رہنے کی ہو تو اس کا یہ نکاح صحیح اور حلال ہے اور یہ نکاح متعہ نہیں ہے اس لئے کہ نکاح متعہ تو وہ ہوتا ہے جو شرط مذکور کے ساتھ واقع ہو (یعنی جس میں مدت کی شرط لگادی ہو اور صراحت کر دی ہو)۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاقاً ایسا کرنا مناسب نہیں ہے اور اس مقام پر امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے شذوذ اختیار کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح متعہ ہی کے قبیل سے ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں۔"

۲۔ "أما لو تزوج وفی نیته أن یطلقها بعد مدة نواها صح۔" (فتح القدیر ۲۴۹/۳)

"اگر نکاح کرے اس طرح کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ ایک خاص مدت کے بعد اس عورت کو طلاق دے دے گا تو اس طرح کا نکاح صحیح ہے۔"

۳۔ "ولو تزوجها مطلقا وفی نیته أن یقعد معها مدة نواها فالنکاح صحیح۔" (الهندیة ۲۸۳/۱)

"اگر کسی عورت سے بغیر کسی صراحت وشرط کے مطلق نکاح کرے لیکن اس کی نیت یہ ہو کہ وہ ایک خاص مدت تک اس کے ساتھ رہے گا (پھر طلاق دے کر جدائی اختیار کرلے گا) تو یہ نکاح صحیح ہے۔"

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح باضمار نیت فرقت اب بھی جائز وحلال ہے اگرچہ اخلاقاً مناسب نہیں لیکن جائز ضرور ہے۔ گویا کہ نکاح باضمار نیت فرقت میں دل میں علیحدگی کی نیت ہوتی ہے اور متعہ وغیرہ میں علیحدگی زبانی طور پر مشروط ہوتی ہے لہٰذا دونوں میں بڑا فرق ہے اس کی واضح مثال حلالہ کا نکاح ہے۔ کہ حلالہ کا نکاح اگر بشرط التحلیل (زبانی شرط کے ساتھ) ہو تو مکروہ تحریمی اور سخت گناہ ہے لیکن اگر زبانی طور پر مشروط نہ ہو بلکہ دل میں نیت ہو تو یہ باعث گناہ نہیں، بلکہ بغرض اصلاح اور نیک مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء نے بعض اوقات اسے ثواب کا باعث بھی لکھا ہے لہٰذا یہاں عام نکاح میں بھی زبانی مشروط نکاح اور باضمارِ نیت فرقت نکاح، میں فرق ہوگا اور باضمار نیت فرقت نکاح دیانت اور قضاء دونوں میں جائز ہوگا لہٰذا جس متعہ کو منسوخ کیا تھا وہ متعہ مروجہ ہی تھا۔

متعہ مروجہ کی ابتداء اسلام میں حلت پر ایک اشکال اور اس کے جوابات

البتہ سوال میں ذکر کردہ اشکال یہاں بہرحال وارد ہوتا ہے کہ متعہ تو ایک زنا اور حرام کاری ہے اسلام میں یہ شناعت کیسے مباح ہوسکتی ہے؟؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس کو صریح زنا قرار دینا مشکل ہے اس لئے کہ عقد متعہ میں باقاعدہ ایجاب وقبول بھی ہوتا تھا اور مہر بھی مقرر ہوتا تھا۔ صرف تابید کی شرط جو نکاح کی اصل بنیاد ہے وہ کچھ وقت کے لئے ضرورتاً اٹھالی گئی تھی اور نکاح مؤبد اور غیر مؤبد دونوں کو مباح قرار دیا گیا تھا۔ ضرورت ختم ہونے پر نکاح کو اپنی اصل حالت کی طرف لوٹا دیا گیا اور صرف تابیدی نکاح جائز رہا غیر تابیدی کو باطل قرار دے دیا گیا۔

ثانیاً اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ زنا اور ایک قبیح فعل ہے تو ایک چیز چاہے کتنی ہی بری نظر آتی ہو جب شریعت اس کی اجازت دے تو اب وہ قبیح وشنیع نہیں رہتی، لیکن اگر شارع اس سے منع کردے تو چاہے وہ کتنی ہی مرغوب ہو اور عند الطبائع کتنی ہی اچھی ہو لیکن اب وہ

قبیح ہوگی جیسے شراب جب تک حرام نہیں تھی اگر چہ اس کے برے اثرات روز روشن کی طرح واضح تھے لیکن جب تک شارع نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا اس وقت تک کوئی اسے حرام خوری نہیں کہہ سکتا تھا لیکن جب شارع نے اس سے منع فرمادیا تو اب وہ حرام خوری ہے۔ اسی طرح متعہ کی جب تک شارع کی طرف سے اجازت تھی تو وہ زنا اور حرام کاری نہ ہوگی لیکن جب شارع نے اجازت اٹھالی تو اب وہ حرام کاری ہے۔ الغرض جب شریعت کی طرف سے متعہ کی اجازت دی گئی تو وہ شریعت کی اجازت کی وجہ سے اتنے وقت کے لئے حرام ہونے سے نکل گیا ہاں جب اس سے منع کر دیا گیا تو وہ دوبارہ حرام ہوگیا۔ چنانچہ اسی بات کو امام المفسرین ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''احکام القران'' میں اس پیرائے میں ذکر کرتے ہیں:

"عن ابن عمر رضي الله عنه أنه سئل عن المتعة فقال ذلك السفاح وروى عن هشام بن عروة عن أبيه قال كان نكاح المتعة بمنزلة الزنا فإن قيل لا يجوز أن تكون المتعة زنا لأنه لم يختلف أهل النقل أن المتعة قد كانت مباحة في بعض الأوقات أباحها رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ولم يبح الله تعالى الزنا قط قيل له لم تكن زنا في وقت الإباحة فلما حرمها الله تعالى جاز إطلاق اسم الزنا عليها." (احكام القران للجصاص ۲/۱۴۷)

''سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ متعہ ایک زنا ہے..... چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے متعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تو سفاح یعنی زنا ہے۔ اسی طرح ہشام بن عروۃ اپنے والد عروہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نکاح متعہ زنا ہی کے درجے میں ہے۔ پس اگر یہ اشکال کیا جائے کہ متعہ کو زنا قرار دینا ممکن نہیں اس لئے کہ تمام اہل روایات اس پر متفق ہیں کہ متعہ کو بعض مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح قرار دیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو زنا کو کبھی مباح نہیں کیا (لہٰذا معلوم ہوا کہ متعہ کو زنا کہنا ٹھیک نہیں) تو اس اشکال کا جواب یہ دیا جائے گا کہ (متعہ اصل کے اعتبار سے زنا ہی ہے البتہ) جس وقت اس کو مباح کر دیا گیا اس وقت وہ زنا نہیں رہا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ حرام کر دیا تو اب اس پر زنا کا اطلاق ٹھیک ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ ایک چیز محرم اور کتنی ہی قبیح اور شنیع ہو لیکن جب شارع خود اجازت دے دے تو پھر وہ محرم اور قبیح نہیں رہتی اگر چہ فی نفسہ کتنی ہی قبیح معلوم ہو۔

ثالثاً یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کسی چیز کی حلت و حرمت کا اختیار چونکہ شارع ہی کو ہے وہ جسے چاہے حلال کر دے اگر چہ وہ انسانوں میں کتنی ہی قبیح سمجھی جاتی ہو لہٰذا کسی چیز کا قبیح و شنیع ہونا شارع کے لئے اس چیز کی حلت و رخصت میں مانع نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ حدود حرم میں قتال اگر چہ حرام تھا اور حرمت کعبہ اور حرم کے خلاف سمجھا جاتا تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر کچھ دیر کیلئے حلال کیا گیا۔ اسی طرح متعہ اگر چہ فی نفسہ زنا اور قبیح فعل ہے لیکن کسی موقع پر شارع اگر اپنے اختیار سے اس کی رخصت دے دیں تو اس کی قباحت و شناعت اس رخصت سے مانع نہیں۔

رابعاً اس اشکال کا جواب بایں طور بھی ممکن ہے کہ یہ کہنا کہ ''عقد متعہ تو ایک زنا اور حرام کاری ہے لہٰذا یہ جائز وحلال نہ ہونا چاہیئے'' یہ ہمیں تسلیم ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ابتداء اسلام میں ہی اسے حرام کر دیا گیا تھا جیسا کہ ابتداء میں ذکر کیا گیا اور پھر بعد میں حلال کیا ہی نہیں گیا البتہ بعض مواقع پر ضرورت کی بناء پر صرف رخصت دی گئی لہٰذا یہ حلال نہیں بلکہ رخصت للمضطر کی قبیل سے ہے۔ جیسے مردار حرام ہے، البتہ مضطر کے لئے اس کے کھانے کی رخصت ہے، لیکن وہ مردار اس کے لئے بھی حلال نہیں لہذا ضرورت سے زیادہ اور تلذذ کے طور پر کھانے میں گنہگار ہوگا۔ اسی طرح متعہ فی نفسہ زنا اور حرام ہے لیکن بعض مواقع میں ضرورت اور اضطرار کی بناء پر صرف رخصت تھی حلال تو اس وقت بھی نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت کے متعہ کو بیان کرنے والی اکثر احادیث میں ''رخصت'' اور ''اذن'' کا لفظ مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک حرام فعل ہی تھا البتہ ضرورت کی وجہ سے رخصت اور اجازت دی گئی تھی اس لئے ضرورت کے ختم ہونے پر رخصت بھی ختم کر دی۔

۱۔ "عن قيس قال سمعت عبد الله ﷺ يقول كنا نغزو مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ليس لنا نساء فقلنا ألا نستخصي فنهانا عن ذلك ثم رخص لنا أن ننكح المرأة بالثوب إلى أجل ثم قرأ عبد الله (يا أيها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما أحل الله لكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين). (صحيح مسلم ۱/۴۵۰)

۲۔ عن إياس بن سلمة عن أبيه قال رخص رسول الله -صلى الله عليه وسلم- عام أوطاس في المتعة ثلاثا ثم نهى عنها." (صحيح مسلم ۱/۴۵۱)

۳۔ "عن الربيع بن سبرة الجهني عن أبيه سبرة أنه قال أذن لنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بالمتعة الخ" (صحيح مسلم ۱/۴۵۱)

۴۔ "قال ابن أبي عمرة إنها كانت رخصة في أول الإسلام لمن اضطر إليها كالميتة والدم ولحم الخنزير ثم أحكم الله الدين ونهى عنها." (صحيح مسلم ۱/۴۵۲)

ابن ابی عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ متعہ ابتداء اسلام میں صرف اس شخص کے لئے رخصتاً جائز تھا جو متعہ کرنے پر مجبور ہو جیسے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت (اگر چہ حرام ہے لیکن مضطر کے لئے رخصتا جائز ہے) لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے دین کو مضبوطی عطاء فرمادی (لہٰذا متعہ کی ضرورت نہ رہی اس لئے پھر ہمیشہ کے لئے) اس سے منع فرمادیا۔

۵۔ "قال القاضي: كل ما روي في جوازه كان في أسفارهم عند ضرورتهم وقلة النساء وكثرة احتياجهم لأن بلادهم كانت حارة ونحوه وقيل انها كانت رخصة في أول الاسلام لمن اضطر اليها كالميتة ونحوها." (شرح الكرماني ۱۹/۸۸)

قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں: وہ تمام روایات جو متعہ کے جواز میں مروی ہیں وہ سفر کے مواقع کی ہیں اور ضرورت، کے وقت کی ہیں جب ان کے پاس عورتیں بھی کم تھیں اور ان کو احتیاج بھی زیادہ تھی۔ اس لئے کہ ان کے شہر گرم ہوتے تھے (لہٰذا صبر ممکن

نہ ہوتا) وغیرہ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام میں صرف مضطر کے لئے رخصت تھی جیسے مضطر کے لئے مردار کھانے کی رخصت ہوتی ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ متعہ جو کہ مانند زنا اور قبیح فعل ہے مطلقاً حلال نہیں کیا گیا بلکہ مضطر کے لئے رخصت کی حد تک تھا۔

ایک اور اشکال اور اس کے جوابات

باقی رہا یہ اشکال کہ وہی ضرورت ہمارے زمانے میں بھی پائی جاتی ہے پھر اب کیوں مباح نہیں؟؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم ہی نہیں کہ ضرورت فی زماننا بھی باقی ہے اس لئے کہ روایات میں جن ضرورتوں کو معیار رخصت بنایا گیا ہے یعنی عورتوں کا کم ہونا، اپنی بیویوں کا ساتھ نہ ہونا، اکثر اسفار میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شریک کار رہنا جن میں بعض ایسے بھی ہوتے جو اپنی خواہش پر برداشت اور صبر کی قابلیت نہ رکھتے وغیرہ، یہ ضرورتیں ایسی ہیں جو اسلام کی فتوحات کے بعد ختم ہوگئیں کیونکہ عورتیں بھی کثیر ہوگئیں، جہاد میں عورتوں کے ساتھ جانے کی صورتیں بھی آسان ہوگئیں اور تمام افراد کا ہر وقت جہاد میں شریک کار رہنا بھی ضروری نہ رہا لہٰذا رخصت کے لئے جو ضروریات معیار تھیں وہ فی زماننا موجود ہی نہیں۔

ثانیاً اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ضرورت اب بھی باقی ہے اور متعہ بھی ضرورت ہی کی بنیاد پر حلال کیا گیا تھا تب بھی متعہ حلال نہ ہوگا۔ اس لئے کہ شارع نے فتح مکہ کے موقع پر جب متعہ کی تحریم کا اعلان کیا تو اسے "الی یوم القیامۃ" کے ساتھ مقید کر دیا۔ جس سے اشارہ ہوگیا کہ اب متعہ قیامت تک کے لئے سفر، حضر، ضرورت، غیر ضرورت، مضطر، غیر مضطر سب کے لئے حرام ہے۔

۱۔ "والأجود فی الجمع ما ذھب الیہ جمع من المحققین أنھا لم تحل قط فی حال الحضر والرفاھیۃ بل فی حال السفر والحاجۃ والأحادیث ظاھرۃ فی ذلک ویبین ذلک حدیث ابن مسعود کنا نغزو لیس لنا نسآء فرخص لنا أن ننکح ـ ـ ـ فعلی ھذا کل ما ورد من التحریم فی المواطن المتعددۃ یُحمَل علی أن المراد بتحریمھا فی ذلک الوقت أن الحاجۃ انقضت ووقع العزم علی الرجوع الی الوطن فلا یکون فی ذلک تحریم أبدا الا الذی وقع آخرا ـ" (اللامع الدراری ۳/۲۶۹)

"محققین کے اقوال کی تطبیق میں سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ متعہ حالت حضر میں تو کبھی حلال نہیں ہوا بلکہ سفر اور ضرورت کے مواقع میں حلال کیا گیا اور اس بات پر احادیث کی دلالت ظاہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اس بات کو واضح کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ میں ہوتے اور ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہ ہوتیں، اس لئے ہمیں رخصت دی گئی کہ ہم (ایک خاص مدت تک کے لئے) نکاح کر لیں۔ (یہ اباحت چونکہ صرف ضرورت کی وجہ سے اور سفر میں ہوتی تھی) لہٰذا متعدد مواقع پر جو متعدد تحریمات وارد ہوئی ہیں ان سب کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس وقت اس کو حرام کر دینے سے مراد یہ تھی کہ وہ حاجت (جس کی وجہ سے رخصت دی گئی تھی) وہ ختم ہوگئی اور اب سفر سے واپس لوٹنے کا وقت آ گیا لہٰذا اس

موقع پر وہ تحریم ہمیشہ کے لئے نہ ہوتی۔ (بلکہ بایں معنی ہوتی کہ حاجت ختم لہٰذا رخصت ختم) مگر آخری مرتبہ میں پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔"

۲۔ "وقال أبو عبيد : المسلمون اليوم مجمعون على أن متعة النساء قد نسخت بالتحريم نسخها الكتاب والسنّة هذا قول أهل العلم جميعاً من أهل الحجاز و الشام والعراق من أصحاب الأثر والرأي وأنه لا رخصة فيها لمضطر ولا لغيره۔" (التفسیر الخازن ۱/۳۶۱)

ابوعبید فرماتے ہیں تمام مسلمانوں کا اب اس پر اجماع ہے کہ عورتوں سے متعہ منسوخ وحرام کر دیا گیا ہے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے ذریعے یہ منسوخ ہے۔ یہی قول تمام اہل علم کا ہے۔ حجاز، شام اور عراق کے تمام اصحاب رائے اور اصحاب اثر کا یہی قول ہے لہٰذا اب متعہ کی کسی کو اجازت نہ ہوگی چاہے وہ مضطر ہو یا غیر مضطر ہو۔

۳۔ " قال الماوردي في الحاوي في تعيين موضع تحريم المتعة وجهان أحدهما أن التحريم تكرر ليكون أظهر وانشر حتى يعلمه من لم يكن علمه لأنه قد يحضر في بعض المواطن من لا يحضر في غيرها والثاني أنها ابيحت مرارا ولهذا قال في المرة الأخيرة إلى يوم القيامة إشارة إلى أن التحريم الماضي كان مؤذنا بان الإباحة تعقبه بخلاف هذا فإنه تحريم مؤبد لا تعقبه إباحة أصلا وهذا الثاني هو المعتمد۔" (فتح الباری ۹/۱۳۹)

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحاوی میں متعہ کی تحریم کے موضع کو متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی دو توجیہات ہیں...... اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس کی اباحت متعدد بار ہوئی ہے (اس لئے تحریم بھی متعدد بار ہوئی) اسی وجہ سے آخری مرتبہ میں "**الی یوم القیامة**" کہہ کر اس طرف اشارہ ہوگیا کہ پچھلی تحریم اس بات کو بتلاتی تھی کہ اس کے بعد دوبارہ اباحت ہو سکتی ہے بخلاف اس تحریم کے کہ یہ تحریم موبد ہے اب اس کے بعد کبھی اباحت نہیں آسکتی اور یہی دوسرا قول زیادہ معتمد ہے

پس ان عبارات سے معلوم ہوگیا کہ اب قیامت تک اگر چہ ضرورت بھی درپیش ہو متعہ شارع کی تحریم ابدی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ نیز متعہ کی اجازت چونکہ ایک ضرورت کی وجہ سے رخصت تھی۔ اسی وجہ سے اس کی اباحت وتحریم بھی مکرر ہوئی۔ یعنی جب ضرورت درپیش ہوئی رخصت دے دی گئی، ضرورت ختم تو پھر حرام کر دیا گیا۔ پھر ضرورت پڑی تو اجازت دے، دی گئی، ضرورت ختم تو پھر حرام کر دیا گیا۔ اسی وجہ سے اس باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مختلف اقوال ملتے ہیں جن کی تعداد چھ ہے۔ یعنی ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ مختلف مواقع پر اباحت وتحریم کا معاملہ ہوا ہے لیکن شارحین نے اس میں ترتیب دے کر اسی کو راجح قرار دیا ہے کہ اباحت وتحریم دو مرتبہ ہوئی ہے باقی مواقع میں اسی تحریم کی تاکید کی گئی ہے چنانچہ خیبر سے پہلے حلال تھا خیبر میں ضرورت نہ تھی حرام کر دیا پھر فتح مکہ میں ضرورت درپیش ہوئی لہٰذا حلال کیا گیا پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ چنانچہ شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۴۔ "وقال النووي الصواب المختار أن التحريم والإباحة كانا مرتين وكانت حلالا قبل خيبر

ثم حرمت يوم خيبر ثم أبيحت يوم فتح مكة وهو يوم أوطاس لاتصالهما ثم حرمت يومئذ بعد ثلاثة أيام تحريما مؤبدا إلى يوم القيامة۔" (عمدة القاری ۱۷/۲۴۷)

"امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں درست اور مختار قول یہ ہے کہ متعہ کی اباحت وحرمت کا معاملہ دو مرتبہ ہوا ہے چنانچہ خیبر سے پہلے تو حلال تھا پھر خیبر میں حرام کر دیا گیا۔ پھر فتح مکہ میں حلال کیا گیا، اور یہی یوم اوطاس تھا، کیونکہ یہ دونوں ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ پھر تین دن بعد ہمیشہ قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔"

خلاصہ کلام اور بعض اکابرین کی مسئلہ هذا میں آراء

ان تمام ابحاث کا خلاصہ یہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ متعہ مروجہ ہی تھا اور بہ زنا ہونے کے باوجو د ایک رخصت کا درجہ تھا جو صرف ضرورت کے مواقع میں دو مرتبہ حلال کیا گیا پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا اور اب قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

البتہ مسئلہ هذا میں بعض اکابرین کی رائے مختلف ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کو نکاح باضمار نیت فرقت پر محمول کرتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی عزیزی مبوب (ص ۵۵۴) پر اس کو نکاح مؤقت پر محمول کرتے ہیں۔ نیز حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے احسن الفتاوی (۵/۵۳) پر اپنے فتوی "حفظ الحياء بتحريم متعة النساء" میں اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے خیر الفتاوی (۴/۴۳۵) پر اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے۔ احسن الفتاوی میں تحریر ہے:

"حاصل یہ کہ متعہ شیعہ جیسی بے حیائی کی اسلام میں کبھی اجازت نہیں دی گئی، یہ جاہلیت میں مروج تھا، اسلام نے شروع ہی سے اس کو حرام قرار دیا، البتہ متعہ محرمہ میں نکاح باضمار نیتِ فرقت و نکاح مؤقت کا دخول منصوص نہ ہونے کی وجہ سے اس میں اجتہاد کی گنجائش تھی بعد میں بذریعہ وحی غیر متلو آیت محرمہ میں اس کا دخول بیان فرما کر اسکی حرمت بھی واضح کر دی گئی۔"

(احسن الفتاوی ۵/۵۳)

لیکن متعہ کو نکاح باضمار نیت فرقت پر محمول کرنا تو بالکل بعید از قیاس ہے، وہ تو اب بھی جائز ہے، جیسا کہ پہلے تفصیلاً ذکر کیا جاچکا۔ درس ترمذی (۳/۴۰۴) پر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی ان کی اس رائے کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "ایک تو جس حدیث سے یہ حضرات استدلال فرماتے ہیں وہ متکلم فیہ ہے مزید برآں اس سے استدلال بھی تام نہیں"۔

جہاں تک تعلق ہے نکاح مؤقت والے قول کا تو اس سے متعلق عرض ہے کہ عہد نبوی میں رائج متعہ کو نکاح مؤقت سے ایک گونہ مشابہت ضرور معلوم ہوتی ہے لیکن عبارات فقہاء کی روشنی میں اسے نکاح مؤقت قرار دینا بھی مخدوش ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے، لہٰذا یہ ان حضرات کا تفرد ہے اور احادیث اور فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے جمہور کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ فقط۔

(۳۸۴) نکاح موقت باطل ہے نیز نکاح بشرط الطلاق کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج پر جاتے ہوئے اپنے اور اپنی والدہ جو کہ بیوہ ہیں کے کاغذات بمع مقررہ فیس کے جمع کرائے مگر جب حکومت کی طرف سے قرعہ اندازی کا اعلان ہوا تو معلوم ہوا کہ زید کا قرعہ نہیں نکلا اور ان کی والدہ کا قرعہ نکل آیا۔ یعنی صرف ان کی والدہ کو (سرکاری طور پر) حج پر جانے کی اجازت مل گئی۔ زید جسے بطورِ محرم جانا تھا وہ تو جا نہ سکا اور اس عورت کیلئے محرم کی ضرورت تھی اس پر علاقے کے ایک صاحب نے یہ صورت نکالی کے اس عورت کا خالد نامی شخص کے ساتھ نکاح کرا دیا جائے خالد بھی چونکہ سرکاری طور پر حج پر جا رہا تھا واپسی پر خالد اس عورت کو طلاق دیدے یعنی سفرِ حج سے واپسی پر طلاق کی نیت سے نکاح کر لیا جائے چنانچہ اسی طرح ہوا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ نکاح کی مذکورہ صورت عام حالات میں یا مخصوص حالات میں درست ہے؟ کیا اس عورت کا اس طرح کیا ہوا حج، اس سے حج کی فرضیت ساقط کرے گا؟ بعض حضرات اسے نکاحِ موقت کہہ کر باطل قرار دے رہے ہیں، اس کی بھی وضاحت فرما دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً تو یہ سمجھ لیں کہ مذکورہ عورت پر حج کی فرضیت ہی نہیں بغیر محرم کے حج جائز نہیں لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ یہ عورت اپنی طرف سے حج بدل کرا لے۔ اس پیش آمدہ صورت کو نکاحِ موقت قرار دینا درست نہیں نکاح موقت باطل ہے لیکن نکاح موقت اسے کہتے ہیں کہ معینہ دن تک مشروط نکاح کیا جائے جو کہ ان دنوں کے گزرنے پر خود ہی ختم ہو جائے گا یہ نکاح موقت ہوتا ہے جو کہ سرے سے باطل ہے لیکن سوال میں ذکر کردہ صورت مختلف ہے۔

سوال میں ذکر کردہ صورت سے ملتی صورت فقہاء نے کتبِ معتبرہ میں ذکر کی ہے کہ کوئی شخص اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ ایک مہینے یا ایک سال بعد طلاق دیدوں گا تو یہ نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے مذکورہ صورت میں نکاح صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ طلاق نکاح کو ختم کرنے والی ہے یعنی قاطع ہے پس اس شرط پر نکاح کہ ایک سال بعد یا حج سے واپسی پر طلاق دیدوں گا یہ شرط صلبِ عقد میں نہیں بلکہ قاطع یعنی طلاق میں ہے جو کہ لغو ہے جبکہ نکاحِ موقت میں تو صلب عقد میں ہی توقیت ہوتی ہے مثلاً میں ایک سال کیلئے تجھ سے نکاح کرتا ہوں لہٰذا دونوں کا فرق واضح ہے۔

صورت مسئولہ میں دل میں طلاق دینے کی نیت ہے لہٰذا یہ عقد منعقد ہو گا اور طلاق کی نیت اس پر اثر انداز نہ ہو گی البتہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ اس کی مشابہت تو بہر حال نکاح موقت اور متعہ کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس میں بھی ایک

طرح سے نکاح ہمیشگی کیلئے نہیں کیا جارہا اس لئے حج پر جانے یا ایسے دیگر کسی مقصد کیلئے نکاح کرنا صحیح نہیں۔ان صاحب کو بھی مشورہ دینے سے پہلے غور وفکر کرنی چاہیئے، دینی مسائل میں اس طرح مشورہ زنی خطرناک ہے اس عورت سے حج کی فرضیت ہی ساقط ہوگئی تھی البتہ اگر وہ عورت اس طرح نکاح کر کے یا بغیر محرم کے ہی حج کرآتی ہے تو فریضہ حج اس کے ذمے سے ساقط ہوجائے گا اور وہ عورت گنہگار ہوگی۔ دوبارہ حج کی ضرورت نہ رہے گی۔

لمافی العنایة علی ھامش فتح القدیر (۲۵۰/۳): واستشکل ھذه المسئلة بما اذا شرط وقت العقد ان یطلقھا بعد شھر فان النکاح صحیح والشرط باطل ولا فرق بینھما وبین مافیه واجیب بان الفرق بینھما ظاھر لان الطلاق قاطع للنکاح فاشتراط بعد شھر لینقطع به دلیل علی وجود العقد مؤبدا ولھذا لومضی الشھر لم یبطل النکاح فکان النکاح صحیحا ۔۔۔ والشرط باطلا وأما صورة النزاع فالشرط انما ھو فی النکاح لافی قاطعه۔

وفی الشامیة (۵۱/۳): (قوله: ولیس منه الخ) لأن اشتراط القاطع یدل علی انعقاده مؤبدا وبطل الشرط، بحر۔

وفی الدر المختار (۴۶۵/۲): ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراھة۔

وفی الشامیة(۴۶۵/۲):قلت لکن جزم في الباب بأنه لا یجب علیھا التزوج مع أنه مشی علی جعل المحرم أو الزوج شرط أداء ورجح ھذا في الجوھرة۔

(۳۸۵)ایک سال تک ساتھ رہنے کی شرط پر نکاح کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ دونوں ایک سال تک ساتھ رہیں گے اگر باہمی اتفاق قائم رہا تو نکاح برقرار رکھیں گے اور اگر نباہ نہ ہوسکا تو خود بخود نکاح ختم ہوجائے گا تو سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح نکاح کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک سال تک ساتھ رہنے کی جو شرط لگائی ہے ایسی شرائط نکاح متعہ اور نکاح مؤقت میں ہوتی ہیں ایسی شرط کے ساتھ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

لمافی القدوری (ص۱۷۹): ونکاح المتعة والموقت باطلٌ۔

وتحته فی هامش القدوری: قوله المتعة فی المنافع صورته أن يقول خذی هذه العشرة لاتمتع بك أو لاستمتع بك أو متعينی بنفسك أياماً والنكاح المؤقت أن يتزوج امرأة بشهادة شاهدين عشرة أيام أو شهرا أوسنة ونحوها والفرق بذكر لفظ التزوج فی المؤقت دون المتعة وكذا بالشهادة فيه دون المتعة وفی المحيط كل نكاح موقت متعة۔

وفی الدرالمختار(۳/۵۱): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدةمعينة ولا بأس بتزوج النهاريات عينی۔

(۳۸۶) متعہ اور موقت عقد میں فرق

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح متعہ کی تعریف بیان فرمادیں۔کیامتعہ کیلئے م ت ع کے الفاظ ذکر کرنا ضروری ہیں یانہیں؟ نیز نکاحِ موقت کی تعریف بھی بیان فرمادیں اور نکاح متعہ اور موقت میں کیافرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاحِ متعہ کی تعریف:......علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں نکاحِ متعہ کی یہ تعریف تحریر فرمائی ہے:"کسی عورت سے بلاقصدِ حصولِ ولد اور تربیت ولد کے نکاح کرنا جبکہ مقصد صرف چند دنوں کیلئے عورت سے نفع اٹھانا ہوخواہ مدت معینہ کیلئے ہو یا غیر معینہ کیلئے۔"

نکاحِ متعہ میں الفاظِ م ت ع کا استعمال ضروری نہیں۔اس اعتبار سے نکاحِ موقت بھی نکاح متعہ کی ایک صورت ہے البتہ عموماً متعہ میں م ت ع الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔

نکاح موقت کی تعریف:......نکاح موقت یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے وقتِ مقررہ کیلئے عقدِ نکاح کیا جائے۔نکاحِ موقت میں نکاح کی تمام شرائط گواہ،ایجاب وقبول مہروغیرہ پایاجاتا ہے فقط تابید(دوام) نہیں ہوتی جس کے باعث یہ بھی باطل ہے۔

نکاح متعہ اور موقت میں فرق:......متعہ اور موقت میں سب سے بڑا فرق تو یہی ہے کہ موقت میں تمام شرائطِ نکاح ہوتی ہیں فقط توقیت اسے باطل کردیتی ہے جبکہ متعہ میں نہ گواہ ہوتے ہیں نہ دیگر شرائطِ نکاح۔متعہ میں مدت کی تعیین لازمی نہیں جبکہ موقت میں انتہاءِ عقد کی مدت معین ہوتی ہے۔نکاح موقت میں نکاح اور تزویج وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جبکہ متعہ میں عموماً تمتع کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

لما في صحيح البخاری (۲/۷۶۷): ان عليا رضي الله عنه قال لابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلى الله عليه وسلم نهی عن المتعة وعن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر۔

وفی شرح المسلم للنووی (۱/۴۵۰): قال القاضي واتفق العلماء على أن هذه المتعة كانت نكاحا إلى أجل لا ميراث فيها وفراقها يحصل بانقضاء الأجل من غير طلاق ووقع الاجماع بعد ذلك على تحريمها۔

وفی الدرالمختار(۳/۵۱): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة۔

وفی الرد تحته: قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال في الفتح قال شيخ الإسلام في الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفي المتعة أتمتع أو أستمتع اه يعني ما اشتمل على مادة متعة والذي يظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعيينها ولا شك أنه لا دليل لهم على تعيين كون المتعة الذي أبيح ثم حرم هو ما اجتمع فيه مادة م ت ع للقطع من الآثار بأنه كان أذن لهم في المتعة وليس معناه أن من باشر هذا يلزمه أن يخاطبها بلفظ أتمتع ونحوه لما عرف أن اللفظ يطلق ويراد معناه فإذا قيل تمتعوا فمعناه أوجدوا معنى هذا اللفظ ومعناه المشهور أن يوجد عقدا على امرأة لا يراد به مقاصد عقد النكاح من القرار للولد وتربيته۔۔۔فيدخل فيه بمادة المتعة والنكاح المؤقت أيضا فيكون من أفراد المتعة وإن عقد بلفظ التزويج وأحضر الشهود اه ملخصا وتبعه في البحر والنهر۔

(۳۸۷) بنیت طلاق نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے خاندان میں آپس میں اکثر لڑائی رہتی ہے چنانچہ میرے چچا جان نے اپنی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن میں اس رشتہ پر دل سے تیار نہیں ہوں جب میں نے انکار کرنا چاہا کہ میں وہاں شادی نہیں کروں گا تو میرے والد صاحب نے مجھے بہت برا بھلا کہا کہ تم خاندان میں ہماری بے عزتی کراؤ گے لہٰذا تم کو یہ شادی کرنی ہوگی۔ اگر چہ بعد میں اس لڑکی کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لیتا تو میں اس پر راضی ہو گیا چنانچہ ہمارا نکاح ہو گیا لیکن جب وہ لڑکی گھر آئی تو مجھے وہ بہت اچھی لگی اور پھر میں نے اس کو طلاق نہیں دی۔ مفتی صاحب آپ بتائیے کہ میں نے جو نکاح سے پہلے نیت کی

تھی اور میں دل سے راضی نہیں تھا اس سے نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ نے نکاح کے وقت طلاق وغیرہ کی جونیت کی تھی یا آپ دل سے راضی نہیں تھے لیکن پھر والد صاحب کے اصرار پر آپ نے رضامندی سے نکاح کر لیا تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا آپ کا نکاح شرعاً بالکل صحیح ہے اور اسے نکاحِ مؤقت شمار نہیں کیا جائے گا۔

لما فی القرآن (النساء:۳): فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُولُوا۔

وفی مشکوۃ المصابیح کتاب النکاح (۲/۲۶۷): یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج۔

وفی حاشیۃ الترمذی(۱/۲۱۳) باب ماجاء فی المحلل والمحلل لہ: وقیل المکروہ اشتراط الزوج بالتحلیل فی القول لافی النیۃ بل قد قیل انہ مأجور بالنیۃ لقصد الاصلاح۔

وفی التاتار خانیۃ (۲/۵۸۶): وفی الینابیع اذا تزوج بنیۃ أن یطلقھا اذا جامعھا لا بأس بہ۔

وفی الدرالمختار (۳/۵۲) کتاب النکاح: (وبطل نکاح متعۃ ومؤقت) وإن جھلت المدۃ أو طالت في الأصح ولیس منہ ما لو نکحھا علی أن یطلقھا بعد شھر أو نوی مکثہ معھا مدۃ معینۃ۔

وفی الرد تحتہ: قولہ (أو نوی الخ) لأن التوقیت إنما یکون باللفظ بحر۔

وفیہ أیضاً(۳/۹): (وینعقد) ملتبسا (بإیجاب) من أحدھما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي) لأن الماضي أدل علی التحقیق (کزوجت) نفسي أو بنتي أو موکلتي منك (و) یقول الآخر (تزوجت و) ینعقد أیضا (بما) أي بلفظین (وضع أحدھما لہ)۔

وفیہ أیضا(۳/۴۱۵): (أما إذا أضمرا ذلك لا) یکرہ (وکان) الرجل (مأجورا) لقصد الإصلاح۔

وفی الرد تحتہ: قولہ (أما إذا أضمرا ذلك) محترز قولہ بشرط التحلیل (لا یکرہ) بل یحل لہ في قولھم جمیعا۔

(۳۸۸) واپسی پر طلاق کی نیت سے بیرون ملک میں شادی کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص باہر ملک میں مزدوری کرتا ہے اس کے بیوی

بچے اپنے وطن میں ہیں اسے وہاں نکاح کا تقاضہ شدت سے محسوس ہوتا ہے وہ اس نیت سے کہ جب میری نوکری ختم ہوئی تو طلاق دے دونگا اس ملک میں نکاح کرلیتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہوتا ہے کہ واپس آتے وقت طلاق دے کر آجاتا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ گھر تو اس عورت کو لانہیں سکتا پہلی بیوی بچوں کا مسئلہ ہے ایک فساد کھڑا ہوگا لہٰذا اس نیت سے نکاح کرنا جائز ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح مع الکراہہ درست ہوگا، کیونکہ نکاح دائمی طور پر ہوتا ہے اور نکاح سے مقصود طلب اولاد ہے تاکہ اولاد کی اچھی تربیت ہوسکے، یہ باتیں اس نکاح میں نہیں پائی جاتیں، اور یہ نکاح نکاح موقت کے مشابہ ہوتا ہے اگرچہ اس میں وقت کی زبانی صراحت نہیں ہے لیکن اس کی نیت محدود وقت کی ہے لہٰذا یہ نکاح مؤقت کے مشابہ ہوگیا، پھر بلا عذر شرعی طلاق دینا بھی درست نہیں ہے کیونکہ طلاق ابغض المباحات ہے اس کی اجازت اس وقت ہے جبکہ میاں بیوی میں نباہ ممکن نہ رہے اور ان کے اکٹھے رہنے سے دین و دنیا کے اعتبار سے نقصان ہو، ایسی صورت میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے، یہ کوئی عذر شرعی نہیں ہے کہ گھر والے خاندان والے اس کو برا سمجھیں گے اور پہلی بیوی ناراض ہوگی، اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، جب اس کی استطاعت ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے اور اللہ کی اطاعت وفرماں برداری میں مخلوق کی ملامت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

لمافی احکام القرآن للجصاص(۱۰۹/۲):قوله تعالى فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً يدل على أنه مندوب إلى إمساكها مع كراهته لها وقد روى عن النبي صلّى الله عليه وسلّم ما يوافق معنى ذلك ـــ عن ابن عمر عن النبي صلّى الله عليه وسلّم قال أبغض الحلال إلى الله تعالى الطلاق وحدثنا عبد الباقي بن قانع قال حدثنا محمد بن خالد بن يزيد النيلي قال حدثنا مهلب بن العلاء قال حدثنا شعيب بن بيان عن عمران القطان عن قتادة عن أبي تميمة الهجيمي عن أبي موسى الأشعرى رضي الله عنه قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم تزوجوا ولا تطلقوا فإن الله لا يحب الذواقين والذوقات فهذا القول من النبي صلّى الله عليه وسلّم موافق لما دلت عليه الآية من كراهة الطلاق والندب إلى الإمساك بالمعروف مع كراهته لها واخبر الله تعالى أن الخيرة ربما كانت، لنا في الصبر على ما نكره بقوله تعالى فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً۔

وفی المرقاة (۲۹۶/۱):ولا يخفى أن كلامهم فيما سيأتي من التعاليل يصرح بأنه محظور لما فيه من كفران نعمة النكاح وللحديثين المذكورين وغيرهما وإنما أبيح للحاجة والحاجة هي الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله فشرعه رحمة منه سبحانه

فبين الحكمين تدافع والأصح حظره إلا لحاجة الأدلة المذكورة ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة وهو ظاهر في رواية لأبي داود ما أحل الله شيئا أبغض إليه من الطلاق۔

وفی الدر المختار (۵۱/۳): وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة۔

وفی الرد تحته: (قوله اونوى الخ) لأن التوقيت انما يكون باللفظ۔

(۳۸۹) نکاح مسیار کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل عوام میں نکاحِ مسیار کے نام سے ایک بحث چل رہی ہے اس نکاح کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک شخص کسی غیر ملک میں کام کے سلسلے میں جائے پھر اسے وہاں نکاح کی حاجت ہو تو طلاق کی نیت سے نکاح کر لے یعنی جب میں واپس آؤں گا سال دوسال بعد تو طلاق دیدوں گا ظاہر ہے اپنے ملک میں تو اسے رکھنا ناممکن ہوتا ہے لہٰذا مستقبل میں ایقاعِ طلاق اگرچہ مصرح نہ ہو لیکن المعروف کالمشروط یا المتیقن کالواقع کے تحت طلاق کا پایا جانا لابدی امر ہے۔ آیا ان کیفیات میں اس پردیسی شخص کا کیا ہوا یہ نکاح متعہ کی طرح نہیں؟ جائز ہے یا ناجائز؟ آیا عہد صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایسے نکاح کی نظیر ملتی ہے؟ نیز آپ کی نظر میں نکاحِ مسیار کی اور کوئی صورت بنتی ہو تو بتادیں اور سنا ہے کہ بعض لوگ عورتوں سے تمام حقوق بھی معاف کرالیتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

متعہ اس عقد کو کہا جاتا ہے جس میں محدود مدت کیلئے کسی عورت سے استمتاع کا حصول مقصود ہو اور یہ مدت علی التعیین یا لاعلی التعیین بہرحال الفاظ میں ذکر ہوتی ہے جبکہ جو عقد آپ نے ذکر کیا اس میں عقد مطلقا ہو رہا ہے البتہ نیت ایک عرصے بعد طلاق دینے کی ہے۔

نیز متعہ میں نکاح کے احکامات مثلاً وراثت، نسب کا الحاق، عدت کا وجوب وغیرہ مرتب نہیں ہوتے جبکہ سوال میں ذکر کردہ عقد میں ان سب کا اجراء ہوگا۔ متعہ میں شرائط نکاح گواہ اذن ولی وغیرہ موجود نہیں ہوتے وہ سرے سے ایک باطل عقد ہے مخصوص مدت کی انتہاء کے ساتھ خود ہی ختم ہوجاتا ہے۔

لہٰذا اس عقد کو متعہ کہنا تو درست نہیں البتہ یہ نکاح بشرطِ طلاق کی طرح کا عقد ہے نکاح بشرط طلاق یہ ہے کہ ایک شخص اس شرط

پر نکاح کرتا ہے کہ میں ایک سال بعد یا حج سے واپسی کے بعد اسے طلاق دے دوں گا۔ یہ عقد درست ہے اور طلاق کی شرط لغو ہے نہ اس سے طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ بعد میں طلاق دینا ہوگی۔ اس عقد کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط صلب عقد میں نہیں بلکہ ایجاب وقبول مطلق ہے۔ اسی طرح سوال میں ذکر کردہ عقد (اگر مسیار اسی عقد کا نام ہو تو پھر مسیار) یہ عقد صحیح ہے باقی نیت کا کچھ اعتبار نہیں اور حقوق معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتے بدستور شوہر کے ذمے باقی رہیں گے، لیکن یہاں چند باتیں ذہن نشین رہیں اوّلاً اس طرح کی نیت سے نکاح نہیں کرنا چاہیئے، دوام کی نیت ہو اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں گے ثانیاً اگر اس طرح کا عقد کرلیا ہے تو پھر از حد کوشش کرے کہ طلاق نہ دے کیونکہ طلاق مبغوض چیز ہے نیز بیوی کے حقوق بھی ادا کرے۔ اسلام نے نکاح کو اسی لئے مشروع کیا ہے نکاحِ مسیار کی جو صورت آپ نے لکھی ہے اگر واقعۃً صورت یہی ہے تو بہرحال یہ فطرت سے منحرف عقد ہے اور سنت وشریعت کے مخالف ہے عقد اگرچہ منعقد ہوا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مسلم کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"وأجمعوا على أن من نكح نكاحا مطلقا ونيته أن لا يمكث معها الا مدة نواها فنكاحه صحيح حلال وليس نكاح متعة وإنما نكاح المتعة ما وقع بالشرط المذكور ولكن قال مالك ليس هذا من أخلاق الناس وشذ الأوزاعي فقال هو نكاح متعة ولا خير فيه والله أعلم"

"اجماع ہے اس بات پر کہ اگر ایک شخص مطلق نکاح کرے اور اس کی نیت ہو کہ وہ بیوی کے ساتھ مخصوص مدت جس کی اس نے نیت کی ہے سے زیادہ نہ رہے گا تو اس کا نکاح صحیح اور حلال ہے اور یہ نکاحِ متعہ نہیں۔ نکاح متعہ تو یہ ہے کہ مذکورہ نیت کی شرط لگائی جائے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ (بنیتِ طلاق نکاح) اخلاقیات میں سے نہیں ہے امام اوزاعی کا تفرد ہے کہ وہ فرماتے ہیں یہ بھی متعہ ہے اس میں کوئی خیر نہیں۔ واللہ اعلم"

لمافی الهندية (٢٨٣/١): ولو تزوجها مطلقا وفي نيته أن يقعد معها مدة نواها فالنكاح صحيح كذا في التبيين۔

وفی الدرالمختار(٥١/٣): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت، في الأصح وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدةمعينة۔

وفی الشامية تحت قوله (او نوى الخ) لأن التوقيت انما يكون باللفظ، بحر۔

وفی اللجنة الدائمة (٤٤٨/١٨):س: انتشر بين أوساط الشباب السفر خارج البلاد للزواج بنية الطلاق، والزواج هو الهدف في السفر استنادا على فتوى بهذا الخصوص، وقد فهم الكثير من الناس الفتوى خطأ، فماحكم هذا؟

ج: الزواج بنية الطلاق زواج مؤقت، والزواج المؤقت زواج باطل؛ لأنه متعة، والمتعة محرمة بالإجماع، والزواج الصحيح: أن يتزوج بنية بقاء الزوجية والاستمرار فيها، فإن صلحت له

الزوجة وناسبت له وإلا طلقها، قال تعالى: { فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ } وبالله التوفيق. وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

فصل فی نکاح زوجۃ المفقود والغائب

(مفقود اور غائب شخص کی بیوی سے نکاح کا بیان)

(۳۹۰) غائب شخص کی بیوی کے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی اچانک غائب ہوگیا، اور اس آدمی کے غائب ہونے کے پانچ سال بعد اس (مفقود) کے سسر نے اپنی بیٹی کا نکاح (جو مفقود کی منکوحہ تھی) مفقود کے بھائی کے ساتھ کرادیا، اور کئی سال گزرنے کے بعد مفقود آدمی واپس آگیا، تو اس صورت میں اس کی بیوی کے نکاح کا کیا حکم ہوگا؟ براہ کرم شریعت مقدسہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مفقود کی بیوی کے نکاح ثانی کیلئے شرط یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، اس کے بعد گواہوں سے شوہر کا مفقود ولاپتہ ہونا ثابت کرے بعد ازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرائے، اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، پھر ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزۃ: ص۲۶)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کا نکاح ثانی کراتے وقت اگر یہ شرائط ملحوظِ نظر نہیں رکھی گئی تھیں تو نکاح ثانی منعقد ہی نہیں ہوا اور عورت سابق شوہر کے نکاح میں ہی برقرار رہی اور اگر نکاحِ ثانی میں مذکورہ تمام شرائط کا لحاظ رکھا گیا تھا تو نکاح منعقد ہوگیا، لیکن اس صورت میں بھی مفقود کے لوٹ آنے سے نکاحِ ثانی باطل ہوگیا اور عورت اپنے سابق شوہر کے نکاح میں ہی برقرار رہی، اب اس کیلئے شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں بلکہ شوہر اول کے پاس لوٹ آئے، البتہ شوہر اول کے پاس آنے سے پہلے عدت گزارنا ضروری ہے۔

نیز شوہر ثانی نے جو مہر مقرر کیا تھا عورت اس مہر کی بھی حقدار ہوگی، وہ اسے دیا جائے گا۔

نوٹ:...... چونکہ مذکورہ عورت کوشوہر ثانی کے پاس ایک طویل عرصہ ہو چکا ہے اور اب شوہر اول کے پاس جانے میں بہت سے معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ شوہر اول اس عورت کو طلاق بائنہ دیدے پھر یہ عورت عدت گزار کر دوبارہ شوہر ثانی سے نکاح کرلے تاکہ اس کی زندگی جس نہج پر چل رہی تھی اسی نہج پر چلتی رہے۔

لمافی الشامية (٢٩٥/٤) كتاب المفقود: مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين۔۔۔وقال في الدر المنتقى ليس بأولى لقول القهستاني لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اهـ

وفی الفقه الاسلامی وادلته (٤٨٤٣/٦) (الفصل العاشر: المفقود): وقال الإمامان مالك وأحمد: إذا مضى أربع سنوات يفرق القاضي بين المفقود وبين امرأته، وتعتد عدة الوفاة، ثم تتزوج من شاءت؛ لأن عمر رضي الله عنه قضى بذلك في مفقود.

وفی الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة (ص ٦٨،٦٩) (واپسی مفقود کے احکام): لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ اگر مفقود حکم بالموت کے بعد بھی واپس آجاوے تو اوس کی عورت ہر حال میں اوسی کو ملیگی خواہ عدت وفات کے اندر آجاوے یا بعد انقضائے عدت اور خواہ نکاح ثانی اور خلوت وصحبت کے بعد آئے یا پہلے۔ کما صرح به شمس الائمة فی المبسوط حيث قال وقد صح رجوعه (یعنی عمر رضی اللہ عنہ) عنه الی قول علی رضی الله عنه فانه كان يقول ترد الی زوجها الاول ويفرق بينها وبين الآخر ولها المهر بما استحل من فرجها ولا يقربها الاول حتى تنقضی عدتها من الآخر وبهذا كان يأخذ ابراهيم رحمه الله فيقول قول علی رضی الله عنه احب الی من قول عمر رضی الله عنه وبه نأخذ ايضاً۔(ص ٣٧،جلد ١١) وفی ميزان الشعرانی (ص ١٢٣،جلد: ٢) ومن ذلك قول ابی حنيفة ان المفقود اذا قدم بعد ان تزوجت زوجته بعد التربص يبطل العقد وهی للاول وان كان الثانی وطئها فعليه مهر المثل وتعتد من الثانی ثم ترد الی الاول، اور حنفی کیلئے غیر حنفیہ کے مذہب پر فتوی دینا سخت ضرورت کے وقت جائز ہے جیسے تاجیل زوجۂ مفقود وغیرہ کی صورتیں، لیکن واپسی مفقود کی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں۔ لہٰذا صورت ثانیہ میں بھی (یعنی جبکہ واپسی مفقود سے قبل شوہر ثانی خلوت صحیحہ بھی کرچکا ہو تب بھی) زوجہ اپنے خاوند سابق ہی کے نکاح میں رہے گی، شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں، کیونکہ شوہر اول کی واپسی سے نکاح ثانی باطل قرار دیا گیا۔

(۳۹۱) تبلیغ میں جانے والے شخص کے غائب ہوجانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص عبدالرحمن نامی دعوت وتبلیغ پر نکالیکن پھر رائیونڈ میں ہی رہ گیا ایک عرصہ تک تو رابطہ میں تھا لیکن پھر اچانک رابطہ بھی ختم ہوگیا اب کچھ نہیں پتہ کہ کہاں ہے اس کے گھر والے سخت پریشان ہیں ۲ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ عبدالرحمن کا گھر سے کوئی رابطہ نہیں، نہ رائیونڈ میں اس کا کوئی پتہ لگا، معلوم نہیں کن جماعتوں میں نکل گیا ہے اس نے زندگی وقف کردی تھی۔ تو مفتی صاحب! آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا ہے اور اب اس کی اہلیہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟ اس کے دو بچوں کی کفالت کا مسئلہ ہے، مدلل جواب مرحمت فرمائیں کہ لاپتہ شخص کیلئے شریعت کیا کہتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

زوجۂ مفقود کے بارے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مجتہدین حضرات نے یہ حکم لگایا ہے کہ جب تک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے اور حسبِ قاعدہ اس کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں۔

البتہ بوقتِ ضرورتِ شدیدہ جب عورت صبر نہ کرسکے اور اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا اس کے نفقہ کی کوئی صورت نہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حال میں (یعنی ہلاکت مظنون ہو یا نہ ہو) زوجۂ مفقود کیلئے مفقود کے نکاح سے علیحدہ ہونے کی یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور بذریعۂ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولاپتہ ہونا ثابت کرے اس کے بعد قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب ناامید ہوجائے تو عورت کو مزید چار سال کے انتظار کا حکم دے، پھر اگر ان چار سال میں بھی مفقود کا پتہ نہ چلے، تو قاضی مذہب مالکیہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی موت کا حکم لگادے اور پھر اس کے بعد عورت عدتِ وفات چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کرلے، اور اگر عورت کیلئے چار سال انتظار کرنا مشکل ہو اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر ایک سال انتظار کے بعد قاضی اُن کے درمیان تفریق کردے اور عورت عدتِ طلاق [تین حیض] گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافی الهنديه (۲/۲۹۹) كتاب المفقود: هو الذي غاب عن أهله أو بلده أو أسره العدو ولا يدرى أحي هو أو ميت ولا يعلم له مكان ومضى على ذلك زمان فهو معدوم بهذا الاعتبار وحكمه أنه حي في حق نفسه لا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله ولا تفسخ إجارته وهو ميت في حق غيره لا يرث ممن مات حال غيبته كذا في خزانة المفتين۔

وفی الشامیة (۴/۲۹۵) كتاب المفقود: مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم ---وعند أحمد إن كان يغلب على حاله الهلاك كمن فقد بين الصفين أو في مركب قد انكسر أو خرج لحاجة قريبة فلم يرجع ولم يعلم خبره فهذا بعد أربع سنين يقسم ماله وتعتد زوجته بخلاف ما إذا لم يغلب عليه الهلاك كالمسافر لتجارة أو لسياحة فإنه يفوض للحاكم في رواية عنه وفي أخرى يقدر بتسعين من مولده كما في شرح ابن الشحنة لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة للحنفي إلى ذلك أي لأن ذلك خلاف مذهبنا فحذفه أولى وقال في الدر المنتقى ليس بأولى لقول القهستاني لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اهـ

وفی الحيلة الناجزة (ص١١٩) مجموعة الفتاوىٰ المالكيه: (الجواب): المفقود فی بلاد الاسلام فی غير مجاعة ولا وباء ان لم ترض زوجته بالصبر الى قدومه فلها أن ترفع أمرها الى الخليفة أو القاضى أو من يقوم مقامهما فی عدمهما ليفصحوا عن حال زوجها بعد أن تثبت الزوجية وغيبة الزوج والبقاء فی العصمة الى الآن، واذا ثبت ذلك عندهم كتبوا كتابا مشتملاً على اسمه ونسبه وصفته الى حاكم البلد يظن وجوده فيه --- فاذا انتهى الكشف ورجع اليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبره، فالواجب أن يضرب له أجل أربع سنين للحر وسنتان للعبد --- ومحل التأجيل المذكور ان كان للمفقود مال تنفق منه المرأة فی الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بلا وطی لشدة ضرر ترك الوطی الناشی عنه الزنا --- واما ان لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار من غير تاجيل لكن بعد اثبات ما تقدم وتزيد اثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البينة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة ولا أسقطتها عنه، وبعد ذلك يمكنها الحاكم من تطليق تنفسها بأن توقعه ويحكم به أويوقعه الحاكم ---ثم بعد الطلاق تعتد عدة الوفاة --- الخ۔

وفی الحيلة الناجزة (۷۲): اگر تفریق اس قاعدے[۱] کے مطابق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق

---

[۱] اس قاعدے سے مراد وہ صورت ہے کہ مجبوراً چار سال سے قبل ہی قاضی علیحدگی کا حکم کردے، اس صورت میں یہ تفریق طلاقِ رجعی کے حکم میں ہوگی اور یہ حکم، حکم بالطلاق ہوگا نہ کہ حکم بالوفاۃ لہٰذا اس صورت میں عدتِ طلاق ہوگی نہ کہ عدتِ وفات، جبکہ چار سال کی مدت گزارنے پر جو حکم قاضی نافذ کرتا ہے وہ حکم بالوفاۃ ہوتا ہے لہٰذا اس میں عدتِ وفات لازم ہوتی ہے۔ ازمرتب فرحان حسن عفی عنہ

طلاقِ رجعی ہوگی اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدتِ طلاق یعنی تین حیض گزارنے ہوں گے اور اگر مفقود اس صورت میں واپس آگیا تو اوس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آ کر رجوع کرلے تو رجعت صحیح ہو جائے گی۔۔الخ۔

(۳۹۲) جہاد میں غائب شخص کی بیوی سے نکاح کا حکم

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے کا ایک شخص جہاد افغانستان پر گیا اور اب واپسی کا کوئی علم نہیں، اس کی بیوی کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسے مجاہدین کے گھروں کے حالات پریشان کن ہوجاتے ہیں کیا کوئی شخص ایسے مجاہد کی بیوی سے جسے غائب ہوئے سال کا عرصہ گزر چکا ہو نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مفقود (گمشدہ شوہر) کی بیوی کیلئے اصل حکم تو یہ ہے کہ عفت وعصمت کے ساتھ زندگی بسر کرے تاہم اگر دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ طریقہ اختیار کرے کہ مسلمان قاضی کی عدالت میں اپنا دعویٰ دائر کرے اور گواہوں سے ثابت کرے کہ میرا فلاں شخص سے نکاح ہوا تھا پھر گواہوں سے اس کا مفقود (گمشدہ) ہونا ثابت کرے۔قاضی ازخود بھی زوج مفقود کی حد درجہ تک تلاش وتفتیش کرے اگر پوری تلاش وجستجو کے بعد بھی شوہر کا کوئی سراغ نہ ملے تو بیوی کو مزید چار سال تک انتظار کا حکم دے پھر بھی اگر شوہر کا پتہ نہ چلے تو بیوی دوبارہ قاضی سے درخواست کرے جس پر قاضی شوہر کے مردہ ہونے کا حکم دے تو پھر بیوی کو عدتِ وفات یعنی چار ماہ دس دن گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا لیکن اگر عورت کیلئے باعفت چار سال گزارنے بھی ناممکن ہوں اور اس کے فتنہ میں مبتلاء ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا شوہر ایسے سفر وغیرہ میں ہو جس میں غالب گمان اس کی موت کا ہو تو قاضی ایک سال تک انتظار کا حکم دے کر شوہر کے مردہ ہونے کا حکم سنادے پھر عدتِ وفات گزارنے کے بعد عورت جدید نکاح کی مجاز ہوگی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کو غالب گمان شوہر کی شہادت کا ہو اور مزید زندگی باعفت گزارنی بھی ناممکن ہو تو ایک سال گزارنے کے بعد عدالت کے حکم کے بعد عدتِ طلاق [یعنی تین حیض] گزار کر نکاح جدید کرنے کی اجازت ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۴۵/۱۳) امرأة المفقود امرأته حتی یاتیها البیان قال الزیلعی: لانه یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا انقطع خبره یغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قدمات ومقتضاه انه یجتهد ویحکم القرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلی هذا یبتنی مافی جامع الفتاوی حیث قال واذا فقد فی المملکة فموته غالب فیحکم

به كما اذا فقد في وقت الملاقاة مع العدوا ومع قطاع الطريق ۔۔۔ وما أشبه ذلك حكم بموته لانه الغالب في هذه الحالات وافتى به بعض مشايخنا وقال انه افتى به قاضي زاده صاحب بحر الفتاوى لكن لا يخفى انه لابد من مدة طويلة يغلب على الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو اوسفر البحر ونحوه الخ۔

وفي الشامية (۲۹۵/۴) كتاب المفقود: مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم ۔۔۔ وعند أحمد إن كان يغلب على حاله الهلاك كمن فقد بين الصفين أو في مركب قد انكسر أو خرج لحاجة قريبة فلم يرجع ولم يعلم خبره فهذا بعد أربع سنين يقسم ماله وتعتد زوجته بخلاف ما إذا لم يغلب عليه الهلاك كالمسافر لتجارة أو لسياحة فإنه يفوض للحاكم في رواية عنه وفي أخرى يقدر بتسعين من مولده كما في شرح ابن الشحنة لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة للحنفي إلى ذلك أي لأن ذلك خلاف مذهبنا فحذفه أولى وقال في الدر المنتقى ليس بأولى لقول القهستاني لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اهـ۔۔۔ وقد قال في البزازية الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة۔

(۳۹۳) سیلاب میں لاپتہ شخص کی بیوی کیلئے حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حالیہ سیلاب میں لاپتہ ہوگیا ابھی ۴ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اس کی بیوی پریشان ہے گھریلو مسائل بھی ہیں وہ آپ سے سوال کرنا چاہتی ہے کہ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ شوہر کی واپسی تقریباً ناممکن لگ رہی ہے سیلاب نے بہت سوں کو جدا کردیا اور بہت سوں کو اپنوں سے ہمیشہ کیلئے علیحدہ کردیا ہے۔ کیا اس عورت کیلئے دوسرے نکاح کی اجازت ہے وہ صبر کرنے کے حوصلے میں نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ شخص لاپتہ ہوگیا ہے اور اس کی واپسی کی امید نہیں ہے اور بیوی گھریلو پریشانیوں کا شکار ہے تو ایسی صورت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حال میں یعنی ہلاکت مظنون ہو یا نہ ہو زوجہ مفقود کے لئے مفقود کے نکاح سے علیحدہ ہونے کی یہ صورت

ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور بذریعہ شہادت شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولا پتہ ہونا ثابت کرے اس کے بعد قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب ناامید ہوجائے تو عورت کو مزید چار سال تک انتظار کا حکم دے پھر اگر ان چار سالوں میں بھی مفقود کا کچھ پتہ نہ چلے تو قاضی مذہب مالکیہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی موت کا حکم لگادے اور پھر اس کے بعد عورت عدتِ وفات یعنی چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ اور اگر عورت کے لئے چار سال انتظار کرنا مشکل ہو اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر ایک سال انتظار کے بعد قاضی ان کے درمیان تفریق کردے اور اس صورت میں عورت عدتِ طلاق [یعنی تین حیض] گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافي الشامية (۲۹۲/۴): قوله (هو غائب الخ) أفاد أن قول الكنز هو غائب لم يدر موضعه معناه لم تدر حياته ولا موته قال في البحر فالمدار إنما هو على الجهل بحياته وموته لا على الجهل بمكانه۔

وفي الشامية أيضا (۲۹۵/۴): مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود۔۔۔الخ۔

وفي الحيلة الناجزة (۷۲): اگر تفریق اس قاعدے[1] کے مطابق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاقِ رجعی ہوگی اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدتِ طلاق یعنی تین حیض گزارنے ہوں گے اور اگر مفقود اس صورت میں واپس آگیا تو اوس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آکر رجوع کرلے تو رجعت صحیح ہو جائے گی۔۔الخ۔

(۳۹۴) پھانسی کے سزایافتہ کی بیوی کے نکاح کا حکم

سؤال

ایک شخص کو قتل کے کیس میں پھانسی کی سزا ہوگئی تقریباً ۹ ماہ کے اندر اسے پھانسی دے دی جائے گی کیا اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا؟ اور کیا وہ دوسری شادی کرسکتی ہے؟ یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ وہ یہ ایک سال صبر نہیں کرسکتی کیونکہ قتل سے پہلے بھی کافی مدت تک اس کا خاوند فرار تھا، ہمبستری نہیں کی لہٰذا کیا کیا جائے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

واضح رہے کہ نکاح مندرجہ ذیل چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے: (۱) احدالزوجین کی موت سے (۲) طلاق (۳) خلع (۴) ایلاء

[1] اس قاعدے سے مراد وہ صورت ہے کہ مجبوراً چار سال سے قبل ہی قاضی علیحدگی کا حکم کردے، اس صورت میں یہ تفریق طلاقِ رجعی کے حکم میں ہوگی اور یہ حکم، حکم بالطلاق ہوگا نہ کہ حکم بالوفاۃ لہٰذا اس صورت میں عدتِ طلاق ہوگی نہ کہ عدتِ وفات، جبکہ چار سال کی مدت گزارنے پر جو حکم قاضی نافذ کرتا ہے وہ حکم بالوفاۃ ہوتا ہے لہٰذا اس میں عدتِ وفات لازم ہوتی ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

(۵) لعان (۶) ارتداد احد الزوجین وغیرہ۔

صورت مسئولہ میں پھانسی کی سزا کا سنایا جانا ایسا سبب نہیں جس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے لہٰذا میاں، بیوی کے درمیان رشتہ ازدواج اب بھی برقرار ہے اور نہ مذکورہ شخص مفقود کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ مفقود وہ شخص ہوتا ہے جس کی موت، حیات کا علم نہ ہو۔ جبکہ مذکورہ شخص کی حیات اور جگہ دونوں کا علم ہے۔ البتہ اگر عورت کا گزارہ مشکل ہو اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو، تو چونکہ قیدی کو قانوناً یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شب باشی کیلئے اپنی بیوی کو بلا سکتا ہے تو مذکورہ عورت اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

اگر مذکورہ صورت ممکن نہ ہو، تو بیوی شوہر سے طلاق یا خلع کا مطالبہ کرے اور اگر شوہر خوشی سے طلاق دیدے پر راضی نہ ہو، تو اس صورت میں اگر بیوی شوہر سے جبراً بھی طلاق لے لے تو اس کی گنجائش ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی طلاق یا خلع کے بغیر نہ تو فسخ نکاح کر سکتی ہے، اور نہ دوسری شادی کر سکتی ہے اور اگر اسے اپنے اوپر بالکل قابو نہ رہے تو روزہ رکھ کر اپنے اوپر قابو حاصل کرے۔

لما فی اعلاء السنن (۴۳/۱۳) کتاب المفقود (ط ادارۃ القرآن): وقال الموفق فی ''المغنی'' فی احکام المفقود اذا غاب الرجل عن امراته لم یخل من حالین۔

احدهما: ان تکون غیبة غیر منقطعة یعرف خبره و یأتی کتابه فهذا لیس لامرأته أن تتزوج فی قول اهل العلم اجمعین الا ان یتعذر الانفاق علیهما فلها ان تطلب فسخ النکاح فیفسخ نکاحه (ای عند من یری فسخ النکاح باعسار الزوج) ـــ ولنا انه لیس بمفقود فلم ینفسخ نکاحه۔

وفی الهندیة (۲۹۹/۲) کتاب المفقود هو الذي غاب عن أهله أو بلده أو أسره العدو ولا یدری أحي هو أو میت ولا یعلم له مکان ومضی علی ذلك زمان فهو معدوم بهذا الاعتبار۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۷۰۶۸/۹): المبحث السادس ـ التفریق للحبس: لم یجز جمهور الفقهاء غیر المالکیة التفریق لحبس الزوج أو أسره أو اعتقاله، لعدم وجود دلیل شرعي بذلك. ولا تعد غیبة المسجون ونحوه عند الحنابلة غیبة بعذر. أما المالکیة فأجازوا طلب التفریق للغیبة سنة فأکثر، سواء أکانت بعذر أم بدون عذر، کما تقدم۔

(۳۹۵) عمر قید کے سزا یافتہ کی بیوی کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شاکر کو عمر قید ہوگئی ابھی تین سال کا عرصہ اس کو گزر چکا ہے ظاہر ہے باقی عمر بھی قید میں گزرنی ہے اب کیا شاکر کی بیوی دوسری شادی کر سکتی ہے؟ کیونکہ شاکر کا آنا ممکن نہیں اور وہ طلاق بھی

نہیں دیتا۔ اب شرعاً کیا کیا جائے شاکر کو مردہ تصور کرنا جائز نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جس شخص کو عمر قید ہوگئی ہے وہ مفقود کے حکم میں نہیں ہے کہ اس پر مفقود کے احکام جاری ہوں البتہ ایسی عورت شوہر سے خلع وغیرہ لے کر اپنی جان چھڑا سکتی ہے اگر شوہر خلع پر بھی راضی نہ ہو اور عورت کو سخت مجبوری ہو جس کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے یعنی شوہر نفقہ دیتا ہو اور نہ ہی کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہو اور نہ خود عورت حفظ آبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو، (۲) اور دوسری صورت سخت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہوسکتا ہو لیکن شوہر سے علیحدہ ہونے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ شوہر کے متعنت ہونے کا مقدمہ دائر کر کے قاضی سے نکاح فسخ کروالے اور عدت کے بعد دوسری شادی کرلے۔

لمافی الهندية (۲/۲۹۹): كتاب المفقود هو الذي غاب عن أهله أو بلده أو أسره العدو ولا يدرى أحي هو أو ميت ولا يعلم له مكان ومضى على ذلك زمان فهو معدوم بهذا الاعتبار۔

وفي الشامية (۴/۲۹۲) كتاب المفقود (ط سعيد): قوله (هو غائب الخ) أفاد أن قول الكنز هو غائب لم يدر موضعه معناه لم تدر حياته ولا موته قال في البحر فالمدار إنما هو على الجهل بحياته وموته لا على الجهل بمكانه فإنهم جعلوا منه كما في المحيط ۔۔۔ قلت الظاهر أن عدم المكان يستلزم العلم بالموت والحياة غالبا وعدمه عدمه فالعطف للتفسير۔

وفي الفقه الاسلامي وادلته (۴/۲۹۹۰) (ط دارالفكر): من هذا القانون على أنه: إذا غاب الزوج بلا عذر مقبول، أو حكم بعقوبة السجن أكثر من ثلاث سنوات، جاز لزوجته بعد سنة من الغياب أو السجن أن تطلب إلى القاضي التفريق، ولو كان له مال تستطيع الإنفاق منه والتفريق للغيبة بعد سنة في هذه المادة مأخوذ من القول المعتمد في مذهب المالكية.

وفي الحيلة الناجزة (ص ۷۳): زوجہ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ ان کے نزدیک زوجہ متعنت کو تفریق کا حق مل سکتا ہے اور سخت مجبوری کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہوسکے ...... دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہوسکتا ہے لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہو۔

(۳۹۶) مفقود کی واپسی پر عورت کیلئے عدت گزارنے کی وجہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مفقود شخص اگر لوٹ آئے تو اس کی بیوی اسے ہی ملتی ہے دوسرے شوہر سے علیحدگی کرائی جائے گی لیکن مشورہ یہ دیا جاتا ہے کہ پہلا شوہر طلاق دیدے اور بعد از عدت دوسرا شوہر دوبارہ نکاح کرلے تحقیق طلب بات یہ ہے کہ اس صورت میں تو استبراء رحم کی ضرورت ہی نہیں تو عدت کیوں؟ مفقود تو ایک عرصے سے قریب ہی نہیں آیا اور بیوی اس دوسرے شوہر سے ہمبستر تھی پھر عدت کا کیوں کہا جارہا ہے قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ پہلے شوہر کے طلاق دیتے ہی یہ نکاح کرلے۔ امید ہے آپ اس مسئلے کا مفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عدت کے وجوب کیلئے دخول شرط ہے اور مذکورہ صورت میں مفقود شخص کی طرف سے دخول پایا گیا ہے جس طرح نسب کیلئے فراش (یعنی نکاح ہونا ضروری ہے) اگر چہ شوہر مغرب میں ہو اور بیوی مشرق میں پھر بھی بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ صورت میں مفقود شخص کی بیوی پر طلاق کے بعد عدت گزارنا ضروری ہوگا۔ اگر چہ وہ کئی سالوں سے اپنی بیوی کے قریب بھی نہیں آیا ایک مرتبہ دخول [یا خلوت صحیحہ] ہی عدت کیلئے کافی ہے۔

لمافی الهندیه (۵۲۶/۱) (ط حقانیه): الباب الثالث عشر في العدة هي انتظار مدة معلومة يلزم المرأة بعد زوال النكاح حقيقة أو شبهة المتأكد بالدخول أو الموت كذا في شرح النقاية للبرجندي۔

وفی الدرالمختار(۵۰۴/۳) (ط س): واصطلاحا (تربص يلزم المرأة) أو ولي الصغيرة (عند زوال النكاح) فلا عدة لزنا (أو شبهته) كنكاح فاسد ومزفوفة لغير زوجها ۔۔۔ (وسبب وجوبها) عقد (النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه) من موت أو خلوة أي صحيحة فلا عدة بخلوة الرتقاء وشرطها الفرقة وركنها حرمات ثابتة بها كحرمة تزوج وخروج۔

وفی الشامية(۵۰۴/۳): (قوله وشرطها الفرقة) ای زوال النكاح أو شبهته۔

باب فی أحکام الکفر والارتداد

(نکاح میں کفر اور ارتداد کا بیان)

(۳۹۷) عورت کا یہ کہنا کہ "ایسی شریعت کو آگ لگا دو"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عورت نے غصے میں کہا کہ ایسی شرع کو آگ لگا دو، یہ اس وقت کہا کہ جب کسی نے کہا کہ شریعت نے مرد کو ۴ شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ وہ کیا کرے کیا اس پر تجدید ایمان ونکاح ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ کے کسی حکم کو حقیر جان کر اس کا انکار کرنا یا اس حکم کا مذاق اڑانا کفر ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اس عورت نے اپنے اختیار سے یہ کہا کہ "ایسی شریعت کو آگ لگا دو جس نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے" ان الفاظ سے شریعت کے حکم کا صریح انکار کیا ہے اور اس نے شریعت کا مذاق اڑایا ہے لہٰذا مذکورہ عورت کا تجدید ایمان کے ساتھ ساتھ تجدید نکاح کرنا بھی ضروری ہے۔

لمافی البحر الرائق (۲۱۰/۵): والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به قاضيخان في فتاواه ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل ومن تكلم بها عالما عامدا كفر عند الكل ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف۔

وفی الدرالمختار (۲۲۲/۴) کتاب الجهاد باب المرتد: وفي الفتح من هزل بلفظ كفر ارتد وإن لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد۔

وفی الرد تحته: قوله (من هزل بلفظ كفر) أي تكلم به باختياره غير قاصد معناه وهذا لا ينافي ما مر من أن الإيمان هو التصديق فقط أو مع الإقرار لأن التصديق وإن كان موجودا

حقيقة لكنه زائل حكما لأن الشارع جعل بعض المعاصي أمارة على عدم وجوده كالهزل المذكور... فإن فعل ذلك استخفافا واستهانة بالدين فهو أمارة عدم التصديق... قلت ويظهر من هذا أن ما كان دليل الاستخفاف يُكفر به وإن لم يقصد الاستخفاف لأنه لو وقف على قصده لما احتاج إلى زيادة عدم الإخلال بما مر لأن قصد الاستخفاف مناف للتصديق۔

وفيه ايضا(۲۲۴/۴):(مطلب ما يشك فی انه ردة لايحكم بها) إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا لا يكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعقد الضمير على الكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندي لأنه استخف بدينه اھ

(۳۹۸) لڑکی کے عیسائی ہوجانے سے نکاح ٹوٹنے پر ایک اشکال کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی مسلمان شادی شدہ تھی لیکن عیسائیت کی NGOs کی تبلیغ کی وجہ سے العیاذ باللہ عیسائی مذہب اختیار کرلیا تو کیا یہ ارتداد شمار ہوگا؟ نیز کیا ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا بظاہر تو عیسائی عورت سے نکاح جائز ہے تو نکاح نہیں ٹوٹنا چاہیئے، کیونکہ انتقال جواز سے جواز کی طرف ہے، البتہ ترک اسلام اگر ارتداد ہے تو نکاح ٹوٹ جانا چاہیئے؟ شرعی فتویٰ صادر فرمائیں نیز نکاح ٹوٹنے کا مدار کس پر ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر وہ شخص جو اسلام سے منحرف ہوکر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلیتا ہے چاہے عیسائیت کو اختیار کرتا ہے یا یہودیت کو چاہے مرد ہو یا عورت اگر وہ شادی شدہ تھا تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور حالت ارتداد میں اس کے ساتھ کسی کا بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور نکاح کے ٹوٹنے کا مدار ارتداد ہے۔ جہاں تک عیسائی عورت سے نکاح کے جواز کا تعلق ہے تو اس سے مذکورہ عورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس عیسائی عورت سے نکاح جائز ہوتا ہے جو اسلام سے منحرف ہوکر عیسائی نہ بنی ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں انتقال جواز سے جواز کی طرف نہیں ہے اور مذکورہ عورت اگر واپس مسلمان ہوجاتی ہے تو اس کو اسی مرد کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا کسی دوسری جگہ اس کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الهنديه كتاب النكاح (۳۳۹/۱): ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول وبعده ثم إن كان الزوج هو المرتد فلها كل المهر إن دخل بها ونصفه إن لم يدخل بها وإن كانت هي المرتدة فلها كل المهر إن دخل بها وإن لم يدخل بها

فلا مهر لها۔۔۔ وبعد اسطر۔۔۔ فإن أسلم الزوج وتحته كتابية ثم ارتد بانت كذا في محيط السرخسي۔

وفي الدر المختار كتاب النكاح (۱۹۳/۳):(وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل) بلا قضاء ۔۔۔ (لو ارتدت) لمجيء الفرقة منها قبل تأكده ۔۔۔وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح زجرا لها بمهر يسير كدينار وعليه الفتوى ولوالجية۔

(۳۹۹)امداد کیلئے قادیانیت کے اقرارنامے پر دستخط کا حکم

سؤال

مفتی صاحب جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل بہت برا دور آ گیا ہے ایمان بچانا مشکل ہو گیا ہے میرے ساتھ ایسا ہی ایک عجیب حادثہ پیش آیا حالیہ سیلاب میں ہم بھی کچھ امداد لے کر متاثرہ علاقوں میں گئے وہاں ایک حیرتناک چیز سامنے آئی کہ قادیانی کیمپ بھی لگے ہیں اور وہ بھی امداد تقسیم کر رہے ہیں لیکن ایک فارم پر دستخط کراتے ہیں جس میں تقریباً صراحتاً قادیانی ہونے کا اقرار ہوتا ہے بعض متاثرین لاعلمی میں اور بعض جانتے ہوئے مجبوراً یہ اقدام کرتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کیا وہ مرد اور عورتیں جو یہ دستخط کریں ان کا نکاح بچے گا؟ ایمان محفوظ رہے گا؟ یا سب غارت ہو جائے گا یہ کھلی رہزنی نہیں۔ اس طرح قادیانیت کی تبلیغ پر پابندی نہیں لگنی چاہیئے؟ مفتی صاحب مجبوری کی حالت میں اگر کہیں اپنے آپ کو شیعہ، قادیانی یا عیسائی وغیرہ ظاہر کرنا پڑے اور بندہ کر دے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کوئی بھی ایسی تحریر یا فارم جس میں بندہ کے کفر کا اقرار ہو اور وہ اس تحریر یا فارم پر عمداً دستخط کر دے تو ایسا شخص کافر و مرتد ہو جاتا ہے ایسے شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہتا اور نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے اگر لاعلمی میں ایسی تحریر یا فارم پر دستخط کر دیئے تو احتیاطاً ایمان کی تجدید کر لے البتہ اگر کبھی ایسی صورت حال پیش آ جائے جیسے سیلاب زلزلہ وغیرہ تو ایسی صورت میں آدمی کو اپنے ایمان اور اپنے بچوں کے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے، اگر امداد لے رہا ہے تو پہلے تحقیق کرے آیا امداد دینے والے غیر مسلم تو نہیں ہیں قادیانی عیسائی یا شیعہ تو نہیں ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں جن حضرات نے عمداً دستخط کر دیئے ہیں ان کا ایمان ختم ہو چکا ہے اور نکاح بھی باطل ہو گیا ہے اور جنہوں نے لاعلمی میں دستخط کر دیئے ہیں ان کو احتیاطاً ایمان اور نکاح کی تجدید کر لینی چاہیئے۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے آپ کو شیعہ قادیانی یا عیسائی وغیرہ ظاہر کرے تو یہ بھی کفر ہے اس طرح کرنے سے ایمان باقی نہیں رہتا۔

لما فی مرقاة المفاتيح (۵۶/۹)الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل

البدء لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماع بلا نزاع۔

وفى الهندية (٢/٢٥٧)موجبات الكفر: ومن يرضى بكفر نفسه فقد كفر۔

وفيه ايضا (٢/٢٧٦): إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا لا يكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندي كذا في البحر الرائق ومن أتى بلفظة الكفر وهو لم يعلم أنها كفر إلا أنه أتى بها عن اختيار يكفر عند عامة العلماء خلافا للبعض ولا يعذر بالجهل كذا في الخلاصة۔

وفى الشامية (٣/٢٢٣) باب المرتد: وفي البحر عن الجامع الصغير إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا لا يكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعقد الضمير على الكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندي لأنه استخف بدينه اه ثم قال في البحر والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به في الخانية ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف اه

باب فی الرسوم

(شادی میں رائج رسوم کا بیان)

(۴۰۰) شادی کی تقریبات سادہ اور سنت کے مطابق ہونی چاہئیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض دیہاتوں میں شادی کا طریقہ کار یوں ہے کہ پہلے دن شام کو لوگ (اقارب ورشتہ دار) جمع ہوتے ہیں اور بعض چھوٹے بڑے مہندی لگاتے ہیں، دولہا دلہن بھی مہندی لگایا کرتے ہیں، اس کو مہندی کی شام کہتے ہیں، دوسرا دن اصل شادی کا دن ہوتا ہے، دولہا تیار کیا جاتا ہے پھر دولہا کیساتھ تقریباً ۴۰۔۵۰ نفری مل کے دلہن کے گھر جاتے ہیں، وہاں ان کو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے اور دلہن تیار کی جاتی ہے، سجاوٹ وغیرہ کر کے اس کے بعد دلہن کے ساتھ دلہن کے باپ، چچا، بھائی ودیگر رشتہ دار تقریباً ۳۰۔۴۰ نفری ہوتی ہے دولہا کے ساتھ جو تھے وہ بھی بمع دولہا اور دلہن کے ساتھ، اقارب ورشتہ دار ۳۰۔۴۰ نفری سب مل کر دولہا کے گھر آجاتے ہیں دلہن اور اقارب کیلئے الگ مکان دیا جاتا ہے وہاں شام کو ٹھہرتے ہیں۔ اس رات دولہا دلہن سے نہیں مل سکتا ہے۔ یہ دو دن تمام شرکاء کیلئے کھانے وغیرہ کا انتظام مہندی کی رات سے اب تک کیا جاتا ہے۔ پھر صبح دلہن کے اقارب دلہن کو چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں، تین دن کی دعوت کے بعد آنے والی شام کو دولہا دلہن سے مل سکتا ہے۔ کیا شادی کا یہ طریقہ شریعت میں صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں ہے تو کس حد تک قباحت ہے۔ نیز شادی بیاہ کا شرعی طریقہ کار کیا ہے؟ واضح طور پر بیان فرمائیں تا کہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کے سمجھنے سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مؤمن (مسلمان) کے اعمال عند اللہ اسی وقت مقبول ہوتے ہیں جبکہ انہیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انجام دیا جائے اور شادی بیاہ میں سنت طریقہ سادگی اپنا کر فخر ونمود، بدعات اور رسم ورواج سے بچنا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مہندی کی رات میں مردوں کا مہندی لگانا ناجائز ہے اور دعوتِ ولیمہ کا رخصتی سے پہلے کرنا بھی خلاف سنت ہے۔ اسی طرح دلہن والوں کا اتنی مقدار میں دولہا کے گھر والوں پر بوجھ بنے رہنا محض رسم ورواج ہے، شریعت کا اس سے کوئی

تعلق نہیں، ان امور سے بچنا ضروری ہے۔ شادی بیاہ کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اولاً نکاح کے بعد لڑکی (دلہن) کو رخصت کیا جائے، اس کے بعد دوسرے دن (شب زفاف گزرنے کے بعد) ولیمہ کی دعوت کی جائے۔ ولیمہ میں اگرچہ خاص رشتہ داروں، دوست احباب وغیرہ کو بھی مدعو کیا جا سکتا ہے، لیکن اس میں فقراء کو آنے سے منع نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور اگر کوئی صاحب حیثیت ہو تو دوسرے اور تیسرے دن بھی ولیمہ کی دعوت کر سکتا ہے جبکہ ریاکاری اور نمائش مقصود نہ ہو۔

لمافی مشکوۃ المصابیح (ص۲۷۷): عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال: " ما هذا؟ " قال: إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب قال: " بارك الله لك أولم ولو بشاة "

وفيه أيضاً(ص۲۷۸): وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " إذا دعي أحدكم إلى الوليمة فليأتها " . متفق عليه۔۔۔ وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء ومن ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله " ۔

وفی اعلاء السنن (۱۱/۱۰): باب استحباب الوليمة وكون وقته بعد الدخول والمنقول من فعل النبى صلى الله عليه وسلم انها بعد الدخول كانه يشير الى قصة زينب بنت جحش رضى الله عنها۔

وفيه أيضاً (۱۱/۱۳): باب جواز الوليمة الى أيام ان يكن فخرا "عن انس رضي الله عنه قال تزوج النبى صلى الله عليه وسلم صفية، وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلاثة ايام۔

وفی الهندية (۵/۳۴۳): ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما وإذا اتخذ ينبغي لهم أن يجيبوا فإن لم يفعلوا أثموا قال عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله ۔۔۔ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة كذا في الظهيرية۔

وفی الشامية (۶/۴۲۲): (قوله خضاب شعره ولحيته) لا يديه ورجليه فانه مكروه للتشبه بالنساء۔

(۴۰۱) مایوں کی رسم کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی وغیرہ کے موقع پر بڑی عجیب وغریب

قسم کی رسمیں رائج ہیں ایک رسم جو شاید آپ کے علم میں بھی ہو "مایوں" کی ہے۔ اس میں لڑکی کو شادی سے ایک ہفتہ قبل گھر کے تمام کام کاج سے فارغ کر کے ایک کونے میں پیلے کپڑے پہنا کر بیٹھا دیا جاتا ہے۔ جس دن اسے بیٹھایا جاتا ہے اس دن ایک تقریب ہوتی ہے جس میں اکثر خواتین شریک ہوتی ہیں اور اس لڑکی کو جس کی شادی ہونے والی ہوتی ہے ابٹن مہندی وغیرہ لگاتی ہیں۔ الغرض اب یہ لڑکی اس کونے میں بیٹھی رہتی ہے اور اس کونے میں ایک پردہ لٹکا دیا جاتا ہے۔ اس میں صرف اس لڑکی کی سہیلیاں یا خواتین ہی جاتی ہیں۔ جب خواتین سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ لوگ یہ رسم کیوں کرتی ہیں تو وہ جواباً کہتی ہیں تا کہ لڑکی میں کچھ شرم وحیا اور حجاب کی عادت مزید پڑ جائے آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ آیا دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس قسم کی رسومات ہوتی تھیں؟ اگر نہیں تو پھر موجودہ دور میں رائج ان مایوں، جیسی رسوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون میں اس طرح کی رسوم کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے بلکہ یہ لوگوں کے من گھڑت رسم ورواج ہیں، اسلام نے شادی اور اس کے متعلقات کے طریقے نہایت ہی سادہ وسہل بتائے ہیں جن میں سادگی پائی جاتی ہے نہ کہ نمود ونمائش وریا کاری، لہٰذا یہ رسومات قابل ترک ہیں اور ان سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ ان میں مفاسدِ کثیرہ وخرافات پائی جاتی ہیں اور رسم "مایوں" میں تو بسا اوقات دلہن کے لئے نماز وغیرہ عبادات اداء کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ رسم قابل ترک اور لائق ملامت ہے۔

لما في المشكوة (ص٢٧): وعن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أبغض الناس إلى الله ثلاثة ملحد في الحرم ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية ومطلب دم امرىء بغير حق ليهريق دمه " رواه البخاري۔

(ص٤٩): وعن علي بن الحسين رضي الله عنهما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه ". رواه مالك وأحمد۔

(۴۰۲) مہندی کی مروّجہ رسم نیز رخصتی کا شرعی طریقہ کار

سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) نکاح کا سنت طریقہ کیا ہے؟

(۲) رخصتی کا سنت طریقہ کیا ہے؟

(۳) آج کل جو مہندی کی رسم چل رہی ہے اس کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خوشی کے مواقع پر ان چیزوں میں کوئی حرج نہیں، اتنا تھوڑا بہت ہونا چاہیئے۔ اسلام میں اتنی زیادہ سختی بھی نہیں۔ آیا اس طرح کہنا درست ہے؟ اور یہ باتیں کہاں تک صحیح ہیں؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب میاں بیوی یا ان کے اولیاء شادی کرنے پر راضی ہوجائیں تو عقد نکاح مسجد میں لوگوں کے سامنے کیا جائے۔ بایں طریقہ کے پہلے ماثور خطبۂ نکاح پڑھا جائے اور پھر باقاعدہ ایجاب وقبول کیا جائے۔

(۲) رخصتی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو دلہن بنا کر شوہر کے گھر پر پہنچا دیں اور شوہر حق زوجیت ادا کرکے اپنے اقرباء پڑوسیوں اور اپنے دوستوں کو اپنی وسعت کے مطابق کھانے پینے کی دعوتِ ولیمہ کرے۔ تاہم یاد رہے اگر دولہا کے گھر کے کچھ افراد آکر دلہن کو شوہر کے گھر پر لے جائیں تو اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی اس انداز سے ہوئی کہ ان کی والدہ ام رومان نے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر دلہن بنا کر پہنچایا تو وہاں موجود انصاری عورتوں نے ام رومان اور دلہن کے استقبال میں یہ دعائیہ جملے کہے" علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طائر" خیر اور برکت اور اچھی نصیبی پر۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی فقط اتنی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باندی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری اس بیٹی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پر پہنچا دیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ اور خیبر کے درمیان (راستہ میں) تین دن تک قیام فرمایا اور وہاں ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرلی تو میں نے مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولیمہ پر بلایا لیکن اس دعوت میں روٹی اور گوشت بھی نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور اس پر کھجور، پنیر اور گھی ڈال دیا گیا اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولیمہ تھا۔ لہٰذا ان واقعات کو دیکھ کر ہر مسلمان کو چاہیئے کہ شادی بیاہ کے موقع پر اسی طرح سادگی سے کام لیں، اور بشمول مہندی کی رسم کے تمام رسومات سے اجتناب کریں جبکہ ان رسومات پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں جو کہ محض اسراف ہے اور ان رسومات ہی کی نحوست سے بہت سی جوان عورتیں اور مرد کنوارے پن اور نکاح کیئے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے فحاشی عام ہوتی ہے اور بطور خاص مہندی کی رسم میں تو مرد اور عورتوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے جو دیگر کئی مفاسد کو جنم دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نکاح بہت بابرکت ہے جس کا بار کم سے کم پڑے۔ اس حدیث میں امت کو ہدایت اور راہنمائی دی گئی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہوا کریں اور بشارت سنائی گئی ہے، کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری شادیوں کے نتیجے میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ الغرض ان رسومات کو ناجائز قرار دینا شریعت کی کوئی سختی

نہیں حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک آسانی اور یسر کا معاملہ ہے۔ان رسومات پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے۔

لما فی البخاری (۷۷۵/۲): عن عائشة رضي الله عنها: " تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم، فأتتني أمي فأدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن: على الخير والبركة، وعلى خير طائر "۔

عن أنس رضي الله عنه، قال: أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين خيبر والمدينة ثلاثا يبنى عليه بصفية بنت حيي، فدعوت المسلمين إلى وليمته فما كان فيها من خبز ولا لحم أمر بالأنطاع، فألقى فيها من التمر والأقط والسمن، فكانت وليمته۔

وفی مشکوة المصابیح (۲۶۸/۲): وعن عائشة قالت : قال النبي صلى الله عليه وسلم : " إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة " .

و فی الترمذی (۲۰۷/۱): عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔

وفی الدر المختار (۶۰۳/۳): ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة وإن أذنت كانا عاصيين كما مر في باب المهر۔

وفی الرد تحته: قوله (والوليمة) ظاهره ولو كانت عند المحارم لأنها تشتمل على جمع فلا تخلو من الفساد عادة۔

(۴۰۳) جوتا چھپائی کی رسم شریعت کی نظر میں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر دلہا کے جوتے چھپائے جاتے ہیں خصوصاً شادی میں سالیاں یہ کام کرتی ہیں اور پھر اس پر پیسے وصول کرتی ہیں جو کہ چار وناچار دینے پڑتے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟ شریعت اس سے متعلق کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

شادی کے موقع پر جوتا چھپائی کے نام سے جس رسم کا سوال میں ذکر ہے یہ بہت ہی قبیح اور قابل ترک رسم ہے اس میں درج ذیل مفاسد واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔

اوّلاً: نامحرم (سالی) سے ہنسی مذاق ناجائز اور حرام ہے۔

ثانیاً: جبراً پیسے وصول کرنا اور کسی کی دلی رضامندی کے بغیر اس کے پیسے استعمال کرنا بنص قطعی حرام ہے۔

ثالثاً: غیروں کی رسم ہے اور غیروں سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ہر مسلمان کو ان افعال کا ارتکاب کرنے سے پہلے سوچنا چاہیئے کہ وہ کس بے حیائی اور گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اس طرح کی بیہودہ رسوم اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہیں لہٰذا ان سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے اور اعزہ واقارب کو ان کی قباحتیں بیان کر کے انہیں ترک کرنے کی ترغیب دی جائے۔

لمافی القرآن الكريم (النور:۳۰): قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ.

وفی مشكوة المصابيح (ص۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألالا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

وفی سنن ابی داود (۲/۲۰۳): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی مجموعة الفتاوىٰ (۲/۲۱۶): قال فی الوسيلة الاحمدية شرح الطريقة المحمدية: ولعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشی والمرتشی ۔۔۔ ومن الرشوة ما اخذه ولی المرأة قبل النكاح اذا كان بالسؤال او كان اعطاء الزوج بناء علی عدم رضاءه علی تقدير عدمه اما اذا كان بلاسؤال ولا عدم رضاءه فيكون هدية فيجوز۔

(۴۰۴) بوقتِ حمل لڑکے کے گھر والوں کو کپڑے وغیرہ دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک رسم ہے کہ بیٹی کی شادی کے بعد جب ساتواں ماہ حمل کو ہو جائے تو تمام سسرال والوں کو کپڑے اور نقدی دی جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اس رسم کو ہمارے ہاں "رسانا" کہتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورتِ مسئولہ میں اولاً یہ بات سمجھئے کہ شادی کی رسوم کا جائز اور ناجائز سے تعلق نہیں بلکہ اگر دلی رضامندی سے پیسوں یا

کپڑوں وغیرہ کا لین دین ہو تو یہ درحقیقت آپس کی محبت و الفت کے بڑھنے کا ذریعہ ہے لیکن ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر شادی میں ایسے لین دین کو ایک لازمی شے اور جزء لاینفک کا درجہ دے دیا جاتا ہے گویا ان کے بغیر شادی منعقد ہی نہیں ہوتی پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان رسوم کو نہ کرنے والے پر لعن طعن کیا جاتا ہے اور اس شخص کا زندگی گزارنا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جہیز کی مثال واضح ہے شریعت نے اسے دلی رضا پر چھوڑا ہے لڑکی کا باپ جتنا مالدار ہو حسب استطاعت جہیز مہیا کردے لیکن ہمارے معاشرے میں جہیز کو کیا مقام دے دیا گیا ہے اور جہیز کی ایک مخصوص مقدار سے کمی پر کیا برتاؤ کیا جاتا ہے یہ سب پر واضح ہے اسی التزام کی وجہ سے جہیز کو معاشرے کیلئے لعنت اور ناسور قرار دیا جاتا ہے ورنہ فی نفسہ جہیز کم دیا جائے یا زیادہ دونوں صورتوں میں دلی رضامندی کے ساتھ جائز ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے علاقے میں مروّج "رسمانا" کی رسم قابلِ ترک ہے اگر کسی شخص کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہو، اور وہ دلی رضامندی سے بھی اپنی بیٹی کے سسرال والوں کو کپڑے وغیرہ دینا چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ ایسا نہ کرے تاکہ اس کے فعل سے اس رسم کو تقویت نہ ملے اور پھر جو اس طریق پر عمل نہ کرے یا نہ کرسکتا ہو تو اسے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے، ان شاء اللہ اس وجہ سے اگر کوئی شخص اس رسم سے باز رہتا ہے تو اللہ بزرگ و برتر سے امید ہے کہ اسے اجر ملے گا۔

لما فی کتاب اللہ تعالیٰ (النساء: ۲۹): يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۔ الآية۔

وفی صحيح البخاری (۲/۷۷۵): عن أبي عثمان واسمه الجعد، عن أنس بن مالك، قال: مر بنا في مسجد بني رفاعة، فسمعته يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا مر بجنبات أم سليم دخل عليها فسلم عليها، ثم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم عروسا بزينب، فقالت لي أم سليم: لو أهدينا لرسول الله صلى الله عليه وسلم هدية، فقلت لها: افعلي، فعمدت الى تمر وسمن وأقط، فاتخذت حيسة في برمة، فأرسلت بها معي إليه، فانطلقت بها إليه، فقال لي: ضعها۔

وفی سنن ابی داود (۲/۲۰۳): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی مشكوة المصابيح (ص۲۵۵): "ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

وفی مجموعة الفتاوىٰ (۲/۲۱۶): قال فی الوسيلة الاحمدية شرح الطريقة المحمدية: ولعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی ومن الرشوة ما اخذه ولی المرأة قبل النكاح اذا كان بالسؤال او كان اعطاء الزوج بناء على عدم رضاءه على تقدير عدمه اما اذا كان بلا سؤال ولا عدم رضاءه فيكون هدية فيجوز۔

وفي الدر المختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔
وفي الرد تحته: قوله (عند التسليم) أي بأن أبي أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لو أبي أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا لأنه رشوة بزازية۔

(۴۰۵) نیوتہ کی رسم کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل مختلف خاندانوں میں شادی کے موقع پر یہ رواج پایا جاتا ہے کہ مثلاً زید کی شادی میں خالد (جو کہ زید کا چچازاد بھائی ہے) آتا ہے۔ خالد زید کو پانچ سو روپے دیتا ہے اور یہ پانچ سو روپے کاپی میں لکھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی باقی رشتہ دار پیسے دیتے ہیں۔ مثلاً کسی نے سو کسی نے دو سو روپے دیئے۔ یہ سب کاپی میں لکھے جاتے ہیں۔ پھر جب خالد کی شادی ہوگی یا ان رشتہ داروں میں سے کسی کی شادی ہوگی تو زید کو بھی اتنے ہی پیسے دینے ہوں گے جتنے انہوں نے دیئے تھے۔ یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کیلئے یہ رقم دینا جائز ہوگا جبکہ اس کو مجبور کیا جا رہا ہو؟ اسی طرح زید کیلئے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی بیاہ یا کسی بھی خوشی کے موقع پر ایک دوسرے کو جو تحائف دیئے جاتے ہیں وہ عام طور پر بطور ہدیہ کے ہوتے ہیں۔ اس میں طرفین یہ لالچ اور امید بھی نہیں رکھتے کہ جتنا ہم نے اس کو دیا ہے یہ بھی ہماری تقریب میں اتنا ہی دے گا لہٰذا یہ صورت تو جائز ہے۔

البتہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ یہ تحائف قرضوں کی صورت میں دیئے جاتے ہیں۔ یعنی آج ہم نے تمہاری خوشی میں اتنے پیسے دیئے ہیں، کل تمہیں بھی اتنے ہی دینے ہوں گے۔ اگرچہ صراحۃً قرض کا لفظ استعمال نہ ہو لیکن درحقیقت یہ قرض ہے۔ اس پر قرض کے احکام جاری ہونگے۔ یہ صورت درست نہیں۔ البتہ چند شرائط کے ساتھ اس طرح کا لین دین کرنا صحیح ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی اپنی اولاد کی کوئی خوشی کرنا چاہتا ہو اور اس کے پاس اتنی آمدن نہ ہو تو اس کو بطور قرض دیئے جا سکتے ہیں۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مذکورہ لین دین کی صورت میں ایک دوسرے پر جبر و اکراہ بھی نہ ہو۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ کوئی نہ دے تو اس پر طعن و تشنیع بھی نہ کی جاتی ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ فخر و نمود کا سلسلہ بھی نہ ہو۔

اگر ان شرائط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو اس طرح کا لین دین کرنا صحیح ہے، لیکن جن علاقوں میں یہ رواج ہے وہاں پر عموماً ان

شرائط کوپس پشت ڈال دیا جاتا ہے لہٰذا ان علاقوں میں ایسی صورت میں مذکورہ لین دین کرنا صحیح نہیں۔صرف رجسٹر پر لکھ لینے سے اسے قرض کے حکم میں نہیں لیا جائے گا۔عموماً رجسٹر وغیرہ پر لکھ لینا صرف یادداشت کے طور پر ہوتا ہے تاکہ فرق مراتب ہوسکے۔اس سے بھی اگر چہ احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ ہدیہ تو ہدیہ ہے،تھوڑا ہو یا زیادہ۔دلی خوشی سے اسکا لین دین محبتوں کو بڑھاتا ہے البتہ اگر قرض کی صورت (جو کہ شاذ و نادر کچھ علاقوں میں پائی جاتی ہے) ہو تو ایسا لین دین مذکورہ بالا شرائط کے بغیر نا جائز ہے۔

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مہمانوں کو مدعو کرتے ہوئے ہی ہدیہ یا رقم وغیرہ دینے سے منع کر دیا جائے اور انہیں مطلع کر دیا جائے کہ ہمارے گھر میں شادی ہے آپ کی شرکت ہمارے لئے باعث مسرت ہے لیکن ہدیہ کچھ نہ لائیں تاکہ اس لین دین کا رواج ہی نہ ہو تو ایسے موقعوں پر خوشیوں کے علاوہ اور کوئی بات سوچنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة :۱۸۸)وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۲/۲۵۵) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : "ألا لاتظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان و الدار قطني في المجتبى۔

وفی الشامیہ (۵/۶۹۶) وفي الفتاوى الخيرية سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الأعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا أجاب إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله وإن قيميا فبقيمته وإن كان العرف خلاف ذلك بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك إلى إعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه فلا رجوع فيه بعد الهلاك أو الاستهلاك والأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا اهـ قلت والعرف في بلادنا مشترك نعم في بعض القرى يعدونه فرضا حتى إنهم في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم ما يهدي فإذا جعل المهدي وليمة يراجع المهدي الدفتر فيهدي الأول إلى الثاني مثل ما أهدى إليه۔

(۴۰۶) نہیاری اور چھوچھک نامی رسوم کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ نہیاری ہمارے علاقے میں اسے کہتے ہیں کہ لڑکی شادی

کے بعد رخصت ہوکر دولہا کے گھر چلی گئی شوہر نے ولیمہ کیا سب کی دعوت کی۔اب اس دعوت کے بعد لڑکی والے ۵ ہزار یا ۶ ہزار روپے دیتے ہیں۔

لڑکی والوں کا یہ عمل کیسا ہے اور کیا یہ رسم شرعی اصولوں سے متصادم ہے؟ نیز چھوچھک دینے کے نام سے ایک رسم اور مروّج ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کے گھر اولاد ہونے پر کپڑے، کھلونے ،نقدی وغیرہ لڑکی کے گھر والے دیتے ہیں اور یہ معروف عمل ہے لڑکی کی ماں خصوصاً مطعون ہونے کے خوف سے اس چھوچھک دینے کی رسم کو انجام دینا فرض سمجھتی ہے۔کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ رسم جائز ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

شادی کے موقع پر مروّج مختلف اقسام کے ہندوانہ اور اسلامی مزاج سے متصادم رواجوں نے آج شادی کو ایک پیچیدہ مسئلہ بنا دیا ہے۔خصوصاً لڑکی کی شادی کرنا اور پھر شادی کے بعد اس شادی کو نبھانے کیلئے لڑکی والوں کی طرف سے مختلف التزامات نے لڑکی کی شادی کو انتہائی مشکل کام بنا دیا ہے جو کہ لاکھوں روپے موجود نہ ہونے کی صورت میں مشکل کے بجائے تقریباً متعذر ہوجاتی ہے۔لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ان قبیح اور غیر اسلامی رسومات کو مسلمانوں نے دل سے چمٹا رکھا ہے کوئی رواج ،کوئی رسم چھوٹ جانا مروّجہ شادی کو بے مزہ کر دینا سمجھا جاتا ہے جبکہ شریعت نے شادی کو بہت آسان بنایا ہے ایک مرد کیلئے چار تک شادیاں کرنا اگر معاشرے میں آسان کر دیا جائے تو یہ فحاشی اور بے پردگی مسلم معاشرے سے خود ہی ختم ہوجائے گی ،لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے ایک شادی کو بھی انتہائی مشکل لیکن فحاشی اور اختلاط کو آسان بنایا ہوا ہے۔جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ برائیاں بڑھ رہی ہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نہیاری اور چھوچھک دینے کی رسم سے اجتناب کیا جائے۔اس طرح کی رسوم کو انجام دینا معاشرے میں ایسے ناسوروں کو پھیلاتا ہے اور پھر ایک مسلمان کو شادی کے تقاضے کے وقت ان دسیوں رسومات کی وجہ سے تاخیر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور عمریں ڈھلتی چلی جاتی ہیں، معاشرہ کشیدگی کا شکار ہوجاتا ہے۔نیز لڑکے کے گھر والوں کو بھی چاہیئے کہ ان رسومات کے نہ کئے جانے پر برا ماننے کے بجائے خوداً گے بڑھ کر ان قبائح کا بائیکاٹ کریں۔

لمافی سنن ابی داود (۲/۲۰۳)(باب فی لبس الشهرة): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی مشكوة المصابيح (ص۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "ألالا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

وفی الشامية (۶/۴۲۴): (كتاب الحظر والاباحة): ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته۔

(۴۰۷) دولہا کو پھولوں یا نوٹوں کا ہار اور انگوٹھی پہنانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جو شادی ہوتی ہے اس میں بعض امور کا شرعی حل پوچھنا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دولہا کے ہاتھوں میں مہندی لگائی جاتی ہے اور اس کو پیسوں والا ہار اور انگوٹھی بھی پہنائی جاتی ہے۔ ان کا کیا حکم ہے نیز پھولوں والے ہار کا کیا حکم ہے؟

(۲) دلہن کے گھر دولہا کے ساتھ برات میں تقریباً ۱۰۰/۱۵۰ افراد جاتے ہیں اور ان کو لڑکی والے کھانا اور چائے وغیرہ لازماً دیتے ہیں اور رخصتی کے وقت دلہن کی طرف سے تقریباً ۱۵۰ افراد ساتھ چلتے ہیں جو کہ رات میں لڑکے کے ہاں قیام کرتے ہیں اور صبح ناشتے کے بعد واپس روانہ ہوجاتے ہیں لہٰذا ان امور کا شرعی نقطہ نظر بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح ایک شرعی حکم ہے اسے شریعت کے مطابق مسنون طریقہ پر پورا کرنا چاہیئے، اور شادی بیاہ میں فضول خرچی، بدعات، غلط رسومات اور محض نمائش کے ہر کام سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

(۱) مردوں کے لئے مہندی لگانا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے جس کی ممانعت آئی ہے اسی طرح مردوں کو چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی بھی پہننا درست نہیں، نہ سونے کی، اور نہ کسی اور چیز کی البتہ چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے بشرطیکہ ساڑھے چار ماشہ سے زیادہ نہ ہو اور پیسوں کا ہار بھی نہ پہنا جائے کیونکہ اس میں ریا اور تکبر کا اظہار ہوتا ہے البتہ پھولوں والا ہار فی نفسہٖ جائز ہے اور امتیاز کے لئے پہنایا جاسکتا ہے، لیکن آجکل لوگ ان کاموں کو ضروری سمجھ کر انجام دیتے ہیں لہٰذا ان کی زیادہ حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

(۲) بارات یا رخصتی میں دولہا یا دلہن کے گھر والے اور ان کے اعزاء واقارب کا ساتھ جانا بشرطیکہ اس میں خلاف شرع کوئی کام نہ ہو مثلاً مردوزن کا اختلاط، گانا بجانا اور ریاکاری وغیرہ خرافات نہ ہو تو گنجائش ہے اور جہاں تک کھانے کا تعلق ہے اگر بطور مہمان نوازی، جانبین سے اصرار کے بغیر کھلادیں، نہ کھلانے پر کوئی برا نہ مانے اور اس کو سنت بھی نہ سمجھیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

لما فی القرآن الکریم (الانعام:۱۵۳): وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

وفی سنن ابی داؤد(۲/۲۰۳): کتاب اللباس: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: قال قال رسول اللہ ﷺ

من تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی المشکوة(ص٢٧٩) باب الوليمة، الفصل الثالث: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" المتباريان لا يجابان ولايؤكل طعامهما "قال الإمام أحمد: يعني المتعارضين بالضيافة فخرا ورياء

وفيه أيضاً(ص٢٥٥): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألالا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

وفی اعلاء السنن (١١/١٤) (باب جواز الزفاف): عن عائشة رضی الله عنها: انها زفت امرأة الی رجل من الانصار فقال النبی صلى الله عليه وسلم: یاعائشة(رضی الله عنها) ما کان معکم لهو؟ فان الانصار یعجبهم اللهو۔ رواه البخاری۔قال فی الدر وهل یکره الزفاف؟ المختار لا اذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة اه، قال ابن عابدین رحمه الله :لزفاف بالکسر ککتاب! اهداء المرأة الی زوجها، قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لانه لازم له عرفا افاده الرحمتی۔

وفی الهندیة (٥/٣٥٩) (الباب العشرون فی الزینة):ولا ينبغي أن يخضب يدي الصبي الذكر ورجله إلا عند الحاجة ويجوز ذلك للنساء كذا في الينابيع۔

وفی الشامية (٥/٦٩٦) كتاب الهبة: قلت والعرف في بلادنا مشترك نعم في بعض القرى يعدونه فرضا حتى إنهم في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم ما يهدي فإذا جعل المهدي وليمة يراجع المهدي الدفتر فيهدي الأول إلى الثاني مثل ما أهدى إليه۔

(۴۰۸)شادی میں ڈھول بجانے کو دف پر قیاس کرنا

سؤال

شادی کے موقع پر بڑی عمر کی عورتوں یا جوان عورتوں کا آپس میں دف بجا کر گیت گانا (جس میں فحش کلام نہ ہو) جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقہ میں اکثر شادیوں کے موقع پر ڈھول بجا کر اسی طرح کے گیت گانے کا رواج ہے۔اگر اس عمل سے روکا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ خوشی کا موقع ہے پھر خوشی کے اظہار کے لئے کیا کریں؟ لہٰذا اگر دف بجا کر گیت گانا جائز ہے تو ڈھول وغیرہ کی خرافات کو ختم کرنے کے لئے لوگوں کو "دف" کی ترغیب دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مزید یہ کہ دف کا اطلاق گھروں میں رکھے ہوئے برتنوں مثلاً پرات وگھڑا وغیرہ پر ہوتا ہے یا نہیں؟ کہ اگر دف دستیاب نہ ہوتو ان کو بجا کر گیت گایا جائے؟ عام طور پر لوگ اس موقع پر حدیث "اعلنوا النکاح

ولو بالدف" اور بخاری شریف میں موجود حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر دف بجایا جانا وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں کیا یہ استدلال صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی اگرچہ خوشی کا موقع ہے اور اسلام خوشی کا اظہار کرنے سے نہیں روکتا، لیکن اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ خوشی کے اظہار میں حد سے تجاوز کیا جائے، ناجائز اور غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جائے لہٰذا اس موقع پر ڈھول بجا کر گیت وغیرہ گانا ناجائز اور حرام ہے البتہ شریعت نے اس موقع پر نکاح کی تشہیر کی غرض سے دف (پرات، گھڑا وغیرہ) بجانے اور اشعار پڑھنے کی رخصت دی ہے لیکن اس میں بھی مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ ایسا دف ہو جس میں "گھنگھرو" لگے ہوئے نہ ہوں۔

۲۔ پیشہ ور گلوکاروں اور موسیقاروں کی طرز پر نہ بجایا جائے اور نہ قواعدِ موسیقی کی رعایت کی جائے۔

۳۔ دف بجانے والی عورتیں ہوں نہ کہ مرد۔

۴۔ ایسے اشعار ہوں جن کا مضمون فحش اور فتنہ میں ڈالنے والا نہ ہو۔

۵۔ عورتوں کی آواز مردوں تک نہ پہنچے۔

ان مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ کر کے دف بجانا اور اشعار کا پڑھنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہوگا البتہ ہمارے زمانے میں لوگ ایسے مواقع پر شریعت کی دی ہوئی حدود کا لحاظ نہیں رکھتے اس لئے ان چیزوں سے احتیاط ہی بہتر ہے۔ مزید یہ کہ نکاح کے موقع پر دف بجانے سے مقصود نکاح کی تشہیر ہے اور آج کل اس کے بغیر بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی ضرورت نہیں رہی۔

لما فی صحیح البخاری (۷۷۳/۲): قالت الربیع بنت معوذ ابن عفراء، جاء النبي صلى الله عليه وسلم فدخل حين بني علي، فجلس على فراشي كمجلسك مني ، فجعلت جويريات لنا، يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت إحداهن: وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال: دعي هذه، وقولي بالذي كنت تقولين۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۳۱۸/۲) باب الخمر ووعيد شاربها: وعن أبي أمامة قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم : " إن الله تعالى بعثني رحمة للعالمين وهدى للعالمين وأمرني ربي عز وجل بمحق المعازف والمزامير والأوثان والصلب وأمر الجاهلية وحلف ربي عز وجل : بعزتي لا يشرب عبد من عبيدي جرعة خمر إلا سقيته من الصديد مثلها ولا يتركها من مخافتي إلا سقيته من حياض القدس" . رواه أحمد

وفى مرقاة المفاتيح (٢١٩/٧):(قوله:بمحق المعازف) أي بمحو آلات اللهو وفي النهاية العزف اللعب بالمعازف وهي الدفوف وغيرها مما يضرب وقيل إن كل لعب عزف۔

وفى نيل الاوطار (٢٢٣/٣، جزء٣): واخرج القاسم بن سلام عن على ان النبى ﷺ نهى عن ضرب الدف والطبل وصوت المزمار۔

وفى المرقاة أيضا (٢٤٥/٦) باب اعلان النكاح:بل المراد الترغيب إلى إعلان أمر النكاح بحيث لا يخفى على الأباعد فالسنة إعلان النكاح بضرب الدف وأصوات الحاضرين بالتهنئة أوالنعمة في إنشاد الشعر المباح۔

وفى فتح البارى (١٨٥/٩):واستدل بقوله واضربوا على أن ذلك لا يختص بالنساء لكنه ضعيف والأحاديث القوية فيها الإذن في ذلك للنساء فلا يلتحق بهن الرجال لعموم النهي عن التشبه بهن ۔

وفى احكام القرآن للتهانوى (٢٢٦/٣): لان الغناء يطلق على رفع الصوت وعلى الترنم الذى تسميه العرب النصب وعلى الحداء ولا يسمى فاعله مغنيا ۔۔۔ ثم هذا كله كلام على الغناء من حيث انه غناء مع قطع النظر عما ينضم اليه من المنكرات والمعاصى عادة باجتماع اهل الهوى والسماع عن النساء والاجنبيات او من الامارد او سماع ما يتضمن الحرام من الكلام كالتشبيب بامراة مسماة معروفة حية او كغيبة انسان ۔۔۔ فانه حرام باطباق النصوص وباجماع المسلمين لايختلف فيه مسلمان اھ۔

وفيه ايضاً(ص٢٣٣): قد تلخص مما ذكرنا من روايات المذهب واقوال المشائخ الحنفية قدس اسرارهم انهم اتفقوا على تحريم الآلات المطربة بنفسها من دون الغناء وعدوا الدف الذى فيه الجلاجل منها كمافى ردالمحتار والبحر۔ واختلفوا فى الدف والقضيب وامثالهما فى النكاح وامثاله ۔۔۔ وانهم اتفقوا على اباحة الغناء لنفسه بشرائط۔

وفى الشامية (٣٥٠/٦): وعن الحسن لا بأس بالدف في العرس ليشتهر وفي السراجية هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب اھ۔

(۴۰۹) رخصتی کے وقت لڑکی پر قرآن کا سایہ کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر جب لڑکی کو رخصت کیا جارہا ہوتا ہے تو اسے قرآن کے سائے میں لے کر جایا جاتا ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟ ازراہ کرم ذرا جلدی جواب عنایت فرمائیں تاکہ میں اپنے بڑوں کو بھی آپ کی تحریر دکھاسکوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

دلہن کو رخصت کرتے وقت اس پر قرآن شریف کا سایہ کرنا، اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں یہ محض ایک رسم ہے جس کو اگر دین سمجھ کر یا باعث اجروبرکت سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے۔

لمافی سنن ابن ماجه (ص٦): باب اجتناب البدع والجدل:عن جابر بن عبد الله ، قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب احمرت عيناه ، وعلا صوته ، واشتد غضبه . كأنه منذر جيش , يقول : صبحكم مساكم , ويقول : بعثت أنا والساعة كهاتين ، ويقرن بين إصبعيه السبابة والوسطى , ثم يقول : أما بعد ، فإن خير الأمور كتاب الله ، وخير الهدي هدي محمد ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل بدعة ضلالة۔

وفی الدرالمختار(١/٥٦٠): (ومبتدع) أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة۔

(۴۱۰) شادی کے موقع پر سہرا باندھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض جگہوں پر شادی کے موقع پر دولہا ودلہن کو سہرا باندھا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

یہ اصل میں ہندوؤں کی رسم ہے جو ہندوؤں سے منتقل ہوکر مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہے اور فقہاء نے ان رسومات سے تشبہ

(ہندوؤں کی مشابہت) کی بناء پر منع فرمایا ہے لہذا سہرا باندھنے سے اجتناب کیا جائے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۲/۴۷۰): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم ۔۔۔ وقد روی فی هذا الحدیث عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم انه نهی عن التشبه بالاعاجم وقال: "من تشبه بقوم فهو منهم" ذکره القاضی ابو یعلی وبهذا احتج غیر واحد من العلماء علی کراهة اشیاء من زی غیر المسلمین۔

(۴۱۱) شادی کے موقع پر سفید کپڑے اور سیاہ عمامہ باندھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کی شادی ہوئی تو اس نے سفید کپڑے اور سیاہ پگڑی پہنی ہوئی تھی لوگوں نے کہا شادی میں تو سفید پگڑی باندھی جاتی ہے اس نے سیاہ پگڑی باندھ لی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا شادی میں کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننا مسنون ہے؟ نیز سفید رنگ کے علاوہ رنگ کے کپڑے پہننے والوں کو طعن وتشنیع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے دوست کا سیاہ پگڑی پہننا بالکل درست ہے اس پر لوگوں کا تنقید کرنا جہالت ہے کیونکہ سیاہ پگڑی پہننا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، شادی کے موقع پر کسی بھی قسم کا لباس پہنا جاسکتا ہے البتہ حدیث میں عموماً سفید کپڑے پہننے کی فضیلت آئی ہے، لہذا نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سفید کپڑے کو ترجیح دینی چاہیئے۔ اسی طرح پگڑی باندھنے کی سنت کو شادی کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ ہر وقت اس سنت پر عمل کرنا چاہیئے۔

لمافی المرقاة (۲۴۸/۸): (فإنها أطهر) أي لا دنس ولا وسخ فيها قال الطيبي لأن البيض أكثر تأثرا من الثياب الملونة فتكون أكثر غسلا منها فتكون أطهر اه والأظهر أنها أطهر لكونها حاكية عن ظهور النجاسة فيها بخلاف غيرها ويحتمل أن يكون في الصبغ نجاسة والأبيض بريء منها وأطيب أي أحسن طبعا أو شرعا ويمكن أن يكون تأكيدا لما قبله لكن التأسيس أولى من التأكيد في القول السديد وقيل أطيب لدلالته غالبا على التواضع وعدم الكبر والخيلاء والعجب وسائر الأخلاق الطيبة۔

(۴۱۲) دولہا سے پیسے لینا، شادی میں فائرنگ اور روپوں کا ہار ڈالنے کا حکم

سؤال

ہمارے گاؤں میں شادی کے موقع پر دولہا کے گلے میں روپے کا ہار ڈالا جاتا ہے اور فائرنگ بھی کی جاتی ہے اور نکاح کے موقع پر ساس داماد کو کوئی کھانے کی چیز مثلاً بسکٹ، شہتوت، اخروٹ وغیرہ کسی آدمی کے ذریعے پیش کرتی ہے (یعنی خود نہیں لاتی کیونکہ دولہا مردوں کے کمرے میں ہوتا ہے اور وہاں غیر محرم لوگ بہت ہوتے ہیں) اور دولہا ان چیزوں کو کھاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ مرد کھانے میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن آخر میں اس پلیٹ میں دولہا خود روپے ڈالتا ہے اور ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ بھی روپے ڈالتے ہیں اور جب کوئی دولہا ساس کی پلیٹ میں روپے نہیں ڈالتا تو لوگ اسے برا سمجھتے ہیں، ساس ناراض ہوتی ہے اور لوگ اس پر طعن وتشنیع بھی کرتے ہیں پوچھنا یہ ہے کہ شادی کے موقع پر ان امور کا کیا حکم ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نکاح کی اطلاع واعلان کیلئے فائرنگ کرنا جائز ہے یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دولہا کے گلے میں ہار ڈالنا جائز ہے اس لئے کہ دستار بندی کے موقع پر پھولوں کا ہار ڈالا جاتا ہے جب وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے اس قول کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) دولہا کے گلے میں روپے کا ہار ڈالنا درست نہیں اس لئے ایک تو اس میں تصویریں ہوتی ہیں جو کہ ناجائز ہیں۔ دوسرا اس میں اسراف بھی ہے۔ اگر دولہے کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا جائے تو اس کی گنجائش ہے باقی دستار بندی کے موقع پر جو پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں اس کو حجت بنانا درست نہیں اس لئے کہ دستار بندی کے وقت بھی یہ عمل مناسب نہیں۔

(۲) شادی وغیرہ میں فائرنگ کرنا یہ اسراف اور غیر قانونی حرکت ہے اور دوسرے مفاسد (مثلاً کسی کی موت وغیرہ) بھی اس سے واقع ہوسکتی ہے اس لئے ان وجوہ کی بنیاد پر یہ ناجائز ہے۔ باقی نکاح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نکاح مسجد میں کیا جائے اس سے اعلان وتشہیر کا مقصد بھی پورا ہوجائے گا۔

(۳) دولہا کے ساس کو پیسے دینے والی جو رسم ہے چونکہ دولہا طعن وتشنیع کے ڈر سے اسی طرح ناراضگی کے خوف سے (بغیر ولی رضامندی کے) ساس کو پیسے دیتا ہے اور جبکہ بغیر ولی رضامندی کے کسی کا مال استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس لئے ساس کا دولہے سے اس طرح پیسے لینا درست نہیں ہے۔

لمافی التفسیر المظهری(۸۷/۲): یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأْكُلُوا أَموالَكُمْ بَيْنَكُمْ يعنى لا يأكل أحد منكم مال غيره من المسلمين ومن تبعهم من أهل الذمّة ولا بأس بأكل مال الحربي الغير المعاهد من غير عذر بِالْباطِلِ أى بوجه ممنوع شرعاً۔

وفی الصحیح لمسلم (۲/۲۰۰-۱۹۹): عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة۔

قال النووی فی شرحه: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فی الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء ما كان فی ثوب أو بساط أودرهم أو دينار أو فلس أو اناء أو حائط أو غيرها۔۔۔وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فان كان معلقا على حائط أو ثوبا ملبوسا أو عمامة ونحوذلك مما لايعد ممتهنا فهو حرام۔

وفی مرقاة المفاتيح (۶/۱۳۵): باب الغصب والعارية: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا لايحل مال امرىء الا بطيب نفس منه۔

وفی الدرالمختار (۳/۸): ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فی مسجد۔

وفی الشامية (۱/۶۴۷): قال في البحر وفي الخلاصة وتكره التصاوير على الثوب صلى فيه أو لا انتهى وهذه الكراهة تحريمية وظاهرُ كلام النووي في شرح مسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان وقال وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها اهـ فينبغي أن يكون حراما لا مكروها إن ثبت الإجماع أو قطعية الدليل بتواتره اهـ كلام البحر ملخصا۔

(۴۱۳) شادی کارڈ چھپوانے اور شادی کیلئے ہال بک کرانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جس طرح زمانہ تیزی سے گزر رہا ہے اور نت نئی چیزیں سامنے آرہی ہیں اسی طرح لوگوں کے طریقے بھی بدلتے جارہے ہیں۔ آپ سے اس کی بابت پوچھنا تھا کہ اکثر جگہ اب شادی کی دعوت وغیرہ کیلئے "شادی کارڈ" چل گئے ہیں اس کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟ نیز اسی طرح اب اکثر شادی کی تقریبات "شادی ہال" وغیر میں کی جاتی ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی کی تقریب کو چونکہ گھر میں انجام دینا مشکل ہوتا ہے اس لئے ضرورتاً شادی ہال بک کرائے جاتے ہیں اگر شادی ہال میں پردے کا انتظام ہو نیز گانا بجانا، ویڈیو ریکارڈنگ اور دوسرے منکرات سے اجتناب کیا جائے تو شادی ہال بک کرانا اور ایسی تقریب میں عام آدمی کے شرکت کرنے کی گنجائش ہے۔

شادی کارڈ ہمارے زمانے میں دعوت دینے کا آسان ذریعہ ہیں اور دعوت دینے کا کوئی بھی ذریعہ استعمال کیا جائے اس کی گنجائش ہے البتہ شادی ہال اور شادی کارڈ جیسی چیزوں میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ بے جا اسراف نہ ہو اور نمود و نمائش مقصود نہ ہو۔

لمافی احکام القرآن للجصاص (۳۳/۳): والاسراف هو مجاوزة حد الاستواء فتارة يكون بمجاوزة الحلال الى الحرام وتارة يكون بمجاوزة الحد فى الانفاق۔

(۴۱۴) لڑکے والوں سے ہی پیسے لے کر ان کی دعوت کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی کے بعد رخصتی سے پہلے لڑکی والے اپنے یہاں لڑکے والوں کی دعوت کرتے ہیں لیکن دعوت کا مکمل خرچہ لڑکے والوں سے لیتے ہیں اور لڑکے والے جب تک اس دعوت کا خرچہ نہیں دیتے تب تک رخصتی نہیں کی جاتی، آیا لڑکی والوں کیلئے لڑکے والوں سے اس طرح پیسے لے کر اپنے یہاں دعوت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ رواج کہ شادی کے موقع پر رخصتی سے قبل لڑکے والوں سے رقم لے کر ان کی دعوت کی جاتی ہے یہ رسم قابلِ ترک ہے۔ اس کے مفاسد واضح ہیں۔ اولاتو لڑکے والے یہ رقم بلا رضامندی کے دیں گے اور کسی کی رضامندی کے بغیر اسکا مال کھانا حرام ہے ثانیا یہ کہ کھانا لڑکی والے اپنی صوابدید پر بنائیں گے اور عین ممکن ہے کہ لڑکے والے انتہائی مہنگا کھانا بنوالیں جو ظاہر ہے لڑکے والوں پر ایک دگنا بار ہوگا لہٰذا اس قسم کی قبیح رسومات سے اجتناب کیا جائے۔ اگرچہ لڑکے والے مالدار اور مکمل دلی رضامندی سے تیار ہوں تاکہ اس طرح کی رسومات کو معاشرے میں تقویت نہ ملے اور پھر غریبوں کو اپنی اولاد کی شادی کے وقت مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے البتہ اگر دعوت کرنا ضروری ہی ہو تو لڑکی والے اپنے مال سے دعوت کریں اور دعوت کا خرچہ لڑکے والوں سے وصول نہ کریں۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة:۱۸۸): وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔

وفی التفسير المنير (۱۶۴/۲): والأكل بالباطل يشمل كل ما أخذ بغير وجه الحق۔

وفی الدر المختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔

(۴۱۵) کیا لڑکی پر چچازاد کا حق ہے

سؤال

ہمارے علاقہ میں ایک رواج ہے کہ جب کوئی اپنی بیٹی یا بہن کسی دوسرے کو نکاح میں دیتا ہے تو اس دوران ان کے چچازاد بھائی کہتے ہیں کہ اس لڑکی پر میرا حق زیادہ ہے اور یہ کہ اس لڑکی کا نکاح کسی اور جگہ نہیں ہوگا صرف میرے ساتھ ہوگا۔ تو اس کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے علاقے کا یہ رواج غلط اور شریعت محمدی کے خلاف ہے شریعت کی نظر میں حقدار ہونے کا مدار اس پر نہیں کہ اس کا رشتہ کیا ہے؟ بلکہ شریعت نے کفوء کو مدار اولویت قرار دیا ہے اور کفوء میں بھی خاص طور پر دین داری کو وجہ ترجیح قرار دیا گیا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ "میں لڑکی کا چچازاد ہوں اس پر میرا حق زیادہ ہے" صحیح نہیں۔

باقی لڑکی اگر بالغہ ہے تو وہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خودمختار ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کا نکاح نہیں کرسکتا اور اگر لڑکی نابالغہ ہے تو اسکے نکاح کے معاملات کا ذمہ دار ولی ہے۔ ولی دیکھے گا کہ کون سا لڑکا کفوء کے اعتبار سے لڑکی کا ہمسر ہے جس سے نابالغہ لڑکی کا نکاح کیا جائے۔

لمافی الهداية (۳۱۶/۲): ويجوز نكاح الصغير والصغيرة إذا زوجهما الولي بكرا كانت الصغيرة أو ثيبا ـــ قال فإن زوجهما الأب أو الجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لأنهما كاملا الرأي وافرا الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما كما إذا باشراه برضاهما بعد البلوغ وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء اقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله۔

وفی الدر المختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ۔

وفی الدر المختار (۶۵/۳): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفء إن كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا)۔

(۷۰/۳): وحاصله أنه إذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الأب والجد فلهما الخيار بالبلوغ أو

العلم به فإن اختار الفسخ لا يثبت الفسخ إلا بشرط القضاء۔

(۴۱۶)ون ڈش پر پابندی اور بارہ بجے ہال بند کرانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے حکومت نے ون ڈش پر پابندی لگائی تھی۔کیا شادی میں اس طرح کی پابندی لگانا درست ہے؟ نیز رات بارہ بجے شادی ہال بند کرانے کا حکم کرنا حکومت کی طرف سے کیسا ہے؟ کیا یہ حکم ماننا واجب ہے؟ مفتی صاحب! بہت سے لوگ پولیس والوں کو پیسے وغیرہ دیکر رات بارہ بجے کے بعد بھی تقریب جاری رکھتے ہیں، کیا یہ پیسے دینا رشوت نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر حکومت کسی بھی قسم کی پابندی لگائے (بشرطیکہ وہ شریعت اسلامی کے خلاف نہ ہو) تو حکومت کے قوانین کی پاسداری ہر ایک شہری کے ذمہ واجب ہے، اور اس کا پابندی لگانا درست ہے۔صورت مسئولہ میں حکومت کا ون ڈش پر پابندی لگانا اور بارہ بجے ہال بند کرانا درست ہے۔اس پابندی کو ماننا واجب ہے۔نیز اس قانون کو توڑنے کیلئے پیسے دینا بلا شبہ رشوت کے زمرے میں آئے گا اور بارہ بجے کے بعد ہال کھلا رکھنے کیلئے رشوت لینا اور دینا حرام ہوگا۔

لما فی القرا ن الحکیم (النساء: ۵۹) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ....الآية۔

وفی صحیح البخاری ۔کتاب الا حکام با ب السمع والطا عة(۱۰۵۷/۲):عن ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: السمع والطاعة حق ما لم يؤمر بالمعصية، فإذا أمر بمعصية، فلا سمع ولا طاعة۔

وفی سنن ابی داؤد،کتاب القضاء(۱۴۸/۲):عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي۔

وفی تکملة فتح الملهم کتاب الامارة (۲۲۲/۳) : ومن هنا صرح الفقهاء بان طاعة الامام فيما ليس بمعصية واجبة قال ابن عابد ين فی باب الا ستسقاء من رد المحتار (۲۹۷/۱) اذا أمر الامام بالصيام فی غير الا يام المنهية وجب لما قدمناه فی العيدين من ان طاعة الامام فيما ليس بمعصية واجبة وحكى ابنه العلامة علاؤ الدين عن البيرى ''ان الحاكم لو أ مر أهل بلدة بصيام

أيام بسبب الغلاء أو الوباء وجب امتثال أمره راجع له قرة عيون الاخيار (انتہی) ۔

وفی الهندية، كتاب السير(١٩٢/٢): قال محمد رحمه الله تعالى وإذا أمر الأمير العسكر بشيء كان على العسكر أن يطيعوه في ذلك إلا أن يكون المأمور به معصية بيقين۔

وفی الشامية (٢٦٤/٤): كتاب السير: مطلب في وجوب طاعة الإمام قوله (افترض عليه إجابته) والأصل تعالى { وأولي الأمر منكم } سورة النساء وقال اسمعوا وأطيعوا ولو أمر عليكم عبد حبشي أجدع وروى مجدع وعن ابن عمر أنه عليه الصلاة والسلام قال عليكم بالسمع والطاعة لكل من يؤمر عليكم ما لم يأمركم بمنكر ففي المنكر لا سمع ولا طاعة۔

وفی رد المحتار كتاب ادب القاضی(٣٦٢/٥): وفي الفتح ثم الرشوة أربعة أقسام منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة الثاني ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذلك ولو القضاء بحق لأنه واجب عليه الثالث أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط ۔۔۔ الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب اھ ما في الفتح ملخصا ۔

(۴۱۷) مسجد میں نکاح پڑھوانے کا حکم

سؤال

مسجد کے اندر نکاح پڑھانے کا کیا حکم ہے کیونکہ آجکل نکاح کے وقت بہت سے لوگ دولہا کے ساتھ آتے ہیں۔ چھوہارے کی تقسیم مبارکبادد ینے وغیرہ میں مسجد کے اندر شور بھی ہو جاتا ہے اور مسجد کے آداب کی خلاف ورزی لازم آتی ہے تو کیا ایسی صورت میں مسجد میں نکاح کرنا درست ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مسجد میں نکاح پڑھانا مستحب ہے البتہ مسجد میں ان افعال سے پرہیز کرنا ضروری ہے جن سے مسجد کے آداب کی خلاف ورزی ہو اگر مسجد کی حرمت پامال ہو اور مسجد میں شور شرابہ ہو تو ایسا کرنے والے لوگ گنہگار ہوں گے اور مسجد میں چھوہارے تقسیم کرنا جائز ہے البتہ مسجد کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

لمافی مشكوة المصابيح(٢٧٢/٢): وعن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أعلنوا

هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف"۔

وفی مرقاة المفاتيح (۲۸۵/۶):(قوله:واجعلوه في المساجد)وهو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان وينبغي أن يراعى فيه أيضا فضيلة الزمان ليكون نورا على نور وسرورا على سرور قال ابن الهمام ويستحب مباشرة عقدالنكاح في المسجد لكونه عبادة وكونه في يوم الجمعة اھ۔

وفی الهندية (۳۲۱/۵):حرمة المسجد خمسة عشر ۔۔۔ والسابع أن لا يتكلم فيه من أحاديث الدنيا ۔۔۔ الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا وفي خزانة الفقه ما يدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا في المسجد حرام قال ولا يتكلم بكلام الدنيا وفي صلاة الجلابي الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالى كذا في التمرتاشي۔

وفی الشامية (۸/۳):قوله (ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد۔

(۴۱۸)شادی میں کن چیزوں کیلئے قرض لیاجاسکتا ہے

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس شادی کیلئے رقم نہ ہوتواسے قرض لینے کا حکم دیاجاتا ہے۔شادی میں مہر،نفقہ،ولیمہ،شادی ہال اورشادی کے کپڑے آجکل ان کے بغیرشادی کرنا ناممکن ہے اب ان سب چیزوں میں سے کس کس کے لئے قرضہ لےگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت نے تمام خوشیوں کومنانے کی اجازت دی ہے چاہے وہ کسی بھی قسم کی خوشی ہولیکن ہرمعاملے کوشریعت اپنی حدود میں رکھنے کی تلقین کرتی ہے حدوداللہ سے تجاوزایک مسنون عمل کوبھی بے برکت اورتباہی کا سبب بنادیتا ہے۔

جہاں تک شادی کاتعلق ہے تویہ ایک ایسانازک اوراہم معاملہ ہے جوہرشخص سے متعلق ہے ہرانسان کافطری تقاضہ،سرورِدو جہاں آقانامدارمحمدصلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہےاس میں حدود سےتجاوزاورخطرناک ہے۔شادی جتنی سادگی سےہواتنی بابرکت ہے ایک حدیث صحیح میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے خودارشادفرمایاکہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہےجس میں خرچہ کم ہو،لیکن آج کل رسم ورواج

کے پیچھے چلتے ہوئے ہم نے شادی کے اتنے خرچے بنا دیئے ہیں کہ متوسط آمدنی والا انسان بھی اس معاملے کو انجام دینے سے گھبراتا ہے۔ شادی کے معاملے میں بالخصوص غیر شرعی رسوم مایوں، مہندی، فنکشنز وغیرہ منعقد کرنے سے تو بالکلیہ اجتناب ضروری ہے ان کا تو شرعاً انجام دینا ہی گناہ ہے البتہ جو اخراجات شرعاً گنجائش رکھتے ہیں ان میں بھی اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو ملحوظ رکھا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ ولیمہ حضرت زینب سے ہوا جس میں ایک بکری ذبح کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کرنا دور نبوی میں کتنا آسان تھا۔

الغرض امیر ہو یا غریب اعتدال کی راہ سے تجاوز نہ کرے شرعاً نکاح میں لڑکے پر صرف دو چیزیں واجب ہیں۔

۱۔ مہر۔

۲۔ نفقہ (کھانا، پینا، رہائش اور کپڑے)۔

اس کے علاوہ دعوتِ ولیمہ مسنون ہے اگر بوجہ عذر ولیمہ نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں باقی مہر کیلئے قرضہ لینے کی گنجائش ہے اور ولیمہ کیلئے بھی اگر سادگی سے انجام دینے کی نیت سے قرضہ لے لے (بشرطیکہ ادائیگی کا ظن غالب ہو) تو لے سکتا ہے نفقہ کیلئے قرضہ لینے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ نفقہ تو ہر مہینے کی ضرورت ہے اس کے لئے ملازمت یا کاروبار کا ہونا ضروری ہے البتہ اگر ملازمت کے باوجود بھی نفقے میں کچھ تنگی رہ جاتی ہو تو اس کے لئے قرضہ لیا جا سکتا ہے۔ الغرض بے روزگار شخص کیلئے قرضوں پر شادی کرنے کی گنجائش شرعاً نہیں۔ برسرروزگار شخص مہر، نفقہ وغیرہ کیلئے حسب ضرورت قرضہ لے سکتا ہے بشرطیکہ واپسی کا ظن غالب ہو اس کے علاوہ رسومات اور فضول خرچیاں باوجود وسعت کے قابلِ ترک ہیں تو ایسا شخص جو ان کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے ان اشیاء کی مد میں قرضہ لینے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ بہر حال شادی کے معاملے کو سادہ بنانا ہم سب کی ذمہ داری ہے بالخصوص صاحبِ وسعت حضرات کو چاہیئے کہ ان فضول خرچیوں کا بائیکاٹ کریں تا کہ معاشرے میں جڑ پکڑے ہوئے یہ ناسور ختم ہوں اور غریب لوگوں کیلئے بھی شادی کرنا آسان ہو امید ہے اس پر اللہ تعالیٰ انہیں بے انتہا ثواب دے گا اور معاشرے میں سے بے راہ روی اور فحاشی کا خاتمہ ہو گا۔

لمافي الشامية (٨/٣) قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلك على الله تعالى فقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه ثلاث حق على الله تعالى عونهم المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل لله تعالى ذكره بعض المحشين۔

وفيه أيضاً(٦/٣): قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له ––– إلا أن يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة أو يقال هذا في العاجز عن الكسب ومن ليس له جهة وفاء۔

وفي الموسوعة الفقهية (١١٣/٣٣): أما في حق المقترض ، فالأصل فيه الإباحة ، وذلك لمن علم من نفسه الوفاء، بأن كان له مال مرتجى، وعزم على الوفاء منه ، وإلا لم يجز ، ما لم يكن مضطرا۔

(۴۱۹) کیا خوشی کے وقت ہر رسم جائز ہوتی ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل شادی کے موقع پر فائرنگ کرتے ہیں اور پٹاخے پھاڑتے ہیں اور کہتے ہیں شادی خوشی کا موقع ہے اس میں خوشی کا اظہار ہونا چاہیئے تاکہ لوگ خوشی اور غمی کے درمیان فرق کرسکیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے کسی کو خوشی کے موقع پر خوش ہونے سے نہیں روکا لیکن خوشی ہو یا غم دونوں کو شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے کیا جائے، شادی کے موقع پر فائرنگ کرنا یا پٹاخے پھاڑنا یہ تبذیر یعنی مال کا ضیاع ہے جو کہ نص قرآنی سے ناجائز ہے اسی طرح اس میں اور کئی مفاسد ہیں مثلاً بسا اوقات اس سے کسی کی موت واقع ہوجاتی ہے نیز لوگوں کا سکون خراب ہوجاتا ہے۔ عبادت کرنے والوں کی عبادت میں خلل واقع ہوجانا اور یہ تمام چیزیں ایذاء مسلم ہیں اور ایذائے مسلم حرام ہے اس لئے اس فعل سے اجتناب کرنا چاہیئے، باقی خوشی اور غمی میں فرق اور بہت ساری جائز چیزوں سے ہوسکتا ہے۔

لمافی القرآن المجيد (الاسراء:۲۶): وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۲۶) إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۲۷)

وفی تفسير القرطبی (۵/۲۴۷، جز۱۰): الثانية قوله تعالى: (وَلا تُبَذِّرْ) أي لا تسرف في الإنفاق في غير حق. قال الشافعي رضى الله عنه: والتبذير إنفاق المال في غير حقه، ولا تبذير في عمل الخير. وهذا قول الجمهور. وقال أشهب عن مالك: التبذير هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه، وهو الإسراف، وهو حرام لقوله تعالى: " إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ "۔

وفی البخاری (۱/۶): عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: قالوا يا رسول الله، أي الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه، ويده۔

وفی فتح الملهم (۱/۶۲۸): قوله ''قال: من سلم المسلمون من لسانه'' الخ ای بالشتم واللعن والغيبة والبهتان والنميمة والسعی الی السلطان وغير ذلك حتى قيل اول بدعة ظهرت قول الناس الطريق الطريق۔ قوله: ويده الخ بالضرب، والقتل، والهدم، والدفع، والكتابة بالباطل ونحوها وخصا لان اكثر الاذى بهما او اريد بهما التمثيل وقدم اللسان لان الايذاء به اكثر واسهل ولانه اشد نكاية۔

(۴۲۰) شادی کے موقع کی مختلف رسوم اور امور سے متعلق چند سوالات

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل شادی بیاہ کے سلسلے میں عموماً جو امور ہمارے ہاں رائج ہو گئے ہیں ان میں سے کچھ کا خلافِ شرع ہونا تو علم میں ہے جیسے مایوں اور مہندی کی رسومات جن میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے اور خواتین وحضرات کا بے حجابانہ اختلاط شامل ہے علاوہ ازیں ان مواقع پر مووی بنانا یا دیگر طریقوں سے تصویر کشی کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں کہ جن کے بارے میں واضح علم نہ ہونے کے سبب ملوث ہونا پڑتا ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے براہ کرم ان معاملات میں راہنمائی فرمائیں۔

(۱)......شادی/ نکاح سے قبل لڑکے والوں کی طرف سے "بری" کے نام سے دلہن کیلئے زیور، شادی کا جوڑا، ولیمہ کا جوڑا اور دیگر زنانہ کپڑے اور میوہ جات لڑکی کے گھر پہنچائے جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟

(۲)......اسی طرح لڑکی والے دلہا کیلئے شادی اور ولیمہ کے موقع پر استعمال کرنے کیلئے جوڑے بھیجتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

(۳)......علاوہ ازیں "جہیز" کے نام پر لڑکی کو زیور اور گھر میں استعمال کا مختلف سامان دیا جاتا ہے جس میں بیڈ روم سیٹ، الماری، سنگھار میز وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں نیز دولہا کے والدین اور بہن بھائیوں کیلئے پہنائی کے نام پر جوڑے دیئے جاتے ہیں۔ یہ امور کہاں تک جائز ہیں اور ان اشیاء کے آجانے پر لڑکے والے قبول کریں یا انکار کر دیں؟

(۴)......اگر لڑکی کے والدین خوشحال ہیں اور بغیر کسی مطالبہ/ بوجھ/ قرضہ کے اپنی خوشی سے یہ سب کریں (نمبر ۲ اور ۳) تو کہاں تک صحیح ہے یا صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟

(۵)......اگر مکان میں گنجائش نہ ہو تو شادی/ ولیمہ کے انتظام کیلئے شادی ہال میں (خواتین وحضرات کیلئے پردے کے انتظام کے ساتھ) دعوت کا اہتمام کرنا غلط تو نہیں ہوگا؟ درخواست ہے کہ مندرجہ بالا امور میں راہنمائی فرمائی جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی ہمارے لئے بہترین نمونہ اور قابل اتباع ہے، اس لئے ہمیں ہر قدم اور ہر موڑ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شادی، ولیمہ اور اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں کتنی سادگی سے کیں، اور ہمیں غیر کے طریقوں، نمائش ونمود اور بے جا اسراف سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لہٰذا (۱، ۲)......میں زیورات، شادی وغیرہ کا جوڑا اور دیگر تحائف وغیرہ اگر نمود ونمائش اور بے جا اسراف کے طور پر نہ دیئے

گئے ہوں، بلکہ سادگی کے ساتھ بطیب خاطر دیئے گئے ہوں تو اس کی گنجائش ہے البتہ مذکورہ اشیاء بطور نمود ونمائش اور بے جا اسراف سے دی جائیں تو پھر جائز نہیں۔

(۳،۴)......جہیز حسب استطاعت بخوشی جتنا اور جو بھی ہو جائز ہے بشرطیکہ یہ جہیز فرمائشی اور نمود ونمائش کیلئے اور بے جا اسراف نہ ہو اور قرضہ نہ اٹھانا پڑے۔ جہاں پر پہنائی کے نام پر دولہا کے والدین اور بہن بھائیوں کو جوڑے دیئے جاتے ہیں، اگر بطور تحفہ ہوں جائز ہیں اور اگر رسم کی بنیاد پر اور برادری سے مجبور ہو کر دیئے جائیں تو جائز نہیں۔

(۵)......اس صورت میں اگر خواتین کیلئے مکمل پردے کا انتظام ہو، اور عورتوں اور مردوں کا باہم اختلاط نہ ہو، تو ولیمہ اور دیگر دعوتوں کا اہتمام شادی ہال میں درست ہے۔

لمافی القرآن المجید (الاسراء:٢٦): وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (٢٦) إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ (٢٧)

وفی المشكوة (ص٣٧٥): وعن ابن عمر رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من لبس ثوب شهرة من الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيامة " . رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه۔

وفيه أيضاً (ص٣٧٥): وعنه رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من تشبه بقوم فهو منهم " . رواه أحمد وأبو داود۔

وفيه أيضاً(ص٢٧٨): وعنه رضي الله عنه قال : أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين خيبر والمدينة ثلاث ليال يبنى عليه بصفية فدعوت المسلمين إلى وليمته وما كان فيها من خبز ولا لحم وما كان فيها إلا أن أمر بالأنطاع فبسطت فألقي عليها التمر والأقط والسمن. رواه البخاري

(۴۲۱) رسم ورواج دنیا وآخرت کے نقصان کا باعث ہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شادی یا نکاح کے دوران لڑکی کے گھر میں جو کھانا پکایا جاتا ہے وہ لڑکے یعنی شوہر کے گھر والوں سے عموماً لیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ نیز اس کا کھانا کیسا ہے؟ اس طرح بہت سے فضول خرچیوں میں پیسے ضائع کئے جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ تفصیلاً تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

شادی کے موقع پر صرف اور صرف ولیمہ کا کھانا سنت ہے اور ولیمہ کا مستحب وقت شبِ زفاف کے بعد ہے لیکن اگر کوئی پہلے

دن کرلے تو بھی جائز ہے۔ ولیمہ کے لئے ضروری نہیں کہ قورمہ، بریانی اور دیگر طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام کیا جائے، بلکہ حسب استطاعت جتنا ہوسکے وہ رکھنا چاہیئے، جیسا کہ جناب نبی کریم ﷺ نے عمل کر کے دکھایا کہ جب آپ ﷺ کے پاس بکری سے ولیمہ کرنے کی استطاعت تھی تو آپ ﷺ نے بکری کے کھانے سے ولیمہ فرمایا، لیکن جب آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس بکری کے کھانے سے ولیمہ کرنے کی گنجائش نہ تھی تو اس وقت موجود اشیاء کھجور، گھی اور پنیر سے آپ ﷺ نے ولیمہ فرمایا۔

اس کے علاوہ جتنے کھانے شادی کے موقع پر بنائے اور جس طرح فضول خرچی اور بے تحاشہ اخراجات کئے جاتے ہیں ان سب میں ضیاعِ وقت، فضول خرچی، دکھاوا اور ریاکاری جیسے بڑے بڑے گناہوں میں ابتلاء ہوتا ہے، ان کے علاوہ بھی ان رسومات میں بہت سے مفاسد ہیں۔ ان غیر شرعی رسومات جن میں صورت مسئولہ میں (مذکورہ صورت بھی شامل ہے) سے بچنا بہر حال لازمی اور دینی تقاضا ہے۔

انہی رسومات کا نتیجہ ہے کہ آج کے دور میں شادی کرنا ایک انتہائی مشکل کام بن گیا ہے جسے شریعت نے بہت ہی آسان بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج گھر گھر میں لڑکیاں شادی کی عمر کو پہنچنے کے باوجود کنواری ہیں، والدین ان کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ رسومات کو ادا کرنے کے لئے خرچہ کہاں سے لائیں گے اور اگر رسومات کو ادا نہیں کیا تو برادری والے برا بھلا کہیں گے، گھر باتیں ہوں گی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی یا تو گناہ کی مرتکب ہوتی ہے یا پھر کسی کے ساتھ بھاگ کر "کورٹ میرج" کر لیتی ہے اور یوں گھر والوں کو برادری میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

ہاں! اگر ہم جناب نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہوں، علماء کرام کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں اور رسومات کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی خوشنودی اور رضا کی خاطر چھوڑ دیں تو انشاء اللہ ہمیں دنیاوی زندگی میں راحت وسکون اور عزت حاصل ہوگی اور آخرت کی زندگی (جو کہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے) میں سرخرو ہوں گے۔ نیز ہمیں آپس کے ماحول میں ان قبیح رسومات کے خلاف ذہن بنانا چاہیئے تاکہ ناواقفی کی وجہ سے طعن وتشنیع کرنے والے مسلمان گناہ کے وبال سے بچ سکیں۔

لما فی القرآن الکریم (سورۃ البقرۃ:۱۸۸): وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔

وفی صحیح للبخاری (۲/۷۷۷): عن أنس رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أعتق صفية وتزوجها، وجعل عتقها صداقها، وأولم عليها بحيس۔

وفی اعلاء السنن (۱۹/۱۱): قال: ولاخلاف بين أهل العلم فى أن الوليمة سنة فى العرس مشروعة لما روى أن النبى ﷺ أمر بها وفعلها ۔۔۔ وقال ابن عبدالبر: لاخلاف فى وجوب الاجابة الى الوليمة لمن دعى اليها اذا لم يكن فيها لهو، وبه يقول الشافعى وابو حنيفة واصحابنا والعنبرى۔

وفی الشامیة (۳/۱۵۶): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔

وفی الردمحتہ: قوله (عند التسليم) أي بأن أبي أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لو أبي أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا لأنه رشوة بزازية -

نجم الفتاوی جلد رابع میں موجود مدلل ومفصل فتاوی کے نام

نجم الفتاوی کی یہ طبع جدید جہاں اور خصوصیات کی حامل ہے وہاں اس کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی ان تحقیقات کو [جو کہ فتاوی کا حسن ہوتی ہیں] متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم، صاحب نظر، فقہ وتفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناوروں کیلئے ان فتاوی میں انتہائی قابلِ قدر مواد موجود ہے۔

ہر جلد کی تفصیلی فہرست میں ان فتاوی کو نمایاں کر دیا گیا ہے نیز ''نجم الفتاوی جلد اول'' کے آخر میں مکمل چھ جلدوں میں موجود ان تمام محقق فتاوی کی فہرست مع مختصر تعارف کے موجود ہے۔ ہر جلد کے آخر میں صرف اس جلد میں موجود فتاوی کے نام مع صفحات نمبر درج کئے جا رہے ہیں۔ درج ذیل نام اس چوتھی جلد میں موجود تفصیلی فتاوی کے ہیں۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

دار الإفتاء دار العلوم ياسين القرآن